اثمار الهداية

علی الهدایۃ

ھدایہ رابع

۵۱۱ھ - ۵۹۳ھ

پندرہویں جلد

اس شرح میں ہر ہر مسئلے کے لئے تین تین حدیثیں ہیں

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

ناشر

مکتبہ ثمیر، مانچیسٹر، انگلینڈ

mobile (0044)7459131157

نام کتاب........................اثمار الھدایہ جلد۱۵

نام شارح....................مولانا ثمیر الدین قاسمی

ناشر.........................مکتبہ ثمیر، مانچسٹر، انگلینڈ

طباعت بار اول..................دسمبر ۲۰۲۳ء

قیمت............................دو جلدیں 15 پونڈ

شارح کا پتہ

Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL

E samiruddinqasmi@gmail.com

mobile (0044)7459131157



ملنے کے پتے

ثاقب بک ڈپو

مقام، پوسٹ دیوبند ضلع سہارنپور

یوپی۔انڈیا

پین کوڈ 247554

tel 0091 9412 496688

زمزم پبلیشر

نزد مقدس مسجد، کراچی، پاکستان

Mobile (0092) 3351111326

ہم اثمار الھدایہ ھی کو کیوں پڑھیں ؟

(۱)	اس شرح میں ہر جگہ اصول لکھے گئے ہیں جن سے مسئلہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور اصول بھی یاد ہو جاتے ہیں
(۲)	اس شرح میں ہر مسئلے کے تحت تین حدیثیں، تین حوالے ہیں جس سے دل کو سکون ہو جاتا ہے کہ کس مسئلے کے لئے کون سی حدیث ہے۔
(۳)	کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحاح ستہ ہی سے لائی جائے، تا کہ حدیث مضبوط ہوں۔
(۴)	صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں اس کی مکمل دو تخریج پیش کی گئی ہے۔
(۵)	ایک ایک مسئلے کو چار چار بار مختلف انداز سے سمجھایا ہے، جس سے مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔
(۶)	بلا وجہ اعتراض و جوابات نہیں لکھا گیا ہے۔
(۷)	سمجھانے کا انداز بہت آسان ہے۔
(۸)	پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان مثلا گرام وغیرہ کو لکھ دیا گیا ہے، جس سے پرانا اور نیا دونوں وزنوں سے واقفیت ہوتی ہے۔
(۹)	امام شافعیؒ کا مسلک انکی کتاب الام سے نقل کیا گیا ہے، اور انکی دلیل بھی صحاح ستہ سے دی گئی ہے۔

فہرست مضامین اثمار الہدایہ جلد ۱۵

بَابُ الْقَسَامَةِ

﴿ باب القسامة ﴾

ضروری نوٹ: قسامہ کا ترجمہ ہے قسم لینا، چونکہ اس میں پچاس آدمیوں سے قسم لی جاتی ہے اس لئے اس کو قسامہ کہتے ہیں۔

اس باب میں ۔۴ چار صورتیں ہوں گی ۔

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ پورے محلے والوں پر دعوی ہو کہ ان میں سے کسی ایک نے قتل کیا ہے، تب بھی پورے محلے والوں پر قسم ہے، اس کی دو وجہ ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ ہر ایک پر قتل کا شبہ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے قتل کرنے سے روکا نہیں ۔۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ولی کا دعوی محلے کے ایک آدمی پر ہو، لیکن گواہ کے ذریعہ اس ایک آدمی پر قتل ثابت نہ کر سکے، اس صورت میں بھی پورے محلے والوں پر قسم ہے، اس کی بھی دو وجہ ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ اس نے قاتل کو قتل سے روکا نہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ محلے والے قاتل کے عاقلہ بن گئے ۔۳۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ ایک آدمی پر قتل کا دعوی ہو اور گواہ کے ذریعہ اس کو ثابت بھی کر دے، اس صورت میں پورے محلے والوں پر قسامت نہیں ہے، صرف قاتل کے عاقلہ پر دیت ہوگی، یہاں اس صورت کا ذکر نہیں ہے ۔۴۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ ولی نے محلے کے علاوہ پر قتل کا دعوی کیا ہو، اس صورت میں محلے والوں پر نہ قسامت ہے، اور نہ دیت ہے، کیونکہ محلے والوں پر قتل کا شبہ بھی باقی نہیں رہا۔

پورے باب میں انہیں صورتوں پر بحث ہوگی

نوٹ: کسی محلے میں کوئی قتل ہو جائے اور قاتل کا پتا نہ چلے اور نہ پتا چلنے کی کوئی علامت ہو تو آخری شکل یہ ہے کہ اس محلے کے چیدہ چیدہ پچاس آدمیوں سے قسم لے کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہمیں قاتل کا پتا ہے۔ جب یہ قسم کھالیں تو محلے والوں پر قتل خطاء کی دیت لازم کر دی جائے گی۔ جس کو ان سے تین سال میں وصول کریں گے۔ لیکن اگر شارع عام پر یا شہر کے درمیان مقتول ہوا ہو جس سے یہ اندازہ نہ ہوتا ہو کہ محلے والوں نے قتل کیا ہے یا باہر سے کوئی آدمی یہاں لا کر لاش ڈال دی ہے تو اس صورت میں محلے والوں سے قسم نہیں لی جائے گی کیونکہ ان کو کیا معلوم کہ یہ سب کس نے کیا ہے۔

وجہ: عبداللہ بن سہل بن زید اور محیصہ بن مسعود بن زیدؓ خیبر تشریف لے گئے تو عبداللہ بن سہل بن مسعود کو یہودیوں نے قتل کر دیا۔ جس کی وجہ سے حضرت محیصہ بن مسعود بن زید اور حضرت حویصہ بن مسعود بن زید اور حضرت عبدالرحمٰن بن سہل بن زید حضورؐ کے پاس گئے تو آپؐ نے فرمایا کیا کسی کے قتل کرنے پر گواہ ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں! تو آپؐ نے فرمایا اس صورت میں پچاس یہودیوں سے قسم لے سکتے ہو۔ انہوں نے فرمایا یہ لوگ کفار ہیں یہ جھوٹی قسمیں کھالیں گے اس لئے ان سے قسم لیکر کیا کریں گے؟ بعد میں حضورؐ نے اپنی جانب سے ایک سو اونٹ دیت حضرت عبدالرحمٰن کو عطا فرمایا۔ اس حدیث سے قسامہ ثابت ہوتا ہے۔

حدیث یہ ہے۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ يَحْيَى وَهُوَ ابْنُ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ سَهْلِ

(۸۷۹) قَالَ وَإِذَا وُجِدَ الْقَتِيْلُ فِيْ مَحَلَّةٍ وَلَا يُعْلَمُ مَنْ قَتَلَهُ اُسْتُحْلِفَ خَمْسُوْنَ رَجُلًا مِنْهُمْ يَتَخَيَّرُهُمُ

بْنِ أَبِى حَثْمَةَ، – قَالَ يَحْيَى وَحَسِبْتُ قَالَ – وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، أَنَّهُمَا قَالَا: خَرَجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَهْلِ بْنِ زَيْدٍ، وَمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودِ بْنِ زَيْدٍ، حَتَّى إِذَا كَانَا بِخَيْبَرَ تَفَرَّقَا فِى بَعْضِ مَا هُنَالِكَ، ثُمَّ إِذَا مُحَيِّصَةُ يَجِدُ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَهْلٍ قَتِيلًا فَدَفَنَهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ وَحُوَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ، وَكَانَ أَصْغَرَ الْقَوْمِ، فَذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ لِيَتَكَلَّمَ قَبْلَ صَاحِبَيْهِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »كَبِّرِ الْكُبْرَ فِى السِّنِّ«، فَصَمَتَ، فَتَكَلَّمَ صَاحِبَاهُ، وَتَكَلَّمَ مَعَهُمَا، فَذَكَرُوا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْتَلَ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَهْلٍ، فَقَالَ لَهُمْ: أَتَحْلِفُونَ خَمْسِينَ يَمِينًا فَتَسْتَحِقُّونَ صَاحِبَكُمْ أَوْ قَاتِلَكُمْ«، قَالُوا: وَكَيْفَ نَحْلِفُ، وَلَمْ نَشْهَدْ؟ قَالَ: »فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ يَمِينًا«، قَالُوا: وَكَيْفَ نَقْبَلُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ؟ فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى عَقْلَهُ. (مسلم شریف، کتاب القسامة والمحاربین والقصاص والدیات ص ۵۵ نمبر ۱۶۶۹)(۲)۔سَهْلُ بْنُ أَبِى حَثْمَةَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ نَفَرًا مِنْ قَوْمِهِ انْطَلَقُوا إِلَى خَيْبَرَ، فَتَفَرَّقُوا فِيهَا، وَوَجَدُوا أَحَدَهُمْ قَتِيلًا، وَقَالُوا لِلَّذِى وُجِدَ فِيهِمْ: قَدْ قَتَلْتُمْ صَاحِبَنَا، قَالُوا: مَا قَتَلْنَا وَلاَ عَلِمْنَا قَاتِلًا، فَانْطَلَقُوا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، انْطَلَقْنَا إِلَى خَيْبَرَ، فَوَجَدْنَا أَحَدَنَا قَتِيلًا، فَقَالَ: »الْكُبْرَ الْكُبْرَ« فَقَالَ لَهُمْ: »تَأْتُونَ بِالْبَيِّنَةِ عَلَى مَنْ قَتَلَهُ« قَالُوا: مَا لَنَا بَيِّنَةٌ، قَالَ: »فَيَحْلِفُونَ« قَالُوا: لاَ نَرْضَى بِأَيْمَانِ الْيَهُودِ، فَكَرِهَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبْطِلَ دَمَهُ، فَوَدَاهُ مِائَةً مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ. (بخاری شریف، باب القسامة ص ۱۰۱۸ نمبر ۶۸۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس محلے میں قتل ہوا ہو ان کے پچاس آدمیوں سے قسم لے۔اس قسم لینے کو قسامہ کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۸۷۹) اگر مقتول کسی محلّہ میں پایا جائے اور اس کے قاتل کا پتا نہ ہو تو ان میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے جن کو مقتول کا ولی منتخب کرے۔اس طرح کہ خدا کی قسم نہ میں نے قتل کیا ہے اور نہ میں قاتل کو جانتا ہوں

تشریح: اس متن میں تین باتیں بیان کی گئیں ہیں۔ا۔پہلی بات یہ ہے کہ محلے میں کوئی مقتول پایا گیا ہو اور قاتل کا پتا نہ ہو تو محلے والوں میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی۔۲۔دوسری بات یہ ہے کہ مقتول کا جو ولی ہے وہ انتخاب کرے گا کہ محلّہ میں سے کون کون آدمی قسم کھائیں گے، محلے میں سے جو چاہے قسم کھالے ایسا نہیں ہوگا۔۳۔تیسری بات یہ ہے کہ قسم کھاتے وقت دو باتیں ذکر کریں گے پہلی یہ ہے کہ میں نے قتل نہیں کیا ہے، اور دوسری یہ ہے کہ ہم یہ بھی نہیں جانتے ہیں کہ کس نے قتل کیا ہے۔اس عبارت میں یہ تین باتیں ہیں

وجہ: (۱) اہل محلّہ میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں گے، اس کی دلیل میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ،

الْوَلِيُّ، بِاللّٰهِ مَا قَتَلْنَاهُ وَمَا عَلِمْنَا لَهُ قَاتِلًا، ۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِذَا كَانَ هُنَاكَ لَوْثٌ اُسْتُحْلِفَ الْأَوْلِيَاءُ خَمْسِيْنَ يَمِيْنًا وَيُقْضٰى لَهُمْ بِالدِّيَةِ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ عَمَدًا كَانَتِ الدَّعْوٰى أَوْ

أَنَّهُمَا قَالَا: خَرَجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَهْلِ بْنِ زَيْدٍ، وَمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودِ بْنِ زَيْدٍ،.... قَالَ: »فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ يَمِينًا«، قَالُوا: وَكَيْفَ نَقْبَلُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ؟ (مسلم شریف، کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات ص۵۵ نمبر ۱۶۶۹)(۲)۔سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ أَخْبَرَهُ:... قَالَ: »فَيَحْلِفُونَ« قَالُوا: لَا نَرْضَى بِأَيْمَانِ الْيَهُودِ، .(بخاری شریف، باب القسامۃ ص۱۰۱۸ نمبر ۶۸۹۸) ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ اہل محلّہ قسم کھائیں گے

وجہ: یوں قسم کھائیں کہ خدا کی قسم نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے جسمیں ہے کہ خدا کی قسم ہم نے قتل بھی نہیں کیا ہے، اور ہم قاتل کو جانتے بھی نہیں ہیں۔عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ بُجَيْدٍ، قَالَ: إِنَّ سَهْلًا وَاللَّهِ أَوْهَمَ الْحَدِيثَ، إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَتَبَ إِلَى يَهُودَ »أَنَّهُ قَدْ وُجِدَ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ قَتِيلٌ فَدُوهُ«، فَكَتَبُوا يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ خَمْسِينَ يَمِينًا مَا قَتَلْنَاهُ وَلَا عَلِمْنَا قَاتِلًا، قَالَ: »فَوَدَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهِ بِمِائَةِ نَاقَةٍ. (ابوداؤد شریف، باب فی ترک القود بالقسامۃ ص۲۷۴ نمبر ۴۵۲۵)

اور مقتول کا ولی قسم کھانے والے کا انتخاب کرے گا اس کی دلیل یہ ہے کہ قسم لینا ولی کا حق ہے اس لئے ولی ہی کو انتخاب کرنے کا حق ہوگا

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر کسی کے قتل کرنے پر کوئی علامت ہو تو مقتول کے ولی ہی پچاس مرتبہ قسم کھائیں گے، پھر اس مقتول کے ولی کے لئے مدعی علیہ (محلے والوں) پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا، دعوی چاہے قتل عمد کا ہو، چاہے قتل خطاء کا ہو

اصول: امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ مقتول کے ولی سے بھی قسم لی جائے گی

اصول: امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ مقتول کے ولی سے قسم نہیں لی جائے گی

اصول: امام ابوحنیفہؒ کا یہ بھی اصول ہے کہ محلے والوں سے پچاس قسم بھی لی جائے گی، اور ان کے انکار کے باوجود ان پر مقتول کی دیت واجب ہوگی، انہیں دونوں اصولوں پر مسائل متفرع ہیں

تشریح: مقتول کے قتل ہونے میں کوئی علامت ہو کہ اہل محلّہ میں سے کسی خاص آدمی نے اس کو قتل کیا ہے تو امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ اہل محلّہ نہیں بلکہ خود مقتول کے ولی پچاس مرتبہ، یا مقتول کے پچاس ولی قسم کھائیں گے، اور اس قسم کھانے پر محلّہ والوں پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا، اور ہمارا مسلک یہ ہے کہ قتل کی علامت کے باوجود اہل محلّہ سے ہی قسمیں لی جائیں گی قسامت کے بارے میں امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان تین باتوں میں فرق ہے۔ا۔ایک تو یہ کہ اگر کوئی علامت ہو کہ فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو پھر محلّہ والے قسم نہیں کھائیں گے، بلکہ مقتول کے وارث پچاس مرتبہ قسم کھائیں گے، اور اس قسم

خَطَأً، ۲ وَقَالَ مَالِكٌ يُقْضَى بِالْقَوَدِ إِذَا كَانَتِ الدَّعْوٰى فِي الْقَتْلِ الْعَمَدِ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ.

کھانے سے محلے والوں پر دیت واجب کر دی جائے گی ، اس میں یہ دعوی کیا ہو کہ جان کر قتل کیا تب بھی دیت ہی لازم کی جائے گی ، اور قتل خطا کا دعوی ہو تب بھی دیت ہی کا فیصلہ کیا جائے گا ، قتل عمد مان کر قصاص کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا ۔ اس کے بر خلاف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقتول کے ولی سے قسم نہیں لی جائے گی ، بلکہ شروع سے محلے والوں سے ہی قسم لی جائے گی ، چاہے قتل کی علامت ہو ۔ ۲ ۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر قسم کھانے کے لئے محلے والوں کے آدمی پچاس پورے نہیں ہوئے ، مثلا تیس ہی ہوئے تو باقی بیس مرتبہ ولی سے قسم لیکر پچاس کی تعداد پوری کی جائے گی ۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ بیس عدد کے لئے محلے والوں ہی سے دوبارہ قسم لی جائے گی ، مقتول کے وارث سے نہیں ۔ ۳ ۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ محلے والے قسم کھالیں کہ ہم نے قتل نہیں کیا ہے تب بھی ان پر دیت لازم کی جائے گی ، یعنی پچاس قسم بھی اور دیت بھی ، کیونکہ خون کا معاملہ ہے یہ بیکار نہیں جانی چاہئے ۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک محلے والے پچاس قسم کھالیں تو اب ان پر دیت لازم نہیں ہوگی ، صرف قسم کھانا کافی ہوگا ۔ قسامہ میں یہ تین فرق ہیں

وجه: امام شافعیؒ کی دلیل یہ دو حدیثیں ہیں ۔ (۱) عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ ، ۔ ... ، فَقَالَ لَهُمْ : أَتَحْلِفُونَ خَمْسِينَ يَمِينًا فَتَسْتَحِقُّونَ صَاحِبَكُمْ أَوْ قَاتِلَكُمْ . (مسلم شریف ، کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات ص ۵۵ نمبر ۱۶۶۹) اس حدیث میں ہے اتحلفون خمسین یمینا ، کیا تم پچاس مرتبہ قسم کھاؤ گے اور قاتل سے دیت کے حقدار بنو گے ، جس سے معلوم ہوا کہ خود مقتول کے ورثہ پچاس قسم کھالیں اور محلّہ والوں پر دیت لازم کردیں ۔ (۲) عَنِ الزُّهْرِيِّ ، قَالَ : أَوْطَأَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سَعْدِ بْنِ لَيْثٍ رَجُلًا مِنْ جُهَيْنَةَ فَرَسًا ، فَقَطَعَ إِصْبَعًا مِنْ أَصَابِعِ رِجْلِهِ ، فَنَزَى حَتَّى مَاتَ ، فَقَالَ عُمَرُ لِلْجُهَيْنِيِّينَ : »أَتَحْلِفُ مِنْكُمْ خَمْسُونَ لَهُوَ أَصَابَهُ ، وَلَمَاتَ مِنْهَا ؟« فَأَبَوْا أَنْ يَحْلِفُوا ، فَاسْتَحْلَفَ مِنَ الْآخَرِينَ خَمْسِينَ فَأَبَوْا أَنْ يَحْلِفُوا ، فَجَعَلَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ نِصْفَ الدِّيَةِ ، (مصنف عبد الرزاق ، باب قسامۃ الخطاء ، جلد ۱۰ ، ص ۴۴ ، نمبر ۱۸۲۹۷) اس قول صحابی میں ہے کہ حضرت نے جہنیوں سے کہا کہ کیا تم میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں گے ، کہ بنو سعد والوں نے انگلی توڑی تھی ، جس سے معلوم ہوا کہ مقتول کے وارث پہلے قسم کھائیں گے

لغت: لوث : ایسی علامت ، یا ایسا قرینہ جس سے معلوم ہوتا ہو محلے والے نے قتل کیا ہے

ترجمه: ۲ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر ولیوں کا دعوی قتل عمد کا ہو تو (پچاس قسم کھانے کے بعد) خاص آدمی پر قصاص کا فیصلہ کیا جائے گا ، امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے

تشریح: امام شافعیؒ کا تو یہ قول تھا کہ کسی ایک پر شک ہے اور ولی کے پچاس آدمیوں نے قسم کھائی تب بھی اس آدمی پر دیت ہی لازم کی جائے گی ، کیونکہ ان کی گواہی میں شک ہے ، اور شک سے قصاص ثابت نہیں ہوتا ، لیکن امام مالکؒ نے فرمایا کہ ولی

۳ وَاللَّوْثُ عِنْدَهُمَا أَنْ يَكُوْنَ هُنَاكَ عَلَامَةُ الْقَتْلِ عَلٰى وَاحِدٍ بِعَيْنِهٖ أَوْ ظَاهِرٌ يَشْهَدُ لِلْمُدَّعِيْ مِنْ عَدَاوَةٍ ظَاهِرَةٍ أَوْ شَهَادَةِ عَدْلٍ أَوْ جَمَاعَةٍ غَيْرِ عُدُوْلٍ أَنَّ أَهْلَ الْمَحَلَّةِ قَتَلُوْهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لَهٗ فَمَذْهَبُهٗ مِثْلُ مَذْهَبِنَا ۴ غَيْرَ أَنَّهٗ لَا يُكَرِّرُ الْيَمِيْنَ بَلْ يَرُدُّهَا عَلَى الْوَلِيِّ فَإِنْ حَلَفُوْا لَا دِيَةَ

کے پچاس آدمیوں نے قسم کھائی اور دعوی قتل عمد کا تھا تو اس خاص آدمی پر قصاص کا فیصلہ کیا جائے گا، اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ اس خاص آدمی پر قصاص کا فیصلہ کیا جائے گا

ترجمہ: ۳ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک لوث یہ ہے کہ کسی متعین آدمی پر قتل کی علامت ہو، یا مدعی کے لئے ظاہری گواہی ہو کہ، مثلا مقتول اور اس آدمی کے درمیان ظاہری دشمنی ہو، یا ایک عادل آدمی کی گواہی ہو، یا غیر عادل ایک جماعت کی گواہی ہو کہ اہل محلّہ نے قتل کیا ہے، اور اگر ولی کے لئے ظاہری کوئی گواہی نہ ہو تو امام شافعی کا مسلک بھی ہمارے مسلک کی طرح ہے کہ اہل محلّہ سے گواہی لی جائے گی (اور ولی سے پچاس گواہی نہیں لی جائے گی)

تشریح: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک لوث کی چار صورتیں ہیں۔ ا۔ ایک یہ کہ کسی متعین آدمی پر قتل کی علامت ہو، مثلا اس کی تلوار پر خون لگا ہوا ہو۔ ۲۔ مقتول اور قاتل کے درمیان ظاہری دشمنی ہو جس سے اندازہ ہوتا ہو کہ اسی آدمی نے قتل کیا ہوگا۔ ۳۔ ایک عادل آدمی گواہی دے کہ اسی آدمی نے قتل کیا ہے۔ ۴۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک جماعت غیر عادل ہے لیکن وہ سب گواہی دے رہے ہیں کہ اس آدمی نے قتل کیا ہے تو پھر اس لوث کی صورت میں اہل محلّہ سے نہیں بلکہ خود ولیوں سے پچاس قسم لی جائے گی، اور اہل محلّہ پر دیت لازم کر دی جائے گی

لیکن اگر لوث اور علامت نہ ہو تو پھر امام شافعیؒ کا مسلک بھی ہمارے مسلک کی طرح ہے کہ ولی نہیں بلکہ اہل محلّہ کے پچاس آدمی قسم کھائیں گے، اور قسم کھا کر انکار کر دیں اس کے باوجود اہل محلّہ پر دیت لازم کی جائے گی، تاکہ خون بیکار نہ جائے

ترجمہ: ۴ یہ اور بات ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک محلے والوں سے دوبارہ قسم نہیں لی جائے گی، بلکہ اب ولی سے قسم لی جائے گی، پس اگر محلّہ والوں نے قسم کھالی تو اب ان پر دیت نہیں ہوگی

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے کہ اگر محلّہ والوں میں سے پچاس آدمیوں کی کمی رہ جائے مثلا تیس ہی آدمی ہوئے تو باقی بیس آدمی پورا کرنے کے لئے محلے والوں سے دوبارہ قسم لی جائے گی، اور حدیث کے مطابق محلے والوں ہی سے پچاس کا عدد پورا کیا جائے گا، اور امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ مقتول کے ولیوں سے بھی قسم لی جا سکتی ہے، اس لئے اس بیس کے لئے مقتول کے ولیوں سے گواہی لی جائے گی، یہ فرق رہے گا۔ اور جب اہل محلّہ نے قسم کھالی کہ ہم نے قتل نہیں کیا ہے تو ان پر دیت لازم نہیں کی جائے گی، بلکہ دیت بیکار جائے گی۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انکار پر قسم کھانے کے باوجود اہل محلّہ پر دیت لازم کی جائے گی، تاکہ خون بیکار نہ جائے

عَلَيْهِمْ. ۵ لِلشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فِي الْبِدَايَةِ بِيَمِيْنِ الْوَلِي قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلْأَوْلِيَاءِ فَيُقْسِمُ مِنْكُمْ خَمْسُوْنَ أَنَّهُمْ قَتَلُوْهُ، ٦ وَلِأَنَّ الْيَمِيْنَ تَجِبُ عَلٰى مَنْ يَشْهَدُ لَهُ الظَّاهِرُ وَلِهٰذَا تَجِبُ عَلٰى صَاحِبِ الْيَدِ فَإِذَا كَانَ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لِلْوَلِيِّ يُبْدَأُ بِيَمِيْنِهِ، ۷ وَرَدُّ الْيَمِيْنِ عَلَى الْمُدَّعِيْ أَصْلٌ لَهُ

ترجمه: ۵ پہلے ولی سے قسم لے اس کے لئے امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے مقتول کے ولیوں سے فرمایا کہ تم میں سے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں کہ فلاں محلے والوں نے قتل کیا ہے

تشریح: یہ قول صحابی پہلے لکھ چکا ہوں (۱) فَقَالَ عُمَرُ لِلْجُهَنِيِّيْنَ: »أَتَحْلِفُ مِنْكُمْ خَمْسُونَ لَهُوَ أَصَابَهُ، وَلَمَاتَ مِنْهَا؟« (مصنف عبد الرزاق، باب قسامۃ الخطاء، جلد ۱۰، ص ۴۴، نمبر ۱۸۲۹۷) اس قول صحابی میں ہے کہ حضرت عمر نے جہنیوں سے کہا کہ کیا تم میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں گے، کہ بنوسعد والوں نے انگلی توڑی تھی (۲) عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، ...، فَقَالَ لَهُمْ: أَتَحْلِفُونَ خَمْسِينَ يَمِينًا فَتَسْتَحِقُّونَ صَاحِبَكُمْ أَوْ قَاتِلَكُمْ. (مسلم شریف، کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات ص ۵۵ نمبر ۱۶۶۹) اس حدیث میں ہے اتحلفون خمسين يمينا، کیا تم پچاس مرتبہ قسم کھاوگے اور قاتل سے دیت کے حقدار بنوگے، جس سے معلوم ہوا کہ خود مقتول کے ورثہ پچاس قسم کھالیں اور محلّہ والوں پر دیت لازم کردیں۔

ترجمه: ٦ اور امام شافعیؒ کی دلیل عقلی یہ ہے کہ جس آدمی کا ظاہری گواہ ہو (وہ مدعی علیہ ہوتا ہے) اس پر قسم لازم ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جس کا قبضہ ہوتا ہے اس پر قسم ہوتی ہے، پس جب ولی کے لئے لوث ہے اور ظاہری گواہ ہے تو پہلے ولی ہی سے گواہی لی جائے گی۔

تشریح: لوث یعنی قتل کی ظاہری علامت ہو تو ولیوں سے پہلے گواہی لی جائے گی، اس کی دلیل عقلی ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جس کے قبضے میں چیز ہوتی ہے، اور ظاہری طور پر پتا چلتا ہے کہ یہ چیز اسی کی ہے اس کو مدعی علیہ مانا جاتا ہے، اور مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے، یہاں پر لوث، یعنی قتل کی علامت ولی کے پاس موجود ہے، اس لئے ولی مدعی ہونے کے باوجود وہ مدعی علیہ کے درجے میں ہے، اس لئے اس سے قسم لی جائے گی، اور ولیوں ہی سے قسم شروع کی جائے گی۔ یہ پہلی دلیل عقلی ہے

ترجمه: ۷ اور مدعی پر قسم لوٹانا یہ بھی امام شافعیؒ کے یہاں ایک قاعدہ ہے، جیسا کہ مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کردے تو (مدعی سے بھی قسم لی جاتی ہے تب مدعی کے لئے چیز کا فیصلہ کیا جاتا ہے)

تشریح: یہ امام شافعیؒ کی دوسری دلیل عقلی ہے۔ اس عبارت کی تفصیل یوں ہے۔ مدعی نے دعوی کیا کہ یہ چیز میری ہے، لیکن اس کے پاس گواہ نہیں تھا، تو اب مدعی علیہ سے قسم کھانے کے لئے کہا جائے گا، لیکن مدعی علیہ نے قسم نہیں کھائی، تو حنفیہ کے یہاں اب مدعی کے لئے اس چیز کا فیصلہ کردیا جائے گا، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک مدعی علیہ کے قسم سے انکار کے بعد مدعی کے

كَمَا فِي النُّكُوْلِ ۸ غَيْرَ أَنَّ هٰذِهِ دَلَالَةٌ فِيهَا نَوْعُ شُبْهَةٍ، وَالْقِصَاصُ لَا يُجَامِعُهَا وَالْمَالُ يَجِبُ مَعَهَا فَلِهٰذَا وَجَبَتِ الدِّيَةُ، ۹ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ، وَفِيْ رِوَايَةٍ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ، وَرَوٰى سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَدَأَ بِالْيَهُوْدِ بِالْقَسَامَةِ

لئے اس چیز کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ اب مدعی سے قسم لی جائے گی کہ یہ چیز میری ہے، وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ یہ چیز میری ہے تب اس کے لئے اس چیز کا فیصلہ کیا جائے گا۔ صاحب ھدایہ اسی دلیل کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ امام شافعیؒ کے یہاں مدعی سے بھی ایک صورت میں قسم لی جاتی ہے، اس لئے قسامہ میں مقتول کا ولی مدعی ہے، پھر بھی اس سے پہلے قسم لی جائے گی

اس عبارت کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ قسامہ میں محلّہ والے قسم کھانے سے انکار کردیں تو امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ ولی سے پچاس مرتبہ قسم لی جائے گی، اس لئے یہ بھی ہوگا قسامت میں ولی سے قسم لینے کی ابتدا کی جائے گی

لغت: رد الیمین علی المدعی: مدعی پر بھی قسم کا لوٹانا، امام شافعیؒ کا ایک قاعدہ ہے۔ النکول: مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کردے۔

ترجمہ: ۸ یہ اور بات ہے کہ قسم کھانا ایسی دلیل ہے جس میں ایک قسم کا شبہ ہے، اور قصاص شبہ سے ثابت نہیں ہوتا، ہاں مال شبہ کے ساتھ جمع ہوجاتا ہے، یعنی مال شبہ سے ثابت ہوجاتا ہے اس لئے (قسم کھانے پر بھی قصاص واجب نہیں ہوگا) بلکہ دیت ہی واجب ہوگی

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ گواہی سے قصاص ثابت ہوتا ہے، کیونکہ وہ مضبوط دلیل ہے، اور قسم کھانا شبہ والی دلیل ہے، اور شبہ سے قصاص ثابت نہیں ہوتا ہے، البتہ مال جان کے مقابلے میں حقیر ہے اس لئے قسم کھانے سے مال ثابت ہوجاتا ہے، اس لئے یہاں ولی کے قسم کھانے سے امام شافعیؒ کے نزدیک بھی دیت ہی لازم ہوگی، چاہے قتل عمد کا دعوی ہو۔

وجہ: اس قول تابعی میں ہے کہ قسم کھانے سے دیت لازم ہوگی قصاص لازم نہیں ہوگا۔ عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: »يَسْتَحِقُّونَ بِالْقَسَامَةِ الدِّيَةَ، وَلَا يَسْتَحِقُّونَ بِهَا الدَّمَ (مصنف عبدالرزاق، باب القسامۃ، نمبر ۱۸۲۸۸)

ترجمہ: ۹ ہماری دلیل کہ اہل محلّہ سے قسم کی ابتداء کی جائے گی یہ ہے کہ حضورؐ کا قول ہے کہ گواہ مدعی پر ہے، اور انکار کرنے والے پر قسم ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ مدعی علیہ پر قسم ہے، اور حضرت سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ حضورؐ نے قسامت کی قسم کو یہود سے شروع کی تھی، پھر ان کے درمیان میں مقتول پائے جانے کی وجہ سے ان پر دیت لازم کی تھی

تشریح: حنفیہ کے یہاں پہلے اہل محلّہ سے قسم شروع کی جائے گی، اور ولیوں سے قسم نہیں لی جائے گی، اس کی یہاں تین حدیثیں پیش کی جارہی ہیں

وجہ: (۱) قسامت میں ولی مدعی ہے ان کا دعوی ہے کہ ہمیں دیت دلوائی جائے، اور اہل محلّہ مدعی علیہ ہے، اس لئے ولی مدعی پر

وَجَعَلَ الدِّيَةَ عَلَيْهِمْ لِوُجُوْدِ الْقَتِيْلِ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ، ۱۰؎ وَلِأَنَّ الْيَمِيْنَ حُجَّةٌ لِلدَّفْعِ دُوْنَ الْاِسْتِحْقَاقِ وَحَاجَةُ الْوَلِيِّ إِلَى الْاِسْتِحْقَاقِ وَلِهٰذَا لَا يَسْتَحِقُّ بِيَمِيْنِهِ الْمَالَ الْمُبْتَذَلَ فَأَوْلٰى أَنْ لَا يَسْتَحِقَّ بِهِ النَّفْسَ الْمُحْتَرَمَةَ. ۱۱؎ وَقَوْلُهُ يَتَخَيَّرُهُمُ الْوَلِيُّ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ خِيَارَ تَعْيِيْنِ الْخَمْسِيْنَ إِلَى الْوَلِيِّ، لِأَنَّ الْيَمِيْنَ حَقُّهُ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ يَخْتَارُ مَنْ يَتَّهِمُهُ بِالْقَتْلِ أَوْ صَالِحِيْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ لِمَا أَنَّ تَحَرُّزَهُمْ عَنِ

قسم نہیں ہوگی، اہل محلّہ مدعی علیہ پر قسم ہوگی، اس کے لئے صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ,قَالَ: »الْبَيِّنَةُ عَلَى مَنِ ادَّعَى ,وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ إِلَّا فِي الْقَسَامَةِ (دارقطنی، باب فی المراة تقتل اذاارتدت، نمبر ۳۵۰۷) (۲) صاحب ھدایہ کی دوسری حدیث یہ ہے۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ: »البَيِّنَةُ عَلَى المُدَّعِي، وَاليَمِينُ عَلَى المُدَّعَى عَلَيْهِ (ترمذی شریف، باب ماجاء ان البینۃ علی المدعی، والیمین علی المدعی علیہ، نمبر ۱۳۴۱) (۳) اور تیسری حدیث جس میں ہے کہ یہود سے قسامت کی قسم کی ابتدا کی ہے وہ یہ ہے۔ عَنْ رِجَالٍ مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لِلْيَهُودِ وَبَدَأَ بِهِمْ »يَحْلِفُ مِنْكُمْ خَمْسُونَ رَجُلًا (ابوداؤد شریف، باب فی ترک القود بالقسامۃ ص ۶۷۴ نمبر ۴۵۲۶)

ترجمہ: ۱۰؎ اور اس لئے بھی کہ اپنے اوپر سے الزام کو دفع کرنے کے لئے قسم ہوتی ہے، مال کے مستحق ہونے کے لئے نہیں، اور مقتول کے ولی کی ضرورت مال کا مستحق ہونا ہے، یہی وجہ ہے کہ مدعی کی قسم سے ادنی مال کا مستحق نہیں ہوگا، تو بدرجہ اولی محترم جان کا بھی مستحق نہیں ہوگا

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ مدعی علیہ پر کوئی الزام ہو اس کو دفع کرنے کے لئے گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے، کسی مال کو حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے، جب مال جو ادنی درجے کے خرچ کرنے کی چیز ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے مدعی کی گواہی نہیں چلتی ہے تو جان جیسی محترم کی دیت حاصل کرنے کے لئے مدعی سے کیسے گواہی نہیں لی جائے گی

لغت: المبتذل: بذل سے مشتق ہے، خرچ کرنا۔ مبتذل کا ترجمہ ہے خرچ کیا ہوا مال۔

ترجمہ: ۱۱؎ متن میں ہے کہ مقتول کا ولی ان پچاس آدمیوں کا انتخاب کرے گا، یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اہل محلّہ میں سے پچاس کے تعین کا اختیار ولی کو ہے، اس لئے کہ قسم لینا اس کا حق ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ وہ ایسے آدمی کو قسم کے لئے منتخب کرے گا جو قتل میں متہم ہو، یا محلے کے نیک لوگوں کا انتخاب کرے گا، کیونکہ یہ نیک لوگ جھوٹی قسم کھانے سے پورا بچیں گے، جس سے قاتل کا پتا چل جائے گا، یا قسم کھانے سے انکار کریں گے (تو ولی کو دیت کا فائدہ مل جائے گا)، پس اگر اہل محلّہ نے قتل نہیں کیا ہے، لیکن قاتل کو جانتے ہیں، تو بدکار کی قسم سے نیک لوگوں کی قسم سے زیادہ فائدہ ہوگا

تشریح: قدوری کی متن میں ہے (یتخیر ہم الولی) کہ ولی پچاس آدمیوں کو اختیار کرے گا، اہل محلّہ اپنے طور پر پچاس آدمی

الْيَمِيْنِ الْكَاذِبَةِ أَبْلَغُ التَّحَرُّزِ فَيَظْهَرُ الْقَاتِلُ، وَفَائِدَةُ الْيَمِيْنِ النُّكُوْلُ، فَإِنْ كَانُوْا لَا يُبَاشِرُوْنَ وَيَعْلَمُوْنَ يُفِيْدُ يَمِيْنَ الصَّالِحِ عَلَى الْعِلْمِ بِأَبْلَغَ مِمَّا يُفِيْدُ يَمِيْنُ الطَّالِحِ، ١٢ وَلَوْ اِخْتَارُوْا أَعْمٰى أَوْ مَحْدُوْدًا فِيْ قَذْفٍ جَازَ، لِأَنَّهُ يَمِيْنٌ وَلَيْسَ بِشَهَادَةٍ.

(۸۸۰) قَالَ فَإِذَا حَلَفُوْا قُضِيَ عَلٰى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِالدِّيَةِ وَلَا يُسْتَحْلَفُ الْوَلِيُّ،

نہیں دیں گے، صاحب ہدایہ اس کی چار وجہ بیان کر رہے ہیں۔ا۔پہلی وجہ یہ ہے کہ قسم لینا ولی کا حق ہے اس لئے پچاس آدمیوں کے اختیار کرنے کا حق بھی ولی ہی کو ہوگا۔۲۔دوسری بات یہ ہے کہ نیک لوگوں کا انتخاب کریں گے تو وہ جھوٹی قسم کھانے سے بچیں گے، پس اگر وہ قاتل کو جانتے ہیں اور قسم کھا کر کہہ دیا کہ فلاں نے قتل کیا ہے تو دیت لازم ہوگی اور دیت لینے میں آسانی ہوگی۔یا وہ قاتل کو جانتے تھے اس لئے قسم کھانے سے انکار کیا تب بھی دیت لازم ہوگی، اور دیت وصول کرنے میں آسانی ہوگی، کیونکہ وہ نیک لوگ ہیں، بدکار لوگوں کے انتخاب کرنے میں یہ بات نہیں ہوگی، اس لئے پچاس آدمیوں کے انتخاب کا حق ولی کو ہوگا

وجہ: (۱) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ولیوں سے فرمایا کہ محلے کے پچاس آدمیوں کا تم انتخاب کرو۔ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ..... فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »اخْتَارُوا مِنْهُمْ خَمْسِينَ رَجُلًا فَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ثُمَّ خُذُوا مِنْهُمُ الدِّيَةَ فَفَعَلُوا (مسند بزاز، باب مما روی ابوسلمۃ بن عبد الرحمٰن، ج ۳، ص ۲۳۸، نمبر ۱۰۲۶) (۲)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: وُجِدَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ قَتِيلًا فِي دَالِيَةِ نَاسٍ مِنَ الْيَهُودِ فَذَكَرُوا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ »، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ فَأَخَذَ مِنْهُمْ خَمْسِينَ رَجُلًا مِنْ خِيَارِهِمْ (دار قطنی، باب فی المراۃ تقتل اذا ارتدت، نمبر ۴۵۱۸) اس حدیث میں فاخذ منہم خمسین رجلا من خیارہم، سے پتا چلتا ہے کہ حاکم یا ولی محلے کے پچاس آدمیوں کا انتخاب کریں گے، خود محلّہ والے انتخاب نہیں کریں گے

ترجمہ: ١٢ ولیوں نے اندھے یا محدود فی القذف کو گواہی کے لئے منتخب کر لیا تو بھی جائز ہے، اس لئے یہ قسم کھانا ہے، گواہی دینا نہیں ہے

تشریح: قسامت میں قسم کھانا، قسم ہے گواہی نہیں ہے، اس لئے قسم کے لئے ولیوں نے نابینا کو منتخب کر لیا، یا جس کو حد قذف یعنی زنا میں تہمت پر حد لگی ہو تب بھی جائز ہوگا، کیونکہ شہادت میں نابینا اور محدود فی القذف کی گواہی صحیح نہیں ہے

ترجمہ: (۸۸۰) پس جب قسم کھالیں تو اہل محلّہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے۔ اس کے بعد ولی سے قسم نہیں کھلائی جائے گی

تشریح: یہاں تین باتیں بیان کی جا رہی ہیں۔ا۔اہل محلّہ سے قسم کھلائی جائے گی۔۲۔پھر انکار پر قسم کھانے سے بھی دیت ساقط نہیں ہوگی، بلکہ ان پر دیت بھی لازم ہوگی۔۳۔اور تیسری بات یہ ہے کہ اہل محلّہ کے قسم سے انکار کے بعد خود ولی سے یہ قسم نہیں لی جائے گی کہ ہاں اہل محلّہ نے قتل کیا ہے۔ انکے دلائل آگے آرہے ہیں

۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لا تَجِبُ الدِّيَةُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَهْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تُبَرِّئُكُمُ الْيَهُوْدُ بِأَيْمَانِهَا، وَلِأَنَّ الْيَمِيْنَ عُهِدَتْ فِي الشَّرْعِ مُبْرِئًا لِلْمُدَّعٰى عَلَيْهِ لا مُلْزِمًا كَمَا فِيْ سَائِرِ الدَّعَاوِى، ۲؎ وَلَنَا أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جَمَعَ بَيْنَ الدِّيَةِ وَالْقَسَامَةِ فِيْ حَدِيْثِ سَهْلٍ وَفِيْ حَدِيْثِ زِيَادِ بْنِ أَبِيْ مَرْيَمَ وَكَذَا جَمَعَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بَيْنَهُمَا عَلٰى

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اہل محلّہ نے قتل کے انکار پر قسم کھالی تو اب ان پر دیت واجب نہیں ہوگی، حضرت عبداللہ بن سہل کی حدیث میں ہے، تبرئکم الیهود بایمانها، کہ یہود قسم کھالیں گے تو وہ دیت سے بری ہو جائیں گے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قسم متعین کی گئی ہے مدعی علیہ کو بری کرنے کے لئے اس پر کوئی چیز لازم کرنے کے لئے نہیں، جیسے کہ تمام دعوی میں ہوتا ہے

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ محلے کے پچاس آدمیوں کے قسم کھانے کے بعد ان پر دیت لازم نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ قسم اس لئے کھلائی جاتی ہے کہ اس پر جو الزام ہے وہ ختم ہو جائے، اس لئے نہیں ہے کہ قسم کھانے کے بعد اس پر اور لازم کی جائے، جیسے اور دعوی میں ہوتا ہے، اس لئے قسامت میں بھی قسم کھانے کے بعد اس سے دیت ختم ہو جائے گی (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ عبداللہ بن سہل کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ یہود قسم کھالیں گے تو وہ دیت سے بری ہو جائیں گے، جس سے معلوم ہوا کہ قسم کھانے کے بعد ان پر دیت لازم نہیں ہوگی۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، أَنَّهُمَا قَالَا: خَرَجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَهْلِ بْنِ زَيْدٍ، وَمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودِ بْنِ زَيْدٍ،... قَالَ: »فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ يَمِينًا«، قَالُوا: وَكَيْفَ نَقْبَلُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ؟ (مسلم شریف، کتاب القسامة والمحاربین والقصاص والدیات، ص ۵۵، نمبر ۱۶۶۹)

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے حضرت سہلؓ کی حدیث میں قسامت کی قسم اور دیت دونوں کو جمع کیا ہے، اور حضرت زیاد بن ابی مریم کی حدیث میں بھی، اور ایسے ہی حضرت عمرؓ نے بنی وادعہ پر دونوں کو جمع کیا ہے

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ، حضرت سہل والی حدیث، حضرت زیاد بن ابی مریم والی حدیث میں قسامت کی قسم اور دیت دونوں کو جمع کیا ہے، اس لئے اہل محلّہ پر دونوں لازم ہوں گے، ایسے ہی حضرت عمرؓ نے بنی وادعہ کے معاملے میں دونوں کو جمع کیا ہے

وجہ: (۱) حدیث سہل یہ ہے۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ بُجَيْدٍ، قَالَ: إِنَّ سَهْلًا وَاللَّهِ أَوْهَمَ الْحَدِيثَ.....، قَالَ: »فَوَدَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهِ بِمِائَةِ نَاقَةٍ. (ابوداؤد شریف، باب فی ترک القود بالقسامة ص ۲۷۴ نمبر ۴۵۲۵) (۲) وجہ۔ عَنْ رِجَالٍ مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لِلْيَهُودِ وَبَدَأَ بِهِمْ »يَحْلِفُ مِنْكُمْ خَمْسُونَ رَجُلًا« فَأَبَوْا، فَقَالَ لِلْأَنْصَارِ: »اسْتَحِقُّوا« قَالُوا: نَحْلِفُ عَلَى الْغَيْبِ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَجَعَلَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيَةً عَلَى يَهُودَ لِأَنَّهُ وُجِدَ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ (ابوداؤد شریف، باب

وَادِعَةَ، ٣ وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ تُبَرِّئُكُمُ الْيَهُوْدُ مَحْمُوْلٌ عَلَى الْإِبْرَاءِ عَنِ الْقِصَاصِ وَالْحَبْسِ ٤ وَكَذَا الْيَمِيْنُ مُبْرِئَةٌ عَمَّا وَجَبَ لَهُ الْيَمِيْنُ، وَالْقَسَامَةُ مَا شُرِعَتْ لِتَجِبَ الدِّيَةُ إِذَا نَكَلُوْا، بَلْ شُرِعَتْ لِيَظْهَرَ الْقِصَاصُ بِتَحَرُّزِهِمْ عَنِ الْيَمِيْنِ الْكَاذِبَةِ فَيُقِرُّوْا بِالْقَتْلِ فَإِذَا حَلَفُوْا حَصَلَتِ الْبَرَائَةُ عَنِ الْقِصَاصِ،

فی ترک القود بالقسامۃ ص۴۷ ۲نمبر ۱۸۵۲۶ (۳) حضرت عمر کا فیصلہ یہ ہے۔عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا حَجَّ عُمَرُ حَجَّتَهُ الْأَخِيرَةَ .....وَرَبِّ هَذَا الشَّهْرِ الْحَرَامِ أَنَّكُمْ لَمْ تَقْتُلُوهُ، وَلَا عَلِمْتُمْ لَهُ قَاتِلًا ,فَحَلَفُوا بِذَلِكَ، فَلَمَّا حَلَفُوا، قَالَ: »أَدُّوا دِيَتَهِ مُغَلَّظَةً فِي أَسْنَانِ الْإِبِلِ..... قَالَ: »لَا، إِنَّمَا قَضَيْتُ عَلَيْكُمْ بِقَضَاءِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (دار قطنی ،باب کتاب الحدود والدیات، ج۴،نمبر ۳۳۵۴) (۴)۔عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيه.... فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »اخْتَارُوا مِنْهُمْ خَمْسِينَ رَجُلًا فَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ثُمَّ خُذُوا مِنْهُمُ الدِّيَةَ فَفَعَلُوا (مسند بزاز ،باب مماروی ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن، ج۳، ص۲۳۸،نمبر ۱۰۲۶) اس حدیث میں بھی ہے کہ اہل محلے سے قسم لی جائے گی، پھران پر دیت بھی لازم کی جائے گی۔

ترجمہ: ٣ اور حضورؐ نے جوفرمایا کہ قسم کھا کر یہود بری ہوجائیں گے، وہ قصاص سے بری ہونے، اور قید سے بری ہونے پر محمول ہے،

تشریح: یہ امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ حضور نے فرمایا ، فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ يَمِينًا ،اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود قسم کھا کر قصاص اور قید سے بری ہوجائیں گے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دیت سے بھی بری ہوجائیں گے، اگر دیت سے بھی بری ہوتے تو پھر حضور قسم کھلانے کے بعد یہود پر دیت کیسے لازم کرتے؟

ترجمہ: ٤ ایسے ہی جس چیز کے لئے قسم کھلائی جارہی ہے اس سے بری ہونے کے لئے قسم ہے (اور یہاں قسم کھلانا قصاص سے بری ہونے کے لئے ہے، اس لئے قسم سے قصاص سے بری ہوگا) اور قسامہ میں قسم کھلانا دیت کے واجب ہونے کے لئے مشروع نہیں ہے اگر وہ انکار کر جائے بلکہ قصاص ظاہر ہوجائے اس کے لئے ہے جھوٹی قسم سے بچنے کی وجہ سے، تاکہ قتل کا اقرار کرلے، پس اگر انہوں نے قسم کھالی تو قصاص سے بری ہوجائیں گے

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کی دلیل عقلی کا جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ قسم کھانا لازم ہونے کے لئے نہیں ہے بلکہ الزام سے بری ہونے کے لئے ہے، تو قسم کھانے کے بعد بھی اس پر دیت لازم کیوں، تو اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ یہاں اہل محلّہ پر قتل عمد کا الزام ہے جس سے قصاص واجب ہوتا ہے، اور قسم کھالیگا تو قصاص کا الزام ختم ہوجائے گا، اس لئے قسم کھانے سے الزام سے بری ہوا۔باقی رہا دیت تو وہ اس وجہ سے ہے کہ مقتول انکے درمیان پایا گیا ہے، اس لئے دیت تو بہرحال واجب ہوگی۔

۵ ثُمَّ الدِّيَةُ تَجِبُ بِالْقَتْلِ الْمَوْجُوْدِ مِنْهُمْ ظَاهِرًا لِوُجُوْدِ الْقَتِيْلِ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ لَا بِنُكُوْلِهِمْ أَوْ وَجَبَتْ بِتَقْصِيْرِهِمْ فِي الْمُحَافَظَةِ كَمَا فِي الْقَتْلِ الْخَطَاءِ.

(۸۸۱) وَمَنْ أَبٰى مِنْهُمُ الْيَمِيْنَ حُبِسَ حَتّٰى يَحْلِفَ. ۱ لِأَنَّ الْيَمِيْنَ فِيْهِ مُسْتَحَقَّةٌ لِذَاتِهَا تَعْظِيْمًا لِأَمْرِ الدَّمِ، وَلِهٰذَا يُجْمَعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الدِّيَةِ، بِخِلَافِ النُّكُوْلِ فِي الْأَمْوَالِ، لِأَنَّ الْيَمِيْنَ بَدَلٌ عَنْ أَصْلِ حَقِّهِ

ترجمہ: ۵ پھر دیت اس لئے واجب ہوئی کہ مقتول ان کے درمیان پایا گیا ہے، ان کے قسم سے انکار کی وجہ سے واجب نہیں ہوئی ہے، یا اس وجہ سے دیت واجب ہوئی ہے کہ مقتول کی حفاظت کرنے میں کوتاہی کی ہے، جیسے قتل خطا میں ہوتا ہے کہ حفاظت کی کمی کی وجہ سے قاتل پر دیت واجب ہو جاتی ہے

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کا دوسرا جواب ہے، کہ یہاں اہل محلّہ کے قسم سے انکار کی وجہ سے دیت واجب نہیں ہوئی ہے، بلکہ مقتول انکے درمیان پایا گیا ہے اس کی وجہ سے دیت واجب ہوئی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ان محلے والوں نے حفاظت اور نگرانی میں کمی کی ہے اس لئے ان پر دیت واجب کی گئی ہے، جیسے قتل خطا میں قاتل کی غلطی نہیں ہے، لیکن حفاظت اور احتیاط میں کمی کی ہے اس لئے ان پر دیت لازم کی گئی ہے، ویسے ہی یہاں اہل محلّہ پر دیت واجب کی گئی ہے۔

ترجمہ: (۸۸۱) اگر اہل محلّہ میں سے کسی ایک نے قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ قسم کھالے۔

ترجمہ: ۱ خون کی عظمت کی وجہ سے قسم ذات کے اعتبار سے مستحق ہے، یہی وجہ ہے کہ قسم اور دیت دونوں جمع کئے جاتے ہیں، بخلاف مال میں قسم کھانے سے انکار کردے (تو قید نہیں کیا جاتا ہے)، اس لئے قسم اصل حق مال کا بدلہ ہے، یہی وجہ ہے کہ مدعی مال خرچ کردے تو مدعی سے قسم ساقط ہو جاتی ہے، اور جس میں ہم ہیں (یعنی قسامت میں) دیت دینے سے بھی قسم ساقط نہیں ہوتی

تشریح: محلّہ والوں میں سے کوئی قسم کھانے سے انکار کرتا ہے تو اس وقت تک قید کر لیا جائے گا جب تک کہ قسم نہ کھالے۔

وجہ: (۱) خون کا معاملہ بہت اہم ہے اس لئے اہل محلّہ میں سے کوئی بھی قسم نہیں کھائے گا تو اس کو قید کر لیا جائے گا، (۲) مال کا معاملہ اور ہے وہاں مدعی خود مال دے دے اور مدعی علیہ سے قسم نہ لینا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے، لیکن قسامت میں ولی صرف دیت لے لے اور قسم نہ لینا چاہے تو ایسا نہیں کر سکتا ہے، بلکہ قسم لینی ہی پڑے گی، کیونکہ قسامت نام ہی ہے قسم لینے کا اس لئے قسم لینا بہت ضروری ہے، اس لئے محلے والوں میں سے کوئی بھی آدمی قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کو قید کیا جائے گا۔ (۳) تیسری بات یہ ہے کہ یہ قسم کھانا قصاص اور قید سے چھٹکارے کے لئے ہے، پس جب قسم کھانے سے انکار کیا تو اس پر قید آجائے گی۔ (۴) اس حدیث میں ہے کہ ہر حال میں سب اہل محلے سے قسم لی جائے گی اس لئے پچاس کا عدد پورا ہونے تک ہر ایک سے قسم لینا ضروری ہے۔ سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ أَخْبَرَهُ:... قَالَ: »فَيَحْلِفُونَ« قَالُوا: لَا نَرْضَى بِأَيْمَانِ الْيَهُودِ. (بخاری شریف، باب القسامۃ ص ۱۰۱۸ نمبر ۶۸۹۸) (۵) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ بُجَيْدٍ، قَالَ: إِنَّ سَهْلًا ......

وَلِهٰذَا يَسْقُطُ بِبَذْلِ الْمُدَّعٰى وَفِيمَا نَحْنُ فِيهِ لا يَسْقُطُ بِبَذْلِ الدِّيَةِ. ۲ هٰذَا الَّذِیْ ذَكَرْنَا إِذَا ادَّعٰى الْوَلِيُّ الْقَتل عَلٰى جَمِيعِ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، وَكَذَا إِذَا ادَّعٰى عَلَى الْبَعْضِ لا بِأَعْيَانِهِمْ، وَالدَّعْوٰى فِي الْعَمَدِ أَوِ الْخَطَاءِ لِأَنَّهُمْ لا يَتَمَيَّزُوْنَ عَنِ الْبَاقِيْ، ۳ وَلَوْ ادَّعٰى عَلَى الْبَعْضِ بِأَعْيَانِهِمْ أَنَّهُ قَتَلَ وَلِيَّهُ عَمَدًا أَوْ

فَكَتَبُوا يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ خَمْسِينَ يَمِينًا مَا قَتَلْنَاهُ وَلَا عَلِمْنَا قَاتِلًا (ابوداؤد شریف، باب فی ترک القود بالقسامۃ ص ۶۴۷ نمبر ۴۵۲۵) ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ اہل محلّہ قسم کھائیں گے

لغت: بخلاف النکول فی الاموال لان الیمین بدل عن اصل حقہ: مال کے دعوی میں قسم کھانا مال کے بدلے میں ہے، اس لئے قسم کھالی تو گویا کہ مال دے دیا، اب مال لازم نہیں ہوگا۔ اور قسامت میں قسم کھانا دیت کے بدلے میں نہیں ہے بلکہ حبس اور قید کے بدلے میں ہے، یہی وجہ ہے کہ قسم کھانے کے بعد بھی دیت لازم ہوتی ہے، اس لئے کوئی بھی قسم کھانے سے انکار کرے گا تو اس کو قید کیا جائے گا۔ مال اور قسامت میں یہ فرق ہے

ترجمہ: ۲ (یہ جو کہا گیا کہ پورے محلے والوں سے قسم لی جائے گی، اور قسم کے بعد پورے محلے والوں پر دیت بھی لازم ہوگی) جب کہ پورے محلے والوں پر قتل کا دعوی ہو، یا غیر متعین بعض محلے والوں پر قتل کا دعوی ہو، چاہے قتل عمد کا دعوی ہو یا قتل خطاء کا دعوی ہو، اس لئے ان دونوں صورتوں میں باقی کی کوئی تمیز نہیں ہے کہ انہوں نے قتل نہیں کیا ہے

تشریح: دعوے کی چار صورتیں ہیں

۱۔ ولی نے پورے محلے والوں پر قتل کا دعوی کیا ہو، چاہے قتل خطا کا دعوی ہو، یا قتل عمد کا دعوی ہو

۲۔ محلّہ کے بعض آدمی پر قتل کا دعوی ہو، چاہے قتل عمد کا دعوی ہو یا قتل خطا کا دعوی ہو

۳۔ محلّہ کے بعض متعین آدمی پر قتل کا دعوی ہو، چاہے قتل خطا کا دعوی ہو یا قتل عمد کا۔

۴۔ محلے کے علاوہ پر قتل کا دعوی ہو، قتل خطاء کا دعوی ہو یا قتل عمد کا دعوی ہو

ان میں سے پہلی صورت میں پورے محلے والوں پر دعوی ہے اس لئے پورے محلے والے قسم کھائیں گے۔ دوسری صورت میں بعض پر ہے لیکن غیر متعین ہے اس لئے کس نے قتل کیا اور کس نے قتل نہیں کیا یہ متعین نہیں ہے اس لئے اس صورت میں بھی پورے محلے والے قسم کھائیں گے۔

ترجمہ: ۳ اور اگر بعض متعین آدمی پر ولی نے دعوی کیا ہو کہ اس کے مقتول کو عمدا، یا خطا قتل کیا ہو تو قدوری کے متن میں جو مطلق عبارت ہے تو اس سے جواب یہی ہوتا ہے (کہ پھر بھی پورے محلے والوں پر قسم ہے، اور پورے محلے والوں پر دیت ہے) اور مبسوط میں بھی یہی جواب ہے۔

تشریح: یہ دعوی کی تیسری صورت ہے جس میں ہے کہ ولی نے محلے کے کسی خاص آدمی پر دعوی کیا ہے کہ اس نے مقتول کو

خَطَأً فَكَذٰلِکَ الْجَوَابُ يَدُلُّ عَلَيْهِ إِطْلَاقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ وَهٰكَذَا الْجَوَابُ فِي الْمَبْسُوْطِ. ۴ وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فِيْ غَيْرِ رِوَايَةِ الْأَصُوْلِ أَنَّ فِي الْقِيَاسِ تَسْقُطُ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَنِ الْبَاقِيْنَ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ وَيُقَالُ لِلْوَلِيِّ أَلَکَ بَيِّنَةٌ؟ فَإِنْ قَالَ لَا، يُسْتَحْلَفُ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ عَلٰى قَتْلِهِ يَمِيْنًا

قتل کیا ہے تو قدوری کے متن کی مطلق عبارت سے یہ اندازہ ہوتا ہے، اس صورت میں بھی پورے محلے والوں پر قسم ہوگی اور سب پر دیت لازم ہوگی، اور امام محمدؒ کی کتاب الاصل، المبسوط میں بھی اسی طرح لکھا ہے کہ اس صورت میں بھی سب پر قسم ہوگی اور سب پر دیت لازم ہوگی۔ البتہ امام ابو یوسفؒ کی ایک رائے یہ ہے کہ یہاں مبہم دعوی نہیں ہے بلکہ ایک آدمی پر متعین دعوی ہے اس لئے اگر ولی کے پاس گواہ ہے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ ایک مدعی علیہ قسم کھائے گا، پس اگر اس نے قسم کھا کر یہ کہہ دیا کہ میں نے قتل نہیں کیا ہے تو اس پر دیت بھی لازم نہیں ہوگی۔ یہ بحث آگے آرہی ہے

مبسوط کی عبارت یہ ہے۔ **وإذا ادعى أهل القتيل على بعض أهل المحلة الذى وجد بين أظهرهم، فقالوا: قتله فلان عمداً أو خطأً، فذلک كله سواء، وفيه القسامة والدية، ولا يُبطل دعواهم العمدَ حقَّهم. ألا ترى أنهم لم يبرئوا العشيرة من القتل. أرأيت لو قالوا: قتلوه جميعاً عمداً، ألم يكن عليهم الدية.** (المبسوط لامام محمد، باب القسامة، ج ۶، ص ۵۶۷) مبسوط کی اس عبارت میں ہے ولی نے محلے کے بعض آدمی پر دعوی کیا ہو تب بھی برابر ہے، یعنی سب سے قسم لی جائے گی، اور سب پر دیت لازم کی جائے گی۔

ترجمہ: ۴ امام ابو یوسفؒ سے اصول کے علاوہ کی روایت یہ ہے کہ باقی محلّہ والوں سے قسم اور دیت دونوں ساقط ہو جائیں گے، اور مقتول کے ولی سے یہ کہا جائے گا کیا تمہارے پاس گواہ ہے، پس اگر کہا کہ گواہ نہیں ہے، تو مدعی علیہ (جو خاص آدمی ہے) سے کہا جائے گا کہ اس کے قتل پر ایک مرتبہ قسم کھاو، (اور ایک مرتبہ قسم کھائی تو مدعی علیہ سے دیت بھی ساقط ہو جائے گی) اس کی وجہ یہ ہے کہ قیاس اس بات کا انکار کرتا ہے کہ قسم بھی سب سے لے اور دیت بھی واجب کرے، کیونکہ اس کا احتمال ہے کہ محلے والوں کے علاوہ نے قتل کیا ہو، اس لئے کہ نص یعنی حدیث میں یہ بات ہے کہ ایسے لوگوں پر قتل کا دعوی ہو جو لوگ اس محلے کی طرف منسوب ہوں، اور مدعی ان لوگوں پر قتل کا دعوی کرتا ہو، اور اس کے علاوہ کی صورت ہو تو اصل قیاس پر باقی رہے گا، اور ایسا ہو گیا کہ محلے والوں کے علاوہ پر قتل کا دعوی ہو

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے، اس لمبی عبارت کا حاصل دو باتیں ہیں۔ ۱۔ ایک یہ کہ غیر اصول کی عبارت میں امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ کسی متعین شخص پر دعوی ہو تو پورے محلے والوں سے قسم نہیں لی جائے گی، اور نہ پورے محلے والوں پر دیت لازم ہوگی، بلکہ صرف اس آدمی سے قسم لی جائے گی جس پر قتل کا دعوی ہے، وہ قسم کھالے تو اس سے دیت ساقط ہو جائے گی۔ ۲۔ دوسری بات اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ اس وقت پورے محلے والوں پر قسم ہے جبکہ کس نے قتل کیا ہے یہ مجہول ہو، تو چونکہ سب متہم ہیں اس

وَاحِدَةً، وَوَجْهُهُ أَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَاهُ لِاحْتِمَالِ وُجُودِ الْقَتْلِ مِنْ غَيْرِهِمْ، وَإِنَّمَا عُرِفَ بِالنَّصِّ فِيْمَا إِذَا كَانَ فِيْ مَكَانٍ يُنْسَبُ إِلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِمْ، وَالْمُدَّعِيْ يَدَّعِي الْقَتْلَ عَلَيْهِمْ، وَفِيْمَا رَوَاهُ بَقِيَ عَلٰى أَصْلِ الْقِيَاسِ وَصَارَ كَمَا إِذَا ادَّعٰى القتل عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ. ۵ وَفِي الْاِسْتِحْسَانِ تَجِبُ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلٰى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، لِأَنَّهُ لَا فَصْلَ فِيْ إِطْلَاقِ النُّصُوْصِ بَيْنَ دَعْوٰى وَدَعْوٰى فَنُوْجِبُهُ بِالنَّصِّ، لَا بِالْقِيَاسِ، ۶ بِخِلَافِ مَا إِذَا ادَّعٰى عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيْهِ نَصٌّ فَلَوْ أَوْجَبْنَاهُمَا

لئے سب سے قسم لی جائے گی، لیکن جب ایک آدمی متعین ہے تو اب سب متہم نہیں ہیں، اس لئے سب سے قسم نہیں لی جائے گی، بلکہ جو متہم ہے صرف اس سے قسم لی جائے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک آدمی پر قتل کا دعوی ہو تو یہ صورت حدیث میں داخل نہیں ہے، اس لئے ہم قیاس کا تقاضا کرتے ہوئے اس صورت میں داخل نہیں کریں گے، اور سب سے قسم نہیں لیں گے

وجہ: اس حدیث میں ہے (أَنَّهُ قَدْ وُجِدَ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ قَتِيلٌ فَدُوهُ) کہ تمہارے درمیان مقتول پایا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ قاتل کون ہے یہ پتا نہیں تھا تب جا کر سب پر قسم لازم کی ہے، اور قاتل کا پتا چل گیا تو سب پر قسم لازم نہیں ہوگی، صرف مدعی علیہ پر قسم ہوگی۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ بُجَيْدٍ، ....، إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَتَبَ إِلَى يَهُودَ »أَنَّهُ قَدْ وُجِدَ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ قَتِيلٌ فَدُوهُ« (ابوداؤد شریف، باب فی ترک القود بالقسامۃ ص ۶۴۷ نمبر ۴۵۲۵)

لغت: اذا کان فی مکان ینسب الی المدعی علیہم: جس محلے میں رہ رہا ہو ان سب پر دعوی ہو، تو سب قسم کھائیں گے۔

ترجمہ: ۵ استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی اہل محلّہ پر قسم ہو اور دیت ہو اس لئے کہ حدیث میں دونوں دعووں میں کوئی فرق نہیں کیا ہے (پورے محلے پر دعوی ہو، یا ایک آدمی پر دعوی ہو) اس لئے نص یعنی حدیث کی وجہ سے پورے محلے والوں پر قسم ہوگی، قیاس کی وجہ سے نہیں،

تشریح: استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی جبکہ صرف ایک آدمی پر قتل کا دعوی ہو تب بھی پورے محلے والے قسم کھائیں، کیونکہ حدیث میں یہ فرق بیان نہیں کیا ہے کہ پورے محلے والوں پر دعوی ہو تو سب قسم کھائیں، اور ایک آدمی پر دعوی ہو تو ایک آدمی قسم کھائے، چونکہ حدیث میں یہ تفصیل نہیں ہے، اس لئے دونوں صورتوں میں پورے محلے والوں پر قسم ہوگی۔

ترجمہ: ۶ بخلاف اگر محلے کے علاوہ آدمی پر دعوی ہو (تو صرف اس آدمی پر قسم ہوگی) کیونکہ اس کے بارے میں حدیث نہیں ہے، پس اگر ہم قسم اور دیت اس الگ آدمی پر واجب کریں گے تو قیاس ہی سے واجب کرنا ہوگا، اور وہ ممتنع ہے

تشریح: یہ چوتھی صورت ہے، یعنی ولی کا دعوی یہ ہے کہ محلے کے علاوہ آدمی نے قتل کیا ہے، پھر اس کو محلے میں پھینک دیا ہے، اس صورت میں سب کے نزدیک یہی ہے کہ پورے محلے والوں پر قسم نہیں ہے، صرف اس آدمی پر قسم ہوگی۔ اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی حدیث نہیں ہے، اس لئے اس صورت کو حدیث پر قیاس نہیں کیا جائے گا، اور صرف ایک ہی

لَأَوْجَبْنَاهُمَا بِالْقِيَاسِ وَهُوَ مُمْتَنِعٌ. ے ثُمَّ حُكْمُ ذٰلِكَ أَنْ يَثْبُتَ مَا ادَّعَاهُ إِذَا كَانَ لَهُ بَيِّنَةٌ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ اسْتَحْلَفَهُ يَمِينًا وَاحِدَةً، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقَسَامَةٍ لِانْعِدَامِ النَّصِّ وَامْتِنَاعِ الْقِيَاسِ، ثُمَّ إِنْ حَلَفَ بَرِئَ، وَإِنْ نَكَلَ وَالدَّعْوٰى فِي الْمَالِ ثَبَتُ بِهٖ وَإِنْ كَانَ فِي الْقِصَاصِ فَهُوَ عَلٰى اِخْتِلَافٍ مَضٰى فِيْ كِتَابِ الدَّعْوٰى.

(۸۸۲) قَالَ وَإِنْ لَمْ تَكْمِلْ أَهْلُ الْمَحَلَّةِ كُرِّرَتِ الْأَيْمَانُ عَلَيْهِمْ حَتّٰى تَتِمَّ خَمْسِيْنَ ۱ لِمَا رُوِيَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمَّا قَضٰى فِي الْقَسَامَةِ وَافٰى إِلَيْهِ تِسْعَةٌ وَأَرْبَعُوْنَ رَجُلًا فَكَرَّرَ الْيَمِيْنَ عَلٰى رَجُلٍ

مدعی علیہ پر قسم واجب ہوگی۔

ترجمہ: ے پھر اس صورت (محلے کے باہر پر دعوی ہو) کا حکم یہ ہے کہ اگر ولی کے پاس گواہ ہو تو جو کچھ دعوی کیا ہے وہ ثابت ہو جائے گا، اور اگر گواہ نہ ہو تو اس ایک آدمی سے ایک مرتبہ قسم لی جائے گی، اس لئے کہ یہ قسامت نہیں ہے، کیونکہ اس بارے میں حدیث نہیں ہے، اور اس صورت کو حدیث پر قیاس بھی نہیں کر سکتے ہیں، پھر اگر اس آدمی نے قسم کھا لی تو دیت سے بری ہو جائے گا، اور اگر قسم کھانے سے انکار کر دے، پس اگر مال کا دعوی تھا تو قسم سے انکار کی وجہ سے مال ثابت ہو جائے گا، اور اگر ولی کا دعوی قصاص کا تھا تو کتاب الدعوی میں جو اختلاف گزرا اس اختلاف پر مسئلہ ہوگا

تشریح: محلے کے علاوہ کے آدمی پر قتل کا دعوی تھا تو اس کا حکم قسامہ کا نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں اس صورت کا ذکر نہیں ہے، اس لئے اس صورت کو قسامہ پر قیاس نہیں کیا جائے گا، اور پورے محلے پر نہ قسم ہوگی، اور نہ ان پر دیت ہوگی، بلکہ اگر ولی کے پاس گواہ ہو تو جس چیز کا دعوی ہو وہ چیز اس آدمی پر ثابت کر دیا جائے گا۔ اور اگر گواہ نہ ہو تو اس آدمی سے قسم کھانے کے لئے کہا جائے گا، پس اگر اس آدمی نے قسم کھا لی تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ عام معاملے کی طرح ہے۔ اور اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اگر مال، اور دیت کا دعوی تھا تب تو اس پر مال ثابت کر دیا جائے گا، اور اگر قصاص کا دعوی تھا تو کتاب الدعوی میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گواہ سے قصاص ثابت ہوتا ہے، قسم سے انکار سے نہیں ہے، اس لئے قسم سے انکار سے قصاص ثابت نہیں گا، اور بعض حضرات کے نزدیک قسم سے انکار کرنے سے بھی قصاص ثابت ہو جاتا ہے، اس لئے ان کے یہاں قسم سے انکار کرنے سے قصاص ثابت ہو جائے گا

ترجمہ: (۸۸۲) اگر اہل محلّہ میں سے پچاس پورے نہ ہوں تو ان پر قسم مکرر کی جائے گی۔ یہاں تک کہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ روایت ہے کہ عمر بن عبد العزیزؒ نے قسامت میں فیصلہ کیا تو انچاس آدمی پورے ہوئے تو ان میں سے ایک آدمی پر قسم مکرر کی یہاں تک کہ پچاس پورے کر دئے، پھر ان پر دیت کا فیصلہ کیا، اور حضرت شریحؒ، اور حضرت ابراہیم نخعیؒ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حدیث سے پچاس کا ثبوت ہے اس لئے پچاس کا عدد پورا کرنا واجب ہے۔

مِنهُم حَتَّى تَمَّتْ خَمسِينَ ثُمَّ قَضٰى بِالدِّيَةِ، وَعَنْ شُرَيْحٍ وَالنَّخعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمَا مِثْلُ ذٰلِکَ، وَلِأَنَّ الْخَمسِينَ وَاجِبٌ بِالسُّنَّةِ فَيَجِبُ إِتْمَامُهَا مَا أَمكَنَ، ۲؎ وَلَا يُطْلَبُ فِيهِ الْوُقُوفُ عَلَى الْفَائِدَةِ لِثُبُوتِهَا بِالسُّنَّةِ ثُمَّ فِيهِ اِسْتِعْظَامُ أَمْرِ الدَّمِ، ۳؎ فَإِنْ كَانَ الْعَدَدُ كَامِلًا فَأَرَادَ الْوَلِيُّ أَنْ يُكَرِّرَ عَلٰى أَحَدِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ ذٰلِکَ، لِأَنَّ الْمَصِيرَ إِلَى التَّكْرَارِ ضَرُورَةُ الْإِكْمَالِ.

(۸۸۳) قَالَ وَلَا قَسَامَةَ عَلٰى صَبِيٍّ وَلَا مَجْنُونٍ ۱؎ لِأَنَّهُمَا لَيْسَا مِنْ أَهْلِ الْقَوْلِ الصَّحِيحِ وَالْيَمِينُ

وجه: (۱) حضرت عمر بن عبد العزیز کی روایت یہ ہے جس میں۔ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ فِي كِتَابٍ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي الْأَيْمَانِ أَنْ يَحْلِفَ الْأَوْلِيَاءُ، فَالْأَوْلِيَاءُ، فَإِذَا لَمْ يَكُنْ عَدَدُ عَصَبَتِهِ يَبْلُغُ الْخَمْسِينَ، رُدَّتِ الْأَيْمَانُ عَلَيْهِمْ، بَالِغًا مَا بَلَغُوا (مصنف عبد الرزاق، باب القسامۃ، نمبر ۱۸۲۶۵) (۲) حضرت ابراہیم نخعیؒ کی روایت یہ ہے۔ عن ابراهيم قال اذا لم يكملوا خمسين رددت الايمان عليهم (مصنف عبد الرزاق، بالقسامۃ ج عاشر، ص ۴۱۱، نمبر ۱۸۲۸۵ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۶۷ ما جاء فی القسامۃ ج خامس، ص ۴۴۰، نمبر ۲۷۸۰۳) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ پچاس پورے نہ ہوں تو انہیں لوگوں سے مکرر قسم لی جائے تا کہ پچاس پورے ہو جائیں

ترجمہ: ۲؎ پچاس کا عدد پورا کرنے میں فائدہ کیا ہے اس کی واقفیت طلب نہیں کی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ عدد حدیث سے ثابت ہے، بس اتنا جان لو کہ اس میں خون کی عظمت ہے

تشریح: پچاس کا عدد پورا کرنے میں فائدہ کیا اس کو جاننا ضروری نہیں ہے، کیونکہ یہ عدد حدیث سے ثابت ہے، اس لئے فائدہ کی جانکاری کے ہمیں مان لینی چاہئے، البتہ یہ فائدہ سامنے ہے کہ اس میں خون کی عظمت ہے، کہ یہ بیکار نہ جائے اس لئے اتنے آدمی قسم کھائیں

لغت: الوقوف علی الفائدۃ، فائدہ کیا ہے اس کی جان کاری ہو۔ استعظام امر الدم: خون کے معاملے کی عظمت، کہ خون بیکار نہ جائے۔

ترجمہ: ۳؎ اگر پچاس کا عدد پورا ہو گیا اب ولی چاہتا ہے کہ کسی ایک آدمی سے دوبارہ قسم لے تو اس کو اس کا حق نہیں ہوگا، اس لئے کہ ضرورت پوری کرنے کے لئے یہ تکرار تھی (اور پچاس کی ضرورت پوری ہو گئی اس لئے اب اس تکرار کا حق نہیں ہوگا)

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: (۸۸۳) بچے اور مجنون پر قسم نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ وہ قول صحیح کا اہل نہیں ہے، اور قسم کھانا قول صحیح کے لئے ہوتی ہے

وجه: (۱) بچے اور مجنون کو تو عقل ہی نہیں ہے اس لئے اس کی قسم کا اعتبار نہیں (۲) عن الثورى قال ليس على النساء والصبيان قسامة (مصنف عبد الرزاق، باب قسامۃ النساء، باب قسامۃ العبید، ج عاشر ص ۴۹، نمبر ۱۸۳۰۹)

قَوْلٌ صَحِيْحٌ،

(۸۸۴) قَالَ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا عَبْدٍ لِ لِأَنَّهُمَا لَيْسَا مِنْ أَهْلِ النُّصْرَةِ، وَالْيَمِيْنُ عَلٰى أَهْلِهَا.

(۸۸۵) قَالَ وَإِنْ وُجِدَ مَيِّتًا لَا أَثَرَ بِهِ فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ لِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقَتِيْلٍ، إِذِ الْقَتِيْلُ فِي الْعُرْفِ مَنْ فَاتَتْ حَيَاتُهُ بِسَبَبٍ يُبَاشِرُهُ حَيٌّ وَهٰذَا مَيِّتٌ حَتْفَ أَنْفِهِ، وَالْغَرَامَةُ تَتْبَعُ فِعْلَ الْعَبْدِ وَالْقَسَامَةُ تَتْبَعُ احْتِمَالَ الْقَتْلِ ثُمَّ يَجِبُ عَلَيْهِمُ الْقَسَمُ فَلَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ بِهِ أَثَرٌ يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلٰى كَوْنِهِ قَتِيْلًا،

ترجمہ: (۸۸۴)عورت اور غلام پر بھی قسامت کی قسم نہیں ہے۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ یہ دونوں مدد نہیں کر سکتے ہیں، اور قسم اس پر ہوتی ہے جو مدد کر سکتا ہو۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ قسامت کی قسم اس سے لی جاتی ہے جو دیت وغیرہ میں مدد کر سکے، اور یہ دونوں دیت وغیرہ میں مدد نہیں کر سکتے ہیں، غلام تو اس لئے نہیں مدد کر سکتا ہے کہ اس کا مال اس کے آقا کا مال ہے، اس کے پاس اپنا مال تو ہے ہی نہیں۔ اور عورت کے پاس اپنا مال ہے لیکن وہ اہل نصرت میں سے نہیں سمجھی جاتی ہے، اس لئے اس پر بھی قسم نہیں ہے

وجہ: (۱)اس قول تابعی میں ہے کہ غلام پر قسامت نہیں ہے۔ **عن الثوری قال لیس علی العبید قسامة** (مصنف عبدالرزاق، باب قسامۃ النساء، باب قسامۃ العبید، ج عاشر ص ۴۹، نمبر ۱۸۳۱۰)(۲) **عن الثوری قال لیس علی النساء و الصبیان قسامة** (مصنف عبدالرزاق، باب قسامۃ النساء، باب قسامۃ العبید، ج عاشر ص ۴۹، نمبر ۱۸۳۰۹)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ عورت اور غلام سے قسامت میں قسم نہیں لی جائے گی۔

ترجمہ: (۸۸۵)اگر پایا گیا کوئی ایسا مردہ جس پر کوئی اثر نہ ہو تو نہ قسامت ہے اور نہ دیت ہے۔

تشریح: قسامت اس وقت ہے جب علامت سے پتا چلے کہ اس کو قتل کیا ہے لیکن قتل کرنے کا کوئی اثر نہ ہو بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ خود بخود مرا ہے تو پھر نہ قسامت ہے اور نہ اہل محلّہ والوں پر دیت ہے۔

وجہ: اس قول تابعی میں ہے۔ **عن الثوری قال اذا وجد القتیل فی قوم به اثر کان عقله علیهم واذا لم یکن به اثر لم یکن علی العاقلة شیء الا ان تقوم البینة علی احد** مصنف عبدالرزاق، باب القسامۃ ج عاشر ص ۴۰، نمبر ۱۸۲۸۲)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ قتل کا اثر نہ ہو تو قسامت نہیں ہے۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ یہ مقتول نہیں ہے، اس لئے کہ عرف میں مقتول وہ ہے کہ کسی زندہ آدمی کے عمل کرنے سے زندگی ختم ہوئی ہو، اور یہ میت اپنی موت سے مرا ہے، اور تاوان لینا آدمی کے فعل کے تابع ہوتا ہے، اور قسامت قتل کے احتمال کے تابع ہوتا ہے، پھر اس پر قسم واجب ہوتی ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا اثر ہو جس سے استدلال کیا جا سکتا ہو یہ مقتول ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس میت پر زخم ہو، یا مارنے کا اثر ہو، یا گلا گھونٹا ہو، ایسے ہی اس کی آنکھ سے خون نکلا ہو، یا کان سے خون

وَذٰلِکَ بِأَنْ يَكُوْنَ بِهٖ جِرَاحَةٌ أَوْ أَثَرُ ضَرْبٍ أَوْ خَنْقٍ، وَكَذَا إِذَا كَانَ خَرَجَ الدَّمُ مِنْ عَيْنِهٖ أَوْ أُذُنِهٖ، لِأَنَّهُ لَا يَخْرُجُ مِنْهُمَا إِلَّا بِفِعْلٍ مِنْ جِهَةِ الْحَيِّ عَادَةً. ۲ بِخِلَافِ مَا إِذَا خَرَجَ مِنْ فِيهِ أَوْ دُبُرِهٖ أَوْ ذَكَرِهٖ، لِأَنَّ الدَّمَ يَخْرُجُ مِنْ هٰذِهِ الْمَخَارِجِ عَادَةً بِغَيْرِ فِعْلِ أَحَدٍ، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الشَّهِيْدِ.

(۸۸۶) وَلَوْ وُجِدَ بَدَنُ الْقَتِيْلِ أَوْ أَكْثَرُ مِنْ نِصْفِ الْبَدَنِ أَوِ النِّصْفُ وَمَعَهُ الرَّأْسُ فِيْ مَحَلَّةٍ فَعَلٰى أَهْلِهَا الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ،

نکلا ہو،اس لئے ان دونوں جگہوں سے عادتا زندہ آدمی کے فعل ہی سے خون نکلتا ہے

تشریح: اس عبارت میں یہ بتا رہے ہیں کہ مارنے کا اثر ہو تب ہی اہل محلّہ سے قسم اور دیت لی جا سکتی ہے،لیکن اگر مارنے کا اثر نہ ہو بلکہ ایسا لگتا ہو کہ اپنی موت سے مرا ہے تو اہل محلّہ پر نہ قسم ہے اور نہ دیت ہے۔اور مارنے کی یہ پانچ علامتیں ہیں۔ا۔زخم ہو۔۲۔مارنے کا اثر ہو۔۳۔گلا گھونٹا ہو۔۴۔آنکھ سے خون نکلا ہو۔۵۔کان سے خون نکلا ہو یہ سب علامتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل محلّہ نے مارا ہے،اس لئے ان پر قسم اور دیت لازم ہوگی

لغت: یباشر: مباشرت سے مشتق ہے کام کرنا،کام میں شریک ہونا۔حتف انفہ :حتف کا ترجمہ ہے موت،حتف انفہ کا ترجمہ ہوا ناک سے بد نکل گئی جس سے موت ہوگئی۔الغرامۃ : تاوان۔جراحۃ : زخم۔خنق : گلا گھوٹنا۔

ترجمہ: ۲ بخلاف اگر اس کے منہ سے خون نکلا، یا اس کے پاخانہ کے راستے سے خون نکلا، یا اس کے ذکر سے خون نکلا (تو قسامت نہیں ہوگی) اس لئے کہ ان سوراخوں سے عادتا خون نکل جاتا ہے بغیر کسی کے فعل کے،اور اس بات کو شہید کے باب میں ذکر کیا ہے

تشریح: منہ، پاخانہ کا راستہ،اور ذکر سے بغیر مار کے بھی خون نکل جاتا ہے اس لئے میت کے ان اعضاء سے خون نکلا ہو تو یہ قتل کی علامت نہیں ہے،اس لئے ان میں قسم اور دیت نہیں ہوگی۔

لغت: مخارق :خرق سے مشتق ہے،سوراخ

ترجمہ: (۸۸۶) اگر مقتول کا پورا بدن پایا گیا، یا آدھے بدن کا اکثر پایا گیا، یا آدھا بدن کے ساتھ سر بھی کسی محلے میں پایا گیا تو اس محلے والوں پر قسامت ہے اور دیت بھی ہے

اصول: اکثر بدن کو پورے کے درجے میں رکھتے ہیں

اصول: آدھے بدن کے ساتھ سر بھی ہو تو اس کو بھی پورا بدن کے درجے میں رکھتے ہیں

تشریح: یہاں تین صورتیں ہیں،جن کے پائے جانے سے محلے والوں پر قسامت اور دیت ہے ۔ا۔پورا بدن پایا گیا۔۲۔آدھے سے زیادہ بدن پایا گیا۔۳۔آدھے بدن کے ساتھ سر بھی ہے۔تو یہ پورے بدن کے شمار میں ہیں اس لئے محلے میں ان

(۸۸۷) وَإِنْ وُجِدَ نِصْفُهُ مَشْقُوقًا بِالطُّولِ أَوْ وُجِدَ أَقَلُّ مِنَ النِّصْفِ وَمَعَهُ الرَّأْسُ أَوْ وُجِدَ يَدُهُ أَوْ رِجْلُهُ أَوْ رَأْسُهُ فَلا شَيْءَ عَلَيْهِمْ، لِ لِأَنَّ هٰذَا حُكْمٌ عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ وَقَدْ وَرَدَ بِهِ فِي الْبَدَنِ إِلَّا أَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ تَعْظِيمًا لِلْآدَمِيِّ. بِخِلَافِ الْأَقَلِّ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِبَدَنٍ وَلَا مُلْحَقٍ بِهِ فَلَا تَجْرِي فِيهِ الْقَسَامَةُ

کے پائے جانے پر قسامت اور دیت دونوں لازم ہوں گے

ترجمہ: (۸۸۷) اور اگر آدھا پایا گیا لیکن لمبائی میں بدن چیرا ہوا ہے، یا سر کے ساتھ آدھے بدن سے کم ہے، یا ہاتھ پایا گیا، یا صرف پاوں پایا گیا ہے، تو محلے والوں پر کچھ نہیں ہے

تشریح: یہ پانچ صورتیں ہیں جنکے پائے جانے پر محلے والوں پر قسامت اور دیت نہیں ہے۔ ا۔ آدھا بدن تو پایا گیا ہے لیکن لمبائی میں چیرا ہوا پایا گیا ہے۔ ۲۔ سر تو ہے لیکن اس کے ساتھ آدھے بدن سے کم ہے۔ ۳۔ یا صرف ہاتھ ہے۔ ۴۔ صرف پاوں ہے۔ ۵۔ یا صرف سر ہے، تو ان پانچ صورتوں میں محلے والوں پر نہ قسم ہے، اور نہ دیت ہے

وجہ: یہ اکثر نہیں ہے جو کل کے حکم میں کر دیا جائے۔ (۲) اگر اس عضو پر قسامت، اور دیت لازم کی جائے تو باقی جو دوسرا حصہ ہے اور اس سے بھی بڑا ہے اس پر بھی قسامت اور دیت لازم ہوگی تو ایک ہی عضو پر دو مرتبہ قسامت اور دیت لازم ہوئی جو صحیح نہیں ہے اس لئے کم عضو پر قسامت اور دیت لازم نہیں ہوگی۔ (۳) حدیث میں جو قسامت ہے وہ پورے بدن پر ہے، اور یہ آدھے بدن سے بھی کم ہے اس لئے یہ حدیث کے تحت میں نہیں آئے گا، اس لئے ان پانچوں صورتوں میں قسامت اور دیت نہیں ہوگی۔ (۴) عن الشعبی قال اذا وجد بدن القتیل فی دار او مکان صلی علیه وعقل واذا وجد رأس او رجل لم یصل علیه ولم یعقل (مصنف عبدالرزاق، باب القسامة ج عاشر ص ۴۴ نمبر ۱۸۲۹۶) اس قول تابعی میں ہے کہ۔ صرف سر ہو یا صرف ٹانگ ہو تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ وہ اصل آدمی نہیں ہے صرف ایک ٹکڑا ہے۔

ترجمہ: لے یہ قسامت کا حکم ہم کو حدیث سے پتا چلا ہے، اور حدیث میں پورے بدن کے بارے میں قسامت ہے، لیکن آدمی کی تعظیم کے لئے اکثر کو کل کے حکم میں کر دیا ہے، بخلاف کم بدن ہو تو وہ پورا بدن نہیں ہے، اور نہ پورے بدن کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے اس لئے اس میں قسامت جاری نہیں ہوگی، اور اگر ہم کم بدن میں قسامت کا اعتبار کر لیں تو ایک ہی نفس میں دو قسامت اور دو دیتیں مکرر ہو جائیں گی، حال آنکہ یہ دو نہیں ہوتیں

تشریح: قسامت کا حکم حدیث سے معلوم ہوا ہے، اور حدیث میں یہ ہے کہ پورا بدن ہو تب قسامت ہوگی، البتہ اکثر بدن کو کل کا حکم دیکر اکثر بدن میں قسامت اور دیت کر دی گئی ہے، اور کم بدن نہ کل بدن ہے اور نہ کل کے ساتھ ملحق ہے، اس لئے کم بدن میں قسامت نہیں ہوگی، دوسری بات یہ ہے کہ کم بدن میں بھی قسامت لازم کریں، تو بڑے بدن کی بھی قسامت ہوگی اور اس کم بدن کی بھی قسامت اور دیت ہوگی، تو ایک ہی بدن کی دو قسامت اور دو دیتیں ہو جائیں گی، حال آنکہ ایک بدن میں دو

وَلِأَنَّا لَوْ اِعْتَبَرْنَاهُ تَتَكَرَّرُ الْقَسَامَتَانِ وَالدِّيَتَانِ بِمُقَابَلَةِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَلَا تَتَوَالَيَانِ، ۲ وَالْأَصْلُ فِيْهِ أَنَّ الْمَوْجُوْدَ الْأَوَّلَ إِنْ كَانَ بِحَالٍ لَوْ وُجِدَ الْبَاقِيْ تَجْرِيْ فِيْهِ الْقَسَامَةُ لَا تَجِبُ فِيْهِ، وَإِنْ كَانَ بِحَالٍ لَوْ وُجِدَ الْبَاقِيْ لَا تَجْرِيْ فِيْهِ الْقَسَامَةُ تَجِبُ، وَالْمَعْنٰى مَا أَشَرْنَا إِلَيْهِ، وَصَلَاةُ الْجَنَازَةِ فِيْ هٰذَا تَنْسَحِبُ عَلٰى هٰذَا الْأَصْلِ، لِأَنَّهَا لَا تَتَكَرَّرُ.

(۸۸۸) وَلَوْ وُجِدَ فِيْهِمْ جَنِيْنٌ أَوْ سِقْطٌ لَيْسَ بِهِ أَثَرُ الضَّرْبِ فَلَا شَيْءَ عَلٰى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، ۱ لِأَنَّهُ لَا يَفُوْقُ الْكَبِيْرَ حَالًا،

دیتیں نہیں ہیں اس لئے کم بدن میں دیت اور قسامت نہیں ہوگی

لغت: لاتتوالیان: توالی سے مشتق ہے، پے در پے ہونا، مکرر ہونا

ترجمہ: ۲ اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ بدن اتنا چھوٹا ہو کہ اگر باقی دوسرا حصہ مل جائے تو اس میں ہی قسامت جاری ہو تو اس چھوٹے بدن میں قسامت جاری نہیں ہوگی، اور اگر بدن اس حال میں ہو (یعنی اتنا بڑا ہو) کہ باقی حصہ ملے تو اس میں قسامت جاری نہ ہو تو اس پہلے میں قسامت جاری ہوگی، اور معنی وہ ہے جو ہم نے اشارہ کیا (کہ دو مرتبہ قسامت کرنی پڑے گی) ، اور نماز جنازہ بھی اسی قاعدے پر ہوگی، اس لئے کہ اس میں تکرار نہیں ہوتی

تشریح: یہاں قاعدہ کلیہ بتا رہے ہیں۔ کہ اگر بدن کا جو حصہ آپ کے پاس ہے وہ اتنا چھوٹا ہے کہ اس کا باقی بڑا حصہ مل جائے تو اس میں قسامت ہوگی تو آپ کے حصے میں قسامت نہیں ہوگی، تا کہ اس میں بھی اور اس میں قسامت ہو کر دو قسامت نہ ہو جائے۔ اور اگر آپ کے پاس بدن کا اتنا بڑا حصہ ہے کہ باقی چھوٹا حصہ ملے تو اس میں قسامت نہیں ہوگی، تو اب آپ کے حصے میں قسامت ہو جائے گی، کیونکہ اس چھوٹے حصے میں قسامت ہونے والی نہیں ہے۔ بس یہ قاعدہ ہے۔ اور نماز جنازہ میں بھی یہی قاعدہ ہے، کیونکہ نماز جنازہ بھی دو مرتبہ نہیں ہوتی ہے

ترجمہ: (۸۸۸) اور اگر محلے میں ادھورا بچہ پایا گیا، یا ناقص بچہ پایا گیا، اور اس میں مار کا اثر نہ ہو تو محلے والوں پر کوئی قسامت یا دیت نہیں ہے

ترجمہ: ۱ اس لئے یہ ناقص بچہ بڑے سے بہتر نہیں ہے

تشریح: بڑا آدمی محلے میں پایا جائے اور اس پر مار کا اثر نہ ہو تو اس میں قسامت اور دیت نہیں ہے، تو ناقص بچہ ہو یا ادھورا بچہ ہو اور اس پر مار کا اثر نہ ہو تو بدرجہ اولی قسامت اور دیت لازم نہیں ہوگی۔

لغت: جنین: ادھوا بچہ، پیٹ کا بچہ۔ سقط: ناقص بچہ۔

(۸۸۹) وَإِنْ كَانَ بِهِ أَثَرُ الضَّرْبِ وَهُوَ تَامُّ الْخَلْقِ وَجَبَتِ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَيْهِمْ، ۱ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ تَامَّ الْخَلْقِ يَنْفَصِلُ حَيًّا،

(۸۹۰) وَإِنْ كَانَ نَاقِصَ الْخَلْقِ فَلا شَيْءَ عَلَيْهِمْ، ۱ لِأَنَّهُ يَنْفَصِلُ مَيِّتًا لا حَيًّا.

(۸۹۱) قَالَ وَإِذَا وُجِدَ الْقَتِيلُ عَلَى دَابَّةٍ يَسُوقُهَا رَجُلٌ فَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ دُونَ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، ۱ لِأَنَّهُ فِي يَدِهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ فِي دَارِهِ، وَكَذَا إِذَا كَانَ قَائِدَهَا أَوْ رَاكِبَهَا

(۸۹۲) فَإِنِ اجْتَمَعُوا فَعَلَيْهِمْ،

ترجمه: (۸۸۹) اوراگراس بچے پر مار کا اثر ہو اور بچہ تام الخلقت ہو تو محلے والوں پر قسامت بھی ہوگی اور دیت بھی ہوگی

ترجمه: ۱ اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ تام الخلقت زندہ پیدا ہوتا ہے (اور زندہ آدمی کے مارنے پر قسامت اور دیت لازم ہوتی ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمه: (۸۹۰) اور اگر ناقص الخلقت ہے تو محلے والوں پر کچھ نہیں ہے

ترجمه: ۱ اس لئے کہ ایسا بچہ مردہ پیدا ہوتا ہے، زندہ پیدا نہیں ہوتا ہے (اور مرے ہوئے بچے کے مرنے پر دیت نہیں ہے، کیونکہ اس کو کسی نے قتل نہیں کیا ہے، وہ پہلے سے مرا ہوا ہے)

تشریح: واضح ہے

ترجمه: (۸۹۱) اگر مقتول کسی سواری پر ہو جس کو ایک آدمی ہانک رہا ہو تو دیت اس کے عاقلہ پر ہے نہ کہ محلّہ والوں پر۔

ترجمه: ۱ اس لئے کہ میت اس کے قبضے میں ہے، تو ایسا ہو گیا کہ میت اس کے گھر میں ہو، ایسے ہی اگر جانور کو کھینچ رہا ہو، یا اس پر سوار ہو تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ ظاہری علامت سے جو قاتل نظر آتا ہو دیت یا قسامت اسی پر ہے

وجه: (۱) یہاں سواری پر لاش ہے اور آدمی اس کو ہانک بھی رہا ہے، یا کھینچ رہا ہے تو ظاہری علامت یہی ہے کہ یہی اس کا قاتل ہے۔ اس لئے جانور والے پر ہی دیت ہوگی اور قاتل کا پتا چل گیا تو اہل محلّہ سے قسامت ساقط ہو جائے گی (۲) قول تابعی میں اس کا اشارہ ہے۔ قال اتی شریح فی رجل وجد میتا علی دکان بباب قوم لیس فیه اثر فاستحلف اهل البیت (مصنف عبد الرزاق، باب القسامة ج عاشر ص ۴۴ نمبر ۱۸۲۹۵) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ کسی کے دروازے پر لاش پائی جائے تو اس گھر والے کو قسم کھلائی جائے گی۔ اسی طرح کسی کی سواری پر لاش پائی جائے تو اس پر اس کی دیت لازم ہوگی۔

ترجمه: (۸۹۲) اور اگر اس بارے میں سبھی جمع ہو گئے تو سب پر دیت ہوگی

لے لِأَنَّ الْقَتِيْلَ فِيْ أَيْدِيْهِمْ فَصَارَ كَمَا إِذَا وُجِدَ فِيْ دَارِهِمْ.

(۸۹۳) قَالَ وَإِنْ مَرَّتْ دَابَّةٌ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ وَعَلَيْهَا قَتِيْلٌ فَهُوَ عَلٰى أَقْرَبِهِمَا لے لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أُتِيَ بِقَتِيْلٍ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ فَأَمَرَ أَنْ يُذْرَعَ، وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ لَمَّا كُتِبَ إِلَيْهِ فِي الْقَتِلِ الَّذِيْ وُجِدَ بَيْنَ وَادِعَةَ وَأَرْحَبَ كَتَبَ بِأَنْ يَّقِيْسَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ فَوُجِدَ الْقَتِيْلُ إِلٰى وَادِعَةَ أَقْرَبَ فَقَضٰى عَلَيْهِمْ بِالْقَسَامَةِ، ۲ قِيْلَ هٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلٰى مَا إِذَا كَانَ بِحَيْثُ يَبْلُغُ أَهْلَهُ الصَّوْتُ، لِأَنَّهُ إِذَا

ترجمه: لے اس لئے کہ مقتول ان کے قبضے میں ہے، تو ایسا ہو گیا کہ مقتول ان کے گھر میں پایا گیا ہو

تشریح: ایک جانور پر مقتول کی لاش ہے، اس جانور کو ایک آدمی ہانک رہا ہے، دوسرا اس کو کھینچ رہا ہے، تیسرا اس جانور پر سوار ہے، تو ان تینوں پر اس کی دیت لازم ہوگی، اور تینوں کے عاقلہ اس دیت کو ادا کریں گے

وجه: اس لئے کہ گویا کہ تینوں قتل کرنے میں شریک ہوئے ہیں۔ علامت یہی ہے

ترجمه: (۸۹۳) اگر جانور دو گاؤں کے بیچ میں جا رہا تھا اور اس پر مردہ تھا تو جو گاؤں قریب میں ہے اس پر دیت ہوگی

ترجمه: لے اس لئے کہ روایت ہے کہ حضورؐ کے سامنے ایک ایسا مقتول کا واقعہ سامنے آیا جو دو گاؤں کے درمیان میں پایا گیا تو آپ نے حکم دیا کہ پیائش کی جائے (اور جو گاؤں قریب نکلے اس پر دیت ہو) اور حضرت عمر سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک مقتول کے بارے میں خط لکھا جو وادعہ اور ارحب گاؤں کے بیچ میں تھا تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ دونوں گاؤں کی پیائش کی جائے تو مقتول کو وادعہ گاؤں سے زیادہ قریب پایا تو انہیں لوگوں پر قسامت کا فیصلہ فرمایا

اصول: جہاں دو چیزیں مبہم ہوں تو جو قریب میں ہو قرینہ یہ ہے کہ اسی نے قتل کیا ہوگا، اس علامت پر فیصلہ کیا جائے گا

تشریح: ایک جانور جا رہا ہے، اس پر کوئی سواری نہیں ہے، اور وہ دو گاؤں کے بیچ میں ہے، جس سے قاتل کا فیصلہ کرنا مشکل ہے، اور اس پر مقتول رکھا ہوا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ یہ جانور کس گاؤں کے قریب ہے، اسی پر قسامت اور دیت ہوگی

وجه: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: " وَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَتِيلًا بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذُرِعَ مَا بَيْنَهُمَا – قَالَ: وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى شِبْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – فَأَلْقَاهُ عَلَى أَقْرَبِهِمَا (مسند احمد، مسند ابی سعید الخدری، نمبر ۱۱۳۴۱) (۲) صاحب ھدایہ کا حضرت عمر کا قول یہ ہے۔ عَنِ الشَّعْبِيِّ، أَنَّ قَتِيلًا وُجِدَ بَيْنَ وَادِعَةَ وَشَاكِرٍ فَأَمَرَهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنْ يَقِيسُوا مَا بَيْنَهُمَا، فَوَجَدُوهُ إِلَى وَادِعَةَ أَقْرَبَ »فَأَحْلَفَهُمْ عُمَرُ خَمْسِينَ يَمِينًا، كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ، مَا قَتَلْتُ، وَلَا عَلِمْتُ قَاتِلًا، ثُمَّ أَغْرَمَهُمُ الدِّيَةَ (مصنف عبد الرزاق، باب القسامة، نمبر ۱۸۲۶۶)

ترجمه: ۲ کچھ حضرات نے فرمایا کہ یہ اس بات پر محمول ہے کہ اس گاؤں تک میت کی آواز پہنچتی ہو، اس لئے اگر اس

كَانَ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ يَلْحَقُهُ الْغَوْثُ فَتُمَكِّنُهُمُ النُّصْرُ وَقَدْ قَصَّرُوْا.

(۸۹۴) قَالَ وَإِنْ وُجِدَ الْقَتِيْلُ فِيْ دَارِ إِنْسَانٍ فَالْقَسَامَةُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ الدَّارَ فِيْ يَدِهِ وَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهِ ا لِأَنَّ نُصْرَتَهُ مِنْهُمْ وَقُوَّتَهُ بِهِمْ.

(۸۹۵) قَالَ وَلَا تَدْخُلُ السُّكَّانُ فِي الْقَسَامَةِ مَعَ الْمُلَّاكِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ

صفت پر ہوتو میت کو مدد پہنچ سکتی ہوتو گاوں والے اس کی مدد کر سکتے ہوں، پھر مدد نہیں کی تو دیت لازم ہوگی

اصول: یہاں اصول یہ ہے کہ جو گاوں والے مقتول کی مدد کر سکتے ہوں، پھر بھی نہیں کی اور وہ مقتول ہو گیا تو ان پر قسامت بھی ہے اور دیت بھی ہے

تشریح: کچھ حضرات نے فرمایا کہ قریب کے گاوں والوں پر دیت اس وقت واجب ہوگی جبکہ مرنے والا اس گاوں والوں سے اتنی دوری پر ہے کہ مرنے والے کی آواز گاوں تک پہنچ سکتی ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ مثلا مرنے والے نے آواز دی اور گاوں والس نے مدد نہیں کی تو یہ گاوں والوں کا قصور ہے ان لئے اس گاوں والوں پر دیت لازم ہوگی، لیکن وہ گاوں اتنا دور ہے کہ وہاں تک مرنے والے کی آواز نہیں پہنچ سکتی ہے تو اس صورت میں مرنے والے کی آواز گاوں والوں تک نہیں پہنچی اس لئے اس نے مدد کرنے میں کوتاہی نہیں کی اس لئے ان پر دیت لازم نہیں ہوگی

لغت: الغوث: مدد۔ قصروا: کوتاہی کی

ترجمہ: (۸۹۴) اگر مقتول پایا گیا کسی انسان کے گھر میں تو قسامت گھر والے پر ہے (اس لئے کہ گھر اسی کے قبضے میں ہے) اور دیت اس کے عاقلہ پر ہے۔ اس لئے کہ گھر والے کی مدد عاقلہ ہی سے ہے، اور گھر والے کی قوت عاقلہ ہی سے

وجہ: (۱) جب اس کے گھر میں لاش پائی گئی تو ظاہری علامت یہی ہے کہ اسی نے مارا ہے، محلے والوں نے نہیں مارا ہے۔ اس لئے اسی پر قسامت ہوگی۔ اور چونکہ قتل خطا کے درجے میں ہے اس لئے اس کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی، عاقلہ پر دیت واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آدمی خاندان ہی سے مدد حاصل کرتا ہے، اور خاندان ہی سے اس کی قوت ہوتی ہے، اس لئے دیت بھی عاقلہ ہی پر ہوگی (۲) عن الشعبی قال اذا وجد بدن القتیل فی دار او مکان صلی علیه وعقل واذا وجد رأس او رجل لم یصل علیه ولم یعقل (مصنف عبد الرزاق، باب القسامۃ ج عاشر ص ۴۴ نمبر ۱۸۲۹۶) اس قول تابعی سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ جس کے گھر میں لاش پائی جائے دیت اس پر لازم ہوگی۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نماز پڑھنے وغیرہ میں بدن کا اعتبار ہے کہ بدن ملے تو لازم ہوگی۔ صرف سر ہو یا صرف ٹانگ ہو تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ وہ اصل آدمی نہیں ہے صرف ایک ٹکڑا ہے۔

ترجمہ: (۸۹۵) اور مالکوں کے ہوتے ہوئے کرایہ دار قسامت میں نہیں داخل ہوں گے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک

لـ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، ٢ـ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ هُوَ عَلَيْهِمْ جَمِيْعًا، لِأَنَّ وِلَايَةَ التَّدْبِيْرِ كَمَا تَكُوْنُ بِالْمِلْكِ تَكُوْنُ بِالسُّكْنٰى، أَلَا تَرٰى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَعَلَ الْقَسَامَةَ وَالدِّيَةَ عَلَى الْيَهُوْدِ وَإِنَّهُ كَانُوْا سُكَّانًا بِخَيْبَرَ، ٣ـ وَلَهُمَا أَنَّ الْمَالِكَ هُوَ الْمُخْتَصُّ بِنُصْرَةِ الْبُقْعَةِ دُوْنَ السُّكَّانِ، لِأَنَّ سُكْنَى الْمُلَّاكِ أَلْزَمُ وَقَرَارُهُمْ أَدْوَمُ فَكَانَتْ وِلَايَةُ التَّدْبِيْرِ إِلَيْهِمْ فَيَتَحَقَّقُ التَّقْصِيْرُ مِنْهُمْ، وَأَمَّا أَهْلُ خَيْبَرَ فَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَقَرَّهُمْ عَلٰى أَمْلَاكِهِمْ وَكَانَ يَأْخُذُ مِنْهُمْ عَلٰى

ترجمہ: لـ امام محمدؒ کا قول بھی یہی ہے

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جولوگ زمین کے اصل مالک ہیں یعنی ملک فتح کرنے کے وقت حاکم نے جن جن کو لکھ کر زمین حوالہ کی ہے انہیں لوگوں سے قسامت لی جائے گی۔ جولوگ کرایہ پر گھر لئے ہیں یا زمین کو خرید کر رہتے ہیں ان لوگوں سے قسامت نہیں لی جائے گی چاہے اصل مالک ایک ہی ہو اسی سے قسامت لی جائے گی۔

ترجمہ: ٢ـ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ سب پر (مالک اور کرایہ دار) قسامت ہوگی اس لئے کہ تدبیر کی ولایت جیسے مالک پر ہوتی ہے ویسے کرایہ دار پر بھی ہوتی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ حضور ؐ نے قسامت اور دیت خیبر کے یہود پر کیا تھا، حال آنکہ وہ خیبر میں کرایہ دار تھے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کرایہ دار یا بعد میں زمین خرید کر رہنے والے اور اصل مالک سب سے قسامت لی جائے گی۔

وجہ: (۱) کیونکہ سبھی قتل میں شریک ہو سکتے ہیں۔ یا سب کو قتل کرنے والوں کی معلومات ہو سکتی ہے۔ اس لئے محلے میں رہنے والے سبھی سے قسم لی جائے گی (۲) اہل خیبر کے یہودیوں سے قسم لی اور ان پر دیت بھی لازم کی حال انکہ وہ وہاں کرایہ دار تھے، زمین کے مالک نہیں تھے، زمین کے مالک تو حضور ہو گئے تھے، کیونکہ خیبر فتح ہو چکا تھا

لغت: سکان: ساکن کی جمع ہے، کرایہ دار، ملاک: مالک کی جمع ہے زمین کے اصل مالک،

ترجمہ: ٣ـ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ بقعہ کی مدد مالک کے ساتھ خاص ہے کرایہ دار کے ساتھ نہیں، اس لئے کہ مالک کی رہائش زیادہ لازم ہے اور زیادہ دیر پا ہے اس لئے تدبیر کرنے کی ولایت انہیں کو ہے اس لئے انہیں سے حفاظت میں قصور ہوا، اور خیبر والوں کا حال یہ تھا کہ حضور ؐ نے یہود کو اس کی ملکیت پر برقرار رکھا تھا اور ان سے خراج وصول کر رہے تھے (کرایہ نہیں)

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس علاقے (بقعہ) کی مدد کرنا یہ اس زمین کے مالکوں کی ذمہ داری ہے، اس لئے کہ وہی لوگ وہاں ہمیشہ رہیں گے، کرایہ دار تو آج ہیں کل چلے جائیں گے، اس لئے مقتول کی حفاظت میں انہیں کا قصور ہے، اس لئے انہیں پر قسامت اور دیت ہوگی، پھر اہل خیبر کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور ؐ نے اہل خیبر کو ان کی

وَجْهِ الْخَرَاجِ.

(۸۹۶) قَالَ وَهُوَ عَلٰى أَهْلِ الْخُطَّةِ دُوْنَ الْمُشْتَرِيْنَ۔ا۔ وَهٰذَا قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، ٢ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَلْكُلُّ مُشْتَرِكُوْنَ، لِأَنَّ الضَّمَانَ إِنَّمَا يَجِبُ بِتَرْكِ الْحِفْظِ مِمَّنْ لَهُ وِلَايَةُ الْحِفْظِ، وَبِهٰذَا الطَّرِيْقِ يُجْعَلُ جَانِيًا مُقَصِّرًا، وَالْوِلَايَةُ بِاعْتِبَارِ

زمین کا مالک بنا کر رکھا تھا، یہی وجہ ہے کہ ان سے زمین کا خراج وصول کرتے تھے کرایہ نہیں، چونکہ وہ زمین کے مالک تھے اس لئے حضرت سہلؓ کے قتل میں یہود خیبر سے ہی قسامت اور دیت لی گئی تھی

لغت: البقعۃ، زمین کا ٹکڑا، خطہ۔ التقصیر: قصر سے مشتق ہے، کوتاہی۔ التدبیر: تدبیر کرنا، انتظام کرنا۔

ترجمہ: (۸۹۶) اور خطے والوں پر قسامت اور دیت ہے، زمین کے خریدنے والوں پر نہیں

ترجمہ: ا یہ قول امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا ہے

لغت: خطہ: علاقہ جب فتح ہوا تو امام نے زمین کے ٹکڑوں کو حصہ کر کے مجاہدین کو تقسیم کیا تو ان حصوں کو خطہ کہتے ہیں، اور خطے کے اصل مالک کا انتقال ہو گیا ہو تو اس کی اولاد کو صاحب خطہ کہا جاتا ہے۔ مشتری: جو لوگ اس خطے کو بعد میں خرید لیں ان کو مشتری، یعنی زمین خریدنے والے، کہتے ہیں

تشریح: ایک آدمی ایک علاقے میں مقتول ہوا تو اس زمین کا جو اصل مالک ہے، اور صاحب خطہ ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر قسامت اور دیت ہوگی، اس علاقے میں جس نے بعد میں زمین خریدی اور مشتری بنے ان پر قسامت اور دیت نہیں ہوگی۔

وجہ: اس علاقے میں مقتول کی مدد کی ذمہ داری انہیں اصل مالکوں کی ہے، خریدنے والوں کی نہیں اس لئے انہیں پر دیت اور قسامت ہوگی

ترجمہ: ٢ حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اصل مالک اور خریدنے والے دونوں قسامت میں شریک ہوں گے، اس طرح وہ جنایت کرنے والا اور کوتاہی کرنے والا ہوا، اور حفاظت کی ولایت ملکیت کے اعتبار سے ہے اور اس ملکیت میں دونوں (اصل مالک، اور خریدنے والا) برابر ہیں (اس لئے دونوں پر قسامت ہوگی)

تشریح: امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ خطے والے اور خریدنے والے دونوں پر دیت لازم ہوگی

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ حفاظت کی ذمہ داری زمین کے مالک پر ہوتی ہے، اور یہاں خطہ والا اور خریدنے والا دونوں زمین کے مالک ہیں اس لئے دونوں نے حفاظت کرنے میں کوتاہی کی ہے اس لئے دونوں پر دیت اور قسامت لازم ہوگی

الْمِلْکِ وَقَدِ اسْتَوَوْا فِيهِ، ۳؎ وَلَهُمَا أَنَّ صَاحِبَ الْخُطَّةِ هُوَ الْمُخْتَصُّ بِنُصْرَةِ الْبُقْعَةِ هُوَ الْمُتَعَارَفُ، وَلِأَنَّهُ أَصِيلٌ وَالْمُشْتَرِیْ دَخِيلٌ، وَوِلَايَةُ التَّدْبِيرِ إِلَى الْأَصِيلِ، وَقِيلَ أَبُوْ حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ بَنٰى ذٰلِکَ عَلٰى مَا شَاهَدَ بِالْكُوْفَةِ.

(۸۹۷) قَالَ وَإِنْ بَقِيَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ فَكَذٰلِکَ (يَعْنِیْ مِنْ أَهْلِ الْخُطَّةِ لِمَا بَيَّنَّا) وَإِنْ لَمْ يَبْقَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ بِأَنْ بَاعُوْا كُلُّهُمْ فَهُوَ عَلَى الْمُشْتَرِينَ. ۱؎ لِأَنَّ الْوِلَايَةَ اِنْتَقَلَتْ إِلَيْهِمْ أَوْ خَلَصَتْ لَهُمْ لِزَوَالِ مَنْ يَتَقَدَّمُهُمْ أَوْ يُزَاحِمُهُمْ.

(۸۹۸) وَإِذَا وُجِدَ قَتِيلٌ فِیْ دَارٍ فَالْقَسَامَةُ عَلٰى رَبِّ الدَّارِ وَعَلٰى قَوْمِهٖ وَتَدْخُلُ الْعَاقِلَةُ فِی الْقَسَامَةِ

ترجمه: ۳؎ امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ خطہ والا ہی حفاظت کے لئے خاص ہے، اور یہی متعارف ہے، اس لئے کہ وہ اصل ہے، اور مشتری بعد میں داخل ہونے والا ہے، اور تدبیر کرنے کی ذمہ داری اصیل کو ہوتی ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کوفہ میں جو کچھ دیکھا اس کا تذکرہ کیا ہے

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل ذمہ داری خطے والے کی ہے، کیونکہ وہ اصل ہے، اور خریدنے والا دخیل اور بعد میں آنے والا ہے، اس لئے اصیل ہی حفاظت کا ذمہ دار ہے اور اسی پر دیت اور قسامت ہوگی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ کوفہ میں یہی تھا کہ اصیل کی ذمہ داری ہوتی تھی خریدنے والے کی نہیں اس لئے اسی پر دیت ہوگی، امام ابوحنیفہؒ نے اس کا مشاہدہ کیا ہے اور اسی کا تذکرہ کیا ہے

ترجمه: (۸۹۷) اور اگر خطہ والا ایک بھی اس زمین میں باقی ہے تو ایسے ہی ہے (یعنی اسی پر قسامت اور دیت ہے) اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی) اور اگر ان خطے والوں میں سے ایک بھی باقی نہیں رہا اس طرح کہ سب نے زمین بیچ دی تو اب خریدنے والوں پر دیت لازم ہوگی

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ ان مشتری کی طرف ذمہ داری منتقل ہوگئی ہے اور ان کے لئے خاص ہوگیا ہے، اس سے مقدم کے زائل ہونے کی وجہ سے اور جو اس سے مزاحم تھے ان کے زائل ہونے کی وجہ سے

تشریح: یہاں دو باتیں بیان کررہے ہیں۔ ۱۔ ایک یہ کہ ایک بھی اصل خطہ والا باقی ہو تو اسی پر دیت لازم ہوگی مشتری پر نہیں ہوگی، کیونکہ ابھی بھی اصل باقی ہے۔ ۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر سارے خطے والوں نے زمین بیچ دی اور صرف خریدنے والے باقی رہے تو اب انہیں خریدنے والوں پر قسامت اور دیت لازم ہوگی، کیونکہ اب اس کے مزاحم کوئی آدمی نہیں رہا، اور خون بیکار نہیں جانا چاہئے اس لئے مشتری پر دیت وقسامت ہوگی

ترجمه: (۸۹۸) اگر مقتول کسی گھر میں پایا گیا ہو تو قسامت گھر والے پر ہے اور اس کی قوم پر بھی ہے، پس اگر عاقلہ

إِنْ كَانُوْا حُضُوْرًا، وَإِنْ كَانُوْا غُيَّبًا فَالْقَسَامَةُ عَلٰى رَبِّ الدَّارِ يُكَرَّرُ عَلَيْهِ الْأَيْمَانُ، ۱؎ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، ۲؎ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَا قَسَامَةَ عَلَى الْعَاقِلَةِ، لِأَنَّ رَبَّ الدَّارِ أَخَصُّ بِهٖ مِنْ غَيْرِهٖ فَلَا يُشَارِكُهٗ غَيْرُهٗ فِيْهَا كَأَهْلِ الْمَحَلَّةِ لَا يُشَارِكُهُمْ فِيْهَا عَوَاقِلُهُمْ، ۳؎ وَلَهُمَا أَنَّ الْحُضُوْرَ لَزِمَتْهُمْ نُصْرَةُ الْبُقْعَةِ كَمَا تَلْزَمُ صَاحِبَ الدَّارِ فَيُشَارِكُوْنَهٗ فِي الْقَسَامَةِ.

موجود ہوں تو وہ قسامت میں بھی داخل ہوں گے، اور اگر وہ غائب ہوں تو وہ قسامت میں داخل نہیں ہوں گے، البتہ گھر والے پر ہی مکرر کر کے پچاس قسمیں لی جائیں گی

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے

تشریح: یہاں دو باتیں ہیں۔ ا۔ ایک ہے دیت لازم ہونا، وہ تو ہر حال میں عاقلہ پر ہے کیونکہ یہ قتل خطاء کے درجے میں ہے۔ دوسرا ہے قسم کھانا، تو اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ گھر میں مقتول پایا گیا ہو تو اگر عاقلہ اور خاندان کے لوگ اسی گاؤں میں موجود ہوں تو ان پر بھی قسم ہے۔ اور اگر اس گاؤں میں نہ ہوں تو عاقلہ پر صرف دیت ہوگی ان پر قسم نہیں ہوگی۔ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے

لغت: غیبا: غائب کی جمع ہے، غائب ہونا۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ عاقلہ پر قسم نہیں ہوگی اس لئے کہ یہ گھر اسی کا ہے دوسرا آدمی اس میں شریک نہیں ہے، جیسے محلے والوں پر قسم ہو تو اس میں محلے والوں پر قسم نہیں ہوتی ہے (ایسے ہی یہاں ہوگا)

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ صرف اس گھر والے پر قسم ہوگی، اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی لیکن قسم نہیں ہوگی۔ اس کی مثال دیتے ہیں کہ جس صورت میں پورے محلّہ والوں پر قسم ہو تو محلے والوں کے عاقلہ اور خاندان پر قسم لازم نہیں ہوتی ہے، اسی طرح جب گھر والے پر قسامت ہو تو اس کے خاندان اور عاقلہ پر قسم نہیں ہوگی، صرف قتل خطاء ہونے کی وجہ سے ان پر دیت لازم ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب عاقلہ گاؤں میں حاضر ہیں تو ان پر اس بقعہ کی حفاظت کی ذمہ داری ہے (اور اس میں کوتاہی کی تو ان پر بھی قسم ہوگی) جیسے گھر والے پر قسم واجب ہے اس لئے عاقلہ بھی قسامت میں شریک ہوں گے

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب عاقلہ گاؤں میں ہیں تو ان کی بھی ذمہ داری ہے کہ مقتول کی حفاظت کریں، لیکن انہوں نے بھی حفاظت میں کوتاہی کی ہے اس لئے جس طرح گھر والے پر قسم ہے اسی طرح اس کے عاقلہ پر بھی قسم ہے۔

(۸۹۹) قَالَ فَإِنْ وُجِدَ الْقَتِيْلَ فِيْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ نِصْفُهَا لِرَجُلٍ وَعُشْرُهَا لِرَجُلٍ وَلِآخَرَ مَا بَقِيَ فَهُوَ عَلٰى رُؤُسِ الرِّجَالِ، ۱؎ لِأَنَّ صَاحِبَ الْقَلِيْلِ يُزَاحِمُ صَاحِبَ الْكَثِيْرِ فِي التَّدْبِيْرِ فَكَانُوْا سَوَآءً فِي الْحِفْظِ وَالتَّقْصِيْرِ فَيَكُوْنَ عَلٰى عَدَدِ الرُّؤُسِ بِمَنْزِلَةِ الشُّفْعَةِ.

(۹۰۰) قَالَ وَمَنِ اشْتَرٰى دَارًا وَلَمْ يَقْبِضْهَا حَتّٰى وُجِدَ فِيْهَا قَتِيْلٌ فَهُوَ عَلٰى عَاقِلَةِ الْبَائِعِ، وَإِنْ كَانَ فِي الْبَيْعِ خِيَارٌ لِأَحَدِهِمَا فَهُوَ عَلٰى عَاقِلَةِ الَّذِيْ فِيْ يَدِهِ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ،

ترجمہ: (۸۹۹) اگر مقتول ایک مشترک گھر میں پایا گیا، اس گھر میں ایک آدمی کا آدھا تھا، دوسرے آدمی کا دسواں حصہ تھا، اور باقی چالیس فیصد تیسرے کا تھا، تب بھی قسم اور دیت شریک کی تعداد پر ہوگی

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ تدبیر کرنے میں چھوٹے حصے والا بڑے حصے والے کے مزاحم ہے، اس لئے حفاظت کی ذمہ داری میں، اور کوتاہی کرنے میں سب برابر ہو گئے، اس لئے آدمی کی تعداد پر ہوگی، جیسے حق شفعہ میں ہوتا ہے

اصول: یہاں اصول یہ ہے کہ گھر میں جتنے آدمی ہیں ان سب پر حفاظت کی ذمہ داری برابر ہے اس لئے سب پر برابر قسامت اور دیت ہوگی۔ حصے کی کمی اور بیشی کا اعتبار نہیں ہے

تشریح: ایک گھر میں تین آدمی شریک ہیں، ایک کا حصہ آدھا ہے، یعنی پچاس فی صد ہے، دوسرے کا حصہ دسواں حصہ ہے، یعنی دس فیصد ہے، اور باقی تیسرے کا حصہ ہے، یعنی چالیس فیصد ہے، تو یہاں ہر ایک کا حصہ کم زیادہ ہے، لیکن یہاں اس کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ حفاظت کی ذمہ داری سب کی برابر ہے اس لئے سب پر برابر قسم اور دیت لازم ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ حصہ کم یا زیادہ کے باوجود سب کو شفعہ کا حق برابر ملتا ہے، اسی طرح یہاں ہوگا۔

ترجمہ: (۹۰۰) کسی نے گھر خریدا اور اس پر ابھی قبضہ بھی نہیں کیا تھا کہ اس میں مقتول پایا گیا تو اس کی دیت بائع کے عاقلہ پر ہے، اور اگر بیع میں کسی ایک کا خیار شرط ہے تو وہ گھر جس کے قبضے میں ہو اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی، یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر گھر میں کسی کا خیار شرط نہ ہو تو (گویا کہ اس پر مشتری کی ملکیت ہے) اس لئے اس کی دیت مشتری کے عاقلہ پر ہے، اور اگر اس میں کسی کا خیار شرط ہے تو وہ مکان بعد میں جس کا ہوگا دیت اس پر ہے۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ گھر جس کے قبضے میں ہے، حفاظت کی ذمہ داری اس کی ہے اس لئے دیت اسی کے عاقلہ پر ہوگی۔

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ گھر پر جس کی ملکیت ہے، یا ہوگی، مقتول کی حفاظت کی ذمہ داری اس کی ہے اس لئے ملکیت والے کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔ اسی اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

تشریح: زید نے عمر سے گھر خریدا، ابھی گھر پر قبضہ بھی نہیں کیا تھا کہ اس میں مقتول پایا گیا، تو اب یہاں دو شکلیں ہیں، یا تو

وَقَالَا إِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ خِيَارٌ فَهُوَ عَلَى عَاقِلَةِ الْمُشْتَرِيْ وَإِنْ كَانَ فِيهِ خِيَارٌ فَهُوَ عَلَى عَاقِلَةِ الَّذِيْ تَصِيْرُ لَهُ، ۱؎ لِأَنَّهُ إِنَّمَا أُنْزِلَ قَاتِلًا بِاعْتِبَارِ التَّقْصِيْرِ فِي الْحِفْظِ وَلَا يَجِبُ إِلَّا عَلَى مَنْ لَهُ وِلَايَةُ الْحِفْظِ، وَالْوِلَايَةُ تُسْتَفَادُ بِالْمِلْكِ وَلِهٰذَا كَانَتِ الدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَةِ صَاحِبِ الدَّارِ دُوْنَ الْمُوْدَعِ، وَالْمِلْكُ

اس بیع میں کسی نے خیار شرط نہیں لی ہے اور بیع مکمل ہے، یعنی بیع بات ہے، اور گویا کہ مشتری کی ملکیت ہو چکی ہے، پھر بھی چونکہ یہ ابھی بھی بائع کے قبضے میں ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بائع کے عاقلہ ہی پر دیت لازم ہوگی، کیونکہ جس کے قبضے میں چیز ہوتی ہے حفاظت کی ذمہ داری اسی کی ہوتی ہے، اور یہاں ابھی بھی مشتری نے مبیع پر قبضہ نہیں کیا ہے، بلکہ بائع کا قبضہ ہے اس لئے بائع کے عاقلہ پر دیت ہوگی۔ ۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بیع کے بعد بائع یا مشتری نے خیار شرط لی ہے، اس صورت میں بیع تو ہو چکی ہے، لیکن ابھی یہ معلوم نہیں ہے کہ خیار شرط چھوڑ دے گا اور مبیع مشتری کے پاس چلی جائے گی، اور یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ خیار شرط کی بنا پر مبیع بائع کے پاس ہی رہ جائے گی، لیکن دونوں صورتوں میں قتل کے وقت مبیع جس کے قبضے میں ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسی کے عاقلہ پر دیت ہوگی، کیونکہ گھر کی حفاظت اسی کے ذمے تھی

اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ ہے کہ قتل کے وقت گھر کی ملکیت جس کی ہے، اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی، اگر بیع بات ہو چکی ہے اور مشتری کی ملکیت ہو چکی ہے تو اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی، اور اگر خیار شرط ہے، تو یہ دیکھا جائے گا کہ یہ گھر کی ملکیت کس کی ہوگی، جس کی ملکیت ہوگی اسی کے عاقلہ پر دیت ہوگی، کیونکہ ان کے یہاں جس کی ملکیت ہے اسی کے عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ حفاظت کرنے میں کوتاہی کے اعتبار سے اس کو قاتل کے درجے میں اتار دیا گیا ہے، اور جس پر حفاظت کی ذمہ داری ہے اسی پر دیت واجب ہوتی ہے، اور حفاظت کی ذمہ داری ملکیت سے مستفاد ہے، (اس لئے کہ جس کی ملکیت ہے اسی کے عاقلہ پر دیت ہوگی) یہی وجہ ہے کہ گھر کے مالک کے عاقلہ پر دیت ہوتی ہے، جس کے پاس گھر امانت پر رکھا ہوا اس پر دیت لازم نہیں ہوتی ہے، اور بیع تام میں قبضہ سے پہلے ہی مشتری کی ملکیت ہے (اس لئے دیت مشتری پر ہوگی) اور جس میں خیار شرط ہے اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ ملکیت کس کی ہوگی (اس پر دیت ہوگی)

تشریح: یہ لمبی عبارت صاحبین کی دلیل ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ حفاظت کی ذمہ داری ملکیت کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لئے اگر بیع تام ہے تو اس گھر کی ملکیت مشتری کی ہے اس لئے اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی، اور اگر خیار شرط ہے تو بعد میں جس کی ملکیت ہوگی اسی کے عاقلہ پر دیت ہوگی۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ ایک گھر زید کا ہے لیکن عمر کے پاس امانت پر رکھا ہوا ہے اور اس میں مقتول پایا گیا ہے تو امانت والے پر دیت نہیں ہوگی، بلکہ جس کی ملکیت ہے اس پر دیت لازم ہوگی۔ اسی طرح یہاں گھر پر جس کی ملکیت ہوگی اسی کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی

لغت: المشروط فیہ الخیار: جس بیع میں خیار کی شرط ہو۔ خیار شرط اس کو کہتے ہیں کہ بیع کرنے کے بعد بائع یا مشتری یہ اختیار

لِلْمُشْتَرِیُ قَبْلَ الْقَبْضِ فِی الْبَیْعِ الْبَاتِّ، وَفِی الْمَشْرُوْطِ فِیْهِ الْخِیَارُ یُعْتَبَرُ قَرَارُ الْمِلْکِ ۲ کَمَا فِیْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ. ۳ وَلَهُ أَنَّ الْقُدْرَةَ عَلَی الْحِفْظِ بِالْیَدِ لَا بِالْمِلْکِ أَلَا یَرٰی أَنَّهُ یَقْتَدِرُ عَلَی الْحِفْظِ بِالْیَدِ بِدُوْنِ الْمِلْکِ وَلَا یَقْتَدِرُ بِالْمِلْکِ بِدُوْنِ الْیَدِ، وَفِی الْبَاتِ الْیَدُ لِلْبَائِعِ قَبْلَ الْقَبْضِ ۴ وَکَذَا فِیْمَا فِیْهِ الْخِیَارُ لِأَحَدِهِمَا قَبْلَ الْقَبْضِ، لِأَنَّهُ دُوْنَ الْبَاتِّ، ۵ وَلَوْ کَانَ الْمَبِیْعُ فِیْ یَدِ الْمُشْتَرِیُ

لے کہ مجھے تین دن تک سوچنے کا موقع دیں چاہوں تو مبیع لوں گا اور چاہوں تو نہیں لوں گا، اس کو خیار شرط کہتے ہیں۔ یعتبر قرار الملک: ملکیت کس کی ہوگی اس کا اعتبار کیا جائے گا، جس کی ملکیت ہوگی اس پر دیت ہوگی۔ الباث: مکمل بیع۔

ترجمہ: ۲ جیسے صدقۃ الفطر میں ہوتا ہے

تشریح: یہ صاحبین کی دلیل ہے، عید کے قریب غلام بیچا گیا، لیکن اس میں خیار شرط لی تو صدقۃ الفطر اس پر ہوگا جس کی بعد میں غلام ہوگا، اور اس کی ملکیت ہوگی۔ اسی طرح یہاں خیار شرط میں جس کی ملکیت بعد میں ہوگی اسی پر دیت ہوگی، کیونکہ صاحبینؒ کے نزدیک دیت کا اعتبار ملکیت پر ہے قبضے پر نہیں ہے

ترجمہ: ۳ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قبضے کی وجہ سے حفاظت کی قدرت ہوتی ہے، ملکیت کی وجہ سے نہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ امانت رکھنے والا حفاظت پر قدرت رکھتا ہے حال آنکہ اس کی ملکیت نہیں ہوتی ہے، اور بغیر قبضے کی ملکیت ہو تو حفاظت پر قدرت نہیں ہوتی ہے، اور قطعی بیع میں قبضہ سے پہلے بائع کی ملکیت ہوتی ہے۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے، کہ امانت رکھنے والے کی ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ صرف اس کا قبضہ ہوتا ہے، اور اس قبضے کی وجہ سے حفاظت پر قدرت رکھتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حفاظت کی ذمہ داری قبضے کی وجہ سے ہے ملکیت کی وجہ سے نہیں، اور قطعی بیع (بیع بات) میں مشتری کے قبضے سے پہلے اس پر بائع کا قبضہ ہوتا ہے اس لئے حفاظت کی ذمہ داری اسی کی ہے اور اس میں کوتاہی کی ہے اس لئے بائع ہی کے عاقلہ پر دیت ہوگی۔

ترجمہ: ۴ ایسے ہی جس بیع میں بائع اور مشتری دونوں میں سے ایک کو خیار شرط ہے، تو مبیع پر مشتری کے قبضہ سے پہلے (بائع کا قبضہ ہے) اس لئے کہ یہ قطعی بیع سے کم درجہ ہے (اس لئے اس صورت میں بھی بائع کے عاقلہ پر دیت ہوگی)۔

تشریح: بائع، یا مشتری نے خیار شرط لیا ہے تو یہ بیع بات سے کم درجہ ہے، اور بیع بات (قطعی بیع) میں بھی بائع کا قبضہ ہوتا ہے تو خیار شرط والی بیع میں بدرجہ اولی بائع کا قبضہ ہوگا، اور اسی کے عاقلہ پر دیت ہوگی۔

ترجمہ: ۵ اور اگر مبیع مشتری کے قبضے میں ہے، اور خیار شرط بھی مشتری ہی کو ہے تو سب کو چھوڑ کر اسی کا تصرف ہے (اس لئے اسی پر دیت ہوگی) اور اگر بائع کو خیار شرط ہے تو مبیع مشتری کے قبضے میں مضمون بالقیمت ہے جیسے مغصوب چیز غاصب کے قبضے میں مضمون بالقیمت ہوتی ہے اس لئے مشتری ہی کے قبضے کا اعتبار ہے، اس لئے کہ قبضے کی وجہ سے مشتری حفاظت پر قادر

وَالْخِيَارُ لَهُ فَهُوَ أَخَصُّ النَّاسِ بِهِ تَصَرُّفًا، وَلَوْ كَانَ الْخِيَارُ لِلْبَائِعِ فَهُوَ فِيْ يَدِهِ مَضْمُوْنٌ عَلَيْهِ بِالْقِيْمَةِ كَالْمَغْصُوْبِ فَتُعْتَبَرُ يَدُهُ، إِذْ بِهَا يَقْدِرُ عَلَى الْحِفْظِ.

(۹۰۱) قَالَ وَمَنْ كَانَ فِيْ يَدِهِ دَارٌ فَوُجِدَ فِيْهَا قَتِيْلٌ لَمْ تَعْقِلْهُ الْعَاقِلَةُ حَتّٰى تَشْهَدَ الشُّهُوْدُ أَنَّهَا لِلَّذِيْ فِيْ يَدِهِ، ۱؎ لِأَنَّهُ لَابُدَّ مِنَ الْمِلْكِ لِصَاحِبِ الْيَدِ حَتّٰى تَعْقِلَ الْعَوَاقِلُ عَنْهُ، وَالْيَدُ وَإِنْ كَانَتْ دَلِيْلًا عَلَى الْمِلْكِ وَلٰكِنَّهَا مُحْتَمِلَةٌ فَلَا تَكْفِيْ لِإِيْجَابِ الدِّيَةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ كَمَا لَا تَكْفِيْ لِاسْتِحْقَاقِ الشُّفْعَةِ بِهِ فِي الدَّارِ الْمَشْفُوْعَةِ، فَلَا بُدَّ مِنْ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ.

ہے(اس لئے اس صورت میں بھی مشتری ہی کے عاقلہ پر دیت ہوگی)۔

تشریح: یہاں تیسری اور چوتھی صورت کا بیان ہے۔تیسری صورت یہ ہے کہ مبیع مشتری کے قبضے میں ہے،اور خیار شرط بھی اسی نے لیا ہے،تو یہاں ملکیت بھی مشتری کی ہے،اور قبضہ بھی اسی کا ہے اس لئے حفاظت میں اسی کی کوتاہی ہوئی ہے اس لئے اسی پر دیت ہوگی۔اور چوتھی صورت یہ ہے کہ قبضہ مشتری کا ہے،لیکن خیار شرط بائع کی ہے،تو اس صورت میں مشتری کے ہاتھ میں مبیع مضمون بالقیمت ہے،یعنی مبیع ہلاک ہو جائے تو مشتری پر اس کی قیمت لازم ہوگی،اس لئے اس صورت میں بھی حفاظت کی ذمہ داری مشتری کی ہے اس لئے اسی پر دیت ہوگی۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ غاصب کے قبضے میں مغصوب چیز ہے تو اگر یہ چیز ہلاک ہو جائے تو غاصب پر اس کی قیمت لازم ہوگی،اس کو مضمون بالقیمت ، کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۹۰۱) کسی کے قبضے میں کوئی گھر ہے،اور اس گھر میں کوئی مقتول پایا گیا تو گھر والے کے عاقلہ اس وقت تک دیت نہیں دیں گے جب تک کہ گواہی نہ دیں کہ یہ گھر اسی قبضے والے کا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ قبضے والے کی ملکیت ہونی ضروری ہے تا کہ اس کے عاقلہ دیت ادا کریں،اور قبضہ ہونا اگر چہ ملکیت کی دلیل ہے لیکن احتمال ہے کہ(اس کی ملکیت نہ ہو عاریت ، یا امانت پر اس کے قبضے میں ہو)اس لئے عاقلہ پر دیت واجب کرنے کے لئے قبضہ کافی نہیں ہے، جیسا کہ شفعہ کے حق کے لئے دار مشفوعہ پر قبضہ کافی نہیں ہے، اس لئے گواہ قائم کرنا ضروری ہے

تشریح: گھر پر قبضہ ہونے سے یہ دلیل نہیں ہے کہ یہ اس کی ملکیت کا گھر ہے، کیونکہ امانت کے طور پر ہو، یا عاریت کے طور پر ہو، یا غصب کے طور پر ہو تب بھی قبضہ ہوتا ہے، لیکن اس میں ملکیت نہیں ہوتی ہے، اس لئے قبضے کے ساتھ یہ گواہی بھی ضروری ہے کہ یہ گھر اس کی ملکیت کا ہے تب جا کر قبضے والے کے عاقلہ پر دیت لازم کی جائے گی

اس کی ایک مثال ہے کہ گھر پر قبضہ ہوا اور اس گھر کے بغل میں دوسرا گھر بک رہا ہو تو صرف قبضے سے شفعہ کا حق نہیں ملے گا جب تک کہ گواہ سے یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ اس گھر پر اس کی ملکیت بھی ہے، اسی طرح یہاں گواہ سے ثابت نہ ہو جائے کہ اس کی

(۹۰۲) قَالَ وَإِنْ وُجِدَ قَتِيْلٌ فِيْ سَفِيْنَةٍ فَالْقَسَامَةُ عَلٰى مَنْ فِيْهَا مِنَ الرُّكَّابِ وَالْمُلَّاحِيْنَ، ١ لِأَنَّهَا فِيْ أَيْدِيْهِمْ ٢ وَاللَّفْظُ يَشْمُلُ أَرْبَابَهَا حَتّٰى تَجِبَ عَلَى الْأَرْبَابِ الَّذِيْنَ فِيْهَا وَعَلَى السُّكَّانِ وَكَذَا عَلٰى مَنْ يَمُدُّهَا، وَالْمَالِكُ فِيْ ذٰلِكَ وَغَيْرُ الْمَالِكِ سَوَاءٌ، وَكَذَا الْعَجَلَةُ، ٣ وَهٰذَا عَلٰى مَا رُوِيَ عَنْ

ملکیت ہے تب تک اس کے عاقلہ پر دیت لازم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۹۰۲) اگر مقتول کشتی میں پایا گیا تو قسامت ان پر ہے جو اس میں سوار ہیں اور ملاحوں پر۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ یہ کشتی انہیں لوگوں کے قبضے میں ہے

تشریح: گھر کے بارے میں یہ مسئلہ گزرا کہ کرایہ دار پر دیت نہیں ہے، مالک مکان پر دیت ہے، لیکن کشتی کے بارے میں یہ ہے کہ جو کشتی میں ہے اس پر دیت ہوگی، کشتی کا مالک ہونا ضروری نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مکان منتقل نہیں ہوتا، اور کشتی منتقل ہوتی ہے، اس لئے مالک کی حفاظت کمزور ہوگئی، اور اس میں سوار کی حفاظت کی ذمہ داری بڑھ گئی، اس لئے سوار پر دیت ہوگی

وجہ: (۱) کشتی میں لاش پائی گئی تو ظاہری علامت یہی ہے کہ انہیں لوگوں میں سے کسی ایک نے مارا ہے اس لئے قسامت انہیں لوگوں پر ہے (۲) قول تابعی میں ہے کہ کسی قوم میں مقتول پایا گیا تو اسی قوم پر دیت ہوگی۔ **عن الثوری قال اذا وجد القتیل فی قوم به اثر کان عقله علیهم و اذا لم یکن به اثر لم یکن علی العاقلة شیء الا ان تقوم البینة علی احد** (مصنف عبد الرزاق، باب القسامة ج عاشر ص ۴۰ نمبر ۱۸۲۸۲) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے درمیان مقتول پایا جائے انہیں لوگوں پر قسم ہوگی۔

ترجمہ: ٢ علی من فیها، کا لفظ کشتی کے مالک کو بھی شامل ہے، یہی وجہ ہے کہ کشتی میں کشتی کا مالک بیٹھا ہو اس کو بھی شامل ہے، اور اس میں بیٹھنے والوں کو بھی شامل ہے، اور جو کشتی کھینچ رہا ہو اس کو بھی، چاہے کشتی کا مالک ہو یا مالک کے علاوہ ہو، اور بیل گاڑی کا بھی یہی حال ہے

تشریح: قدوری کے متن میں، علی من فیها، کا لفظ ہے اس لفظ میں تینوں قسم کے لوگ شامل ہیں، کشتی کا مالک، کشتی میں سوار، اور کشتی کو چلانے والے ملاح، ان تینوں پر دیت لازم ہوگی۔ اسی طرح بیل گاڑی میں مقتول پایا گیا تو بیل گاڑی کے مالک پر دیت لازم نہیں ہوگی، بلکہ بیل گاڑی میں جو لوگ سوار ہیں ان پر دیت لازم ہوگی، کیونکہ حفاظت کی ذمہ داری ان ہی کی ہے۔

لغت: الرکاب: رکب سے مشتق ہے، سوار ہونے والے۔ الملاحین: ملاح سے مشتق ہے، کشتی چلانے والے۔ الارباب: رب کی جمع ہے، مالک۔ السکان: ساکن کی جمع ہے، جو کشتی میں بیٹھا ہو، سکونت اختیار کیا۔ یمد: مد سے مشتق ہے، کھینچنے والا۔ العجلة: بیل گاڑی۔

ترجمہ: ٣ یہ بات (کہ کشتی پر سوار ہونے والے پر دیت ہے) امام ابو یوسفؒ کی روایت پر تو ظاہر ہے

أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ظَاهِرٌ، ۲ وَالْفَرْقُ لَهُمَا أَنَّ السَّفِيْنَةَ تَنْقُلُ وَتُحَوَّلُ فَيُعْتَبَرُ فِيْهَا الْيَدُ دُوْنَ الْمِلْكِ كَمَا فِي الدَّابَةِ، بِخِلَافِ الْمَحَلَّةِ وَالدَّارِ لِأَنَّهَا لَا تَنْقُلُ.

(۹۰۳) قَالَ وَإِنْ وُجِدَ فِيْ مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ فَالْقَسَامَةُ عَلٰى أَهْلِهَا، ۱ لِأَنَّ التَّدْبِيْرَ فِيْهِ إِلَيْهِمْ

(۹۰۴) وَإِنْ وُجِدَ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ أَوِ الشَّارِعِ الْأَعْظَمِ فَلَا قَسَامَةَ فِيْهِ، وَالدِّيَةُ عَلٰى بَيْتِ الْمَالِ، ۱ لِأَنَّهُ لِلْعَامَةِ لَا يَخْتَصُّ بِهِ وَاحِدٌ مِنْهُمْ، وَكَذَا الْجُسُوْرُ لِلْعَامَةِ وَمَالُ بَيْتِ الْمَالِ مَالُ عَامَةِ

تشریح: امام ابو یوسفؒ نے پہلے ہی کہا تھا کہ جو لوگ گھر میں رہتے ہیں ان پر مقتول کی دیت ہوگی، مکان کے مالک پر دیت ہونا ضروری نہیں ہے، اس لئے یہاں کشتی میں سوار پر دیت ہوئی اور کشتی کے مالک کا ہونا ضروری نہیں ہے، تو امام ابو یوسفؒ کی روایت پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا، کیونکہ دونوں برابر ہو گئے

ترجمہ: ۲ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی روایت پر فرق یہ ہے کہ کشتی منتقل ہوتی ہے، اور ہلتی ہے، اس لئے اس میں قبضے کا اعتبار کیا گیا ہے مالک ہونے کا اعتبار نہیں کیا گیا، جیسے چوپائے میں ہوتا ہے، بخلاف محلّہ اور گھر کے، کہ وہ منتقل نہیں ہوتا ہے اس لئے اس میں مالک ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا تھا کہ گھر میں مقتول پایا جائے تو گھر کے مالک پر دیت ہوگی، اس میں رہنے والے کرایہ دار پر نہیں، اور یہاں کشتی میں فرمایا کہ جو بھی سوار ہو اس پر دیت ہے، صرف مالک پر نہیں، تو دونوں چیزوں میں فرق یہ ہے کہ کشتی منتقل ہوتی ہے، اس لئے اس میں مالک کی حفاظت کمزور پڑ گئی ہے، اس میں جو سوار ہے اس کی حفاظت مضبوط ہو گئی ہے۔ اس لئے سوار پر دیت ہوگی۔ اور گھر منتقل نہیں ہوتا، اس لئے اس میں مالک کی حفاظت مضبوط ہے اور کرایہ دار کی حفاظت کمزور ہے، اس لئے گھر میں مالک پر دیت لازم کی گئی، کرایہ دار پر نہیں۔ کشتی اور گھر میں یہ فرق ہے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ جانور پر مقتول ہو تو اس کے سوار پر دیت ہے، مالک پر نہیں، کیونکہ وہ بھی منتقل ہوتا ہے، اس لئے کشتی کے مسئلے کو جانور پر قیاس کیا گیا ہے۔

ترجمہ: (۹۰۳) اگر محلے کی مسجد میں میت پائی جائے تو قسامت اہل محلّہ پر ہے۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ تدبیر کرنا انہیں محلّہ والوں کی ذمہ داری ہے

وجہ: محلّہ کی مسجد میں مقتول پایا گیا تو ظاہر یہی ہے کہ اسی محلے والوں نے قتل کر کے مسجد میں ڈال دیا ہے۔ اس لئے اس محلے والوں پر قسامت واجب ہوگی۔ اثر اوپر گزر گیا ہے۔

ترجمہ: (۹۰۴) اگر پایا جائے جامع مسجد میں یا شارع عام پر تو اس میں قسامت نہیں ہے اور دیت بیت المال پر ہے۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ جامع مسجد عام لوگوں کے لئے ہے، کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے، ایسے ہی عام لوگوں کا پل (اس پر بھی مقتول پایا گیا تو اس کی دیت بیت المال پر ہے) کیونکہ بیت المال کا مال عام لوگوں کا ہے

الْمُسْلِمِيْنَ.

(۹۰۵) وَلَوْ وُجِدَ فِي السُّوْقِ إِنْ كَانَ مَمْلُوْكًا فَعِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ تَجِبُ عَلَى السُّكَّانِ وَعِنْدَهُمَا عَلَى الْمَالِكِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَمْلُوْكًا كَالشَّوَارِعِ الْعَامَةِ الَّتِي بُنِيَتْ فِيْهَا فَعَلَى بَيْتِ الْمَالِ، ل لِأَنَّهُ لِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ.

وجه: (۱) جامع مسجد پورے شہر والوں کی ہے، اسی طرح عام سڑک پورے شہر والوں کے لئے ہے، معلوم نہیں کس نے مارڈالا ہے۔اس لئے کوئی ایک محلّہ والا اس کا مجرم نہیں ہے۔اس لئے کسی پر قسامت لازم نہیں ہوگی۔اوراس کا خون باطل نہ ہو اس لئے بیت المال پر اس کی دیت ہوگی (۲) وقال علیؓ **ايما قتيل وجد بفلاة من الارض فديته من بيت المال لكيلا يبطل دم في الاسلام** (مصنف عبد الرزاق، باب القسامۃ ج عاشر ص ۳۶ نمبر ۱۸۲۶۹) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ میت ایسی جگہ پائی جائے جہاں کسی ایک محلے پر شبہ نہ ہو سکے تو قسامت نہیں ہوگی اور اس کی دیت بیت المال پر ہوگی (۳) حضورؐ نے عبد اللہ بن سہل بن زید کی دیت خود اپنی جانب سے سو اونٹ ادا کی تھی۔ **فكره رسول الله** ﷺ **ان يبطل دمه فوداه مائة من ابل الصدقة** (بخاری شریف، باب القسامۃ ص ۱۰۱۸، نمبر ۶۸۹۸ رمسلم شریف، کتاب القسامۃ ص ۵۴ نمبر ۱۶۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاں قسامت نہ ہو وہاں دیت بیت المال پر ہوگی (۴) **مسلم بن يزيد بن مذكور ان الناس ازدحموا في المسجد الجامع بالكوفة يوم الجمعة فافرجوا عن قتيل فوداه علي بن ابي طالب من بيت المال** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۷۵ الرجل یقتل فی الزحام ج خامس، ص ۴۴۵، نمبر ۲۷۸۴۷)

ترجمہ: (۹۰۵) اور اگر مقتول بازار میں پایا گیا، تو اگر یہ بازار کسی کا مملوک ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہاں کے رہنے والے پر دیت واجب ہوگی، اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ نے نزدیک مالک پر دیت واجب ہوگی، اور اگر بازار کسی کا مملوک نہیں ہے جیسے عام سڑک جس پر بازار بنایا گیا ہو تو دیت بیت المال پر ہوگی

ترجمہ: ل اس لئے کہ یہ بازار اب مسلمان کی جماعت کا ہے

اصول: امام ابو یوسفؒ کا یہاں بھی اصول یہی ہے کہ رہنے والے پر دیت ہوگی

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ خاص جگہ ہے تو اس کے مالک پر دیت ہوگی، اور عام جگہ ہے تو بیت المال پر دیت ہوگی

تشریح: مقتول بازار میں پایا گیا، تو اگر یہ بازار کسی کی ملکیت ہے تب امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہاں کے رہنے والوں پر دیت ہوگی، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بازار کے مالک پر دیت ہوگی، اور اگر عام سڑک پر بازار بنایا گیا ہے، اور کسی کی ملکیت نہیں ہے تو بیت المال پر دیت ہوگی، کیونکہ یہ جگہ عام مسلمانوں کی ہے، اس لئے دیت بھی عام مسلمانوں کے مال سے دی جائے گی اور وہ بیت المال کا مال ہے۔

(۹۰٦) وَلَوْ وُجِدَ فِي السِّجْنِ فَالدِّيَةُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ، ۱؎ وَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ عَلَى أَهْلِ السِّجْنِ، لِأَنَّهُمْ سُكَّانٌ، وَوِلَايَةُ التَّدْبِيرِ إِلَيْهِمْ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْقَتْلَ حَصَلَ مِنْهُمْ ۲؎ وَهُمَا يَقُولَانِ إِنَّ أَهْلَ السِّجْنِ مَقْهُورُونَ فَلَا يَتَنَاصَرُونَ فَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِمْ مَا يَجِبُ لِأَجْلِ النُّصْرَةِ، ۳؎ وَلِأَنَّهُ بُنِيَ لِاسْتِيفَاءِ حُقُوقِ الْمُسْلِمِينَ، فَإِذَا كَانَ غُنْمُهُ يَعُودُ إِلَيْهِمْ فَغُرْمُهُ يَرْجِعُ عَلَيْهِمْ، ۴؎ قَالُوا وَهٰذِهِ فَرِيعَةُ الْمَالِكِ وَالسَّاكِنِ وَهِيَ مُخْتَلَفٌ فِيهَا بَيْنَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ

ترجمہ: (۹۰٦) اور اگر قید خانہ میں مقتول پایا گیا تو بیت المال پر دیت ہوگی

تشریح: قید خانہ عام مسلمانوں کی ملکیت ہے اس لئے اس میں مقتول کی دیت بیت المال پر ہونی چاہئے

ترجمہ: ۱؎ حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر دیت اور قسامت قید خانہ والوں پر ہے، اس لئے کہ یہی لوگ اس میں رہتے ہیں، اور تدبیر کی ذمہ داری انہیں لوگوں کی ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ انہیں سے قتل ہوا ہے

تشریح: امام ابو یوسفؒ کا قاعدہ یہ گزرا کہ جو لوگ اس میں رہتے ہوں انہیں پر دیت ہوگی تو قید خانہ میں جو لوگ رہتے ہیں انہیں پر دیت لازم ہوگی

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ قید والے مجبور ہیں اس لئے وہ مدد نہیں کر سکتے ہیں اس لئے جو حقوق مدد کی وجہ سے واجب ہوتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ متعلق نہیں ہوں گے

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ مدد کر سکتے ہیں اس نے مقتول کی مدد نہیں کی تو اس پر دیت واجب ہوتی ہے، اس قاعدے کی وجہ سے قیدی مجبور ہیں وہ مدد نہیں کر سکتے ہیں اس لئے ان پر مقتول کی دیت نہیں ہوگی

ترجمہ: ۳؎ اور اس لئے کہ قید خانہ مسلمانوں کے حقوق کے وصول کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، اس لئے قید خانہ کا نفع بھی مسلمانوں کے لئے ہے اور اس کا تاوان بھی مسلمانوں ہی پر لازم ہوگا

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی دوسری دلیل ہے، کہ قید خانہ مسلمانوں کے حقوق وصول کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، کہ اس میں قیدیوں کو ڈال کر مظلوم کے حقوق دئے جائیں، تو گویا کہ یہ عام مسلمانوں کی ملکیت ہے اس لئے مقتول کی دیت بھی بیت المال ہی سے لی جائے گی

لغت: غنم: غنیمت سے مشتق ہے، فائدہ کی چیز۔ غرم: تاوان۔ یعود: عود سے مشتق ہے، لوٹنا۔

ترجمہ: ۴؎ علماء فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ مالک اور کرایہ دار پر متفرع ہے، جو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان مختلف فیہ ہے

تشریح: علماء فرماتے ہیں کہ صرف مالک پر دیت واجب ہوگی، یا اس گھر میں رہنے والوں پر دیت واجب ہوگی، اس

عَلَيْهِ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

(۹۰۷) قَالَ وَإِنْ وُجِدَ فِيْ بَرِيَّةٍ لَيْسَ بِقُرْبِهَا عِمَارَةٌ فَهُوَ هَدْرٌ ۱؎ وَتَفْسِيْرُ الْقُرْبِ مَا ذَكَرْنَا مِنْ اِسْتِمَاعِ الصَّوْتِ، لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ بِهٰذِهِ الْحَالَةِ لَا يَلْحَقُهُ الْغَوْثُ مِنْ غَيْرِهِ فَلَا يُوْصَفُ أَحَدٌ بِالتَّقْصِيْرِ، وَهٰذَا إِذَا لَمْ تَكُنْ مَمْلُوْكَةً لِأَحَدٍ، أَمَا إِذَا كَانَتْ فَالدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهِ.

(۹۰۸) قال: وَإِنْ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ كَانَ عَلٰى أَقْرَبِهِمَا ۱؎ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ،

بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان اختلاف ہے، اسی اختلاف پر قید خانہ والا مسئلہ متفرع ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قید خانہ میں رہنے والے پر دیت واجب ہوگی، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قید خانہ کا جو مالک ہے، یعنی عام مسلمان، اور انہیں پر یہ دیت واجب ہوگی، اور اس کو بیت المال کے مال سے ادا کیا جائے گا

ترجمہ: (۹۰۷) اگر پایا گیا جنگل میں جس کے قریب آبادی نہ ہو تو اس کا خون بیکار ہے۔

ترجمہ: ۱؎ قریب ہونے کی تفسیر ہم نے پہلے ذکر کی ہے کہ وہاں سے آواز سنائی نہیں دیتی ہو، اس لئے کہ جب اس حالت میں ہو تو وہاں سے دوسرے کی مدد نہیں آسکتی ہے، تو کسی کی کوتاہی نہیں ہوئی، یہ اس وقت ہے جبکہ وہ زمین کسی کی ملکیت نہ ہو، اور اگر وہ زمین کسی کی ملکیت ہو تو دیت اور قسامت اسی پر لازم ہوگی

وجہ: یہاں بھی قریب میں کوئی محلّہ نہیں ہے جس پر قسامت واجب کریں۔ اس لئے قسامت نہیں ہوگی اور دیت بیت المال سے دی جائے گی۔ اس کے لئے اثر پہلے گزر چکا ہے۔ اور اگر وہ زمین کسی کی ملکیت کی ہو تو اس پر دیت لازم کی جائے گی، تا کہ خون بیکار نہ جائے

لغت: بریۃ: جنگل، آبادی کی زور کی آواز وہاں تک نہ پہنچ سکے تو وہ جنگل کے درجے میں ہے، هدر: بیکار، جس خون کا خوں بہا لازم نہ ہو۔

ترجمہ: (۹۰۸) اگر مقتول دو گاؤں کے درمیان پایا جائے تو دونوں گاؤں کے قریب والوں پر دیت ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے

تشریح: مقتول دو گاؤں کے درمیان پڑا ہوا ملا تو دیکھا جائے گا کہ کس گاؤں سے وہ زیادہ قریب ہے اسی گاؤں والوں پر قسامت اور دیت لازم ہوگی۔

وجہ: (۱) قریب والے پر ہی لازم کیا جاسکتا ہے اور کیا کریں (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابی سعید ان قتیلا وجد بین حیین فامر النبی ﷺ ان یقاس الی ایھما اقرب فوجد اقرب الی احد الحیین بشبر قال ابو سعید کأنی انظر الی شبر رسول اللہ ﷺ فالقی دیتہ علیھم** (سنن للبیہقی، باب ماروی فی القتیل یوجد بین الحیین ج خامس، ص ۲۱۷، نمبر ۱۶۴۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک بالشت بھی قریب ہو تو اس پر قسامت ہوگی۔

(۹۰۹) وَإِنْ وُجِدَ فِيْ وَسَطِ الْفُرَاتِ يَمُرُّ بِهِ الْمَاءُ فَهُوَ هَدْرٌ، لِ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيْ يَدِ أَحَدٍ وَلَا فِيْ مِلْكِهِ.
(۹۱۰) وَإِنْ كَانَ مُحْتَبَسًا بِالشَّاطِئِ فَهُوَ عَلٰى أَقْرَبِ الْقُرٰى مِنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ لِ عَلَى التَّفْسِيْرِ الَّذِيْ تَقَدَّمَ، لِأَنَّهُ أَخَصُّ بِنُصْرَةِ هٰذَا الْمَوْضِعِ فَهُوَ كَالْمَوْضُوْعِ عَلَى الشَّطِّ وَالشَّطُّ فِيْ يَدِ مَنْ هُوَ

ترجمه: (۹۰۹) اگر فرات ندی کے درمیان پایا گیا جس کو پانی بہالے جارہا ہو تو خون رائیگاں ہے۔

ترجمه: لِ اس لئے کہ فرات کا درمیانی حصہ نہ کسی کے قبضے میں ہے اور نہ کسی کی ملکیت میں ہے

وجه: (۱) فرات ندی کے درمیان لاش ہے اور پانی اس کو بہالے جارہا ہے تو وہ لاش کہاں سے آرہی ہے اس کا پتا نہیں ہے۔ اس لئے کسی محلے والوں کو مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے اس کا خون معاف ہے (۲) قَالَ: وَقَالَ عَلِيٌّ: »أَيُّمَا قَتِيلٍ وُجِدَ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ، فَدِيَتُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ، لِكَيْلَا يَبْطُلَ دَمٌ، فِي الْإِسْلَامِ، وَأَيُّمَا قَتِيلٍ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ، فَهُوَ عَلَى أَسَفِّهِمَا – يَعْنِي أَقْرَبَهُمَا (مصنف عبد الرزاق، باب القسامة ج عاشر ص ۳۶ نمبر ۱۸۲۶۹) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ میت ایسی جگہ پائی جائے جہاں کسی ایک محلے پر شبہ نہ ہو سکے تو قسامت نہیں ہوگی اور اس کی دیت بیت المال پر ہوگی

ترجمه: (۹۱۰) اور اگر رکا ہوا ہو کنارے پر تو اس جگہ سے جو قریب کا گاوں ہو اس پر قسامت اور دیت ہوگی۔

تشریح: لاش فرات ندی کے کنارے پر رکی ہوئی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ قریب کے محلے والے نے مار کر ندی میں ڈال دیا ہے تو پھر چونکہ ظاہری علامت قریب محلے والے کے قتل کی ہے اس لئے قریب کے محلے والوں پر قسامت ہوگی۔

وجه: (۱) اوپر حدیث گزری کہ جو گاؤں قریب ہو اس پر قسامت ہوگی۔ عن ابی سعید ان قتیلا وجد بین حیین فامر النبی ﷺ ان یقاس الی ایهما اقرب (سنن للبیہقی، باب ماروی فی القتیل یوجد بین قریتین ولا یصح ج ثامن، ص ۲۱۷، نمبر ۱۶۴۵۳) (۲) قَالَ: وَقَالَ عَلِيٌّ: .....، وَأَيُّمَا قَتِيلٍ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ، فَهُوَ عَلَى أَسَفِّهِمَا – يَعْنِي أَقْرَبَهُمَا (مصنف عبد الرزاق، باب القسامة ج عاشر ص ۳۶ نمبر ۱۸۲۶۹)

لغت: محتبسا: حبس سے مشتق ہے، رکا ہوا۔ الشاطی: نہر کا کنارہ۔

ترجمه: لِ اس تفسیر پر جو پہلے گزر چکی ہے کہ وہاں تک آواز پہنچتی ہو اس لئے کہ وہی اس جگہ کے مدد کے ساتھ خاص ہے، تو ایسا ہو گیا کہ مقتول کنارے پر رکھا ہوا ہو، اور کنارہ اس کے قبضے میں ہے جو اس کے قریب ہو، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہی لوگ اس کنارے سے پانی پیتے ہیں، اور اس پر اپنے جانوروں کو لاتے ہیں

تشریح: یہاں ندی کے کنارے والے گاوں سے وہ گاوں مراد ہے کہ وہاں تک آدمی کی آواز جاتی ہو، اس گاوں والوں پر دیت ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ گویا کہ یہ کنارہ اس گاوں والوں کے قبضے میں ہے، کیونکہ یہ لوگ اس کنارے سے پانی پیتے

بِقُرْبٍ مِنْهُ، أَلَا تَرٰى أَنَّهُمْ يَسْتَقُوْنَ مِنْهُ الْمَاءَ وَيُوْرِدُوْنَ بَهَائِمَهُمْ فِيْهَا، ۲ بِخِلَافِ النَّهْرِ الَّذِىْ يَسْتَحِقُّ بِهِ الشُّفْعَةَ لِاخْتِصَاصِ أَهْلِهَا بِهٖ لِقِيَامِ يَدِهِمْ عَلَيْهِ فَتَكُوْنُ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَيْهِمْ.

(۹۱۱) قَالَ وَإِنْ ادَّعَى الْوَلِيُّ عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِعَيْنِهٖ لَمْ تَسْقُطِ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ ۱ وَقَدْ

ہیں، اور اپنے جانور کو بھی یہاں پانی پلانے لاتے ہیں تو گویا کہ یہ کنارہ اس گاوں والوں کے قبضے میں ہے اس لئے ان ہی لوگوں پر مقتول کی دیت لازم ہوگی

لغت: الشط : کنارہ۔ یستقون :سقی سے مشتق ہے، پانی پینا۔ یوردون : ورد سے مشتق ہے، جانور کو پانی پلانے کے لئے لانا۔ بہائم : جانور۔

ترجمہ: ۲ بخلاف اس چھوٹی نہر کے جس پر حق شفعہ کا مستحق ہوتا ہے وہ نہر ان ہی لوگوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اس نہر پر ان لوگوں کا قبضہ ہے اس لئے قسامت اور دیت انہیں لوگوں پر ہوگی

تشریح: اوپر بڑی نہر کا مسئلہ تھا۔ یہاں چھوٹی نہر کا مسئلہ ہے۔ چھوٹی نہر کے کنارے گاوں بسا ہے، تو اس گاوں والوں کو اس پر شفعہ کا بھی حق ہوتا ہے، تو گویا کہ اس نہر پر اس گاوں والوں کا قبضہ ہے اس لئے اس نہر میں کوئی مقتول ملے تو اس کی دیت اور اس کی قسامت اسی گاوں والوں پر ہوگی، کیوں کہ انہیں کا قبضہ ہے

ترجمہ: (۹۱۱) اگر ولی نے محلے والوں میں سے کسی ایک مخصوص پر قتل کا دعوی کیا تب بھی محلے والوں سے قسامت ساقط نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۱ ہم نے اس مسئلے کو پہلے ذکر کیا ہے اور اس میں قیاس اور استحسان کیا ہے وہ بھی ذکر کیا ہے

تشریح: مقتول کے ولی نے دعوی کیا کہ محلّہ کے فلاں آدمی نے اس کو قتل کیا ہے۔ لیکن اس پر کوئی بینہ اور گواہ نہیں ہے صرف گمان غالب ہے اس لئے خاص آدمی پر قتل کا دعوی ثابت نہیں ہوگا۔ اب یوں چھوڑ دیں تو اس کا خون بیکار جائے گا اس لئے محلّہ والوں سے قسم لیکر ان پر دیت لازم ہوگی۔ خاص آدمی پر قتل کا دعوی پہلے متن میں نہیں ہے، صرف شرح میں اشارتاً ہے

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ انصار کے کچھ لوگ خیبر گئے۔ ان میں سے ایک کو قتل کر دیا تو اس کے ولی نے حضورؐ کے سامنے شکایت کی کہ فلاں نے قتل کیا ہے۔ آپؐ نے پوچھا اس پر گواہ ہے؟ فرمایا نہیں! تو آپؐ نے فرمایا اہل خیبر سے قسم لے سکتے ہو۔ حدیث یہ ہے۔ سهل بن ابی حشمة اخبره ان نفرا من قومه انطلقوا الى خيبر فتفرقوا فيها فوجدوا احدهم قتيلا فقالوا للذين وجدوه عندهم قتلتم صاحبنا؟ فقالوا ما قتلناه و لا علمنا قاتلا فانطلقنا الى نبى الله ﷺ قال فقال لهم تأتونى بالبينة على من قتل هذا؟ قالوا مالنا بينة قال فيحلفون لكم (ابوداؤد شریف، باب فی ترک القود بالقسامۃ ص ۶۴۷ نمبر ۴۵۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مخصوص آدمی پر دعوی ہو لیکن گواہ کے ذریعہ

ذَكَرْنَاهُ وَذَكَرْنَا فِيهِ الْقِيَاسَ وَالْاِسْتِحْسَانَ.

(۹۱۲) قَالَ وَإِنْ ادَّعٰى عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ سَقَطَتْ عَنْهُمْ، ١ وَوَجْهُ الْفَرْقِ قَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ، وَهُوَ أَنَّ وُجُوبَ الْقَسَامَةِ عَلَيْهِمْ دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ الْقَاتِلَ مِنْهُمْ فَتَعْيِينُهُ وَاحِدًا مِنْهُمْ لَا يُنَافِي اِبْتِدَاءَ الْأَمْرِ، لِأَنَّهُ مِنْهُمْ، ٢ بِخِلَافِ مَا إِذَا عَيَّنَ مِنْ غَيْرِهِمْ، لِأَنَّ ذٰلِكَ بَيَانُ أَنَّ الْقَاتِلَ لَيْسَ مِنْهُمْ وَهُمْ

ثابت نہ کر سکے تو محلے والوں پر قسامت ہوگی تا کہ خون باطل نہ جائے۔

ترجمہ: (۹۱۲) اور اگر محلے کے علاوہ میں سے کسی پر دعوی ہو تو محلے والوں سے دیت اور قسامت ساقط ہو جائے گی۔

وجہ: محلے والوں پر تو اس لئے قسامت تھی کہ انہیں لوگوں میں سے کسی ایک نے قتل کیا ہے، لیکن جب محلے کے علاوہ آدمی پر قتل کا دعوی ہوا تو معلوم ہوا کہ محلے والے اس میں ملوث نہیں ہیں۔ اس لئے محلے والوں سے قسامت ساقط ہو جائے گی۔

ترجمہ: ١ فرق کی وجہ ہم نے پہلے بیان کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان محلے والوں پر قسامت کا وجوب اس بات پر دلیل ہے کہ قاتل ان ہی میں سے ہے، لیکن محلے میں سے کسی ایک کو متعین کر دے تب بھی ابتداء امر کے منافی نہیں ہے

تشریح: یہاں تین صورتوں میں فرق بیان کر رہے ہیں۔ ١۔ پہلی صورت یہ ہے کہ پورے محلے والوں پر دعوی ہو کہ ان میں سے کسی ایک نے قتل کیا ہے، تب بھی پورے محلے والوں پر قسم ہے، اس کی دو وجہ ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ ہر ایک پر قتل کا شبہ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے قتل کرنے سے روکا نہیں۔ ٢۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ولی کا دعوی محلے کے ایک آدمی پر ہو، لیکن گواہ کے ذریعہ اس ایک آدمی پر قتل ثابت نہ کر سکے، اس صورت میں بھی پورے محلے والوں پر قسم ہے، اس کی بھی دو وجہ ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ اس نے قاتل کو قتل سے روکا نہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ محلے والے قاتل کے عاقلہ بن گئے۔ ٣۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ ایک آدمی پر قتل کا دعوی ہو، اور گواہ کے ذریعہ اس کو ثابت بھی کر دے، اس صورت میں پورے محلے والوں پر قسامت نہیں ہے، صرف قاتل کے عاقلہ پر دیت ہوگی، یہاں اس صورت کا ذکر نہیں ہے۔ ۴۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ ولی نے محلے کے علاوہ پر قتل کا دعوی کیا ہو، اس صورت میں محلے والوں پر نہ قسامت ہے، اور نہ دیت ہے، کیونکہ محلے والوں پر قتل کا شبہ بھی باقی نہیں رہا، یہاں اسی چوتھی صورت کا تذکرہ ہے

لغت: فتعیینه واحد منهم لا ینافی ابتداء الامر: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ولی نے کسی قاتل کا تعین نہیں کیا ہے تو شروع ہی سے سب پر قسامت ہے، کیونکہ اس نے قاتل کو قتل سے نہیں روکا۔ اور ولی نے ایک پر دعوی کیا تب بھی سب پر قسامت ہے، کیونکہ اس صورت میں بھی محلے والوں نے قاتل کو قتل سے نہیں روکا، اس لئے بعد والا معاملہ پہلے والے معاملے کے منافی نہیں ہے، کیونکہ دونوں میں محلے والوں نے قتل سے نہیں روکا ہے

ترجمہ: ٢ بخلاف اگر ولی نے محلے کے علاوہ کو متعین کیا ہو تو (محلے والوں پر قسامت نہیں ہے) اس لئے کہ یہ بیان ہے کہ

إِنَّـمَا يَغْرُمُوْنَ إِذَا كَانَ الْقَاتِلُ مِنْهُمْ لِكَوْنِهِمْ قَتَلَةً تَقْدِيْرًا حَيْثُ لَمْ يَأْخُذُوْا عَلٰى يَدِ الظَّالِمِ، ۳ وَلِأَنَّ أَهْلَ الْمَحَلَّةِ لَا يَغْرُمُوْنَ بِمُجَرَّدِ ظُهُوْرِ الْقَتِيْلِ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ إِلَّا بِدَعْوَى الْوَلِيِّ، فَإِذَا ادَّعَى الْقَتْلَ عَلٰى غَيْرِهِمْ اِمْتَنَعَ دَعْوَاهُ عَلَيْهِمْ وَسَقَطَ لِفَقْدِ شَرْطِهِ.

(۹۱۳) قَالَ وَإِذَا الْتَقٰى قَوْمٌ بِالسُّيُوْفِ فَأَجْلَوْا عَنْ قَتِيْلٍ فَهُوَ عَلٰى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، ۱ لِأَنَّ الْقَتِيْلَ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ، وَالْحِفْظُ عَلَيْهِمْ

قاتل محلے میں سے نہیں ہے، اور محلے والے اس وقت تاوان دیں گے جبکہ قاتل محلے میں سے ہو، اس لئے کہ تقدیرا محلے والے قاتل شمار ہوئے، کیونکہ انہوں نے ظالم کا ہاتھ نہیں پکڑا

تشریح: محلے والے اس لئے قتل کا تاوان دیتے ہیں کہ قاتل انہیں میں سے ہے، تو تقدیرا وہ بھی قاتل ہوئے کہ انہوں نے قاتل کا ہاتھ نہیں پکڑا، لیکن جب ولی نے دعوی کیا کہ قاتل محلے کے علاوہ ہے، تو محلے والے تقدیرا بھی قاتل نہیں ہوئے اس لئے اب محلے والوں پر قسامت اور دیت نہیں ہوگی

ترجمہ: ۳ اور اس لئے کہ محلّہ والے صرف ان کے درمیان مقتول ظاہر ہوا اس کی وجہ سے تاوان نہیں دیتے ہیں، مگر ولی قتل کا دعوی کرے تب، پس جب قتل کا دعوی ان کے علاوہ پر کیا تو محلے والوں پر دعوی ممتنع ہو گیا، اور شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے تاوان ساقط ہو گیا۔

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے۔ محلے میں مقتول پایا جائے صرف اس کی وجہ سے محلے والوں پر قسامت نہیں ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ باہر کے آدمی نے قتل کر کے لاش ان کے محلے میں ڈال دی ہو، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ولی بھی دعوی کرے کہ انہیں محلے کے کسی آدمی نے قتل کیا، تب قسامت لازم ہوگی، لیکن جب ولی نے یہ دعوی کیا کہ محلے والوں میں سے کسی نے قتل نہیں کیا ہے، بلکہ اس کے علاوہ نے قتل کیا ہے تو محلّہ والے بالکل بری ہو گئے، اس لئے ان پر نہ قسامت ہوگی اور نہ دیت ہوگی۔

ترجمہ: (۹۱۳) اگر دو قومیں تلوار لیکر آپس میں بھڑ گئی، اور ایک مقتول کو چھوڑ کر جدا ہوئے تو قسامت اور دیت محلّہ والوں پر ہوگی

ترجمہ: ۱ کیونکہ انکے درمیان مقتول پایا گیا، حال آنکہ حفاظت ان پر تھی

تشریح: مارنے والی قوموں پر دو وجہ سے دیت ہوگی، ایک تو ولی اس پر قتل کرنے کا دعوی کرے، اور دوسرا گواہ کے ذریعہ یہ ثابت کر دے کہ اس نے ہی قتل کیا ہے تب ہی اس پر دیت ہوگی، کیونکہ یہاں دو قومیں ہیں، کس نے قتل کیا یہ پتہ نہیں ہے۔ لیکن محلے پر بغیر دعوی کے بھی قسامت اور دیت ہوگی، کیونکہ ان پر مقتول کی حفاظت لازم تھی، اس لئے ولی محلے والوں پر قتل کرنے کا دعوی نہ بھی کرے تب بھی ان پر قسامت اور دیت ہوگی

(۹۱۴) إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَ الْأَوْلِيَاءُ عَلَىٰ أُولٰئِكَ أَوْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِنْهُمْ بِعَيْنِهِ فَلَمْ يَكُنْ عَلَىٰ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ شَيْءٌ. ١ لِأَنَّ هٰذِهِ الدَّعْوٰى تَضَمَّنَتْ بَرَاءَةَ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَنِ الْقَسَامَةِ،

(۹۱۵) قَالَ وَلَا عَلَىٰ أُولٰئِكَ حَتّٰى يُقِيْمُوْا الْبَيِّنَةَ، ١ لِأَنَّ بِمُجَرَّدِ الدَّعْوٰى لَا يَثْبُتُ الْحَقُّ لِلْحَدِيْثِ الَّذِيْ رَوَيْنَاهُ، أَمَّا يَسْقُطُ بِهِ الْحَقُّ عَنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، لِأَنَّ قَوْلَهُ حُجَّةٌ عَلَىٰ نَفْسِهِ. ٢ وَلَوْ وُجِدَ قَتِيْلٌ فِيْ مَعَسْكَرٍ أَقَامُوْا بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ لَا مِلْكَ لِأَحَدٍ فِيْهَا فَإِنْ وُجِدَ فِيْ خِبَاءٍ أَوْ فُسْطَاطٍ فَعَلَىٰ مَنْ

ترجمه: (۹۱۴) مگر یہ کہ مقتول کا ولی یہ دعوی کرے کہ لڑنے والی قوم نے ہی قتل کیا ہے، یا لڑنے والی قوم میں سے ایک خاص آدمی نے قتل کیا ہے تو اب محلے والوں پر دیت اور قسامت نہیں ہوگی

ترجمه: ١ اس لئے کہ ولی کا یہ دعوی محلے والوں سے قسامت سے بری ہونے کو شامل ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ولی محلے کے علاوہ پر قتل کا دعوی کرے تو اسی سے وہ قسامت اور دیت سے بری ہو جائیں گے۔

تشریح: مقتول کے ولی نے یہ دعوی کیا کہ لڑنے والی قوم نے قتل کیا ہے، یا اس کے ایک آدمی نے قتل کیا ہے تو اس دعوی سے محلّہ والوں سے قسامت اور دیت ساقط ہو جائے گی

وجه: کیونکہ ولی نے خود یہ کہہ دیا کہ محلے والے حفاظت کی ذمہ داری سے بری ہیں

ترجمه: (۹۱۵) لیکن لڑنے والی قوم پر بھی دیت واجب نہیں ہوگی جب تک کہ اس پر گواہ نہ پیش کر دے

ترجمه: ١ اس لئے کہ صرف دعوی سے حق ثابت نہیں ہوتا، اس حدیث کی بنا پر جو ہم نے پہلے روایت کی ہے، لیکن اس ولی کے دعوی سے محلے والوں سے دیت ساقط ہو جائے گی، اس لئے کہ ولی کا قول خود اس کے بارے میں حجت ہے

تشریح: ولی نے یہ دعوی کر دیا کہ لڑنے والی قوم نے قتل کیا ہے تو اس سے محلّہ والوں سے دیت ساقط ہو جائے گی، لیکن لڑنے والی قوم پر صرف دعوی کرنے سے دیت لازم نہیں ہوگی، بلکہ گواہ سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اس نے قتل کیا ہے۔

وجه: (۱) محلے والوں پر تو صرف اس وجہ سے دیت ہے کہ انہوں نے حفاظت نہیں کی تھی، لیکن دوسروں پر دیت ثابت کرنے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک ہے اس پر قتل کا دعوی کرنا، اور دوسرا ہے گواہ سے قتل کو ثابت کرنا تب دیت ہوگی، اور اگر گواہ سے قتل ثابت نہ کر سکا تو مقتول کا خون ہدر ہو جائے گا۔ (۲) حدیث میں ہے کہ مدعی پر گواہ ضروری ہے، حدیث یہ ہے۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ: »البَيِّنَةُ عَلَى المُدَّعِي، وَاليَمِينُ عَلَى المُدَّعَى عَلَيْهِ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی ان البینۃ علی المدعی، نمبر ۱۳۴۱)

ترجمه: ٢ اگر لشکر میں مقتول پایا گیا ہو جو کسی میدان میں ٹھہرا ہو جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو، پس اگر وہ کسی ڈیرے، یا خیمے میں پایا گیا ہو تو ان لوگوں پر دیت، اور قسامت ہے جو خیمے یا ڈیرے میں ٹھہرے ہوں، اور اگر مقتول خیمے سے باہر ہو تو قریب

يَسْكُنُهَا الدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ، وَإِنْ كَانَ خَارِجًا مِنَ الْفُسْطَاطِ فَعَلٰى أَقْرَبِ الْأَخْبِيَةِ اِعْتِبَارًا لِلْيَدِ عِنْدَ انْعِدَامِ الْمِلْكِ. ۳؎ وَإِنْ كَانَ الْقَوْمُ لَقُوْا قِتَالًا وَوُجِدَ قَتِيْلٌ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْعَدُوَّ قَتَلَهُ فَكَانَ هَدَرًا، وَإِنْ لَمْ يَلْقُوْا عَدُوًّا فَعَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ، ۴؎ وَإِنْ كَانَ لِلْأَرْضِ مَالِكٌ فَالْعَسْكَرُ كَالسُّكَّانِ فَيَجِبُ عَلَى الْمَالِكِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، خِلَافًا لِأَبِي يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ.

کے خیمہ والوں پر دیت ہوگی قبضہ کا اعتبار کرتے ہوئے ملک کے نہ ہوتے وقت

لغت: معسکر: عسکر سے مشتق ہے، لشکر۔ فلاۃ: میدان، وسیع بیابان۔ خباء: خیمہ۔ فسطاط: بڑا خیمہ، اون کا خیمہ

تشریح: یہاں چار مسئلے ہیں۔ ا۔ مقتول ایسے میدان میں پایا گیا ہے جو کسی کی ملکیت نہیں ہے، پس اگر وہ کسی خیمے میں پایا گیا ہو تو اس خیمے والے پر دیت اور قسامت ہوگی، کیونکہ خیمہ اس کی ملکیت ہے، اور دیت ملکیت کی وجہ سے بھی لازم ہوتی ہے۔ ۲۔ اور اگر مقتول خیمے سے باہر پایا گیا ہو تو، یہ دیکھا جائے گا کہ کس کا خیمہ اس کے قریب ہے اس میں جو لوگ ہیں ان پر دیت ہوگی، کیونکہ حفاظت کی ذمہ داری ان کی ہے۔ ۳۔ اور اگر مقتول خیمے سے بھی بہت دور ہے تو پہلے مسئلہ گزر چکا ہے کہ اس کا خون ہدر ہوگا

ترجمہ: ۳؎ اور اگر قوم دشمن سے لڑی ہو پھر اس کے درمیان کوئی مقتول پڑا ہو تو نہ کسی پر قسامت ہے اور نہ دیت ہے، اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ دشمن نے قتل کیا ہے، اس لئے خون ہدر ہوگا (کیونکہ دشمن پر دیت کیسے لازم کریں) اور اگر دشمن سے نہیں لڑا اور مقتول ملا ہو تو ان صورتوں پر مسئلہ ہوگا جو ہم نے پہلے بیان کیا،

تشریح: کافر دشمن ہو اور اس نے قتل کیا ہو تو اس پر دیت کیسے لازم کریں، اس لئے اگر لشکر دشمن سے لڑا ہو اور درمیان میں مقتول ملا تو ظاہر یہی ہے کہ دشمن نے قتل کیا ہوگا اس لئے خون ہدر ہوگا۔ اور اگر لڑائی نہ ہوئی ہو اور مقتول پایا گیا ہو تو ظاہر یہ ہے کہ دشمن نے قتل نہیں کیا ہے، اس لئے اب یہ دیکھا جائے گا کہ کس خیمے میں تھا ان لوگوں پر دیت ہوگی، اور خیمے سے باہر ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ کس خیمے کے قریب تھا اس پر دیت لازم ہوگی، فعلی ما بینا سے یہی بیان مذکور ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اور اگر زمین کا کوئی مالک ہے تو لشکر گویا کہ اس میں کرایہ دار ہے، اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مالک پر دیت ہوگی، اور صاحبینؒ کے نزدیک مالک اور کرایہ دار دونوں پر دیت ہوگی، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے

تشریح: لشکر میدان میں ہے، تو اگر وہ میدان کی زمین کسی کی ملکیت میں ہے، تو اس میں لشکر گویا کہ کرایہ دار کی طرح ہے، اس لئے اگر وہاں مقتول پایا گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مالک پر دیت ہوگی، اور صاحبینؒ کے نزدیک مالک پر اور لشکر دونوں پر دیت لازم ہوگی، کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف مالک پر دیت ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس میں رہنے والے پر دیت ہے، چاہے مالک رہے یا کرایہ دار رہے۔

(۹۱۶) قَالَ وَإِذَا قَالَ الْمُسْتَحْلِفُ قَتَلَهُ فُلَانٌ اُسْتُحْلِفَ بِاللّٰهِ مَا قَتَلْتُ وَلَا عَرَفْتُ لَهُ قَاتِلًا غَيْرَ فُلَانٍ، لِ لِأَنَّهُ يُرِيْدُ اِسْقَاطَ الْخُصُوْمَةِ عَنْ نَفْسِهِ بِقَوْلِهِ فَلَا يُقْبَلُ فَيَحْلِفُ عَلٰى مَا ذَكَرْنَا، لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَرَّ بِالْقَتْلِ عَلٰى وَاحِدٍ صَارَ مُسْتَثْنٰى عَنِ الْيَمِيْنِ فَبَقِيَ حُكْمُ مَنْ سِوَاهُ فَيَحْلِفُ عَلَيْهِ.

(۹۱۷) قَالَ وَإِذَا شَهِدَ اِثْنَانِ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَلٰى رَجُلٍ مِنْ غَيْرِهِمْ أَنَّهُ قَتَلَ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا، لِ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ،

ترجمہ: (۹۱۶) قسم کھانے والے نے جب یوں کہا کہ فلاں نے اس کو قتل کیا ہے، تو اس سے یوں بھی قسم لی جائے کہ، میں نے قتل نہیں کیا ہے، اور فلاں کے علاوہ کسی قاتل کو جانتا بھی نہیں ہوں

ترجمہ: لِ اس لئے کہ فلاں نے قتل کیا ہے، کہہ کر اپنی ذات سے جھگڑے کو ساقط کرنا چاہتا ہے، اس لئے اس سے اتنی سی بات قبول نہیں کی جائے گی، اس لئے ہم نے جو ذکر کیا اس طرح کی قسم کھلائی جائے گی، اس لئے کہ جب اس نے کسی پر قتل کا اقرار کیا، تو وہ قسم سے مستثنی ہو گیا لیکن اس کے علاوہ کا حکم باقی رہا اس لئے اس پر قسم کھلائی جائے گی

تشریح: قسم کھانے والے نے جب یہ کہا کہ فلاں نے قتل کیا ہے، تو ابھی دو چیزیں باقی رہ گئی ہیں۔ ایک یہ کہ خود اس نے قتل کیا ہے یا نہیں یہ ذکر نہیں کر رہا ہے، اور یہ بھی ذکر نہیں کر رہا ہے کہ اس فلاں کے علاوہ کسی اور نے مثلا قسم کھانے والے کے باپ، یا بھائی نے قتل کیا ہے یا نہیں؟ اس لئے یہ بھی قسم لی جائے کہ میں نے قتل نہیں کیا ہے، اور یہ بھی قسم لی جائے کہ اس کے علاوہ کسی کو قاتل نہیں جانتا ہوں۔

وجہ: قسامت کا مقصد یہ ہے کہ اپنی نفی ہو جائے اور مدعی علیہ کے علاوہ دوسروں کی بھی نفی ہو جائے۔

ترجمہ: (۹۱۷) اگر محلّہ والوں میں سے دو آدمی گواہی دیں محلّہ کے علاوہ کے آدمی پر کہ اس نے قتل کیا ہے تو ان دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ: لِ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ، محلے میں قتل ہوا ہے تو یہ گواہ مدعی علیہ ہیں اس لئے یہ گواہ نہیں بن سکتے ہیں

اصول: دوسرا اصول یہ ہے کہ مقتول کے ولی نے دعوی کیا کہ محلے کے علاوہ آدمی نے قتل کیا ہے تو اب محلے کے لوگ مدعی علیہ نہیں رہے، اس لئے یہ گواہ بن سکتے ہیں

تشریح: محلے میں مقتول پایا گیا، جس سے محلے والے مجرم ہیں، لیکن مقتول کے ولی نے دعوی کیا کہ محلے کے علاوہ آدمی نے قتل کیا ہے تو یہ محلے والے اب مجرم نہیں رہے، لیکن چونکہ مقتول محلے میں پایا گیا ہے، اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ابھی بھی یہ لوگ مجرم ہیں کہ مقتول کو قتل سے نہیں بچایا ہے اور مدعی علیہ ہیں، اس لئے محلے کے دو گواہ یہ گواہی نہیں دے سکتے کہ محلے کے علاوہ دوسرے آدمی نے قتل کیا ہے، اور اگر وہ گواہی دیں تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ لوگ ایک درجے میں متہم ہیں

وجہ: (۱) اس محلے میں قتل ہونے کی وجہ سے یہ دونوں گواہ مدعی علیہ ہو گئے۔ گویا کہ اپنی جان چھڑانے کے لئے گواہی دے کر

۲ وَقَالَا تُقْبَلُ لِأَنَّهُمْ كَانُوا بِعُرْضَةٍ أَنْ يَصِيرُوا خُصَمَاءَ وَقَدْ بَطَلَتْ الْعُرْضَةُ بِدَعْوَى الْوَلِيِّ الْقَتْلَ عَلَى غَيْرِهِمْ فَتُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ كَالْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ إِذَا عُزِلَ قَبْلَ الْخُصُومَةِ، ۳ وَلَهُ أَنَّهُمْ خُصَمَاءُ بِإِنْزَالِهِمْ قَاتِلِينَ لِلتَّقْصِيرِ الصَّادِرِ مِنْهُمْ فَلَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ وَإِنْ خَرَجُوا مِنْ جُمْلَةِ الْخُصُومِ

دوسرے محلے والوں کی گردن پر ڈالنا چاہتے ہیں۔اس لئے یہ متہم ہو گئے۔اس لئے ان کی گواہی مقبول نہیں ہوگی (۲) محلّہ والے مدعی علیہ ہیں اس لئے ان پر قسم ہے ان پر گواہی نہیں ہے۔اس لئے بھی ان کی گواہی مقبول نہیں ہے۔(۳) عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: »لَا يَجُوزُ فِي الطَّلَاقِ شَهَادَةُ ظَنِينٍ وَلَا مُتَّهَمٍ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فیمن لا تجوز لہ الشہادۃ، نمبر ۲۲۸۵۷)(۴)۔عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: »بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا فِي السُّوقِ أَنَّهُ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَصْمٍ، وَلَا ظَنِينٍ« قِيلَ: وَمَا الظَّنِينُ؟ قَالَ: الْمُتَّهَمُ فِي دِينِهِ (مصنف عبد الرزاق، باب لا یقبل متہم ولا جار الی نفسہ ولا ظنین، نمبر ۱۵۳۶۵) اس حدیث اور قول تابعی میں ہے کہ متہم کی گواہی قابل قبول نہیں ہے

ترجمہ: ۲ صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں محلے والوں کی گواہی قبول کی جائے گی، اس لئے کہ یہ مدعی علیہ بننے کے نشانے پر تھے، لیکن جب مقتول کے ولی نے دعوی کیا کہ محلے کے علاوہ نے قتل کیا ہے تو اب ان کی گواہی قبول کی جائے گی، جیسے خصومت کا وکیل ہو تو وہ گواہی نہیں دے سکتا ہے، لیکن اگر وہ خصومت سے پہلے معزول کر دیا گیا ہو تو (اب وہ گواہی دے سکتا ہے، ایسے ہی یہاں ہوگا)

تشریح: صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ جب ولی نے خود ہی یہ کہہ دیا ہے کہ محلے کے علاوہ کے آدمی نے قتل کیا ہے، تو یہ محلے والے اب مدعی علیہ اور خصم نہیں رہے، اس لئے یہ اب گواہی دے سکتے ہیں کہ فلاں نے قتل کیا ہے۔اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ زید خصومت اور جھگڑے کا وکیل تھا تو وہ اس معاملے میں گواہ نہیں بن سکتا ہے، لیکن جھگڑے سے پہلے زید کو وکالت سے معزول کر دیا تو اب وہ وکیل نہیں رہا، اس لئے اب وہ گواہ بن سکتا ہے۔اسی طرح محلے والے اب مجرم اور مدعی علیہ نہیں رہے اس لئے اب وہ گواہ بن سکتے ہیں، اور ان کی گواہی قبول کی جانی چاہئے۔

لغت: العرضۃ: عرض سے مشتق ہے، نشانے پر ہونا۔ خصم: جھگڑے میں مدعی علیہ ہونا

ترجمہ: ۳ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ محلے کے یہ لوگ ابھی بھی خصم کے درجے میں ہیں ان سے کوتاہی صادر ہونے کی وجہ سے کہ (انہوں نے مقتول کی حفاظت نہیں کی ہے) اس لئے ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، چاہے وہ من وجہ خصومت سے نکل گئے ہوں، جیسے وصی وصیت کو قبول کرنے کے بعد کسی وجہ سے وصیت سے نکل گیا ہو، پھر گواہی دے (تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے (ایسے یہاں بھی ہوگا کہ گاؤں والے خصم سے نکل گئے ہوں پھر بھی ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی)

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ کسی نہ کسی درجے میں مدعی علیہ ہو تب بھی اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ کسی نہ کسی درجے میں مدعی علیہ ختم ہو گیا ہو، چاہے پورا ختم نہ ہوا تب بھی اس کی گواہی قبول

كَـالْـوَصِـيِّ إِذَا خَـرَجَ مِنَ الْوَصَايَةِ بَعْدَ مَا قَبِلَهَا ثُمَّ شَهِدَ، ٤ قَـالَ رَضِـيَ الـلّٰهُ عَنْهُ وَعَلَى الْأَصْلَيْنِ هٰذَيْنِ يَتَخَرَّجُ كَثِيْرٌ مِنَ الْمَسَائِلِ مِنْ هٰذَا الْجِنْسِ.

(۹۱۸) قَالَ وَلَـوْ اِدَّعـى عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِعَيْنِهِ فَشَهِدَ شَاهِدَانِ مِنْ أَهْلِهَا عَلَيْهِ لَمْ تُقْبَلِ الشَّهَادَةُ، ١ لِأَنَّ الْـخُـصُـوْمَةَ قَـائِـمَـةٌ مَـعَ الْـكُلِّ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ، وَالشَّاهِدُ يَقْطَعُهَا عَنْ نَفْسِهِ فَكَانَ

کی جائے گی۔ یہ مسئلے اسی اصول پر ہیں

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے جب یہ کہا کہ محلے کے علاوہ نے قتل کیا ہے، اس سے محلے والے کسی نہ کسی درجے میں مدعی علیہ نہیں رہے، لیکن محلے والوں نے مقتول کی قتل سے حفاظت نہیں کی ہے اس لئے کسی نہ کسی درجے میں مدعی علیہ ہیں، کہ وہ گواہی دیکر اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں، اس لئے ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ مثلا زید عمر کا وصی تھا، کیونکہ وہ چھوٹا بچہ تھا، اب عمر بالغ ہو گیا اور زید وصیت سے نکل گیا ہے، لیکن ابھی بھی زید عمر کے لئے گواہی نہیں دے سکتا ہے، اس لئے کہ وہ متہم ہے۔ اسی طرح محلے والے مدعی علیہ سے نکل چکے ہیں پھر بھی وہ متہم ہیں اس لئے وہ گواہی نہیں دے سکتے ہیں

ترجمہ: ٤ مصنف صاحب ھدایہ نے فرمایا کہ، ان دو اصولوں پر اس قسم کے بہت سے مسائل کا استخراج کریں گے، ان شاء اللہ

اصول یہ ہیں: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسی نہ کسی درجے میں مدعی علیہ ہو، اور متہم ہو تو وہ گواہی نہیں دے سکتا ہے۔ گواہ کا اتہام سے بالکل پاک ہونا ضروری ہے

اصول: صاحبین کا اصول۔ کسی نہ کسی درجے میں مدعی علیہ باقی نہ رہے تو گواہی دے سکتا ہے۔ اتہام سے بالکل پاک ہونا ضروری نہیں ہے

ترجمہ: (۹۱۸) اگر ولی نے محلے میں سے کسی ایک متعین آدمی پر قتل کا دعوی کیا، اور محلے ہی کے دو آدمیوں نے گواہی دی تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی

ترجمہ: ١ اس لئے کہ ابھی بھی سب پر خصومت قائم ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، اور گواہ اپنے سے جرم کو ہٹانا چاہتا ہے اس لئے وہ متہم ہے (اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی)

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گواہ متہم ہو تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی

تشریح: ولی نے محلے کے ایک خاص آدمی پر قتل کا دعوی کیا، لیکن پھر بھی محلے والے کی کوتاہی ہے کہ اس نے قتل کو نہیں روکا، اس لئے سب پر قسامت اور دیت ہے، اس کے ہوتے ہوئے دو آدمی گواہی دے رہے ہیں کہ خاص فلاں آدمی نے قتل کیا ہے تو

مُتَّهَمًا، ۲؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ الشُّهُودَ يُحَلَّفُونَ "بِاللّٰهِ مَا قَتَلْنَاهُ" وَلَا يَزْدَادُوْنَ عَلٰى ذٰلِكَ، لِأَنَّهُمْ أَخْبَرُوْا أَنَّهُمْ عَرَفُوْا الْقَاتِلَ.

(۹۱۹) قَالَ وَمَنْ جُرِحَ فِي قَبِيْلَةٍ فَنُقِلَ إِلٰى أَهْلِهِ فَمَاتَ مِنْ تِلْكَ الْجَرَاحَةِ، فَإِنْ كَانَ صَاحِبَ فِرَاشٍ حَتّٰى مَاتَ فَالْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى الْقَبِيْلَةِ، ۱؎ وَهٰذَا قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ،

ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ ان گواہ پر بھی قسامت اور دیت ہے، اور ان کی بھی کوتاہی ہے کہ قتل سے نہیں روکا، اس لئے یہ بھی متہم ہیں، اس لئے ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ: (۱) گواہی دیکر اپنے سے قتل کے اتہام کو دور کرنا چاہتا ہے، اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ (۲) عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: »لَا يَجُوزُ فِي الطَّلَاقِ شَهَادَةُ ظَنِينٍ وَلَا مُتَّهَمٍ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فیمن لا تجوز لہ الشہادۃ، نمبر ۲۲۸۵۷) (۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: »بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا فِي السُّوقِ أَنَّهُ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَصْمٍ، وَلَا ظِنِّينٍ « قِيلَ: وَمَا الظِّنِّينُ؟ قَالَ: الْمُتَّهَمُ فِي دِينِهِ (مصنف عبد الرزاق، باب لا یقبل متہم ولا جار الی نفسہ ولا ظنین، نمبر ۱۵۳۶۵) اس حدیث اور قول تابعی میں ہے کہ متہم کی گواہی قابل قبول نہیں ہے

ترجمہ: ۲؎ حضرت امام ابو یوسفؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ ان گواہوں کو یوں قسم کھلائی جائے گی کہ، ہم نے قتل نہیں کیا ہے، اس سے زیادہ نہ کیا جائے گا اس لئے کہ انہوں نے گواہ دیکر یہ خبر دے دی ہے کہ وہ قاتل کو جانتے ہیں

تشریح: محلے کے دو گواہ جنہوں نے گواہی دی کہ فلاں نے قتل کیا ہے، ان کی گواہی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ لیکن جب ان دونوں سے قسامت کی قسم لی جائے گی تو وہاں دو جملے ہوتے ہیں۔ ۱۔ میں نے قتل نہیں کیا۔ ۲۔ اور دوسرا جملہ ہوتا ہے کہ، میں کسی قاتل کو جانتا نہیں ہوں (باللہ ما قتلناہ، ولا علمنا لہ قاتلا) لیکن یہ دونوں گواہ قاتل کو جانتے ہیں، اس لئے ان سے (ولا علمنا لہ قاتلا) نہیں کہلوایا جائے گا، کیونکہ ان کی گواہی چاہے قبول نہ کی گئی ہو لیکن چونکہ یہ گواہ کو جانتے ہیں اس لئے یہ دوسرا جملہ نہیں کہلوایا جائے گا۔ ورنہ جھوٹ ہو جائے گا

ترجمہ: (۹۱۹) کسی قبیلے میں کوئی زخمی ہوا، پھر اس کو اپنے اہل کی طرف منتقل کیا گیا اور وہاں اس زخم کی وجہ سے مر گیا، تو اگر موت تک وہ صاحب فراش رہا تو قسامت اور دیت اس قبیلے پر ہے جس میں زخمی ہوا تھا

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ زخم کی وجہ سے مرا ہو تو موت کی دیت اور قسامت زخم کرنے والے پر ہوگی

تشریح: ایک قبیلے میں ایک آدمی کو زخمی پایا، پھر اس کو اپنے قبیلے کی طرف منتقل کر دیا گیا، لیکن موت تک وہ صاحب فراش رہا، ٹھیک نہیں ہو سکا، اور گویا کہ اسی زخم سے مرا ہے، اس لئے اس کی دیت اور قسامت قبیلے والے پر ہوگی،

وجہ: کیونکہ اسی قبیلے میں زخمی پایا گیا ہے، اور اسی سے مرا ہے، تو گویا کہ اسی قبیلے میں مرا ہے

۲ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لا قَسَامَةَ وَلا دِيَةَ، لِأَنَّ الَّذِىْ حَصَلَ فِى الْقَبِيْلَةِ اَوِ الْمَحَلَّةِ مَا دُوْنَ النَّفْسِ وَلا قَسَامَةَ فِيْهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا لَمْ يَكُنْ صَاحِبَ فِرَاشٍ، ۳ وَلَهُ أَنَّ الْجُرْحَ إِذَا اتَّصَلَ بِهِ الْمَوْتُ صَارَ قَتْلًا، وَلِهٰذَا وَجَبَ الْقِصَاصُ، فَإِنْ كَانَ صَاحِبَ فِرَاشٍ أُضِيْفَ إِلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ اِحْتَمَلَ أَنْ يَكُوْنَ الْمَوْتُ مِنْ غَيْرِ الْجُرْحِ فَلا يَلْزَمُ بِالشَّكِّ.

(۹۲۰) وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا مَعَهُ جَرْحٌ بِهِ رَمَقٌ حَمَلَهُ إِنْسَانٌ إِلٰى أَهْلِهِ فَمَكَثَ يَوْمًا أَوْ يَوْمَيْنِ ثُمَّ مَاتَ لَمْ يَضْمَنِ الَّذِىْ حَمَلَهُ إِلٰى أَهْلِهِ فِىْ قَوْلِ أَبِىْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَفِىْ قِيَاسِ قَوْلِ أَبِىْ حَنِيْفَةَ

ترجمہ: ۲ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ قبیلے والوں پر نہ قسامت ہوگی اور نہ دیت ہوگی، اس لئے کہ قبیلے، یا محلے میں صرف زخمی ہوا ہے، موت نہیں ہوئی ہے اس لئے قبیلے والوں پر قسامت نہیں ہوگی، تو ایسا ہوا کہ زخمی کے بعد صاحب فراش نہیں رہا، اور مر گیا

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ زخم ہونا موت کا سبب نہیں ہے، اس لئے دیت نہیں ہوگی

تشریح: امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ قبیلے میں صرف زخمی ہوا ہے مرا نہیں ہے، اس لئے مرنا زخم کا سبب نہیں مانا جائے گا، اس لئے قبیلے والوں پر دیت نہیں ہوگی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ زخم کے بعد وہ صاحب فراش نہ رہا ہو اور مرا ہو تو اس کی دیت قبیلے والوں پر نہیں ہوگی، ایسے ہی یہاں ہوگا

لغت: مادون النفس: جان نہیں گئی ہو، اس کے علاوہ زخمی ہوا ہو، اس کو مادون النفس کہتے ہیں

ترجمہ: ۳ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ زخم موت سے متصل ہو تو گویا کہ زخم ہی سے قتل ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ متعین قاتل ہو تو اس پر قصاص واجب ہوتا ہے، پس اگر زخمی آدمی صاحب فراش رہا تو اسی کی طرف منسوب ہوگی، اور اگر صاحب فراش نہیں رہا تو احتمال ہے کہ اس زخم کے علاوہ سے موت ہوئی ہو اس لئے شک کی بنا پر قبیلے والوں پر دیت اور قسامت نہیں ہوگی

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ زخم کے بعد وہ ٹھیک نہیں ہوا ہے، بلکہ برابر صاحب فراش رہا ہے، اس لئے یہ طے ہے کہ اسی زخم کی وجہ سے موت ہوئی ہے، تو گویا کہ قبیلے والے قاتل نکلے اس لئے قبیلے والوں پر دیت اور قسامت ہوگی۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ اگر کوئی متعین آدمی زخمی کرتا اور اسی زخم سے یہ آدمی مر جاتا تو زخمی کرنے والے پر قصاص واجب ہوتا ہے، اور گویا کہ زخمی کرنے والے نے قتل کیا ہے، اسی طرح یہاں زخم سے مرا ہے تو گویا کہ قبیلے والوں کے یہاں ہی مرا ہے اس لئے قبیلے والوں پر قسامت اور دیت ہوگی۔

ترجمہ: (۹۲۰) ایک زخمی آدمی میں جان باقی ہے، ایک آدمی نے اس کو زخمی کے گھر پہنچا دیا، زخمی ایک دو دن ٹھہرا پھر مر گیا تو جو اٹھا کر اہل کے پاس لایا تھا، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ دیت کا ضامن نہیں ہوگا، اور امام ابو حنیفہؒ کے قول پر قیاس یہ ہے کہ اٹھانے والا دیت کا ضامن ہوگا

رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَضْمَنُ، لِ لِأَنَّ يَدَهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَحَلَّةِ فَوُجُوْدُهُ جَرِيْحًا فِيْ يَدِهٖ كَوُجُوْدِهٖ فِيْهَا وَقَدْ ذَكَرْنَا وَجْهَي الْقَوْلَيْنِ فِيْمَا قَبْلَهُ مِنْ مَسْأَلَةِ الْقَبِيْلَةِ.

(۹۲۱) لَوْ وُجِدَ الرَّجُلُ قَتِيْلًا فِيْ دَارِ نَفْسِهٖ فَدِيَتُهُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ لِوَرَثَتِهٖ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَزُفَرُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَا شَيْءَ فِيْهِ، لِ لِأَنَّ الدَّارَ فِيْ يَدِهٖ حِيْنَ وُجِدَ الْجَرِيْحُ فَيُجْعَلُ كَأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسَهُ فَيَكُوْنُ هَدَرًا،

ترجمہ: لِ اس کی وجہ یہ ہے کہ اٹھانے والے کا قبضہ محلّہ کے درجے میں ہے، اس لئے زخمی ہو کر اس کے قبضے میں ہونا گویا کہ محلے میں زخمی ہونا ہے (اس لئے اٹھانے والے پر دیت ہوگی) اور دونوں قولوں کی وجہ ہم نے پہلے قبیلے کے مسئلے میں ذکر کی ہے

اصول: امام ابوحنیفہؒ کا اصول گزرا کہ زخمی آدمی صاحب فراش رہا اور مر گیا تو ایسا سمجھا جائے گا کہ اس کو مار دیا

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول گزرا کہ زخمی آدمی کو مارا نہیں تو وہ زخم کے درجے ہی میں رہے گا، مارنے کے درجے میں نہیں ہوگا۔ انہیں دونوں اصولوں پر یہ مسئلہ متفرع ہے

تشریح: مثلا زید زخمی ہے اس میں جان باقی ہے، اس کو عمر نے زید کے گھر پہنچایا، زید صاحب فراش رہا اور دو دنوں کے بعد مر گیا تو امام ابو یوسفؒ کے اصول کے مطابق اٹھانے والے پر دیت لازم نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے مارا نہیں ہے، اور زخمی کو اٹھانا مارنے کے برابر نہیں ہے، اس لئے زخمی ہو کر اٹھانے والے کے قبضے میں ہونے سے اٹھانے والے پر دیت اور قسامت لازم نہیں ہوگی

امام ابوحنیفہؒ کا ایک اصول یہ ہے کہ زخم سے موت ہونا، گویا کہ مارنا ہے، اور دوسرا اصول یہ ہے کہ جس کے قبضے میں مرا ہے اس پر دیت لازم ہوتی ہے۔ اب زخم کے وقت میں زخمی اٹھانے والے کے قبضے میں ہے اور اسی سے مرا ہے اس لئے اٹھانے والے پر دیت اور قسامت لازم ہونی چاہئے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے دو اصولوں پر قیاس ہے

ترجمہ: (۹۲۱) کوئی آدمی اپنے ہی گھر میں مقتول پایا گیا تو اس کی دیت گھر کے جو وارث ہیں ان کے عاقلہ پر ہوگی، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور زفرؒ نے فرمایا کہ کچھ بھی لازم نہیں ہوگا

ترجمہ: لِ اس لئے کہ مقتول جس وقت زخمی ہوا تھا اس وقت گھر مقتول کے قبضے میں تھا تو گویا کہ مقتول نے خود کو قتل کیا ہے اس لئے خون ہدر ہوگا

اصول: امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ آدمی جب مقتول پایا گیا تو اس وقت دیت لازم ہوتی ہے اور اس وقت اس گھر کے مالک مقتول کے ورثہ تھے، اس لئے ورثہ کے عاقلہ پر دیت ہوگی، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جس کے قبضے میں گھر ہو اس پر دیت واجب ہوتی ہے، اور اس دیت کو اس کے عاقلہ ادا کرتا ہے

اصول: صاحبین کا اصول یہ ہے کہ آدمی جب زخمی ہوا اس وقت گھر جس کے قبضے میں ہو اس پر دیت لازم ہوتی ہے، اور

۲ وَلَـهُ أَنَّ الْقَسَامَةَ إِنَّمَا تَجِبُ بِنَاءً عَلٰى ظُهُوْرِ الْقَتْلِ وَلِهٰذَا لا يَدْخُلُ فِي الدِّيَةِ مَنْ مَاتَ قَبْلَ ذٰلِكَ وَحَالَ ظُهُوْرِ الْقَتْلِ اَلدَّارُ لِلْوَرَثَةِ فَتَجِبُ عَلٰى عَاقِلَتِهِمْ، ۳ بِخِلَافِ الْمُكَاتَبِ إِذَا وُجِدَ قَتِيْلًا فِيْ

مقتول کے زخمی ہوتے وقت یہ گھر خود زخمی کا تھا اس لئے اسی پر دیت لازم ہوگی، اور وہ مر چکا ہے، اس لئے دیت اب کون ادا کرے گا، اس لئے یہ خون ہدر ہوگا۔ دونوں حضرات کے اصولوں میں یہ فرق ہے، اور انہیں پر مسائل متفرع ہیں۔

تشریح: ایک آدمی اپنے ہی گھر میں مقتول پایا گیا تو اس مقتول کی دیت ان لوگوں پر ہوگی جو اس گھر کے وارث بنے ہیں، اور ان کے عاقلہ اس دیت کو ادا کریں گے، اس دیت سے مقتول کا قرضہ ادا کیا جائے گا اور جو بچے گا وہ انہیں وارثین میں تقسیم ہو جائے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب قتل کا پتہ چلا اس وقت قسامت اور دیت واجب ہوتی ہے، اور اس وقت وہ گھر میت کے ورثہ کا ہو چکا ہے، اس لئے مقتول کے ورثہ پر دیت واجب ہوگی، کیونکہ جس کے قبضے میں گھر ہو اسی پر دیت لازم ہوتی ہے، اور یہ دیت ورثہ کے جو عاقلہ ہیں وہ ادا کریں گے

صاحبین کے یہاں جب زخمی ہوا اس وقت اس گھر پر جس کا قبضہ تھا اس پر دیت اور قسامت لازم ہوگی، اور اس وقت زخمی زندہ تھا اس لئے یہ گھر اسی زخمی کے قبضے میں تھا اس لئے خود زخمی پر قسامت اور دیت لازم ہوگی، اور زخمی اب مر چکا ہے اس لئے خون بے کار جائے گا، کوئی اس کو ادا نہیں کرے گا

لغت: الدار فی یدہ حین وجد الجرح: جس وقت زخمی ہوا اس وقت گھر جس کے قبضے میں ہے اس پر دیت لازم ہوگی۔ اور اس وقت وہ گھر خود میت کے ہاتھ میں تھا اس لئے اسی پر قسامت اور دیت لازم ہوگی، یہ صاحبینؒ کی رائے ہے

ترجمہ: ۲ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قتل کے ظاہر ہونے کے بعد قسامت واجب ہوگی، یہی وجہ ہے کہ جو اس سے پہلے مر گیا ہو اس پر دیت واجب نہیں ہوتی ہے، اور قتل کے ظاہر ہوتے وقت یہ گھر مقتول کے ورثہ کا ہے اس لئے ورثہ ہی کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے کہ، مقتول کا پتہ چلے اس وقت قسامت واجب ہوتی ہے، اور اس وقت مقتول مر چکا ہے اور گھر ورثہ کا ہو چکا ہے، اس لئے دیت مقتول کے ورثہ پر واجب ہوگی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ مقتول کے پائے جانے سے پہلے اس کا کوئی وارث مر جائے تو اس پر دیت اور قسامت واجب نہیں ہوتی ہے، اس سے پتہ چلا کہ مقتول کے ظاہر ہونے کے بعد قسامت واجب ہوتی ہے، اس سے پہلے نہیں، اور اس وقت گھر ورثہ کا ہے اس لئے ورثہ ہی پر دیت لازم ہوگی

ترجمہ: ۳ بخلاف مکاتب اگر اپنے ہی گھر میں مقتول پایا جائے (تو اس کا خون ہدر ہوگا) اس لئے اس کے قتل کے ظاہر ہوتے وقت میں بھی گھر مکاتب ہی کی ملکیت کے حکم میں رہتا ہے اس لئے گویا (کہ مکاتب اپنے ہی گھر میں مقتول پایا گیا ہے) اس نے اپنے آپ کو قتل کیا ہے اس لئے اس کا خون ہدر ہوگا

دَارِ نَفْسِهٖ، لِأَنَّ حَالَ ظُهُوْرِ قَتْلِهٖ بَقِيَتِ الدَّارُ عَلٰى حُكْمِ مِلْكِهٖ فَيَصِيْرُ كَأَنَّهٗ قَتَلَ نَفْسَهٗ فَيُهْدَرُ دَمُهٗ.

(۹۲۲) وَلَوْ أَنَّ رَجُلَيْنِ كَانَا فِيْ بَيْتٍ وَلَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ فَوُجِدَ أَحَدُهُمَا مَذْبُوْحًا قَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَضْمَنُ الْاٰخَرُ الدِّيَةَ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَا يَضْمَنُهٗ، ۱؎ لِأَنَّهٗ يَحْتَمِلُ أَنَّهٗ قَتَلَ نَفْسَهٗ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهٗ قَتَلَهُ الْاٰخَرُ فَلَا يَضْمَنُهٗ بِالشَّكِّ، وَلِأَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَا يَقْتُلُ نَفْسَهٗ فَكَانَ التَّوَهُّمُ سَاقِطًا كَمَا إِذَا وُجِدَ قَتِيْلٌ فِيْ مَحَلَّةٍ.

اصول: مکاتب کا اصول یہ ہے کہ، اس کی موت کے بعد بھی کتابت نہیں ٹوٹتی

تشریح: چونکہ موت کے بعد بھی کتابت نہیں ٹوٹی، اس لئے اس کا مال اتنا ہو کہ اس سے مال کتابت ادا کیا جا سکتا ہو تو اس کو ادا کر کے اس کو آزاد شمار کیا جائے گا، اس لئے قتل کے ظہور کے وقت بھی وہ مکان گویا کہ مکاتب کے قبضے میں ہے، اور وہ اپنے ہی گھر میں مرا ہے اس لئے اس کی دیت، اور قسامت بھی اسی پر لازم ہوگی، اور وہ مر چکا ہے تو اب دیت اور قسامت کس پر لازم کریں اس لئے دیت ہدر ہو جائے گی۔ عام آدمی اور مکاتب میں یہ فرق ہوگا۔ اور امام ابو یوسف کی دلیل ظاہر ہے کہ انسان اپنے آپ کو خود قتل نہیں کرتا تو وہم ختم ہو گیا، جیسے کہ محلّہ میں کوئی مقتول پایا جائے۔

ترجمہ: (۹۲۲) دو آدمی ایک ہی گھر میں تھے ان کے ساتھ تیسرا نہیں تھا، اب ان میں سے ایک ذبح کیا ہوا پایا گیا، تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دوسرا آدمی (جو زندہ ہے) وہ دیت کا ضامن بنے گا، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ دوسرا دیت کا ضامن نہیں بنے گا

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ یہ احتمال ہے کہ اس نے اپنے آپ کو قتل کیا ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ کسی تیسرے نے قتل کیا ہو، اس لئے شک کی وجہ سے یہ ساتھ والا آدمی دیت کا ضامن نہیں بنے گا

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ جس پر قتل کا غالب گمان ہو اسی پر دیت ہوگی

اصول: امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ اگر قتل کرنے میں شک ہو جائے تو اس پر دیت نہیں ہوگی

تشریح: ایک گھر میں صرف دو آدمی ہیں، ان میں ایک کو ذبح شدہ کی حالت میں پایا گیا تو امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ جو دوسرا آدمی ساتھ رہتا تھا دیت اسی پر ہوگی، کیونکہ جب اور کوئی آدمی نہیں ہے تو غالب گمان یہی ہے کہ اسی نے قتل کیا ہے، اور یہ گمان کہ خود اپنے آپ نے ذبح کیا ہے، یا کسی تیسرے نے قتل کیا ہوگا، یہ وہم ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اس کی مثال دیتے ہیں کہ یہ تین وہم اس وقت بھی ہیں جبکہ محلے میں قتل ہوا ہو کہ محلے کے باہر کے آدمی نے قتل کیا ہوگا، لیکن وہاں اس کا اعتبار نہیں کیا گیا، اور محلے والوں پر دیت لازم کی گئی ہے، اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔ ہاں گواہ کے ذریعہ کوئی بات ثابت کر دے تو اس اعتبار سے دیت لازم ہوگی۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہاں تین وہم ہیں۔ ۱۔ آدمی نے خود اپنے آپ کو ذبح کیا ہو۔ ۲۔ کسی تیسرے نے ذبح کیا ہو۔ ۳۔ اس ساتھ والے نے قتل کیا ہو، چونکہ یہاں تین وہم ہے اس لئے ساتھ والے کے قتل کرنے پر شبہ ہو گیا اس لئے اس سے دیت ساقط ہو جائے گی۔ جب تک کہ گواہ سے کوئی بات ثابت نہ کر دی جائے۔

(٩٢٣) وَلَوْ وُجِدَ قَتِيلٌ فِيْ قَرْيَةٍ لِإمْرَأَةٍ فَعِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الْقَسَامَةُ عَلَيْهَا تُكَرَّرُ عَلَيْهَا الْأَيْمَانُ، وَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهَا أَقْرَبِ الْقَبَائِلِ إِلَيْهَا فِي النَّسَبِ، وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الْقَسَامَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ أَيْضًا، ١ لِأَنَّ الْقَسَامَةَ إِنَّمَا تَجِبُ عَلٰى مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النُّصْرَةِ، وَالْمَرْأَةُ لَيْسَتْ مِنْ أَهْلِهَا فَأَشْبَهَتِ الصَّبِيَّ، ٢ وَلَهُمَا أَنَّ الْقَسَامَةَ لِنَفْيِ التُّهْمَةِ،

ترجمه: (٩٢٣) پورا گاؤں ایک ہی عورت کی ملکیت ہے اس گاؤں میں مقتول پایا گیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک عورت پر قسامت ہوگی اور اس پر مکرر کر کے پچاس قسمیں ہوں گی، اور نسبی اعتبار سے جو قریب کے عاقلہ ہوں گے ان پر دیت لازم ہوگی، اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ عورت پر قسامت نہیں ہوگی، قسامت اس کے عاقلہ پر ہوگی

ترجمه: ١ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو مدد والے ہوتے ہیں ان پر قسامت ہوتی ہے، اور عورت نصرت والی نہیں ہے، اس لئے وہ بچے کی طرح ہوگئی (یعنی بچے پر قسامت نہیں ہے تو اس عورت پر قسامت نہیں ہے)

تشریح: محلے میں مرد اور عورت دونوں ہوں تو مرد پر ہی قسامت ہوتی ہے، عورت پر نہیں، لیکن یہاں صورت حال یہ ہے پورے گاؤں کا مالک عورت ہے، اور جو مرد ہیں وہ صرف سکان اور کرایہ دار ہیں، اور ان سکان اور کرایہ دار پر قسامت نہیں ہوگی، تو طرفینؒ نے فرمایا کہ یہاں کوئی مرد نہیں ہے، اور پورے گاؤں پر عورت کا قبضہ ہے، اور اسی کے گاؤں میں مقتول پایا گیا ہے، اس لئے اس مجبوری کی بنیاد پر عورت پر قسامت ہوگی، اور چونکہ ایک ہی عورت ہے، اور قسامت کی پچاس قسمیں لینی ہے، اس لئے پچاس مرتبہ ایک ہی عورت سے قسم لیکر قسامت کی عدد پوری کی جائے گی۔ البتہ قسامت کے بعد عورت کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔ اب عورت کے رشتہ دار دو قسم کے ہیں۔ ١۔ ایک ہے سسرالی رشتہ دار، اور دوسرے ہیں نسبی رشتہ دار، تو فرماتے ہیں کہ نسبی رشتہ دار عاقلہ بنیں گے، اور انہیں پر مقتول کی دیت لازم ہوگی، تاہم قسم تو صرف عورت ہی پر لازم ہوگی۔

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ قسم اس وجہ سے واجب ہوتی ہے کہ اس پر قتل کی تہمت ہے، اور یہاں عورت کی ملکیت ہے اس لئے اس پر قتل کی تہمت ہے اس لئے عورت ہونے کے باوجود بھی اس پر قسامت ہوگی

اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک تو عورت ہے اور عورت پر قسامت نہیں ہوتی ہے، اس لئے اس کی ملکیت ہونے کے باوجود بھی اس پر قسامت نہیں ہوگی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قسامت اس پر واجب ہوتی ہے جو مدد اور نصرت کر سکتا ہو، اور عورت اس میں نصرت نہیں کر سکتی ہے اس لئے یہاں بھی عورت پر قسامت نہیں ہوگی، اور یہ قسامت عورت کے عاقلہ پر ہوگی، اور دیت بھی عاقلہ پر ہوگی

وجه: (١) اس قول تابعی میں ہے کہ عورت پر قسامت نہیں ہے۔ عن الثوری قال لیس علی النساء والصبیان قسامة (مصنف عبد الرزاق، باب قسامة النساء، باب قسامة العبید، ج عاشر ص ٤٩، نمبر ١٨٣٠٩)

ترجمه: ٢ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ قسامت قتل کی تہمت کی نفی کے لئے ہے اور یہاں عورت پر قتل کی

وَتُهمَةُ الْقَتلِ مِنَ الْمَرْأَةِ مُتَحقِّقَةٌ، ۳ قَالَ الْمُتَأَخِّرُونَ إِنَّ الْمَرْأَةَ تَدْخُلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ فِي التَّحَمُّلِ فِي هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ، لِأَنَّا أَنْزَلْنَاهَا قَاتِلَةً وَالْقَاتِلُ يُشَارِكُ الْعَاقِلَةَ.

(۹۲۴) وَلَوْ وُجِدَ رَجُلٌ قَتِيْلٌ فِيْ أَرْضِ رَجُلٍ إِلٰى جَانِبِ قَرْيَةٍ لَيْسَ صَاحِبُ الْأَرْضِ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ هُوَ عَلٰى صَاحِبِ الْأَرْضِ، ۱ لِأَنَّهُ أَحَقُّ بِنُصْرَةِ أَرْضِهِ مِنْ أَهْلِ الْقَرْيَةِ.

تہمت متحقق ہے(اس لئے اس پر قسامت ہوگی)

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس پر قتل کی تہمت ہو اس سے قسامت لی جاتی ہے، اور پورا گاؤں صرف عورت کی ملکیت ہے جس میں مقتول پایا گیا ہے اس لئے اس پر قتل کی تہمت ہے اس لئے مجبوری کے درجے میں اس سے قسامت لی جائے گی، البتہ اس کے بعد دیت اس کے نسبی عاقلہ پر ہوگی۔

ترجمہ: ۳ متاخرین علما نے یہ فرمایا کہ اس مسئلے میں دیت کے برداشت کرنے میں عورت اپنے عاقلہ کے ساتھ داخل ہو گی، اس لئے کہ ہم نے عورت کو قاتل کے درجے میں اتار دیا ہے، اور قاتل دیت ادا کرنے میں عاقلہ کے ساتھ شریک ہوتا ہے (اس لئے یہ عورت بھی عاقلہ کے ساتھ دیت ادا کرنے میں شریک ہوگی)

تشریح: چونکہ یہ گاوں عورت کی ملکیت ہے، اس لئے گویا کہ عورت نے قتل کیا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جس طرح عاقلہ دیت دیں گے، قاتل پر بھی دیت کا ایک حصہ آتا ہے، اور وہ بھی دیت ادا کرتا ہے، اور یہاں یہ عورت قاتل کے درجے میں ہے اس لئے عاقلہ کے ساتھ یہ دیت کا ایک حصہ ادا کرے گی

ترجمہ: (۹۲۴) گاوں کی ایک جانب ایک آدمی کی زمین تھی، لیکن وہ آدمی اس گاوں میں نہیں رہتا تھا اس زمین میں ایک مقتول پایا گیا تو فرمایا کہ اس کی دیت اس زمین والے پر ہوگی، گاوں والوں پر نہیں ہوگی

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ زمین کا مالک گاوں والوں سے زیادہ نصرت کا حقدار ہے

تشریح: زمین گاوں والوں کی زمین کے بیچ میں ہوتی تب تو گاوں والوں پر بھی دیت لازم ہوجاتی، کیونکہ مقتول گاوں میں پایا گیا ہے، لیکن یہاں صورت یہ ہے کہ گاوں والوں کی زمین جہاں تک تھی اس سے باہر یہ زمین ہے، اور اس زمین کا مالک اس گاوں میں نہیں رہتا ہے، کہیں دوسرے گاوں میں رہتا ہے، تو اس مقتول کی دیت گاوں والوں پر نہیں ہوگی، بلکہ زمین والے پر ہی ہوگی

وجہ: (۱) یہ زمین اس مالک کی ملکیت ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جس کی ملکیت میں مقتول پایا گیا ہو اس کی دیت اس مالک پر ہوتی ہے، اس لئے اس کی دیت مالک پر ہوگی۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ گاوں والوں سے زیادہ مالک اس کی نصرت اور مدد کا حقدار ہے، اس کو قتل سے حفاظت کرنی چاہئے، اور اس نے حفاظت نہیں کی ہے اس لئے اس کوتاہی کی بنا پر اسی پر دیت لازم ہوگی واللہ اعلم۔

كِتَابُ الْمَعَاقِلِ

ل اَلْمَعَاقِلُ جَمْعُ مَعْقَلَةٍ وَهِيَ الدِّيَةُ، وَتُسَمَّى الدِّيَةُ عَقْلًا، لِأَنَّهَا تَعْقِلُ الدِّمَاءَ مِنْ أَنْ تُسفَكَ أَىْ تُمْسِكُ.

(۹۲۵) قَالَ وَالدِّيَةُ فِيْ شِبْهِ الْعَمَدِ وَالْخَطَأَ، وَكُلُّ دِيَةٍ تَجِبُ بِنَفْسِ الْقَتْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ، وَالْعَاقِلَةُ الَّذِيْنَ يَعْقِلُوْنَ

﴿كتاب المعاقل﴾

ترجمہ: ل معاقل معقلۃ کی جمع ہے، وہ دیت ہے، اور دیت کو عقل اس لئے کہتے ہیں کہ وہ خون کے بہانے سے روکتا ہے، اس لئے اس کو عقل، کہتے ہیں

تشریح: عقل کے تین معانی ہیں۔ ا۔ روکنا، چونکہ عقل بھی غلطیوں سے روکتا ہے اس لئے اس کو عقل کہتے ہیں ۔۲۔ دوسرا ہے سمجھدار ہونا۔ اور تیسرا ہے دیت ادا کرنا۔ معاقل عقل سے مشتق ہے روکنا اور عقل آنا۔ جب خاندان والے قتل خطاء یا قتل شبہ عمد کی دیت ادا کرتے ہیں تو قاتل کو طعنہ دے کر بار بار ایسی غلطی کرنے سے روکتے ہیں۔ اس لئے خاندان والے کی دیت ادا کرنے والے کو عاقلہ کہتے ہیں

وجہ: اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »قَضَى فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي لَحْيَانَ بِغُرَّةٍ، عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ، ثُمَّ إِنَّ المَرْأَةَ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ، فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا، وَأَنَّ العَقْلَ عَلَى عَصَبَتِهَا (بخاری شریف، باب جنین المرأۃ وان العقل علی الوالد وعصبۃ الوالد لا علی الولد ص ۱۰۲۰ نمبر ۶۹۰۹) (۲) أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: اقْتَتَلَتِ امْرَأَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ، فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ، فَقَتَلَتْهَا وَمَا فِي بَطْنِهَا، فَاخْتَصَمُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ دِيَةَ جَنِينِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ، وَقَضَى بِدِيَةِ الْمَرْأَةِ عَلَى عَاقِلَتِهَا، وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا وَمَنْ مَعَهُمْ، فَقَالَ حَمَلُ بْنُ النَّابِغَةِ الْهُذَلِي (مسلم شریف، باب دیۃ الجنین ووجوب الدیۃ فی قتل الخطاء وشبہ العمد علی عاقلۃ الجانی ص ۶۲ نمبر ۱۶۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتل شبہ عمد قتل خطاء اور قتل سبب جو قتل خطاء کے درجے میں ہے اس کی دیت عاقلہ یعنی خاندان والوں پر ہے۔

ترجمہ: (۹۲۵) دیت قتل شبہ عمد میں اور قتل خطاء میں اور ہر وہ دیت جو خود قتل سے واجب ہو وہ عاقلہ پر واجب ہے۔ اور عاقلہ وہ ہیں جو دیت ادا کرتے ہیں۔

لـ يَعْنِي يُؤَدُّوْنَ الْعَقْلَ وَهُوَ الدِّيَةُ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الدِّيَاتِ،

ترجمه: لـ عقل یعنی دیت ادا کرتے ہیں، اوراس کو ہم نے کتاب الدیات میں ذکر کیا ہے

قتل کی قسمیں اور عاقلہ پر دیت ایک نظر میں

قتل کرنے اور عضو کاٹنے میں کس صورت میں عاقلہ پر دیت ہے اور کس صورت میں نہیں

قتل عمد کی صورتیں

1	قتل عمد	جان کر قتل کیا ہو، اور قصاص واجب ہو	عاقلہ پر دیت نہیں ہے
2	قتل عمد	قتل عمد میں قصاص واجب ہو، لیکن مال پر صلح کر لی	عاقلہ پر دیت نہیں ہے
3	قتل شبہ عمد	لکڑی وغیرہ سے جان کر مارا ہو	عاقلہ پر دیت واجب ہے

قتل خطاء کی صورتیں

4	قتل خطاء فی القصد	شکار سمجھ کر مارا، لیکن آدمی تھا	عاقلہ پر دیت واجب ہے
5	قتل خطاء فی الفعل	شکار کو مارا، لیکن آدمی کو لگ گیا	عاقلہ پر دیت واجب ہے
6	جاری مجری خطاء	سوئے ہوئے آدمی سے بچہ مر گیا	عاقلہ پر دیت واجب ہے
7	قتل بسبب	کنواں کھودا تھا اس میں کوئی گر کر مر گیا	عاقلہ پر دیت واجب ہے

عضو کے کاٹنے کی صورتیں

8	جان کر عضو کاٹ دیا	قصاص واجب ہے	عاقلہ پر دیت نہیں ہے
9	جان کر عضو کاٹ دیا	پھر مال پر صلح کر لی	عاقلہ پر دیت نہیں ہے
10	غلطی سے عضو کاٹ دیا	کاٹنے والے پر دیت ہے	عاقلہ پر دیت نہیں ہے

قتل کی دیت، ایک سو اونٹ ہے۔ یا ایک ہزار دینار ہے۔ یا دس ہزار درہم ہے

ان صورتوں میں دیت واجب ہوتی ہے

۱۔ شبہ عمد: دھاردار چیز سے جان کر مارے تو یہ قتل عمد ہے، اس میں قصاص لازم ہوتا ہے، لیکن اگر لکڑی وغیرہ ایسی چیز سے جان کر مارا جس سے عام طور پر آدمی مرتا نہیں ہے تو اس کو شبہ عمد کہتے ہیں، یعنی جان کر مارنے کے شبہ ہے، اس میں عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے

۲۔ قتل خطاء فی القصد: سامنے کوئی چیز تھی جو جانور لگ رہا تھا، اس کو تیر مارا، اور وہ مر گیا، بعد میں پتہ چلا کہ وہ آدمی ہے، اس کو قتل خطاء فی القصد، کہتے ہیں، اس کی دیت مارنے والے کے عاقلہ پر ہے

۲ وَالْأَصْلُ فِيْ وُجُوْبِهَا عَلَى الْعَاقِلَةِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ حَدِيْثِ حَمَلِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

۳۔ قتل خطاء فی الفعل: مارا شکار کو لیکن تیر چھٹک کر آدمی کو لگ گیا اور وہ مر گیا تو اس کو قتل خطاء فی الفعل، کہتے ہیں، یعنی فعل میں غلطی ہو گئی، اس کی بھی دیت مارنے والے کے عاقلہ پر ہے

۴۔ جاری مجری خطاء: عورت سو رہی تھی، وہ بچے پر الٹ گئی اور بچہ مر گیا، یہ قتل غلطی تو نہیں ہے، کیونکہ عورت سو رہی ہے، لیکن قتل خطاء کے قائم مقام ہے، اس کو جاری مجری خطاء، کہتے ہیں اس کی دیت بھی عاقلہ پر ہے

۵۔ قتل بسبب: آدمی نے زمین میں کنواں کھودا تھا اس میں کوئی آدمی گر گیا اور مر گیا تو یہ کنواں کھودنے کے سبب سے مرا ہے، اس لئے اس کو قتل بسبب، کہتے ہیں اس کی دیت بھی عاقلہ پر واجب ہوگی۔ یہ پانچ قسم کی دیت عاقلہ پر واجب ہوتی ہے

آدمی نے کسی کا عضو کاٹ دیا، پس اگر جان کر کاٹا تو قصاص واجب ہے، دیت نہیں، اس لئے عاقلہ پر دیت لازم کرنے کا سوال ہی نہیں ہوتا ہے، اور اگر بھول سے عضو کاٹ دیا تو بھی اس کی دیت خود کاٹنے والے پر ہے عاقلہ پر نہیں ہوتی ہے

لغت: کل دیۃ تجب بنفس القتل علی العاقلۃ: دو صورتیں ایسی ہیں جن میں قتل کی وجہ سے قصاص ہی واجب ہوتا ہے، لیکن دوسری مجبوری کی وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے، یہ دیت عاقلہ پر واجب نہیں ہوگی۔ ا۔ قتل عمد کیا جس میں قصاص واجب تھا، لیکن قاتل نے مال پر صلح کر لی اور اب قاتل پر مال واجب ہو گیا تو یہ مال قاتل کے عاقلہ پر واجب نہیں ہوگی۔ ۲۔ باپ نے بیٹے کو جان کر قتل کیا تو اس میں بھی باپ پر قصاص ہی ہے، لیکن باپ کے احترام میں قصاص کے بجائے اس پر بیٹے کی دیت لازم کی ہے، تو یہ دیت بھی باپ کا عاقلہ ادا نہیں کریں گے، اس لئے یہ مال قتل کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ دوسری مجبوری کی وجہ سے ہے، اسی سے بچنے کے لئے مصنف نے فرمایا کہ نفس قتل سے جو دیت لازم ہوتی ہو وہ عاقلہ ادا کریں گے

ترجمہ: ۲ اور عاقلہ پر دیت واجب ہونے کی اصل وجہ حضرت حمل بن مالک کی حدیث میں یہ قول ہے ولیوں کے لئے، کھڑے ہو اور فدیہ دو

تشریح: عاقلہ پر دیت واجب ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے جو صاحب ھدایہ نے نقل کی ہے۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »قَضَى فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي لَحْيَانَ بِغُرَّةٍ، عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ، ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ، فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا، وَأَنَّ الْعَقْلَ عَلَى عَصَبَتِهَا (بخاری شریف، باب جنین المرأۃ وان العقل علی الوالد وعصبۃ الوالد لا علی الولد ص ۱۰۲۰ نمبر ۶۹۰۹ رمسلم شریف، باب دیۃ الجنین ووجوب الدیۃ فی قتل الخطاء وشبہ العمد علی عاقلۃ الجانی ص ۶۲ نمبر ۱۶۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتل شبہ عمد، قتل خطاء اور قتل سبب جو قتل خطاء کے درجے میں ہے اس کی دیت عاقلہ یعنی خاندان والوں پر ہے۔ (۲) صاحب ھدایہ کے حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: فِينَا رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: حَمَلُ بْنُ مَالِكٍ، لَهُ امْرَأَتَانِ إِحْدَاهُمَا

لِلْأَوْلِيَآءِ قُومُوْا فَدُوْهُ، ۳ وَلِأَنَّ النَّفْسَ مُحْتَرَمَةٌ لَا وَجْهَ إِلَى الْإِهْدَارِ، وَالْخَاطِئُ مَعْذُوْرٌ، وَكَذَا الَّذِيْ تَوَلَّى شِبْهَ الْعَمَدِ نَظْرًا إِلَى الْآلَةِ، فَلَا وَجْهَ إِلَى إِيْجَابِ الْعُقُوْبَةِ عَلَيْهِ، وَفِيْ إِيْجَابِ مَالٍ عَظِيْمٍ إِحْجَافُهُ وَاسْتِيْصَالُهُ فَيَصِيْرُ عُقُوْبَةً فَضَمَّ إِلَيْهِ الْعَاقِلَةَ تَحْقِيْقًا لِلتَّخْفِيْفِ، ۴ وَإِنَّمَا خُصُّوْا بِالضَّمِّ لِأَنَّهُ إِنَّمَا قَصَّرَ لِقُوَّةٍ فِيْهِ وَتِلْكَ بِأَنْصَارِهِ وَهُمُ الْعَاقِلَةُ فَكَانُوْا هُمُ الْمُقَصِّرِيْنَ فِيْ تَرْكِهِمْ مُرَاقَبَتَهُ فَخُصُّوْا بِهِ.

هُذَلَيَّ....، فَلَمَّا قَصُّوا عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقِصَّةَ قَالَ: »دُوْهُ)(طبرانی کبیر، باب فی الدیۃ، نمبر۵۱۴) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے عاقلہ سے فرمایا کہ دیت ادا کرو۔

ترجمہ: ۳ اور اس لئے بھی کہ جان محترم ہے، اس لئے اس کے خون کو ہدر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور جو غلطی سے قتل کرنے والا ہے وہ معذور ہے، اور ایسے ہی جو شبہ عمد میں قتل کیا ہے وہ بھی معذور ہے آلے کی طرف نظر کرتے ہوئے اس لئے اس پر سزا واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور قاتل پر بڑا مال واجب کرنا اس کو پریشانی میں مبتلا کرنا اور اس کو ہلاک کرنا ہے تو مال کا واجب کرنا عذاب ہوگا، اس لئے تخفیف کے لئے عاقلہ کو اس کے ساتھ ملا دیا ہے

تشریح: یہاں دو باتیں بیان کر رہے ہیں، ایک تو یہ کہ جان محترم ہے اس لئے اس کے خون کو بیکار نہیں جانے دینا ہے، لیکن قاتل کی بھی کوئی بڑی غلطی نہیں ہے، کیونکہ اس نے جان کر قتل نہیں کیا ہے، بلکہ بھول سے قتل ہوا ہے، اسی طرح شبہ عمد میں لکڑی سے مارا ہے تو آلہ کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بھی معذور ہے، کیوں کہ صرف تنبیہ کرنے کا ارادہ تھا بالکل مار ڈالنے کا ارادہ نہیں تھا، اب اس پر بہت دیت کا بہت بڑا مال واجب کر دیں تو وہ برباد ہو جائے گا، اس لئے اس کے ساتھ اس کے عاقلہ کو بھی مال ادا کرنے میں ملا لیا گیا تاکہ مال ادا کرنے میں سہولت ہو جائے، اس لئے اس کے عاقلے کو بھی ملا لیا گیا ہے

لغت: تولی شبہ العمد: تولی، ولی سے مشتق ہے، جس نے شبہ عمد انجام دیا۔ اجحافہ: جحف سے مشتق ہے، تنگ کرنا، پریشانی میں مبتلاء کرنا۔ استیصالہ: وصل سے مشتق ہے، ہلاک کرنا۔ تخفیف: خف سے مشتق ہے، ہلکا کرنا۔

ترجمہ: ۴ ملانے میں صرف عاقلہ کو خاص کیا اس لئے کہ قاتل نے قتل سے بچنے میں کوتاہی کی ہے اس لئے کہ قاتل میں عاقلہ ہی کی قوت ہے، اور انہیں کی مدد کی وجہ سے ہے اور وہ عاقلہ ہیں، اس لئے گویا کہ عاقلہ ہی کوتاہی کرنے والے ہیں، اس لئے کہ عاقلہ نے قاتل کی نگرانی چھوڑی ہے، اس لئے عاقلہ کو خاص کیا

تشریح: دیت ادا کرنے میں عاقلہ کو کیوں خاص کیا اس کی وجہ بتا رہے ہیں۔ کہ قاتل کو اپنے عاقلہ کی مدد کی وجہ سے قوت تھی، جس کی وجہ سے قتل کرنے میں تدبر سے کام نہیں لیا، اور عاقلہ نے قاتل کی نگرانی نہیں کی جس کی وجہ سے قاتل نے قتل میں جلدی کی ہے، اس لئے ایک گونہ عاقلہ کی کوتاہی ہے اس لئے عاقلہ کو دیت میں شامل کیا گیا ہے

لغت: قصر: کوتاہی کی ہے۔ اسی سے ہے مقصرین، کوتاہی کرنے والے۔ مراقبۃ: رقب سے مشتق ہے، نگرانی کرنا

(۹۲۶) قَالَ وَالْعَاقِلَةُ أَهْلُ الدِّيْوَانِ إِنْ كَانَ الْقَاتِلُ مِنْ أَهْلِ الدِّيْوَانِ يُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ، ۱ وَأَهْلُ الدِّيْوَانِ أَهْلُ الرَّأْيَاتِ وَهُمُ الْجَيْشُ الَّذِيْنَ كُتِبَتْ أَسَامِيْهِمْ فِي الدِّيْوَانِ وَهٰذَا

ترجمه: (۹۲۶) عاقلہ اہل دفتر ہیں اگر قاتل دفتر والا ہو۔ دفتر والے کے عطایا میں سے تین سال میں دیت وصول کی جائے گی

ترجمہ: ۱ اہل دیوان وہ جھنڈے والے لوگ ہیں، اور وہ لشکر ہیں جن کا نام دیوان میں لکھے ہوئے ہوتے ہیں، یہ ہمارے نزدیک ہے

لغت: عطایا: اہل دیوان کو تین قسم کی چیزیں ملتی ہیں۔ ۱۔ ہر ماہ کی تنخواہ ۲۔ ارزاق: ہر ماہ کھانے پینے کی چیز جس کو رزق، کہتے ہیں۔ ۳۔ عطیہ: سال میں ایک مرتبہ حکومت کی جانب سے اکسٹرا پیسے ملتے ہیں جس کو بونس، کہہ سکتے ہیں۔ اسی کو عطیہ کہتے ہیں، اور اسی عطیہ سے دیت وصول کی جائے گی، تنخواہ سے نہیں، یہ یاد رکھیں

تشریح: جو لوگ قتل خطاء کی دیت ادا کرتے ہیں انکو عاقلہ، کہتے ہیں، اس کی پانچ قسمیں ہیں

۱۔ خاندان والے، جسکو عصبہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ جنگ کے وقت تلوار سے، اور رقم سے مدد کرتے ہیں، ان کو اہل نصرت بھی کہتے ہیں۔

۲۔ دوسرے ہیں اہل حرفت، قاتل جو پیشہ کر رہا ہے، وہی پیشہ اس کے قریب قریب کے لوگ کر رہے ہیں، تو بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں اہل پیشہ بھی قاتل کے عاقلہ ہوں گے، اور ان پر دیت کی ادائیگی ہوگی۔

۳۔ تیسرے ہیں غلام آزاد کرنے کی وجہ سے عاقلہ بنے۔

۴۔ چوتھے ہیں ولاء موالات، یعنی ایک آدمی کسی خاندان کے ساتھ معاہدہ کرلے کہ جنگ وغیرہ میں آپ ہماری مدد کریں اور میں آپ کی مدد کروں گا، اس کو ولاء موالات، کہتے ہیں یہ بھی بعض حضرات کے یہاں دیت میں عاقلہ ہیں۔

۵۔ پانچویں ہیں اہل دیوان۔ جو لوگ کسی کمپنی میں کام کرتے ہیں، اور ان سب کا نام اس کمپنی کے رجسٹر میں ہوتا ہے، جسکو دیوان کہتے ہیں، اور یہ لوگ اس کمپنی کے اہل دیوان ہوئے، اس کمپنی میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو سب مل کر اس کی مدد کی جائے گی۔ ان کے عطیئے سے تین سالوں میں

حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ فوج میں بھرتی ہوتے تھے، ان سب کا نام ایک رجسٹر میں لکھا جاتا تھا، ان لوگوں کو سال میں ایک مرتبہ حکومت کی جانب سے عطیہ ملتا تھا، اور بعض جگہ تین ماہ میں ایک مرتبہ عطیہ ملتا تھا، یہ اہل دیوان عاقلہ ہوں گے

امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ قاتل اگر اہل دیوان میں سے ہے تو دیت اس کے خاندان والوں پر نہیں بلکہ اہل دیوان، والوں پر ہوگی، اور اس کمپنی والوں پر ہوگی جس میں وہ قاتل کام کرتا ہے۔

عِنْدَنَا، ۲ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الدِّيَةُ عَلٰى أَهْلِ الْعَشِيْرَةِ، لِأَنَّهُ كَانَ كَذٰلِكَ عَلٰى عَهْدِ

وجه: (۱)ان کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: الْعَقْلُ عَلَى أَهْلِ الدِّيوَانِ (مصنف ابن ابی شیبة ،مصنف ابن ابی شیبة ۱۸۵ العقل علی من هو؟ ج سادس ص ۳۴۵ نمبر ۲۷۳۲۳)اس قول تابعی میں ہے کہ اہل دیوان پر دیت ہے (۲) اس قول صحابی میں ہے کہ تین سال میں عطیہ میں سے دیت وصول کی جائے گی ۔انَّ عُمَرَ، »جَعَلَ الدِّيَةَ فِي الْأُعْطِيَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ وَالنِّصْفَ، وَالثُّلُثَيْنِ فِي سَنَتَيْنِ، وَالثُّلُثَ فِي سَنَةٍ، وَمَا دُونَ الثُّلُثِ فَهُوَ مِنْ عَامِهِ (مصنف عبد الرزاق، باب فی کم تو خذ الدیة ،نمبر ۱۷۸۵۸)

ترجمه: ۲ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قبیلہ والوں پر دیت ہے، اس لئے کہ حضورؐ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسا ہی تھا، اور اس کے بعد منسوخ نہیں ہوا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دیت ادا کرنا یہ صلہ رحمی ہے اور رشتہ دار اس کے زیادہ لائق ہیں

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ دیت قاتل کے قبیلے والوں پر ہوگی

وجه: (۱)اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضور کے زمانہ میں دیت قبیلے والوں ہی پر تھی، اور بعد میں یہ منسوخ نہیں ہوا اس لئے آج بھی قبیلے والوں ہی پر دیت ہوگی اہل دیوان پر نہیں (۲) ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »قَضَى فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي لَحْيَانَ بِغُرَّةٍ، عَبْدٍ أَوْ أَمَ....، وَأَنَّ العَقْلَ عَلَى عَصَبَتِهَا (بخاری شریف، باب جنین المرأة وان العقل علی الوالد وعصبة الوالد لا علی الولد ص ۱۰۲۰ نمبر ۶۹۰۹) (۳) دوسری حدیث میں ہے۔سمع جابر بن عبد الله يقول كتب النبى ﷺ على كل بطن عقولة (مسلم شریف، باب تحریم تولی العتق غیر موالیہ ص ۴۹۵ نمبر ۱۵۰۷، کتاب العتق رنسائی شریف، صفة شبه العمد وعلی من دیة الاجنة الخ ص ۶۶۵/۶۶۶ نمبر ۴۸۳۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر بطن یعنی خاندان پر دیت واجب ہے (۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر بطن یعنی خاندان پر دیت واجب ہے۔حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ الْأَخْنَسِ بْنِ شَرِيقٍ، قَالَ: أَخَذْتُ مِنْ آلِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ هَذَا الْكِتَابَ، كَانَ مَقْرُونًا بِكِتَابِ الصَّدَقَةِ الَّذِي كَتَبَ عُمَرُ لِلْعُمَّالِ: " بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، هَذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ مِنْ قُرَيْشٍ وَيَثْرِبَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ فَلَحِقَ بِهِمْ وَجَاهَدَ مَعَهُمْ، أَنَّهُمْ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ دُونَ النَّاسِ، الْمُهَاجِرُونَ مِنْ قُرَيْشٍ عَلَى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ بَيْنَهُمْ وَهُمْ يَفْدُونَ عَانِيَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَبَنُو عَوْفٍ عَلَى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولَى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ]: الْمُؤْمِنِينَ " ثُمَّ ذَكَرَ عَلَى هَذَا النَّسَقِ بَنِي الْحَارِثِ، ثُمَّ بَنِي سَاعِدَةَ، ثُمَّ بَنِي جُشَمَ، ثُمَّ بَنِي النَّجَّارِ، ثُمَّ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، ثُمَّ بَنِي النَّبِيتِ، ثُمَّ بَنِي الْأَوْسِ، ثُمَّ قَالَ: " وَإِنَّ الْمُؤْمِنِينَ لَا يَتْرُكُونَ مُفْرَحًا مِنْهُمْ أَنْ يُعْطُوهُ

رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلا نَسْخَ بَعْدَهُ، وَلِأَنَّهُ صِلَةٌ وَالْأَوْلٰى بِهَا الْأَقَارِبُ، ۳ وَلَنَا قَضِيَّةُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ لَمَّا دَوَّنَ الدَّوَاوِيْنَ جَعَلَ الْعَقْلَ عَلٰى أَهْلِ الدِّيْوَانِ، وَكَانَ ذٰلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ مِنْهُمْ، ۴ و ليس ذالك بنسخ بَلْ هُوَ تَقْرِيْرٌ مَعْنًى، لِأَنَّ الْعَقْلَ كَانَ عَلٰى أَهْلِ النُّصْرَةِ وَقَدْ كَانَتْ بِأَنْوَاعٍ بِالْقَرَابَةِ وَالْحِلْفِ وَالْوَلَاءِ وَالْعَهْدِ، وَفِيْ عَهْدِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

بِالْمَعْرُوْفِ فِيْ فِدَاءٍ أَوْ عَقْلٍ (سنن للبیہقی، باب العاقلۃ ج ثامن، ص۱۸۴، نمبر ۱۶۳۶۹) اس حدیث میں قریش کو ایک قوم قرار دیا اور ان کو کہا کہ **عاقلهتم** پر مدد کرنا لازم ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خاندان پر دیت لازم ہے۔ (۵) پانچویں وجہ یہ ہے کہ دیت یہ صلہ رحمی کے طور پر ادا کی جاتی ہے، اور رشتہ میں صلہ رحمی ہوتی ہے اس لئے انہیں پر دیت ہوگی

ترجمه: ۳ ہماری دلیل حضرت حضرت عمرؓ کا قضیہ ہے کہ جب انہوں نے دیوان مرتب کئے تو دیوان والوں پر دیت رکھی، اور یہ بات تمام صحابہ کے سامنے تھی، انکی نکیر کے بغیر

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں تو صرف قرابت والوں پر دیت لازم تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے دیوان شروع کیا، اور انہوں نے سب صحابہ کے سامنے یہ فیصلہ کیا کہ اہل دیوان پر دیت ہوگی، اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو گویا کہ سب صحابہ کا اجماع ہو گیا، اس لئے ہم نے اسی پر عمل کیا ہے

وجه: (۱) عن جابر بن عبد الله قال اول من دون الدواوين وعرف العرفاء عمر بن الخطابؓ (سنن للبیہقی، باب من فی الدیوان الخ ج ثامن، ص۱۸۸، نمبر ۱۶۳۸۱)۔ (۲) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: »لَمَّا وَلِيَ عُمَرُ الْخِلَافَةَ فَرَضَ الْفَرَائِضَ، وَدَوَّنَ الدَّوَاوِينَ، وَعَرَّفَ الْعُرَفَاءَ« قَالَ جَابِرٌ: فَعَرَّفَنِي عَلَى أَصْحَابِي (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من رخص فی العرافۃ، نمبر ۲۶۷۲۲) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں دیوان اور دفتر کا رواج شروع ہوا

ترجمه: ۴ اور یہ منسوخ کرنا نہیں ہے بلکہ معنوی طور پر اس کو ثابت کرنا ہے، اس لئے کہ عقل نصرت والوں پر ہے اور یہ نصرت مختلف طریقے پر ہوتی ہے۔ ۱۔ قرابت کے ذریعہ۔ ۲۔ معاہدوں کی وجہ سے۔ ۳۔ ولاء کی وجہ سے۔ ۴۔ اور شمار کرنے کی وجہ سے۔ ۵۔، اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں نصرت دیوان کے ذریعہ ہوئی تھی اس لئے انہوں نے دیوان والوں پر دیت کر دی معنی کی اتباع کرتے ہوئے، اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر اس دور میں قوم پیشہ کی وجہ سے مدد شروع کر دے تو قاتل کا عاقلہ پیشہ والے ہو جائیں گے، اور معاہدہ کی وجہ سے مدد شروع ہو جائے تو اس کا عاقلہ معاہدہ والے ہو جائیں گے

تشریح: دیت نصرت اور مدد کی وجہ سے لازم کی جاتی ہے۔ اس کی چھ صورتیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ قرابت کے ذریعہ۔ یعنی قرابت اور قبیلے والے پر دیت لازم کی جاتی ہے۔ ۲۔ معاہدوں کی وجہ سے، یعنی کسی قبیلے والے کے ساتھ قسم کھا کر معاہدہ کر لیا کہ آپ کو ضرورت پڑے گی تو میں تلوار، اور مال کے ساتھ دوں گا، اور مجھے ضرورت پڑی تو آپ لوگ میرا ساتھ دیں گے، اس

قَدْ صَارَتْ بِالدِّيْوَانِ فَجَعَلَهَا عَلٰى أَهْلِهِ اِتِّبَاعًا لِلْمَعْنٰى. وَلِهٰذَا قَالُوْا لَوْ كَانَ الْيَوْمَ قَوْمٌ تَنَاصُرُهُمْ بِالْحِرْفِ فَعَاقِلَتُهُمْ أَهْلُ الْحِرْفَةِ، وَإِنْ كَانَ بِالْحِلْفِ فَأَهْلُهُ، ۵ وَالدِّيَةُ صِلَةٌ كَمَا قَالَ لٰكِنْ إِيْجَابُهَا فِيْمَا هُوَ صِلَةٌ وَهُوَ الْعَطَاءُ أَوْلٰى مِنْهُ فِيْ أُصُوْلِ أَمْوَالِهِمْ، ٦ وَالتَّقْدِيْرُ بِثَلَاثِ سِنِيْنَ مَرْوِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمَحْكِيٌّ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَلِأَنَّ الْأَخْذَ مِنَ الْعَطَاءِ لِلتَّخْفِيْفِ، وَالْعَطَاءُ يَخْرُجُ

میں قسم کھائی جاتی ہے، اس لئے اس کو حلف، کہتے ہیں۔۳۔ ولاء کی وجہ سے، یعنی غلام کو آزاد کیا، اب اس کی ولاء کی وجہ سے عاقلہ بنے اور اس کی وجہ سے دیت لازم ہو۔۴۔ اور شمار کرنے کی وجہ سے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی کسی قبیلے میں رہنے لگا، اور اسی میں شمار ہونے لگا، اس کی وجہ سے اس کی دیت اس قبیلے والوں پر واجب ہوگی۔۵۔ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں نصرت دیوان کے ذریعہ ہوئی تھی اس لئے انہوں نے دیوان والوں پر دیت کر دی تھی، تو ان دیوان والوں پر دیت لازم ہوگی۔۶۔ پیشہ والوں پر دیت۔ قاتل جو پیشہ کرتا ہے، مثلا وہ روئی کا کاروبار کرتا ہے تو اس کاروبار میں جو اس کے شریک ہیں، ان پر دیت لازم ہو، تو یہ دیت لازم ہونے کے لئے عاقلہ کی یہ چھ صورتیں ہوتی ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ قاتل جس قسم کا ہو اسی طرح کے عاقلہ پر دیت واجب کی جا سکتی ہے، حضرت عمرؓ کے زمانے میں دیوان کے رجسٹر میں نام درج کرنا شروع کیا تھا اس لئے اہل دیوان ہی اس کا عاقلہ ہوگا۔ اور ایسا کرنے میں قرابت والی حدیث کو منسوخ کرنا نہیں ہے بلکہ اس کو ثابت کرنا ہے، اور عاقلہ کے معنی کو وسیع کرنا ہے

لغت: حلف: حلف سے مشتق ہے قسم کھانا، معاہدے میں قسم کھا کر یہ کہتے ہیں کہ ہم آپ کی مدد کریں گے، اور آپ ہماری مدد کریں گے، اس لئے اس معاہدے کو حلف، کہتے ہیں

ترجمہ: ۵ دیت ایک قسم کی صلہ رحمی ہے، جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا، لیکن جس مال میں صلہ رحمی ہے اس کے ساتھ جمع کرنا بہتر ہے اور وہ عطیہ کا مال ہے، اصل مال میں واجب کرنے سے

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، وہ فرماتے ہیں کہ دیت صلہ رحمی ہے، اس لئے قرابت کے ساتھ اس کا جوڑ زیادہ ہے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ دیوان میں عطیہ کے مال میں دیت واجب ہوتی ہے، اہل دیوان کے اصلی مال میں نہیں، اور عطیہ صلہ رحمی کا مال ہے اس لئے دیت کا جوڑ عطیہ کے ساتھ زیادہ ہے، اس لئے اہل دیوان پر دیت لازم ہونی چاہئے

وجہ: اس قول صحابی میں ہے کہ اہل دیوان کے عطیے میں دیت لازم ہوگی۔ عَنِ الْحَكَمِ، قَالَ عُمَرُ: »أَوَّلُ مَنْ جَعَلَ الدِّيَةَ عَشَرَةً عَشَرَةً فِي أَعْطِيَاتِ الْمُقَاتَلَةِ دُونَ النَّاسِ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب العقل علی من ھو، نمبر ۲۷۳۲۵)

ترجمہ: ٦ اور تین سال میں ادا کرے اس کا تعین حضورؐ سے مروی ہے، اور حضرت عمر سے منقول ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عطیہ سے لینا تخفیف کے لئے، اور عطیہ سال میں ایک مرتبہ دی جاتی ہے (اس لئے تخفیف کے لئے دیت تین سالوں میں

فِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً وَاحِدَةً.

(۹۲۷) فَإِنْ خَرَجَتِ الْعَطَايَا فِيْ أَكْثَرَ مِنْ ثَلاثَةٍ أَوْ أَقَلَّ أُخِذَ مِنْهَا ۱ لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ ۲ وَتَأْوِيْلُهُ إِذَا كَانَتِ الْعَطَايَا لِلسِّنِيْنَ الْمُسْتَقْبِلَةِ بَعْدَ الْقَضَاءِ، حَتَّى لَوْ اِجْتَمَعَتْ فِي السِّنِيْنَ الْمَاضِيَةِ قَبْلَ

وصول کی جانی چاہئے)

وجه: (۱) حضرت عمرؓ کی روایت یہ ہے۔ انَّ عُمَرَ، »جَعَلَ الدِّيَةَ فِي الْأُعْطِيَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ وَالنِّصْفَ، وَالثُّلُثَيْنِ فِي سَنَتَيْنِ، وَالثُّلُثَ فِي سَنَةٍ، وَمَا دُونَ الثُّلُثِ فَهُوَ مِنْ عَامِهِ (مصنف عبد الرزاق، باب فی کم تو خذ الدیۃ، نمبر ۱۷۸۵۸) (۲) عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَوَّلُ مَنْ فَرَضَ الْعَطَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَفَرَضَ فِيهِ الدِّيَةَ كَامِلَةً فِي ثَلَاثِ سِنِينَ وَثُلُثَيِ الدِّيَةِ فِي سَنَتَيْنِ، وَالنِّصْفَ فِي سَنَتَيْنِ وَالثُّلُثَ فِي سَنَةٍ، وَمَا دُونَ ذَلِكَ فِي عَامِهِ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب الدیۃ فی کم تو دی، نمبر ۲۷۸۳۸)

ترجمه: (۹۲۷) اگر عطیہ تین سال سے زیادہ میں نکلا، یا اس سے کم میں نکلا تو اس سے دیت لی جائے گی

ترجمه: ۱ مقصود حاصل ہونے کی وجہ سے

تشریح: یہ قول صحابی پہلے گزر چکا ہے کہ اہل دیوان سے تین سالوں میں دیت وصول کی جائے گی۔ اب اس کی تین تفصیل بیان کر رہے ہیں۔ ۱۔ تین سال میں عطیہ ملے تو تین سالوں میں دیت وصول کی جائے گی۔ ہر سال 33.33 فیصد لی جائے گی۔ ۲۔ تھوڑا تھوڑا کر کے چھ سال میں عطیہ ملے تو چھ سال میں دیت وصول کی جائے گی، ہر سال میں (16.66) فیصد وصول کی جائے گی۔ ۳۔ ایک ہی سال میں تین مرتبہ عطیہ ملے تو ایک ہی سال میں تین مرتبہ دیت وصول کی جائے گی، اور اس صورت میں ایک ہی سال میں پوری دیت وصول ہو جائے گی

لیکن عطیہ سے دیت وصول کرنے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ قاضی یہ فیصلہ کرے کہ اس اہل دیوان سے دیت وصول کی جائے گی، اس فیصلے کے بعد اس سے دیت وصول کی جائے گی اس سے پہلے نہیں، کیونکہ دیت قاضی کے فیصلے سے لازم ہوتی ہے، اس سے پہلے نہیں۔ ۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد عطیہ ملا ہو تب اس عطیے میں دیت ہوگی، اگر قاضی کے فیصلے سے پہلے کا عطیہ بقایا تھا، لیکن وہ قاضی کے فیصلے کے بعد ملا ہے تب بھی اس میں دیت نہیں ہے، کیونکہ یہ عطیہ فیصلے سے پہلے کا ہے، جو بعد میں ملا ہے

وجه: اس قول تابعی میں ہے کہ تین سال میں دیت وصول کی جائے گی۔ انَّ عُمَرَ، »جَعَلَ الدِّيَةَ فِي الْأُعْطِيَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ وَالنِّصْفَ، وَالثُّلُثَيْنِ فِي سَنَتَيْنِ، وَالثُّلُثَ فِي سَنَةٍ، وَمَا دُونَ الثُّلُثِ فَهُوَ مِنْ عَامِهِ (مصنف عبد الرزاق، باب فی کم تو خذ الدیۃ، نمبر ۱۷۸۵۸)

ترجمه: ۲ اس کی تاویل یہ ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد کا عطیہ ہو، یہی وجہ ہے کہ فیصلے سے پہلے پچھلے سالوں کا عطیہ جمع

الْقَضَاءِ ثُمَّ خَرَجَتْ بَعْدَ الْقَضَاءِ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا، لِأَنَّ الْوُجُوبَ بِالْقَضَاءِ عَلٰى مَا نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى. ۳؎ وَلَوْ خَرَجَ لِلْقَاتِلِ ثَلَاثُ عَطَايَا فِيْ سَنَةٍ وَاحِدَةٍ مَعْنَاهُ فِي الْمُسْتَقْبَلِ يُؤْخَذُ مِنْهَا كُلُّ الدِّيَةِ لِمَا ذَكَرْنَا، ۴؎ وَإِذَا كَانَ جَمِيْعُ الدِّيَةِ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ فَكُلُّ ثُلُثٍ مِنْهَا فِيْ سَنَةٍ وَإِنْ كَانَ الْوَاجِبُ بِالْفِعْلِ ثُلُثَ دِيَةِ النَّفْسِ أَوْ أَقَلَّ كَانَ فِيْ سَنَةٍ وَاحِدَةٍ ۵؎ وَمَازَادَ عَلَى الثُّلُثِ إِلٰى تَمَامِ الثُّلُثَيْنِ فِي

ہو گیا ہو، اور اس کو فیصلے کے بعد دیا گیا ہو تو اس سے دیت نہیں لی جائے گی، اس لئے فیصلے کے بعد دیت دینا واجب ہوتی ہے، جیسا کہ ہم بعد میں بیان کریں گے

تشریح: قدوری کی عبارت کا مطلب بتا رہے ہیں فیصلے کے بعد اگلے سالوں کا عطیہ ملا ہو تو اس میں سے دیت وصول کی جائے گی، اور اگر مثلا دو سالوں کا عطیہ جمع تھا، اور یہ پچھلا عطیہ قاضی کے فیصلے کے بعد ملا ہو تو اس سے دیت وصول نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ عطیہ پرانا ہے، قاضی کے فیصلے کے بعد والا عطیہ نہیں ہے

ترجمہ: ۳؎ اور اگر قاتل کے لئے ایک ہی سال میں تین عطیئے نکلے، اس کا معنی ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد مستقبل میں نکلا تو اس سے پوری دیت لے لی جائے گی، اس قول صحابی کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کیا

تشریح: قاتل سے بھی اور اہل دیوان سے بھی تین عطیئے میں پوری دیت وصول کی جائے گی، اب ایک ہی سال میں حکومت نے تین مرتبہ دے دئے تو اب تین عطیئے سے تین مرتبہ دیت وصول کی جائے گی، اور پوری دیت وصول کر لی جائے گی، البتہ شرط یہ ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد یہ عطیئے ملے ہوں

وجہ: کیوں کہ اصل تھا کہ تین عطیئے سے تین مرتبہ دیت وصول کرنا، چاہے ایک ہی سال میں ہو، اور یہاں تین مرتبہ وصول کرنا پایا گیا، اس لئے یہ کافی ہو جائے گا

ترجمہ: ۴؎ اگر پوری دیت تین سال میں وصول کرنی ہو تو اس کی ایک تہائی ہر سال میں وصول کی جائے گی، اور اگر جان کی دیت ایک تہائی واجب ہو یا اس سے کم ہو تو ایک سال میں وصول کی جائے گی

تشریح: یہاں تین باتیں بیان کر رہے ہیں۔۱۔ پوری دیت وصول کرنی ہو تو مثلا ایک سو درہم وصول کرنا ہو تو تین سال میں وصول کیا جائے گا،۔ اور ہر سال میں ایک تہائی وصول کیا جائے گا۔۲۔ دوسری بات یہ ذکر کر رہے ہیں اگر ایک تہائی وصول کرنی ہو تو ایک سال میں۔۳۔ اور ایک تہائی سے کم وصول کرنی ہو مثلا ۲۰ درہم وصول کرنا ہو تب بھی ایک سال میں ہی وصول کرے گا

ترجمہ: ۵؎ ایک تہائی سے زیادہ ہو دو تہائی کے اندر اندر تو ایک تہائی سے جو زیادہ ہو اس کو دوسرے سال میں وصول کیا جائے گا، اور دو تہائی سے بھی زیادہ ہو تو اس زیادہ کو تیسرے سال میں وصول کیا جائے گا

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہے کہ ایک تہائی یا اس سے کم دیت ہو تو پہلے سال میں، دو تہائی یا اس سے کم ہو تو پہلے اور

السَّنَةِ الثَّانِيَةِ وَمَا زَادَ عَلٰى ذٰلِكَ إِلٰى تَمَامِ الدِّيَةِ فِى السَّنَةِ الثَّالِثَةِ. ٦ وَمَا وَجَبَ عَلَى الْعَاقِلَةِ مِنَ الدِّيَةِ أَوْ عَلَى الْقَاتِلِ بِأَنْ قَتَلَ الْأَبُ اِبْنَهُ عَمَدًا فَهُوَ فِيْ مَالِهِ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ مَا وَجَبَ عَلَى الْقَاتِلِ فِيْ مَالِهِ فَهُوَ حَالٌ، لِأَنَّ التَّأْجِيلَ لِلتَّخْفِيفِ لِتَحَمُّلِ الْعَاقِلَةِ فَلَا يَلْحَقُ

دوسرے سال میں وصول کی جائے گی۔اور تین تہائی، یااس سے کم ہوتو پہلے، سال میں، اور دوسرے سال میں، اور تیسرے سال میں وصول کی جائے گی

تشریح: یہ دیت وصول کرنے کی چوتھی صورت ہے۔اگراہل دیوان پر دیت ایک تہائی سے زیادہ ہو مثلا ۵۰ درہم دیت ہے تو ایک تہائی یعنی ۳۳ درہم پہلے سال میں اور باقی ۱۷ درہم دوسرے سال میں وصول کیا جائے گا، اور اگر دو تہائی سے بھی زیادہ ہو، مثلا ۸۰ درہم دیت ہے تو دو تہائی ٦٦ درہم سے جو زیادہ ہے یعنی ۱۴ درہم اس کو تیسرے سال میں وصول کیا جائے گا، اور حساب اس طرح بنے گا، پہلے سال میں ۳۳ درہم، دوسرے سال میں ۳۳ درہم، اور تیسرے سال میں ۱۴ درہم، اور سب ملا کر ۸۰ درہم ہوئے۔

وجه: اس قول صحابی میں ہے کہ تین سال میں دیت وصول کی جائے گی۔انَّ عُمَرَ، »جَعَلَ الدِّيَةَ فِى الْأُعْطِيَةِ فِى ثَلَاثِ سِنِينَ وَالنِّصْفَ، وَالثُّلُثَيْنِ فِى سَنَتَيْنِ، وَالثُّلُثَ فِى سَنَةٍ، وَمَا دُونَ الثُّلُثِ فَهُوَ مِنْ عَامِهِ (مصنف عبد الرزاق، باب فی کم تو خذ الدیۃ، نمبر ۱۷۸۵۸)

ترجمه: ٦ عاقلہ پر دیت واجب ہو یا قاتل پر دیت واجب ہو، مثلا باپ نے جان کر اپنے بیٹے کو قتل کر دیا تو اس کے مال میں سے دیت واجب ہوگی تین سال میں، اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر قاتل پر اس کے مال میں دیت واجب ہو تو وہ ابھی لازم ہوگی، (تین سال میں نہیں) اس لئے کہ تاخیر تخفیف کے لئے ہے تا کہ عاقلہ اس کو برداشت کر سکے اس لئے جو جان کر قتل کر رہا ہے اس کو یہ تخفیف نہیں ملے گی

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ عاقلہ سے بھی تین سال میں دیت لی جائے گی۔اور خود قاتل پر دیت لازم ہو تو اس سے بھی تین سال ہی میں دیت لی جائے گی، فورا نہیں، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں عاقلہ نے خود قتل نہیں کیا ہے، اس لئے شریعت نے اس کو سہولت دی کہ وہ تین سال میں ادا کرے، لیکن قاتل نے جان کر یہ حرکت کی ہے اس لئے اس کو یہ سہولت نہیں ملے گی، اور فوری طور پر اس سے وصول کیا جائے گا

آگے، بان قتل الاب ابنه عمدا ، سے خود قاتل پر دیت لازم ہونے کی ایک شکل بیان کر رہے ہیں کہ باپ نے اپنے بیٹے کو جان کر قتل کر دیا تو اس پر قصاص لازم ہونا چاہئے، لیکن باپ کے احترام میں اس پر قصاص نہیں ہوگا بلکہ بیٹے کی دیت لازم ہوگی، اور یہ قتل خطاء نہیں ہے اس لئے عاقلہ اس کو برداشت نہیں کریں گے، بلکہ خود باپ کو ہی دینا ہوگا، اور یہ دیت امام ابوحنیفہؒ کے

بِهِ الْعَمَدُ الْمَحْضُ، ۷ وَلَنَا أَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَاهُ وَالشَّرْعُ وَرَدَ بِهِ مُؤَجَّلًا فَلَا يَتَعَدَّاهُ. ۸ وَلَوْ قَتَلَ عَشَرَةٌ رَجُلًا خَطَأً فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ عُشْرُ الدِّيَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ اِعْتِبَارًا لِلْجُزْءِ بِالْكُلِّ إِذْ هُوَ بَدَلُ النَّفْسِ، وَإِنَّمَا يُعْتَبَرُ مُدَّةُ ثَلَاثِ سِنِينَ مِنْ وَقْتِ الْقَضَاءِ بِالدِّيَةِ، لِأَنَّ الْوَاجِبَ الْأَصْلِيَّ الْمِثْلُ وَالتَّحَوُّلُ إِلَى

نزدیک تین سال میں لی جائے گی، اور امام شافعیؒ کے یہاں فوراً لی جائے گی۔ کیونکہ وہ خود قاتل ہے

وجہ: اس قول صحابی میں ہے کہ تین سال میں دیت وصول کی جائے گی۔ انَّ عُمَرَ، »جَعَلَ الدِّيَةَ فِي الْأُعْطِيَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ وَالنِّصْفَ، وَالثُّلُثَيْنِ فِي سَنَتَيْنِ، وَالثُّلُثَ فِي سَنَةٍ، وَمَا دُونَ الثُّلُثِ فَهُوَ مِنْ عَامِهِ (مصنف عبد الرزاق، باب فی کم تو خذ الدیۃ، نمبر ۱۷۸۵۸)

ترجمہ: ۷ ہماری دلیل یہ ہے کہ قیاس اس بات کا انکار کرتا ہے کہ جان کے بدلے مال لازم ہو (جان کے بدلے جان ہی ہونی چاہئے) لیکن شریعت نے مال لازم کی ہے، لیکن موخر کر کے لازم کی ہے، اس لئے اس سے تجاوز نہیں کیا جائے گا

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جان کے بدلے میں جان ہی لازم ہو، لیکن شریعت نے جان کے بدلے میں مال رکھا ہے تو مال لازم کر دیتے ہیں، لیکن قاتل ہو یا عاقلہ ہو دونوں کے لئے تین سال میں دیت لازم کی ہے اس لئے اس سے تجاوز نہیں کیا جائے گا، اور دونوں سے تین سال ہی میں دیت وصول کی جائے گی

لغت: ورد بہ موجلا فلا یتعداہ: قول صحابی میں تاخیر کے ساتھ دیت واجب ہوئی، اس لئے اس سے آگے نہیں بڑھا جائے گا، اور تاخیر کے ساتھ ہی خود قاتل پر لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۸ آٹھ آدمیوں نے ایک آدمی کو غلطی سے قتل کیا، تو ہر آدمی پر دیت کا دسواں حصہ لازم ہوگا، اور یہ تین سالوں میں وصول کئے جائیں گے، جز کو کل پر قیاس کرتے ہوئے، اس لئے یہ بھی دیت بھی جان کا بدل ہے، اور دیت کے فیصلے کے بعد سے لازم ہوگی، اس لئے کہ واجب اصلی جان کی مثل جان تھی، اور اس سے قیمت کی طرف منتقل ہونا قضا کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لئے اس کی ابتداء قضاء کے بعد سے اعتبار کی جائے گی، جیسے ولد مغرور میں ہوتا ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک آدمی نے قتل کیا ہو تب بھی اس سے تین سالوں میں دیت وصول کی جائے گی، اور دس آدمیوں نے قتل کیا ہو تب بھی ان سے تین سالوں میں ہی دیت وصول کی جائے گی، یہ سہولت ان کو بھی ملے گی۔۔

اصول: اور دوسرا اصول یہ ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد سے دیت شروع ہوگی، اس سے پہلے نہیں۔ کیونکہ فیصلے کے بعد جان سے دیت کی طرف منتقل ہوتا ہے

تشریح: یہاں تین باتیں کہہ رہے ہیں۔ ا۔ پہلی بات یہ ہے کہ اگر دس آدمیوں نے ایک آدمی کو قتل کیا ہے تو دسوں پر ایک دسواں حصہ دیت لازم ہوگی، یعنی کل دیت دس ہزار درہم ہے تو ہر ایک پر ایک ایک ہزار درہم لازم ہوگا۔ ۲۔ دوسری بات یہ ہے

الْقِيمَةِ بِالْقَضَاءِ فَيُعْتَبَرُ ابْتِدَاؤُهَا مِنْ وَقْتِهِ كَمَا فِيْ وَلَدِ الْمَغْرُوْرِ.

(۹۲۸) قَالَ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الدِّيْوَانِ فَعَاقِلَتُهُ قَبِيْلَتُهُ، ۱؎ لِأَنَّهُ نُصْرَتُهُ بِهِمْ وَهِيَ الْمُعْتَبَرَةُ فِي التَّعَاقُلِ.

(۹۲۹) قَالَ وَتُقْسَمُ عَلَيْهِمْ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ لَا يُزَادُ الْوَاحِدُ عَلَى أَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ وَيَنْقُصُ

کہ ان سے ان کا حصہ تین سالوں میں وصول کیا جائے گا، یعنی ایک قاتل کو جو سہولت ملتی ہے وہی سہولت دسوں قاتل کو ملے گی۔ یعنی جز کو جو سہولت ملتی ہے وہی سہولت کل کو ملے گی۔ ۳۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اصل تو قصاص ہے، اور جان کے بدلے جان ہے، البتہ قاضی کے فیصلے کے بعد جان، اور قصاص سے دیت کی طرف منتقل ہوگی، اس لئے یہ دیت قاضی کے فیصلے کے بعد وصول کی جائے گی، اس سے پہلے نہیں

اس کی ایک مثال بتاتے ہیں۔ ایک آدمی کی باندی تھی اس سے وطی کی اور بچہ پیدا ہوا، یہ بچہ اس کا بیٹا ہے، اور آزاد ہوگا۔ بعد میں کسی نے دعوی کیا اور گواہی بھی دی کہ یہ باندی میری ہے، اب یہ باندی، اور یہ بچہ دوسرے کا ہو گیا۔ لیکن اب قاضی فیصلہ کرے گا کہ باپ اس بچے کی قیمت باندی والے کو دے اور بچہ لے، جو اس دن قاضی یہ فیصلہ کرے گا اس دن کی قیمت باپ پر واجب ہوگی، کیونکہ اس فیصلے سے پہلے باپ پر بچے کی قیمت واجب نہیں تھی، کیوں کہ پہلے سے اس کا بیٹا تھا۔ ٹھیک اسی طرح دیت کے فیصلے کے بعد دسوں قاتل پر دیت واجب ہوئی اس سے پہلے تو ان دسوں پر قصاص ہی تھا، اس لئے فیصلے کے بعد سے دیت شمار کی جائے گی، اس سے پہلے نہیں۔

ترجمہ: (۹۲۸) اگر قاتل اہل دیوان میں سے نہیں ہو تو اس کا عاقلہ اس کے قبیلے والے ہوں گے

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ اس کی نصرت اب قبیلے والوں سے ہے، اور عاقلہ ہونے میں نصرت کا اعتبار ہے

تشریح: اصل تو یہی ہے کہ قبیلے والے عاقلہ ہوں، لیکن وہ اہل دیوان تھا، اس لئے حضرت عمرؓ کے قول کی وجہ سے اہل دیوان عاقلہ بنے، لیکن اگر وہ اہل دیوان میں سے نہیں ہے، اور کسی کمپنی میں اس کا نام لکھا ہوا نہیں ہے تو اب اصل پر آئے گا اور قبیلے والے اس کے عاقلہ بنیں گے، کیونکہ اس کا مدار نصرت پر ہے اور اب قبیلے والے ہی اہل نصرت ہیں

وجہ: اس حدیث میں ہے کہ وارثین عاقلہ ہوں گے۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:...، وَأَنَّ العَقْلَ عَلَى عَصَبَتِهَا (بخاری شریف، باب جنین المرأة وان العقل علی الوالد وعصبة الوالد لا علی الولد ص ۱۰۲۰ نمبر ۶۹۰۹)

ترجمہ: (۹۲۹) ان لوگوں پر قسط وار کر دی جائے گی تین سالوں میں۔ ایک آدمی پر چار درہم سے زیادہ نہ کیا جائے۔ ہاں تین درہم سے کم کیا جا سکتا

مِنْهَا، لے قَالَ رَحْمَةُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُوْرِيُ فِيْ مُخْتَصَرِهِ، وَهٰذَا إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّهُ يُزَادُ عَلٰى أَرْبَعَةٍ مِنْ جَمِيْعِ الدِّيَةِ وَقَدْ نَصَّ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ عَلٰى أَنَّهُ لا يُزَادُ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ جَمِيْعِ الدِّيَةِ فِيْ ثَلاثِ سِنِيْنَ عَلٰى ثَلَاثَةٍ أَوْ أَرْبَعَةٍ فَلا يُؤْخَذُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ إِلَّا دِرْهَمًا أَوْ دِرْهَمًا وَثُلُثَ دِرْهَمٍ وَهُوَ الْأَصَحُّ.

(۹۳۰) قَالَ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَتَّسِعُ الْقَبِيْلَةُ لِذٰلِكَ ضُمَّ إِلَيْهِمْ أَقْرَبُ الْقَبَائِلِ، لے مَعْنَاهُ نَسَبًا،

تشریح: عاقلہ کے ہر آدمی سے چار درہم لیا جائے۔اور چونکہ تین سال میں لینا ہے اس لئے ایک سال میں ایک درہم اور ایک تہائی یعنی دو دانق لیا جائے گا۔اس اعتبار سے ۲۵۰۰ دو ہزار پانچ سو آدمیوں سے دیت لینی ہوگی تب دس ہزار درہم مکمل ہوں گے۔دوسری صورت یہ ہے کہ ہر آدمی سے ہر سال ایک درہم سے زیادہ لے،البتہ چار درہم سے زیادہ نہ لے،اس صورت میں تین سال میں ہر آدمی سے بارہ درہم تک لے سکتا ہے،لیکن بارہ درہم سے زیادہ نہ لے،ورنہ ظلم ہو جائے گا

ترجمہ: لے صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری نے اپنی مختصر میں ایسا ہی ذکر کیا ہے،لیکن اس میں اشارہ ہے کہ پورے تین سال میں چار درہم سے زیادہ بھی لیا جا سکتا ہے،لیکن امام محمدؒ نے تصریح کی ہے کہ تین سال میں تین درہم یا چار درہم سے زیادہ نہ لے،اس صورت میں ہر سال میں ایک درہم لیا جائے گا،یا ایک درہم اور ایک تہائی درہم لیا جائے گا،اور صحیح یہی ہے

تشریح: قدوری کے متن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تین سال میں چار درہم سے بھی زیادہ لیا جا سکتا ہے،لیکن امام محمدؒ نے یہ تصریح کی ہے کہ تین سال میں یا تین ہی درہم لے،یا چار درہم لے اور ہر سال میں ایک درہم اور ایک تہائی درہم لے، اس سے زیادہ نہ لے۔

وجہ: اس عبارت میں ہے کہ تین یا چار درہم دیت لے۔أربعة دراهم أو ثلاثة أو أقل من ذلك (الاصل للشیبانی، باب من عقل الجنایات متی تو خذ۔جلد ۹،ص ۳۸۵)

ترجمہ: (۹۳۰) اگر قبیلہ میں گنجائش نہ ہو تو ان کے ساتھ ملا لئے جائیں گے قریبی قبیلے دوسرے کے۔

ترجمہ: لے اس کا معنی یہ ہے کہ نسب کے اعتبار سے جو قبیلہ قریب ہو اس کو ملایا جائے گا

تشریح: ایک قبیلے سے ۲۵۰۰ آدمی پورے نہ ہوتے ہوں تو رشتہ داری میں اس قبیلے سے جو زیادہ قریب ہو اس قبیلے کو دیت میں شامل کیا جائے گا تاکہ جتنا زیادہ لوگ ہوں اتنے ہی آسانی سے دیت ادا ہو سکے۔کیونکہ ہر آدمی سے چار چار درہم ہی لئے جا سکیں گے۔

وجہ: اس لمبی حدیث میں دیت ادا کرنے میں قریب قریب کے بطن کو ملایا گیا ہے۔حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ الْأَخْنَسِ بْنِ شَرِيقٍ، قَالَ: أَخَذْتُ مِنْ آلِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ هَذَا الْكِتَابَ، كَانَ

۲ كُلُّ ذٰلِكَ لِمَعْنَى التَّخْفِيفِ وَيُضَمُّ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ عَلٰى تَرْتِيبِ الْعَصَبَاتِ الْإِخْوَةُ ثُمَّ بَنُوهُمْ ثُمَّ الْأَعْمَامُ ثُمَّ بَنُوهُمْ. ۳ وَأَمَّا الْآبَاءُ وَالْأَبْنَاءُ فَقِيلَ يَدْخُلُونَ لِقُرْبِهِمْ، وَقِيلَ لَا يَدْخُلُونَ، لِأَنَّ الضَّمَّ لِنَفْيِ الْحَرَجِ حَتّٰى لَا يُصِيبَ كُلَّ وَاحِدٍ أَكْثَرُ مِنْ ثَلَاثَةٍ أَوْ أَرْبَعَةٍ، وَهٰذَا الْمَعْنَى إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ عِنْدَ

مَقْرُونًا بِكِتَابِ الصَّدَقَةِ الَّذِى كَتَبَ عُمَرُ لِلْعُمَّالِ: " بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، هَذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ مِنْ قُرَيْشٍ وَيَثْرِبَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ فَلَحِقَ بِهِمْ وَجَاهَدَ مَعَهُمْ، أَنَّهُمْ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ دُونَ النَّاسِ، الْمُهَاجِرُونَ مِنْ قُرَيْشٍ عَلَى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ بَيْنَهُمْ وَهُمْ يَفْدُونَ عَانِيَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَبَنُو عَوْفٍ عَلَى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولَى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِى عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ]: الْمُؤْمِنِينَ " ثُمَّ ذَكَرَ عَلَى هَذَا النَّسَقِ بَنِى الْحَارِثِ، ثُمَّ بَنِى سَاعِدَةَ، ثُمَّ بَنِى جُشَمَ، ثُمَّ بَنِى النَّجَّارِ، ثُمَّ بَنِى عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، ثُمَّ بَنِى النَّبِيتِ، ثُمَّ بَنِى الْأَوْسِ، ثُمَّ قَالَ: وَإِنَّ الْمُؤْمِنِينَ لَا يَتْرُكُونَ مُفْرَحًا مِنْهُمْ أَنْ يُعْطُوهُ بِالْمَعْرُوفِ فِى فِدَاءٍ أَوْ عَقْلٍ (سنن للبیہقی، باب العاقلۃ ج ثامن، ص ۱۸۴، نمبر ۱۶۳۶۹)

ترجمہ: ۲ یہ سب ملانا تخفیف کے لئے ہے، اور قریب کو پھر قریب کو ملایا جائے گا عصبات کی ترتیب پر، جیسے پہلے بھائیوں کو ملایا جائے گا اس کے بعد اس کے بیٹے کو، پھر چچا کو پھر اس کے بیٹوں کو

تشریح: عصبات میں جس طرح ترتیب ہوتی ہے اسی ترتیب سے قریب کو پھر اس کے قریب کو ملایا جائے گا، مثلا پہلے بھائیوں کو ملائے جائیں گے، اس سے دیت پوری نہ ہوتی ہو تو اس کے بعد ان کے بیٹوں کو ملائے جائیں گے، ان سے بھی دیت پوری نہ ہوتی ہو اب چچا کو ملائیں گے، اور ان سے بھی دیت پوری نہ ہوتی ہو تو اب چچا کے بیٹوں کو ملائیں گے، اس طرح اقرب فالاقرب کو ملائیں گے، اس سے بھی پوری نہ ہوتی ہو تو دادا کے بیٹوں کو ملائیں گے اسی ترتیب سے

ترجمہ: ۳ قاتل کے باپ اور قاتل کے بیٹوں کو ملا کر ان سے دیت لی جائے گی یا نہیں، تو بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ دیت میں داخل ہوں گے قرابت ہونے کی وجہ سے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دیت میں داخل نہیں ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حرج کو دور کرنے کے لئے ملائے جاتے ہیں تا کہ ہر آدمی کو تین یا چار درہم سے زیادہ نہ دینا پڑے، اور یہ معنی کثرت سے آدمی کو ملانے سے ہوگا، اور باپ اور بیٹے زیادہ نہیں ہوتے (اس لئے ان کو نہیں ملائیں جائیں گے)

تشریح: قاتل کے باپ اور قاتل کے بیٹے دیت دینے میں شامل ہوں گے یا نہیں، اس بارے میں ایک رائے تو ہے کہ شامل ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دیت قرابت کی وجہ سے ادا کرتے ہیں، اور باپ اور بیٹے بہت قریب ہیں، اس لئے ان پر دیت ہوگی، دوسری وجہ ہے کہ نصرت کی وجہ سے ہوتی ہے، اور یہ لوگ بھی اہل نصرت ہیں اس لئے یہ بھی دیت ادا کرنے میں داخل ہوں گے

الْكَثْرَةِ، وَالْآبَاءُ وَالْأَبْنَاءُ لا يَكْثُرُوْنَ. ۴ وَعَلٰى هٰذَا حُكْمُ الرَّأْيَاتِ إِذَا لَمْ يَتَّسِعْ لِذٰلِكَ أَهْلُ رَأْيَةٍ ضُمَّ إِلَيْهِمْ أَقْرَبُ الرَّايَاتِ يَعْنِي أَقْرَبُهُمْ نُصْرَةً إِذَا حَزَبَهُمْ أَمْرٌ اَلْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ، وَيُفَوَّضُ ذٰلِكَ إِلَى الْإِمَامِ لِأَنَّهُ هُوَ الْعَالِمُ بِهِ، ثُمَّ هٰذَا كُلُّهُ عِنْدَنَا، ۵ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَجِبُ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ نِصْفُ دِيْنَارٍ فَيُسَوّٰى بَيْنَ الْكُلِّ، لِأَنَّهُ صِلَةٌ فَيُعْتَبَرُ بِالزَّكٰوةِ وَأَدْنَاهَا ذٰلِكَ إِذْ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ

اور کچھ حضرات نے فرمایا کہ باپ اور بیٹے دیت ادا کرنے میں داخل نہیں ہوں گے

وجـــه: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ آدمی داخل ہوں تو ہر آدمی پر تین سال میں تین، یا چار درہم سے زیادہ نہ آئے، اور باپ تو ایک ہی ہوتا ہے، اور بیٹے دو چار ہوتے ہیں، تو ان دونوں سے کثرت نہیں ہوئی اس لئے یہ دیت ادا کرنے میں داخل نہیں ہوں گے، اور بھائی، اور بھتیجے، اور چچا اور چچا کے بیٹے مل کر بہت ہوتے ہیں اس لئے یہ لوگ داخل ہوں گے

تــرجمه: ۴ اسی طرح کمپنی والوں کا حال ہے، اگر ایک کمپنی سے دیت پوری نہ ہو تو دوسرے رایات والوں کو ملایا جائے گا، یعنی مدد کے اعتبار سے جو زیادہ قریب ہوں جب انکو کوئی حادثہ پیش آئے تو قریب پھر اس سے قریب والوں کو دیت میں شامل کیا جائے گا، اور کون قریب ہے اس بات کو امام کو سپرد کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں، یہ سب تفصیل ہمارے نزدیک ہیں

تشــريح: قاتل اہل دیوان اور جھنڈا والا تھا، یعنی اس کا نام کسی کمپنی میں لکھا ہوا تھا، اس لئے کمپنی والے اس کے عاقلہ تھے، لیکن ایک کمپنی سے دیت پوری نہیں ہوتی ہو تو حادثے کے وقت مدد کرنے میں اس کمپنی سے زیادہ قریب کون سی کمپنی ہے اس کے لوگوں کو دیت میں شامل کیا جائے گا، تا کہ ہر آدمی سے تین سال میں چار چار درہم لئے جائیں تو دس ہزار درہم دیت پوری ہو جائے۔ لیکن کون کمپنی زیادہ قریب ہے اس کا تعین امام کرے گا، کیونکہ یہاں نسب تو ہے نہیں، اس لئے امام کی معلومات پر مدار ہوگا۔

تــرجمه: ۵ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر صنف پر آدھا دینار دیت واجب ہوگی اور سب کو برابر دینا ہوگا، اس لئے کہ یہ صلہ ہے اس لئے زکوۃ کے ادنی درجہ پر قیاس کیا جائے گا، اور وہ صحابہؓ کے یہاں پانچ درہم آدھا دینار تھا

تشــريح: امام شافعیؒ کے یہاں باپ اور بیٹے اور تمام رشتہ داروں پر دیت واجب ہوگی، اور برابر برابر ہوگی، اور تین سال میں پانچ درہم لازم ہوں گے

وجـــه: زکوۃ بھی صلہ ہے اور دیت بھی صلہ ہے، اس لئے جس طرح زکوۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح دیت بھی واجب ہوگی، اور زکوۃ ہر مالدار پر کم سے کم دوسو درہم پر پانچ درہم لازم ہوتی ہے اسی طرح دیت بھی تین سال میں پانچ درہم ہی واجب ہوگی، پھر دوسری بات یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں ایک قول میں بیٹے اور باپ پر دیت نہیں ہے، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک باپ، بیٹے اور تمام عصبہ پر برابر دیت ہے،

عِـنْـدَهُـمْ نِصْفُ دِيْنَارٍ، ٦ وَلٰـكِـنَّـا نَـقُـوْلُ هِيَ أَحَطُّ رُتْبَةً مِنْهَا أَلا تَرىٰ أَنَّهُ لا تُؤْخَذُ مِنْ أَصْلِ الْمَالِ فَيَنْتَقِصُ مِنْهَا تَحْقِيْقًا لِزِيَادَةِ التَّخْفِيْفِ.

(۹۳۱) وَلَوْ كَانَتْ عَاقِلَةُ الرَّجُلِ أَصْحَابَ الرِّزْقِ يُقْضٰى بِالدِّيَةِ فِيْ أَرْزَاقِهِمْ فِيْ ثَلاثِ سِنِيْنَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ اَلثُّلُثُ، ۱ لِأَنَّ الرِّزْقَ فِيْ حَقِّهِمْ بِمَنْزِلَةِ الْعَطَاءِ قَائِمٌ مَقَامَهُ، إِذْ كُلٌّ مِنْهُمَا صِلَةٌ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ، ۲ ثُـمَّ يُـنْـظَـرُ إِنْ كَـانَـتْ أَرْزَاقُـهُـمْ تَـخْـرُجُ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ فَكَمَا يَخْرُجُ رِزْقٌ يُؤْخَذُ مِنْهُ الثُّلُثُ بِمَنْزِلَةِ الْعَطَاءِ، ۳ وَإِنْ كَـانَ يَخْرُجُ فِيْ كُلِّ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَخَرَجَ بَعْدَ الْقَضَاءِ يُؤْخَذُ مِنْهُ سُدُسُ الدِّيَةِ ، وَإِنْ

لغت: نصف دینار:صحابہ کے زمانے میں آدھا دینار پانچ درہم کے برابر تھا،اور ایک دینار دس درہم کے برابر تھا۔

ترجمہ: ٦ ہم کہتے ہیں دیت کا مرتبہ زکوۃ سے کم ہے کیا آپ نہیں دیکھے ہیں کہ دیت اصل مال سے نہیں لیا جاتا ہے (بلکہ عطیہ سے لیا جاتا ہے) زیادہ سہولت کو ثابت کرنے کے لئے زکوۃ سے کم (چار درہم ہی رکھا جائے گا)

تشریح: ہمارا جواب یہ ہے کہ زکوۃ کا مرتبہ زیادہ ہے،اسی لئے وہ اصل مال سے لیا جاتا ہے،اور دیت کا مرتبہ اس سے کم ہے اسی لئے وہ عطیہ سے لیا جاتا ہے،اس لئے زیادہ سہولت دینے کے لئے (دیت) پانچ درہم سے کم چار درہم لینا چاہئے

ترجمہ: (۹۳۱) اگر قاتل آدمی کا عاقلہ رزق وصول کرنے والا ہے تو اس کے رزق میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا تین سال میں،اور ہر سال میں ایک تہائی دیت لی جائے گی

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ رزق اس کے حق میں عطیہ کے درجے میں ہے،اس لئے کہ دونوں ہی بیت المال سے صلہ رحمی ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ رزق عطیہ کی طرح ہے

تشریح: دیوان میں جن لوگوں کا نام ہے،ان کو تین قسم کی چیزیں ملتی ہیں۔ا۔ ہر ماہ کی تنخواہ۔۲۔سال میں یا چھ ماہ میں عطیہ۔۳۔سال میں یا چھ ماہ میں کھانے پینے کے لئے رزق۔اب اگر اس کو رزق اور عطیہ دونوں ملتے ہیں،تو دیت عطیہ سے لی جائے گی۔اور اگر صرف رزق ملتا ہے تو دیت رزق سے لی جائے گی،کیونکہ یہ بھی عطیہ کی طرح صلہ رحمی ہے،اور اس سے بھی تین سال میں عطیہ وصول کئے جائیں گے

ترجمہ: ۲ پھر یہ دیکھا جائے گا کہ اگر اس کا رزق سال میں ایک مرتبہ نکلتا ہے،تو جیسے ہی رزق نکلے تو اس سے دیت کی تہائی لے لی جائے گی اس لئے کہ یہ عطیہ کے درجے میں ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ۳ اور اگر ہر چھ ماہ میں رزق نکلے اور دیت کے فیصلے کے بعد نکلا تو دیت کا چھٹا حصہ لے لیا جائے گا،اور اگر ہر ماہ میں رزق نکلے تو مہینے کے حساب سے دیت لی جائے گی تا کہ ہر سال میں دیت کی ایک تہائی وصول ہو جائے

كَانَ يَخْرُجُ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ يُؤْخَذُ مِنْ كُلِّ رِزْقٍ بِحِصَّتِهٖ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى يَكُوْنَ الْمُسْتَوْفٰى فِيْ كُلِّ سَنَةٍ مِقْدَارُ الثُّلُثِ، ۴؎ وَإِنْ خَرَجَ بَعْدَ الْقَضَاءِ بِيَوْمٍ أَوْ أَكْثَرَ أُخِذَ مِنْ رِزْقِ ذٰلِكَ الشَّهْرِ بِحِصَّةِ الشَّهْرِ. ۵؎ وَإِنْ كَانَتْ لَهُمْ أَرْزَاقٌ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ وَأَعْطِيَةٍ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ فُرِضَتِ الدِّيَةُ فِي الْأَعْطِيَةِ دُوْنَ الْأَرْزَاقِ، لِأَنَّهٗ أَيْسَرُ، إِمَّا لِأَنَّ الْأَعْطِيَةَ أَكْثَرُ أَوْ لِأَنَّ الرِّزْقَ لِكِفَايَةِ الْوَقْتِ فَيَتَعَسَّرُ الْأَدَاءُ مِنْهُ، وَالْعَطِيَاتُ لِيَكُوْنُوْا فِي الدِّيْوَانِ قَائِمِيْنَ بِالنُّصْرَةِ فَيَتَيَسَّرُ عَلَيْهِمْ.

(۹۳۲) قَالَ وَأُدْخِلَ الْقَاتِلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ فَيَكُوْنُ فِيْمَا يُؤَدّٰى كَأَحَدِهِمْ، ۱؎ لِأَنَّهٗ هُوَ الْفَاعِلُ فَلَا مَعْنٰى

تشریح: اگر ہر چھ ماہ میں رزق نکلے تو ہر رزق پر دیت کا چھٹا حصہ لیا جائے گا، اور اگر ہر ماہ میں رزق نکلے تو تین سال کے چھتیس مہینے ہوتے ہیں، اب اس حساب سے ایک مہینے میں جو دیت پڑے وہ وصول کئے جائیں گے دیت کا (0.36) وصول کیا جائے گا، اور تین سال میں پوری دیت وصول کی جائے گی

ترجمه: ۴؎ اور اگر قاضی کے فیصلے کے ایک دن بعد ہی، یا اس سے زیادہ دنوں میں رزق نکلا تو اس مہینے کا حصہ لیا جائے گا

تشریح: آج قاضی نے دیت کا فیصلہ کیا کہ ہر مہینے میں دیت کا حصہ ادا کرو، اور دوسرے دن مہینے کا رزق آ گیا تو اس مہینے کی دیت وصول کی جائے گی، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ فیصلے کے بعد رزق آئے تو اس سے دیت وصول کی جائے گی، یہاں فیصلے کے دوسرے دن ہی ماہانہ رزق آیا اس لئے ایک مہینے کی دیت وصول کی جائے گی

ترجمه: ۵؎ اور اگر ہر ماہ میں اس کو رزق بھی ملتا ہے اور سال میں عطیہ بھی ملتا ہے، تو دیت عطیہ میں فرض کی جائے گی رزق میں نہیں، کیونکہ یہ آسان ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ عطیہ کی رقم عموما زیادہ ہوتی ہے، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ رزق صرف وقت کی کفایت کے لئے ہوتی ہے، اس لئے اس سے ادا کرنا مشکل ہوگا، اور دیوان میں جو عطیہ قائم کیا جاتا ہے وہ نصرت کے لئے ہے اس لئے اہل دیوان پر اس میں سے دینا آسان ہوگا

تشریح: واضح ہے

ترجمه: (۹۳۲) عاقلہ کے ساتھ قاتل بھی داخل ہوگا۔ پس وہ دیت ادا کرنے میں ایک عاقلہ کی طرح ہوگا۔

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ وہ خود قتل کرنے والا ہے تو اس کو دیت ادا کرنے سے نکال دینا، اور دوسرے سے مواخذہ کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے

تشریح: جس طرح عاقلہ دیت ادا کرے گا اور قاتل بھی عاقلہ کے ایک فرد کی طرح شمار کیا جائے گا۔ چنانچہ عاقلہ کا ہر فرد تین سال میں چار درہم ادا کرے گا تو قاتل بھی تین سال میں چار درہم ادا کرے گا۔

وجه: (۱) اصل جرم قاتل کا ہے اس لئے اس کو بھی دیت ادا کرنی چاہئے (۲) خاندان کی طرح وہ بھی کنبے کا ایک فرد ہے اس

لِإِخْرَاجِهِ وَمُؤَاخَذَةِ غَيْرِهِ، ۲ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَا يَجِبُ عَلَى الْقَاتِلِ شَيْءٌ مِنَ الدِّيَةِ اِعْتِبَارًا لِلْجُزْءِ بِالْكُلِّ فِي النَّفْيِ عَنْهُ، وَالْجَامِعُ كَوْنُهُ مَعْذُوْرًا، ۳ قُلْنَا إِيْجَابُ الْكُلِّ إِجْحَافٌ بِهِ، وَلَا كَذٰلِكَ إِيْجَابُ الْجُزْءِ، ۴ وَلَوْ كَانَ الْخَاطِئُ مَعْذُوْرًا فَالْبَرِيُّ عَنْهُ أَوْلٰى قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَا

لئے جس طرح اورافراد پر دیت ہے اس فرد پر بھی دیت ہوگی۔

ترجمه: ۲ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قاتل پر کچھ دیت واجب نہیں ہوگی نفی میں جز کو کل پر قیاس کرتے ہوئے، اور جامع یہ ہے کہ قاتل معذور ہے

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ساری دیت عاقلہ ادا کریں گے، قاتل پر کچھ دیت واجب نہیں ہوگی

وجه: (۱) اس کی ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب کل دیت واجب نہیں ہوئی، تو اس پر قیاس کرتے ہوئے جز بھی واجب نہیں ہونی چاہئے۔ (۲) دوسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قتل خطاء میں قاتل معذور ہے، اس لئے اس پر دیت واجب نہیں ہونی چاہئے۔ تو جس طرح بچہ معذور ہوتا ہے تو اس پر دیت لازم نہیں ہوتی ہے اسی طرح قاتل معذور ہے، کیونکہ غلطی سے قتل کیا ہے تو اس پر دیت لازم نہیں ہونی چاہئے (۳) اور تیسری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ عاقلہ دیت ادا کرے، اس لئے عاقلہ پر دیت لازم ہونی چاہئے، خود قاتل پر نہیں۔ حدیث یہ ہے۔ **وقضى ان دية المرأة على عاقلتها** (بخاری شریف، باب جنین المرأۃ وان العقل علی الوالدص ۱۰۲۰ نمبر ۶۹۱۰)

لغت: اعتبار الجزء بالکل: جز کو کل پر قیاس کرتے ہوئے، یعنی جب قاتل پر کل دیت واجب نہیں ہوئی تو اس پر قیاس کرتے ہوئے جز دیت بھی واجب نہیں ہونی چاہئے۔ الجامع: دونوں میں اصل وجہ یہ ہے کہ قاتل معذور ہے، تو جس طرح بچہ معذور ہوتا ہے تو اس پر دیت لازم نہیں ہوتی ہے اسی طرح قاتل معذور ہے، کیونکہ غلطی سے قتل کیا ہے تو اس پر دیت لازم نہیں ہونی چاہئے

ترجمه: ۳ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ قاتل پر کل دیت واجب کرنے میں اس کو پریشان کرنا ہے، لیکن جز (صرف چار درہم واجب کرنے میں) ایسا نہیں ہے،

تشریح: یہ جملہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ قاتل پر کل دیت واجب نہیں کیا جا سکتا ہے، تو اس پر قیاس کرتے ہوئے جز دیت بھی واجب نہیں کرنا چاہئے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ کل دیت دس ہزار درہم واجب کرنے میں قاتل کو پریشان کر دینا ہے، لیکن جز یعنی صرف چار واجب کرنے میں پریشان کرنا نہیں ہے، اس لئے اور عاقلہ کی طرح قاتل پر بھی جز دیت چار درہم واجب ہونا چاہئے

ترجمه: ۴ اور اگر قاتل معذور ہے تو جو لوگ قتل سے بری ہے یعنی عاقلہ تو وہ لوگ تو بدرجہ اولی معذور ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ، وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى (سورت الانعام ۶، آیت ۱۶۴) (کہ

تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى﴾.

(۹۳۳) وَلَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ وَالذُّرِّيَّةِ مِمَّنْ كَانَ لَهُ حَظٌّ فِي الدِّيْوَانِ عَقْلٌ ۱؎ لِقَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَعْقِلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ صَبِيٌّ وَلَا امْرَأَةٌ، ۲؎ وَلِأَنَّ الْعَقْلَ إِنَّمَا يَجِبُ عَلٰى أَهْلِ النُّصْرَةِ لِتَرْكِهِمْ مُرَاقَبَتَهُ وَالنَّاسُ لَا يَتَنَاصَرُوْنَ بِالصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ وَلِهٰذَا لَا يُوْضَعُ عَلَيْهِمْ مَا هُوَ خَلَفٌ عَنِ النُّصْرَةِ

ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا کہ قتل خطاء کرنے والا معذور ہے اس لئے اس پر دیت نہیں ہونی چاہئے، تو اس کا جواب ہے کہ جو عاقلہ وہ تو اس سے زیادہ معذور ہیں کیونکہ انہوں نے تو قتل کیا بھی نہیں ہے، تو ان پر دیت کیوں ہے، اور جب ان پر دیت ہے تو خود قاتل پر بدرجہ اولی دیت کا ایک حصہ ہونا چاہئے۔

وجہ: قاعدہ یہ ہے کہ ایک کا گناہ دوسرے پر نہ ڈالا جائے، اور یہاں تو قاتل کا گناہ عاقلہ پر ڈالا گیا ہے، اس لئے خود قاتل پر بھی دیت کا ایک حصہ ہونا چاہئے، آیت یہ ہے۔ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى (سورت الانعام ۶، آیت ۱۶۴)

ترجمہ: (۹۳۳) عورتوں اور بچوں میں سے جنکا دیوان میں حصہ ہے ان پر بھی دیت نہیں ہے

ترجمہ: ۱؎ حضرت عمرؓ کے قول کی وجہ سے عاقلہ کے ساتھ عورت اور بچوں پر دیت نہیں ہے

تشریح: کچھ تو وہ عورتیں، اور بچے ہیں جن کا نام دیوان میں نہیں ہے، ان پر تو عاقلہ والی دیت نہیں ہے، لیکن جن کا نام دیوان میں ہے اور ان کو عطیہ ملتا ہے ان پر بھی عاقلہ والی دیت نہیں ہے

وجہ: حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عورت اور بچے پر دیت نہیں ہے، قول صحابی یہ ہے۔ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ أَسْلَمَ مَوْلَى عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَكْتُبُ إِلَى أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ أَنْ لَا يَقْتُلُوا إِلَّا مَنْ جَرَتْ عَلَيْهِ الْمَوَاسِي، وَلَا يَأْخُذُوا الْجِزْيَةَ إِلَّا مِمَّنْ جَرَتْ عَلَيْهِ الْمَوَاسِي، وَلَا يَأْخُذُوا مِنْ صَبِيٍّ وَلَا امْرَأَةٍ (سنن سعید بن منصور، باب ما جاء فی قتل النساء والولدان، نمبر ۲۶۳۲)

ترجمہ: ۲؎ دوسری وجہ یہ ہے کہ نصرت کی وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے، کیوں کہ اس نے قاتل کی نگرانی چھوڑ دی، اور لوگ بچے اور عورت سے جنگ میں مدد حاصل نہیں کرتے (اس لئے ان پر دیت بھی لازم نہیں ہوگی)۔ یہی وجہ ہے کہ نصرت کا جو خلیفہ ہے یعنی جزیہ وہ بھی عورت اور بچوں پر لازم نہیں کیا جاتا ہے

تشریح: عورت اور بچوں پر دیت کی قسط لازم نہیں ہوگی، اس کی دو دلیلیں عقلی پیش کر رہے ہیں۔ ۱۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ دیت اس پر لازم ہوتی ہے جو اہل نصرت ہو یعنی جنگ میں مدد کر سکے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے قاتل کی پوری نگرانی نہیں

وَهُوَ الْجِزْيَةُ. ۳؎ وَعَلٰى هٰذَا لَوْ كَانَ الْقَاتِلُ صَبِيًّا أَوْ اِمْرَأَةً لَا شَيْءَ عَلَيْهِمَا مِنَ الدِّيَةِ، ۴؎ بِخِلَافِ الرَّجُلِ، لِأَنَّ وُجُوبَ جُزْءٍ مِنَ الدِّيَةِ عَلَى الْقَاتِلِ بِاعْتِبَارِ لِأَنَّهُ أَحَدُ الْعَوَاقِلِ، لِأَنَّهُ يَنْصُرُ نَفْسَهُ وَهٰذَا لَا يُوْجَدُ فِيْهِمَا، ۵؎ وَالْفَرْضُ لَهُمَا مِنَ الْعَطَاءِ لِلْمَعُوْنَةِ لَا لِلنُّصْرَةِ كَفَرْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ

کی جس کی وجہ سے قاتل نے قتل کر دیا، اس نگرانی چھوڑنے کی وجہ سے اس پر دیت لازم ہوتی ہے، اور بچے اور عورت پر جنگ میں نگرانی نہیں ہے، اس لئے ان دونوں پر دیت بھی نہیں ہوگی ۔۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آدمی ذمی ہو اور دار الاسلام میں جزئیہ دیکر رہتا ہو تو اس پر نصرت کے بدلے میں جزیہ لازم ہوتا ہے، لیکن اس کی عورت اور بچوں پر جزیہ لازم نہیں ہوتا ہے، کیونکہ عورت اور بچے اہل نصرت میں سے نہیں ہے، جب جزئیہ لازم نہیں ہے تو اس پر دیت بھی لازم نہیں ہوگی

ترجمہ: ۳؎ اسی بنیاد پر کہ عورت اور بچہ اہل نصرت میں سے نہیں ہے اگر بچے نے یا عورت نے قتل کیا ہو تو اس پر کچھ دیت نہیں ہے

تشریح: عورت اور بچہ اہل نصرت میں سے نہیں ہیں اس لئے عورت نے یا بچہ نے قتل کر دیا تو اس کی دیت عاقلہ پر ہوگی، لیکن عورت اور بچے پر نہیں ہوگی، یہ متاخرین کا مذہب ہے

ترجمہ: ۴؎ بخلاف مرد کے (کہ اس نے قتل کیا ہو تو اس پر دیت ہوگی) اس لئے کہ قاتل پر بھی دیت کا ایک حصہ اس لئے ہے کہ وہ بھی ایک عاقلہ ہے اس لئے وہ اپنی ذات کی مدد کرتا ہے، اور یہ بات بچے اور عورت میں نہیں پائی جاتی ہے

تشریح: مرد کم سے کم اپنی مدد کرتا ہے اس لئے مرد اگر قاتل ہو تو اس پر بھی دیت کا ایک حصہ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، کیونکہ وہ بھی ایک عاقلہ ہے، لیکن عورت اور بچہ خود اپنی مدد نہیں کر سکتے ہیں، اس لئے ان پر دیت نہیں ہوگی

ترجمہ: ۵؎ اور عورت اور بچہ کے لئے جو مدد ملتی ہے وہ معونت کے طور پر ہے، نصرت کے طور پر نہیں ہے، جیسے حضورؐ کے ازواجِ مطہرات کا حصہ معونت کے لئے ہے

تشریح: حکومت جو عطیہ دیتی ہے اس کے دو مقاصد ہیں ایک ہے نصرت کرنے کی وجہ سے عطیہ دینا، یعنی وہ جنگ میں حکومت کی نصرت کرتا ہے اس لئے اس کو عطیہ دیا جا رہا ہے، اور دوسرا ہے معونت کی وجہ سے دینا کہ آدمی کا خرچہ پانی چل جائے، عورت اور بچے کو جو عطیہ دیا جاتا ہے وہ معونت کے لئے ہے کہ ان دونوں کا خرچہ پانی چل جائے اس لئے ان پر دیت نہیں ہے، اور مرد کو جو عطیہ دیا جاتا ہے وہ نصرت کرنے وجہ سے دیا جاتا ہے اس لئے مرد پر دیت ہے، عورت اور مرد کے عطیہ دینے میں یہ فرق ہے۔

اس کی ایک مثال بیان کر رہے ہیں کہ ازواج مطہرات کو حکومت کی جانب سے عطیہ دیا جاتا تھا، وہ اس بنا پر نہیں تھا کہ انہوں نے جنگ میں نصرت کی تھی، بلکہ اس لئے دیا جاتا تھا کہ ان کی معونت ہو جائے اور ان کا خرچہ پانی چل جائے اس لئے ازواج

وَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُنَّ.

(۹۳۴) وَلا يَعْقِلُ أَهْلُ مِصْرٍ عَنْ مِصْرٍ آخَرَ ﴿ يُرِيدُ بِهِ أَنَّهُ إِذَا كَانَ لِأَهْلِ كُلِّ مِصْرٍ دِيْوَانٌ عَلٰى حِدَةٍ، لِأَنَّ التَّنَاصُرَ بِالدِّيْوَانِ عِنْدَ وُجُوْدِهِ، وَلَوْ كَانَ بِاعْتِبَارِ الْقُرْبِ فِي السُّكْنٰى فَأَهْلُ مِصْرِهِ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِ مِصْرٍ آخَرَ.

(۹۳۵) وَيَعْقِلُ أَهْلُ كُلِّ مِصْرٍ مِنْ أَهْلِ سَوَادِهِمْ، ﴿ لِأَنَّهُمْ أَتْبَاعٌ لِأَهْلِ الْمِصْرِ فَإِنَّهُمْ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ اِسْتَنْصَرُوْا بِهِمْ فَيَعْقِلُهُمْ أَهْلُ الْمِصْرِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى الْقُرْبِ وَالنُّصْرَةِ.

(۹۳۶) وَمَنْ كَانَ مَنْزِلُهُ بِالْبَصْرَةِ وَدِيْوَانُهُ بِالْكُوْفَةِ عَقَلَ عَنْهُ أَهْلُ الْكُوْفَةِ، ﴿ لِأَنَّهُ يَسْتَنْصِرُ بِأَهْلِ

مطہرات پر اس عطیہ میں دیت لازم نہیں کی جاتی تھی

ترجمہ: (۹۳۴) ایک شہر والا دوسرے شہر والے کی دیت ادا نہیں کرے گا

ترجمہ: ﴿ یہ اس وقت ہے جب کہ ایک شہر والوں کا دیوان دوسرے شہر والوں سے الگ ہو، اس لئے کہ دیوان سے مدد ہوتی ہے، اگر دیوان موجود ہو، اور اگر رہنے کی قربت کی وجہ سے ہو تو اسی شہر کے لوگ دوسرے شہر کے لوگ سے زیادہ قریب ہے

تشریح: دو شہر ہے اور دونوں کی کمپنی، دیوان، الگ الگ ہوں تو ایک شہر والا دوسرے شہر والے کی دیت ادا نہیں کرے گا۔ کیونکہ دیوان سے مدد ہوتی ہے، اور دیوان الگ الگ ہے تو پھر مدد کیسے کرے گا۔ اور اگر صورت یہ ہے کہ دو شہر قریب قریب ہیں، لیکن دیوان الگ الگ ہیں، تو ایک شہر کے جو آدمی ہے اس کا مکان رہنے کے اعتبار سے قریب قریب ہے، اور دیت قربت کی وجہ سے ہوتی ہے، تو اپنے ہی شہر والے کی دیت ادا کرے گا، دوسرے شہر والوں کی دیت کیوں ادا کرے گا

ترجمہ: (۹۳۵) اور شہر والا اپنے دیہات والوں کی دیت ادا کرے گا

ترجمہ: ﴿ اس لئے کہ وہ شہر والوں کے تابع ہے، اس لئے کہ اگر شہر والوں کو کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو وہ دیہات والوں سے مدد مانگتے ہیں، اس لئے شہر والے دیہات والوں کی دیت ادا کریں گے، کیوں کہ وہ قریب بھی ہیں، اور نصرت میں بھی ساتھ ہیں

وجہ: (۱) شہر والوں کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو وہ دیہات والوں سے مدد لیتے ہیں، اس لئے وہ اہل نصرت ہیں (۲)، اور دیہات والے شہر والوں کے تابع بھی ہیں (۳)، اور دونوں کی دیوان بھی ایک ہے اس لئے شہر والا دیہات والوں کی دیت ادا کریں گے

ترجمہ: (۹۳۶) کسی کا گھر بصرے میں ہے اور اس کا دیوان کوفے میں ہے تو کوفہ والا اس کی دیت دیگا

ترجمہ: ﴿ اس لئے کہ دیوان والوں سے مدد حاصل کی جاتی ہے، پڑوسیوں سے نہیں،

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ نسب، اور پڑوسی کے مقابلے پر دیوان زیادہ بہتر ہے، اگر دیوان میں مجرم کا نام نہ ہو تب

دِيْوَانِہٖ لَا بِجِيْرَانِہٖ، ٢ وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْاِسْتِنْصَارَ بِالدِّيْوَانِ أَظْهَرُ فَلَا يَظْهَرُ مَعَهٗ حُكْمُ النُّصْرَةِ بِالْقَرَابَةِ وَالنَّسَبِ وَالْوَلَاءِ وَقُرْبِ السُّكْنٰى وَغَيْرِہٖ، وَبَعْدَ الدِّيْوَانِ النُّصْرَةُ بِالنَّسَبِ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ، وَعَلٰى هٰذَا يَخْرُجُ كَثِيْرٌ مِنْ صُوَرِ مَسَائِلِ الْمَعَاقِلِ.

(٩٣٧) وَمَنْ جَنٰى جِنَايَةً مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ وَلَيْسَ لَهٗ فِي الدِّيْوَانِ عَطَاءٌ وَأَهْلُ الْبَادِيَةِ أَقْرَبُ إِلَيْهِ وَمَسْكَنُهُ الْمِصْرُ عَقَلَ عَنْهُ أَهْلُ الدِّيْوَانِ مِنْ ذٰلِكَ الْمِصْرِ، ١ وَلَمْ يُشْتَرَطْ أَنْ يَّكُوْنَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ أَهْلِ

ہمارے یہاں عصبہ اور نسب کا نمبر آتا ہے

تشریح: ایک آدمی کا گھر بصرہ میں ہے، لیکن کوفہ میں جو دیوان ہے، یا کوفہ میں جو کمپنی ہے اس میں اس کا نام ہے، اب یہ آدمی سکونت کے اعتبار سے بصرہ کا ہے، لیکن کمپنی اور دیوان کے اعتبار سے کوفے کا ہے تو فرماتے ہیں کہ دیوان کا اعتبار ہوگا اور کوفے والوں پر اس کی دیت لازم ہوگی۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ مدد جو حاصل کی جاتی ہے وہ پہلے دیوان سے حاصل کی جاتی ہے، اس لئے جہاں دیوان ہوگا وہیں کے لوگ دیت ادا کریں گے

ترجمہ: ٢ حاصل یہ ہے کہ دیوان سے مدد حاصل کرنا زیادہ ظاہر ہے اس لئے قرابت، نسب، ولاء، اور رہنے میں قریب رہنے، وغیرہ ہو تو یہ دیوان کے مقابلے میں ترجیح نہیں دی جائے گی، اور دیوان کے بعد نسب کا اعتبار ہوگا جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اور اس اصول پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں

تشریح: دیوان سے مدد حاصل کرنا اصل ہے، اس لئے اگر دیوان موجود ہو تو اس کے رہتے ہوئے، قرابت ہو، نسب ہو، ولاء ہو، یا رہنے میں قریب ہو اس کو ترجیح نہیں دی جائے گی، اور دیوان والوں کو ہی دیت ادا کرنی ہوگی، ہاں وہاں دیوان نہ ہو تو اب نسب کے اعتبار سے نصرت ہوگی، اور جو لوگ نسب کے اعتبار سے قریب ہیں اور عاقلہ ہیں ان کو دینا ہوگا، کیونکہ نسب کا اعتبار دوسرے درجے میں ہے

اب یہ اصول ہوئے کہ امام شافعیؒ کے یہاں دیت ادا کرنے میں نسب مقدم ہے، اور ہمارے یہاں دیوان مقدم ہے، اور نسب اس کے بعد ہے تو ان دو اصولوں کی بنیاد پر بہت سارے مسائل متفرع ہوتے ہیں

ترجمہ: (٩٣٧) شہر کے آدمی نے جنایت کی، لیکن دیوان میں اس کے عطیے کا سلسلہ نہیں تھا، اور اس کے قریب ہی گاؤں میں رشتہ دار رہتے ہیں، لیکن یہ مجرم شہر میں رہتا ہے تو شہر کے دیوان والے ہی اس کی دیت ادا کریں گے

ترجمہ: ١ اور یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ اس کے درمیان اور دیوان والوں کے درمیان کوئی قرابت ہو، اور کچھ حضرات نے فرمایا کہ یہی صحیح ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شہر والوں کا دفاع کرتا ہے، ان کی نصرت کرتا ہے، اور ان کی جانب سے مدافعت کرتا

الدِّيْوَانِ قَرَابَةٌ، وَقِيْلَ هُوَ صَحِيْحٌ، لِأَنَّ الَّذِيْنَ يَذُبُّوْنَ عَنْ أَهْلِ الْمِصْرِ وَيَقُوْمُوْنَ بِنُصْرَتِهِمْ وَيَدْفَعُوْنَ عَنْهُمْ أَهْلُ الدِّيْوَانِ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ وَلَا يَخُصُّوْنَ أَهْلَ الْعَطَاءِ. ٢ وَقِيْلَ تَأْوِيْلُهُ إِذَا كَانَ قَرِيْبًا لَهُمْ وَفِي الْكِتَابِ إِشَارَةٌ إِلَيْهِ حَيْثُ قَالَ وَأَهْلُ الْبَادِيَةِ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْوُجُوْبَ عَلَيْهِمْ بِحُكْمِ الْقَرَابَةِ وَأَهْلُ الْمِصْرِ أَقْرَبُ مِنْهُمْ مَكَانًا فَكَانَتِ الْقُدْرَةُ عَلَى النُّصْرَةِ لَهُمْ، وَصَارَ

ہے وہ دیوان ہی ہے،اور دیوان کی مدد کرنے کے لئے عطیہ والا ہونا ضروری نہیں ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گاؤں میں رشتہ دار ہوں، اور قاتل شہر میں رہتا ہو، اور دیوان سے عطیہ نہ بھی لیتا ہوتب بھی دیوان ہی اس کی دیت ادا کرے گاؤں کے رشتہ دار نہیں

تشریح: یہاں تین باتیں ہیں۔ا۔قاتل شہر میں رہتا ہے۔۲۔قاتل کے رشتہ دار قریب کے گاؤں میں رہتے ہیں۔۳۔اور تیسری بات یہ ہے کہ قاتل کا نام دیوان میں نہیں ہے پھر بھی دیوان والے ہی اس کی دیت ادا کریں گے

وجہ: اس کی دو وجہ ہیں۔ا۔ایک تو یہ کہ دیوان جو قائم کیا جاتا ہے، وہ شہر والوں کی مدد کے لئے قائم کیا جاتا ہے، چاہے کوئی بھی شہری ہو، اس کا نام دیوان میں ہو یا نہ ہو، اس لئے اس آدمی کا نام دیوان میں نہ بھی ہوتب بھی دیوان والے ہی اس کی دیت ادا کریں گے، کیونکہ یہ بھی ایک حادثہ ہے۔۲۔دوسری بات یہ ہے کہ رہنے کے اعتبار سے دیوان والے زیادہ قریب ہے، اور گاؤں والے دور ہیں، اور جو رہنے کے اعتبار سے قریب ہو اس پر دیت لازم ہوتی ہے، پہلے گزر چکا ہے کہ قاتل جس شہر کے قریب ہے اسی شہر والوں پر دیت واجب ہوتی ہے۔اس لئے دیوان میں نام نہ ہوتب بھی دیوان والے پر ہی دیت ادا کرنا لازم ہوگا

لغت: یذب: دفع کرنا۔

ترجمہ: ۲ کہا گیا ہے کہ اس عبارت (عقل عنه اهل الديوان) کی تاویل یہ ہے کہ اہل دیوان سے بھی قرابت ہوتو اہل دیوان دیت ادا کرے گا، اور متن میں اس کا اشارہ ہے، اس لئے پہلے انہوں نے یہ کہا تھا کہ شہر سے دیہات کے لوگ اس قاتل کے زیادہ قریب ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں پر قرابت کی وجہ سے دیت ہوگی، اور شہر والے رہنے کے اعتبار سے زیادہ قریب ہیں، اس لئے شہر والے اس کی مدد پر زیادہ قادر ہے، اور غیبت منقطعہ کے مسئلے کی طرح ہوگیا

تشریح: متن میں ہے کہ (عقل عنه اهل الديوان) اس عبارت کی ایک تاویل تو اوپر گزری، دوسری تاویل یہ ہے کہ قرابت کی دو قسمیں ہیں ایک ہے نسبی طور پر قرابت، اور دوسری ہے سکونت اور رہنے کے طور پر قرابت، اس قاتل کے جو دیہات میں رشتہ دار ہیں یہ نسبی طور پر بہت قریب ہیں، لیکن شہر میں جو لوگ ہیں وہ سکونت اور رہنے کے طور پر قریب ہیں، یہ قربت بعیدہ ہے، لیکن یہ لوگ فوری مدد کر سکتے ہیں، اس لئے شہر والے چاہے قرابت بعیدہ رکھتے ہیں اور سکونت کی قرابت رکھتے ہیں پھر وہ فوری مدد کر سکتے ہیں اس لئے اس پر دیت لازم ہوگی۔

نَظِيرُ مَسْأَلَةِ الْغَيْبَةِ الْمُنْقَطِعَةِ.

(۹۳۸) وَلَوْ كَانَ الْبَدَوِيُّ نَازِلًا فِي الْمِصْرِ لَا مَسْكَنَ لَهُ فِيهِ لَا يَعْقِلُهُ أَهْلُ الْمِصْرِ، لِ لِأَنَّ أَهْلَ الْعَطَاءِ لَا يَنْصُرُونَ مَنْ لَا مَسْكَنَ لَهُ فِيهِ كَمَا أَنَّ أَهْلَ الْبَادِيَةِ لَا تَعْقِلُ عَنْ أَهْلِ الْمِصْرِ النَّازِلِ فِيهِمْ، لِأَنَّهُ لَا يَنْتَصِرُ بِهِمْ.

(۹۳۹) وَإِنْ كَانَ لِأَهْلِ الذِّمَّةِ عَوَاقِلُ مَعْرُوفَةٌ يَتَعَاقَلُونَ بِهَا فَقَتَلَ أَحَدُهُمْ قَتِيلًا فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ بِمَنْزِلَةِ الْمُسْلِمِ، لِ لِأَنَّهُمْ الْتَزَمُوا أَحْكَامَ الْإِسْلَامِ فِي الْمُعَامَلَاتِ لَا سِيَّمَا فِي الْمَعَانِي الْعَاصِمَةِ عَنِ

اس کی ایک مثال پیش کی ہے کہ ایک لڑکی کا قریبی رشتہ دار دوسرے شہر میں رہتے ہیں اور دوسرا دور کا رشتہ دار گاوں میں ہے، اور شادی کا مسئلہ فوری ہے، تو یہاں دور کے رشتہ دار کو وکالت کا حق ہوگا، اور دوسرے شہر میں رہنے والا قریب کے رشتہ دار کو حق نہیں ملے گا، اسی طرح دیت کے مسئلے میں بھی شہر کے رشتہ دار کو حق نہیں ہوگا، اور شہر کے اہل دیوان کو دیت ادا کرنی پڑے گی

لغت: الغیبۃ المنقطعہ: قریب کا رشتہ دار غائب ہے اور منقطع ہے، تو اس کا لڑکی کی وکالت کا حق قریب کے رشتہ دار کو نہیں ملے گا، اور دور کا رشتہ دار گاوں میں ہے اور حاضر ہے تو اس کو نکاح میں وکالت کا حق ہوگا

ترجمہ: (۹۳۸) اگر ایک دیہاتی شہر میں آ گیا ہو، لیکن شہر میں اس کا مسکن نہیں ہو تو شہر والا اس کی دیت ادا نہیں کرے گا

ترجمہ: لے اس لئے کہ عطیہ والے اس کی مدد نہیں کرتے ہیں جن کی شہر میں مسکن نہیں ہے، جیسے کوئی شہر میں آ گیا ہو تو دیہات والے اس کی دیت ادا نہیں کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ہیں

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شہر میں مکان بھی نہیں ہے، اور دیوان میں اس کا نام بھی نہیں ہے تو شہر والے ایسے لوگوں کی دیت ادا نہیں کریں گے

تشریح: شہر میں مکان بھی نہیں ہے، اور دیوان میں اس کا نام بھی نہیں ہے، صرف اس شہر میں آ گیا ہے، اور قتل کر دیا تو یہ شہر والے اس کی دیت ادا نہیں کریں گے، کیونکہ اس کی قرابت نسبی بھی نہیں ہے، اور سکونت کی بھی قرابت نہیں ہے

ترجمہ: (۹۳۹) اگر اہل ذمہ کے عاقلہ مشہور ہوں اور آپس میں دیت ادا کرتے ہوں تو مسلمان کی طرح اس کی دیت بھی اس کے عاقلہ پر ہوگی

ترجمہ: لے اس لئے کہ معاملات میں انہوں نے اسلام کے احکام کا التزام کیا ہے، خاص طور پر ایسے معانی میں جن میں نقصان سے بچانا ہے، اور ان کے حق میں مدد کا معنی موجود ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ذمی کا خون بھی ضائع نہیں جانا چاہئے، مسلمان کی طرح اس کے بھی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی

تشریح: غیر مسلم جو دار الاسلام میں ذمی بن کر رہتا ہے، اور ان کے یہاں یہ رواج ہے کہ آپس میں عاقلہ ہوتے ہیں اور

الْأَضْرَارِ، وَمَعْنَى التَّنَاصُرِ مَوْجُودٌ فِيْ حَقِّهِمْ.

(۹۴۰) وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ عَاقِلَةٌ مَعْرُوْفَةٌ فَالدِّيَةُ فِيْ مَالِهِ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ مِنْ يَوْمٍ يُقْضَى بِهَا عَلَيْهِ ۱ كَمَا فِيْ حَقِّ الْمُسْلِمِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْوُجُوْبَ عَلَى الْقَاتِلِ، وَإِنَّمَا يَتَحَوَّلُ عَنْهُ إِلَى الْعَاقِلَةِ أَنْ لَوْ وُجِدَتْ، فَإِذَا لَمْ تُوْجَدْ بَقِيَتْ عَلَيْهِ فِيْ مَالِهِ ۲ بِمَنْزِلَةِ تَاجِرَيْنِ مُسْلِمَيْنِ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ قَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ يُقْضَى بِالدِّيَةِ عَلَيْهِ فِيْ مَالِهِ، لِأَنَّ أَهْلَ دَارِ الْإِسْلَامِ لَا يَعْقِلُوْنَ عَنْهُ، وَتَمَكُّنُهُ مِنْ هٰذَا الْقَتْلِ لَيْسَ

دیت ادا کرتے ہیں تو ان کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی

وجہ: (۱) انہوں نے معاملات میں اسلام کے احکام کی ذمہ داری قبول کی ہے، اور یہ معاملات کے قبیل سے ہے کہ آپس میں دیت ادا کرے، اس لئے اس کو دیت ادا کرنی ہوگی، جیسے مسلمان لوگ آپس میں دیت ادا کرتے ہیں، تاکہ مقتول کو اور قاتل کو ضرر سے بچایا جا سکے۔

ترجمہ: (۹۴۰) لیکن اگر ذمی کا کوئی معروف عاقلہ نہیں ہے تو دیت خود قاتل کے مال سے تین سال میں وصول کی جائے گی، جس دن سے دیت کا فیصلہ ہوا ہے اس دن سے تین سال میں

ترجمہ: ۱ جیسے مسلمان میں بھی یہی ہوتا ہے، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے پہلے بیان کیا کہ اصل میں قاتل ہی پر دیت ہے، لیکن اس سے عاقلہ کی طرف منتقل ہونا اس وقت ہے جبکہ عاقلہ موجود ہو، اور اگر عاقلہ نہ ہو تو قاتل ہی کے مال میں دیت لازم ہوگی

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ذمی قاتل کا عاقلہ نہ ہو تو پھر ذمی ہی پر پوری دیت واجب ہوگی، اور تین سال میں وصول کی جائے گی

تشریح: ابھی یہ گزرا کہ مسلمان قاتل ہو تو اس کے عاقلہ دیت دیں گے، لیکن مسلمان کا عاقلہ نہیں ہے تو خود اسی قاتل کے مال میں تین سال میں دیت وصول کی جائے گی، ایسے ہی ذمی قاتل ہو اور اس کا عاقلہ نہ ہو تو خود اسی کے مال سے تین سال میں پوری دیت وصول کی جائے گی

وجہ: اصل میں تو خود قاتل پر دیت واجب ہوتی ہے، لیکن عاقلہ ہو تو اس طرف منتقل ہوتی ہے، لیکن عاقلہ نہ ہو تو اصل پر رہتی ہے اور خود قاتل پر دیت واجب ہوتی ہے

ترجمہ: ۲ یہ ذمی اس درجے میں ہے کہ دو مسلمان تاجر دار الحرب میں ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو قاتل کے مال میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا، اس لئے کہ دار الاسلام اس کی دیت نہیں دے گا، کیونکہ دار الاسلام کی نصرت سے قتل کی قدرت نہیں ہوئی ہے

تشریح: یہ مثال ہے، دو تاجر دار الحرب گئے اور وہاں ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو اس قاتل کے مال ہی میں دیت

بِنُصْرَتِهِمْ. ۳؎ وَلَا يَعْقِلُ كَافِرٌ عَنْ مُسْلِمٍ وَلَا مُسْلِمٌ عَنْ كَافِرٍ لِعَدَمِ التَّنَاصُرِ، ۴؎ وَالْكُفَّارُ يَتَعَاقَلُوْنَ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَإِنِ اخْتَلَفَ مِلَلُهُمْ، لِأَنَّ الْكُفْرَ كَلَّهُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ، ۵؎ قَالُوْا هٰذَا إِذَا لَمْ تَكُنِ الْمَعَادَاةُ فِيْمَا بَيْنَهُمْ ظَاهِرَةً، إِمَّا إِذَا كَانَتْ ظَاهِرَةً كَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى يَنْبَغِيْ اَنْ لَّا يَتَعَاقَلُوْنَ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ، وَهٰكَذَا عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لِإِنْقِطَاعِ التَّنَاصُرِ. ۶؎ وَلَوْ كَانَ الْقَاتِلُ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ وَلَهُ بِهَا عَطَاءٌ فَحُوِّلَ دِيْوَانُهُ إِلَى الْبَصْرَةِ ثُمَّ رُفِعَ إِلَى الْقَاضِيْ فَإِنَّهُ يَقْضِيْ بِالدِّيَةِ عَلٰى عَاقِلَتِهِ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ،

واجب ہوگی

وجه: کیونکہ دارالاسلام اس کی دیت ادانہیں کرے گا، کیونکہ یہ قتل دارالاسلام میں نہیں ہوا ہے، اور یوں نہیں کہا جا سکتا ہے کہ دارالاسلام کی نصرت سے قاتل کو قتل پر قدرت ہوئی ہے کیونکہ یہ قتل دارالاسلام میں نہیں ہوا ہے، اسی طرح ذمی کا عاقلہ نہ ہو تو خود اسی کے مال میں پوری دیت واجب ہوگی

ترجمه: ۳؎ کافر مسلمان کی دیت ادانہیں کرے گا، اور نہ مسلمان کافر کی دیت ادا کرے گا، کیونکہ ان کے آپس میں جنگ کی مدد نہیں ہے

تشریح: کافر اور مسلمان کے درمیان جنگ کا تناصر نہیں ہوتا ہے اس لئے نہ کافر مسلمان کی دیت ادا کرے گا، اور نہ مسلمان کافر کی دیت ادا کرے گا

ترجمه: ۴؎ اور کفار آپس میں ایک دوسرے کی دیت ادا کریں گے، چاہے انکا مذہب الگ الگ ہو، اس لئے کہ سب کفار کی ملت ایک ہے

تشریح: کفار چاہے، یہودی ہو، یا عیسائی ہو یا دوسرے مذہب کا ماننے والا ہو تو مجموعی طور پر سب کا مذہب کفر کا ہے اس لئے ایک ہی مذہب مانا جاتا ہے، اس لئے اگر یہ لوگ آپس میں تعاقل کرتے ہوں تو ایک دوسرے کی دیت ادا کریں گے

ترجمه: ۵؎ علماء نے فرمایا ہے کہ سب کافر ایک دوسرے کی دیت ادا کریں گے، یہ اس وقت ہے جبکہ انکے آپس میں ظاہری دشمنی نہ ہو، اور اگر آپس میں ظاہری دشمن ہے، جیسے یہودی اور عیسائی کے درمیان ظاہری دشمنی ہے تو مناسب یہی ہے کہ ایک دوسرے کی دیت ادانہیں کریں گے، حضرت امام ابو یوسفؒ سے اسی قسم کی روایت ہے اس لئے کہ آپس میں نصرت نہیں ہے

تشریح: دو مذہب کے درمیان آپس میں ظاہری دشمن ہو تو دیت ادانہیں کرے گا، اور ظاہری دشمنی نہیں ہے تو دیت ادا کرے گا، کیونکہ اب آپس میں تناصر ہے، امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہی ہے

ترجمه: ۶؎ اگر قاتل کوفہ میں رہنے والا ہے، اور وہاں سے اس کو عطیہ ملتا تھا، پھر اس کا دیوان بصرہ منتقل ہو گیا، اس کے بعد قاضی کے پاس مقدمہ گیا، تو بصرہ میں جو عاقلہ ہیں قاضی ان پر دیت کا فیصلہ کریں گے

ے وَقَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَقْضِيْ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، لِأَنَّ الْمُوْجِبَ هُوَ الْجِنَايَةُ وَقَدْ تَحَقَّقَتْ وَعَاقِلَتُهٗ أَهْلُ الْكُوْفَةِ، وَصَارَ كَمَا إِذَا حُوِّلَ بَعْدَ الْقَضَاءِ. ٨ وَلَنَا أَنَّ الْمَالَ إِنَّمَا يَجِبُ عِنْدَ الْقَضَاءِ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْوَاجِبَ هُوَ الْمِثْلُ وَبِالْقَضَاءِ يُنْتَقَلُ إِلَى الْمَالِ وَكَذَا الْوُجُوْبُ عَلَى الْقَاتِلِ وَتَتَحَمَّلُ عَنْهُ عَاقِلَتُهٗ، وَإِذَا كَانَ كَذٰلِكَ يَتَحَمَّلُ عَنْهُ مَنْ

اصول: اصل تو قاتل پر ہی دیت ہے، لیکن فیصلے کے بعد عاقلہ پر دیت واجب ہوگی، جو فیصلے کے بعد جہاں دیوان ہے اس دیوان والوں پر دیت ہوگی۔ جہاں جرم ہوا ہے وہاں کے عاقلہ دیت برداشت نہیں کریں گے

اصول: امام زفرؒ کا اصول یہ ہے کہ جہاں قتل ہوا ہے وہاں کے دیوان والے دیت ادا کریں گے، وہ مقام قتل کا اعتبار کرتے ہیں

تشریح: قاتل کوفہ میں رہتا تھا، اس کا نام بھی کوفہ کے دیوان میں تھا، اور وہیں قاتل نے قتل کیا تھا، لیکن اس کے بعد قاضی کے پاس مقدمہ دائر ہوا، اس وقت قاتل کا نام بصرہ کے دیوان میں ہو چکا تھا، تو قاضی کو یہ چاہئے کہ بصرہ کے دیوان والوں پر دیت کا فیصلہ کرے

وجہ: اصل تو قاتل ہی پر دیت تھی، یا قاتل ہی پر مثل تھی، لیکن قاضی کے فیصلے کے بعد عاقلہ پر دیت آئی ہے، اور فیصلے کے وقت قاتل کا نام بصرہ کے دیوان میں ہے اس لئے اہل بصرہ پر دیت ادا کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا

ترجمہ: ے اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ اہل کوفہ کے عاقلہ پر دیت ادا کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت یہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دیت کا اصل سبب جنایت ہے، اور وہ کوفہ میں ہوا ہے، اور اس وقت اس کا عاقلہ اہل کوفہ تھے (اس لئے اہل کوفہ پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا)، اور ایسا ہو گیا کہ فیصلہ کے بعد قاتل کا نام بصرہ کے دیوان میں آیا ہو (تو سبھی کے نزدیک اہل کوفہ پر ہی دیت کا فیصلہ کیا جائے گا)

تشریح: امام زفرؒ کا ابھی اصول گزرا کہ وہ جنایت کے مقام کا اعتبار کرتے ہیں، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ قتل کوفہ میں ہوا ہے اس لئے فیصلہ کرتے وقت چاہے اس کا دیوان بصرہ جا چکا ہے پھر بھی کوفہ والوں ہی پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ اگر فیصلہ کے بعد قاتل بصرہ منتقل ہوتا تو کوفہ والوں پر ہی فیصلہ ہونا تھا، اسی طرح فیصلہ سے پہلے بصرہ منتقل ہوا تب بھی کوفہ والوں پر ہی دیت کا فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ جنایت کوفہ ہی میں ہوئی ہے۔

ترجمہ: ٨ ہماری دلیل یہ ہے کہ دیت کا مال فیصلے کے وقت لازم ہوتا ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کیا کہ اصل میں قاتل پر مثل واجب ہے، اور فیصلے کے بعد مال کی طرف منتقل ہوتا ہے، ایسے ہی قاتل پر واجب ہوتا ہے اور اس سے عاقلہ برداشت کرتے ہیں، اور جب یہ بات ہے تو فیصلے کے وقت جو عاقلہ ہوں وہ برداشت کریں گے

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ فیصلے سے پہلے قاتل پر مثل واجب ہوتا ہے، یعنی قاتل نے مارا ہے تو قاتل کو مارو، اور فیصلے

يَّكُوْنُ عَاقِلَتُهُ عِنْدَ الْقَضَاءِ. ۹ بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْقَضَاءِ، لِأَنَّ الْوَاجِبَ قَدْ تَقَرَّرَ بِالْقَضَاءِ فَلَا يَنْتَقِلُ بَعْدَ ذٰلِكَ ۱۰ لٰكِنْ حِصَّةُ الْقَاتِلِ تُؤْخَذُ مِنْ عَطَائِهِ بِالْبَصْرَةِ، لِأَنَّهَا تُؤْخَذُ مِنَ الْعَطَاءِ وَعَطَاؤُهُ بِالْبَصْرَةِ. ۱۱ بِخِلَافِ مَا إِذَا قَلَّتِ الْعَاقِلَةُ بَعْدَ الْقَضَاءِ عَلَيْهِمْ حَيْثُ يُضَمُّ إِلَيْهِمْ أَقْرَبُ الْقَبَائِلِ فِي النَّسَبِ، لِأَنَّ فِي النَّقْلِ إِبْطَالُ حُكْمِ الْأَوَّلِ فَلَا يَجُوْزُ بِحَالٍ، وَفِي الضَّمِّ تَكْثِيْرُ الْمُتَحَمِّلِيْنَ لِمَا قُضِيَ بِهِ عَلَيْهِمْ فَكَانَ فِيْهِ تَقْرِيْرُ الْحُكْمِ الْأَوَّلِ لَا إِبْطَالُهُ، ۱۲ وَعَلٰى هٰذَا لَوْ كَانَ الْقَاتِلُ مَسْكَنُهُ بِالْكُوْفَةِ وَلَيْسَ لَهُ عَطَاءٌ فَلَمْ

کے بعد مال واجب ہوتا ہے اور عاقلہ کی طرف منتقل ہوتا ہے، اس لئے فیصلے کے وقت جو عاقلہ ہوں ان پر دیت واجب ہوگی، اور یہاں فیصلہ کے وقت بصرہ والے عاقلہ ہیں اس لئے بصرہ والوں پر دیت کا فیصلہ ہوگا

ترجمہ: ۹ بخلاف فیصلے کے بعد (تو منتقل نہیں ہوگا) اس لئے کہ فیصلے سے واجب ثابت ہو چکی ہے اس لئے اس کے بعد منتقل نہیں ہوگا

تشریح: یہ امام زفرؒ کو جواب ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ مقام جنایت کوفہ والوں پر فیصلہ ہو چکا ہو، پھر قاتل بصرہ آئے تو بصرہ کی طرف منتقل نہیں ہوتا ہے، ایسے ہی فیصلہ سے پہلے قاتل بصرہ منتقل ہو گیا ہو تو دیت منتقل نہیں ہوگی، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ فیصلہ کوفہ والوں پر ہو گیا تو اب اس پر دیت ثابت ہو چکی ہے اس لئے اب بصرہ والوں کی طرف منتقل نہیں ہوگا، ہاں فیصلہ کے وقت بصرہ والے موجود ہوں تو اب بصرہ ہی پر فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱۰ لیکن قاتل کا حصہ بصرہ کے عطیہ سے لیا جائے گا، اس لئے کہ یہ عطیہ سے لیا جاتا ہے، اور قاتل کا عطیہ اس وقت بصرہ میں ہے

تشریح: تین سال میں قاتل کے عطیے سے اس کے حصے کی دیت لی جائے گی تو وہ عطیہ بصرہ میں ہے اس لئے بصرہ کے عطیے سے دیت لی جائے گی

ترجمہ: ۱۱ بخلاف اگر کوفہ والوں پر فیصلہ کے بعد عاقلہ کم ہو جائے تو اس کے ساتھ نسب کے اعتبار سے قریب کے قبائل کو ملایا جائے گا، اس لئے کہ منتقل کرنے میں پہلے حکم کو باطل کرنا ہے اس لئے کسی حال میں جائز نہیں ہے، اور پہلے عاقلہ کے ساتھ ملانے میں برداشت کرنے والوں کو زیادہ کرنا ہے جو ان پر فیصلہ ہوا ہے، تو پہلے حکم کو مزید مقرر کرنا ہے اس کو باطل کرنا نہیں ہے

تشریح: کوفہ والوں پر فیصلہ ہو چکا تھا لیکن عاقلہ کم رہا اس لئے عاقلہ میں اضافہ کیا تو یہ ضم اور ملانا ہوا اور عاقلہ میں اضافہ کرنا ہوا اور پہلے حکم کو مقرر کرنا ہوا اس کو باطل کرنا نہیں ہوا اس لئے یہ جائز ہے، لیکن اگر کوفہ والوں پر دیت کا فیصلہ کیا گیا، پھر وہاں سے منتقل کر کے بصرہ والوں پر فیصلہ کیا تو یہ پہلے حکم سے منتقل ہونا ہوا، اور پہلے حکم کو باطل کرنا ہوا اس لئے یہ جائز نہیں ہوگا

ترجمہ: ۱۲ اسی قاعدہ پر (کہ کوفہ والوں پر فیصلہ ہو چکا تھا پھر بصرہ منتقل ہوا تو کوفہ والوں پر ہی دیت ہوگی، اور کوفہ میں قتل

يُقْضَ عَلَيْهِ حَتَّى اِسْتَوْطَنَ الْبَصْرَةَ قُضِيَ بِالدِّيَةِ عَلَى أَهْلِ الْبَصْرَةِ، وَلَوْ كَانَ قُضِيَ بِهَا عَلَى أَهْلِ الْكُوْفَةِ لَمْ يَنْتَقِلْ عَنْهُمْ. ۱۳ وَكَذَا الْبَدَوِيُّ إِذَا أُلْحِقَ بِالدِّيْوَانِ بَعْدَ الْقَتْلِ قَبْلَ الْقَضَاءِ يُقْضَى بِالدِّيَةِ عَلَى أَهْلِ الدِّيْوَانِ، وَبَعْدَ الْقَضَاءِ عَلَى عَاقِلَتِهِ بِالْبَادِيَةِ لَا يَتَحَوَّلُ عَنْهُمْ. ۱۴ وَهٰذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ قُضِيَ بِالدِّيَةِ عَلَيْهِمْ فِي أَمْوَالِهِمْ فِي ثَلَاثِ سِنِيْنَ ثُمَّ جَعَلَهُمُ الْإِمَامُ فِي الْعَطَاءِ حَيْثُ تَصِيْرُ الدِّيَةُ فِي عَطِيَّاتِهِمْ، وَإِنْ كَانَ قُضِيَ بِهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ فِي أَمْوَالِهِمْ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيْهِ نَقْضُ

کے بعد ابھی فیصلہ نہیں ہوا تھا اور بصرہ منتقل ہوا تو اب فیصلے کے وقت بصرہ والوں پر ہی فیصلہ کیا جائے گا) اگر قاتل کا مسکن کوفہ تھا، لیکن اس کا کوئی عطیہ ہی نہیں تھا اس لئے دیت کا ابھی فیصلہ نہیں کیا گیا تھا، یہاں تک کہ بصرہ وطن بنالیا تو اب بصرہ والوں پر فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر کوفہ والوں پر دیت کا فیصلہ کیا جا چکا تو اب کوفہ والوں سے منتقل نہیں ہوگا

اصول: عطیہ نہ ہونے کی وجہ سے ابھی فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ جگہ بدل گئی پھر وہاں عطیہ ہوا تو اب عطیہ کی جگہ پر دیت کا فیصلہ ہوگا۔ اور اگر ایک جگہ کے لوگوں پر دیت کا فیصلہ ہو چکا اس کے بعد جگہ بدلی تو اب منتقل ہوکر دوسری جگہ والوں پر دیت کا فیصلہ نہیں ہوگا

تشریح: اوپر کے اصول پر یہاں سے تین مسئلے بیان کر رہے ہیں۔۱۔ پہلا مسئلہ: آدمی کوفہ میں رہتا تھا، وہاں قتل کیا، لیکن ابھی تک کوئی عطیہ نہیں ملتا تھا، اس لئے قاضی نے دیت کا فیصلہ نہیں کیا، اب بصرہ منتقل ہوا اور اب فیصلہ ہوا تو چونکہ فیصلہ کے وقت بصرہ میں ہے اس لئے بصرہ والوں پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر کوفہ والوں پر دیت کا فیصلہ کیا جا چکا ہوتا پھر بصرہ منتقل ہوتا تو اب وہاں سے منتقل ہوکر بصرہ والوں پر دیت لازم نہیں ہوگی

ترجمہ: ۱۳ اسی اصول پر یہ ہے کہ قتل کے بعد، اور فیصلہ سے پہلے دیہاتی دیوان کے ساتھ منسلک ہوا، تو اب دیوان والوں پر دیت کا فیصلہ ہوگا، اور اگر دیہات کے عاقلہ پر فیصلہ ہو چکا تھا تو ان سے اب منتقل نہیں ہوگا

تشریح: ۔۲۔ یہ دوسرا مسئلہ ہے: دیہاتی آدمی تھا اس کا دیوان میں کھاتا نہیں تھا قتل کے بعد فیصلے سے پہلے دیوان کے ساتھ منسلک ہوا تو اب جو فیصلہ ہوگا وہ دیوان والوں پر دیت کا فیصلہ ہوگا، اور اگر دیہاتی کے نسبی عاقلہ پر فیصلہ ہو چکا تھا، اس کے بعد عطیہ میں نام آیا تو اب نسبی عاقلہ ہی پر فیصلہ رہے گا، وہاں سے منتقل نہیں ہوگا، کیونکہ فیصلہ ہو چکا ہے

ترجمہ: ۱۴ اس کے خلاف ایک اور مسئلہ ہے۔ دیہات کا آدمی قاتل تھا، اس کے مال میں تین سال میں پوری دیت کے وصول کرنے کا فیصلہ ہوا پھر امام نے اس کے لئے عطیہ کر دیا تو اب دیت اس کے عطیہ سے لیا جائے گا، اگر چہ پہلے اس کے مال سے لینے کا فیصلہ کیا جا چکا تھا، اس لئے اس میں پہلے فیصلے کو توڑنا نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے مال میں دیت لینے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور عطیہ بھی اسی کا مال ہے، یہ اور بات ہے کہ دیت آسان مال سے ادا کیا جائے گا اور عطیہ سے ادا کرنا آسان ہے اگر وہ عطیہ والا ہو

الْقَضَاءِ الْأَوَّلِ، لِأَنَّهُ قُضِيَ بِهَا فِي أَمْوَالِهِمْ وَعَطِيَّاتُهُمْ أَمْوَالُهُمْ غَيْرَ أَنَّ الدِّيَّةَ تُقْضٰى مِنْ أَيْسَرِ الْأَمْوَالِ أَدَاءً، وَالْأَدَاءُ مِنَ الْعَطَاءِ أَيْسَرُ إِذَا صَارُوْا مِنْ أَهْلِ الْعَطَاءِ ۱۵ إِلَّا إِذَا لَمْ يَكُنْ مَالُ الْعَطَاءِ مِنْ جِنْسِ مَا قُضِيَ بِهِ عَلَيْهِ بِأَنْ كَانَ الْقَضَاءُ بِالْإِبِلِ، وَالْعَطَاءُ دَرَاهِمُ فَحِيْنَئِذٍ لَا تَتَحَوَّلُ إِلَى الدَّرَاهِمِ أَبَدًا لِمَا فِيْهِ مِنْ إِبْطَالِ الْقَضَاءِ الْأَوَّلِ لٰكِنْ يُقْضٰى ذٰلِكَ مِنْ مَالِ الْعَطَاءِ، لِأَنَّهُ أَيْسَرُ.

(۹۴۱) قَالَ وَعَاقِلَةُ الْمُعْتَقِ قَبِيْلَةُ مَوْلَاهُ، ۱ لِأَنَّ النُّصْرَةَ بِهِمْ وَيُؤَيِّدُ ذٰلِكَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَوْلَى

تشریح: دیہات کا قاتل تھا اس کا دیوان میں نام نہیں تھا، اور نہ کوئی عاقلہ تھا جس کی وجہ سے خود اسی کے مال میں پوری دیت وصول کرنے کا فیصلہ کیا گیا، بعد میں اس کو عطیہ ملنے لگا تو اب یہ پوری دیت اس کے عطیہ سے لیا جائے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ خود کا مال بھی اس کا مال ہے، اور عطیہ بھی اسی کا مال ہے، البتہ عطیہ کے مال سے لینا آسان ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ دیت آسان مال سے لیا جاتا ہے اس لئے اب عطیہ کے مال ہی سے لیا جائے گا

ترجمہ: ۱۵ لیکن جس مال میں دیت ادا کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے عطیہ میں وہ مال نہیں ملتا ہے، مثلا دیت میں ایک سو اونٹ دینے کا فیصلہ ہوا اور عطیہ میں درہم ملتا ہے، تو اب فیصلہ اونٹ سے درہم کی طرف کبھی منتقل نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس میں پہلے فیصلے کو باطل کرنا ہوگا، لیکن عطیہ کے مال سے اونٹ خرید کر اونٹ ادا کیا جائے گا، اس لئے کہ یہ آسان ہے

تشریح: یہ ایک دوسرا نکتہ ہے، قاضی نے قاتل پر ایک سو اونٹ ادا کرنے کا فیصلہ کیا، اور عطیہ میں اونٹ نہیں ملتا ہے، بلکہ درہم ملتا ہے تو اب قاضی اپنا فیصلہ بدل کر درہم کا فیصلہ نہیں کرے گا، کیونکہ اس میں پہلے فیصلے کو باطل کرنا ہوگا، بلکہ دیت میں اونٹ ہی دینا ہوگا، اور اس کی صورت یہ کرے کہ عطیہ کے درہم سے اونٹ خریدے اور اونٹ ادا کر دے، یہ آسان صورت ہے

ترجمہ: (۹۴۱) آزاد شدہ کا عاقلہ اس کے آقا کا قبیلہ ہے

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ آزاد کرنے والے کے قبیلے سے نصرت حاصل ہوتی ہے، اور اس کی تائید ہوتی ہے، حضورؐ کا قول مولی القوم منھم، کسی قوم کا آزاد شدہ غلام ہو تو وہ اسی قوم کا فرد ہے

لغت: مولی: مولی دو قسم کے ہوتے ہیں آقا نے غلام کو آزاد کیا، تو یہ آقا آزاد شدہ غلام کا مولی عتاقہ ہے۔۔ دوسرا یہ ہے کہ دو اجنبی آدمی ہیں ایک نے دوسرے سے جنگ میں نصرت اور مدد کرنے کی قسم کھائی اور عہد و پیمان کیا تو یہ دونوں ایک دوسرے کے مولی ہیں، لیکن یہ مولی الموالاۃ، کہلاتے ہیں

تشریح: جو غلام آزاد ہو گیا اب اس کے خاندان کا کوئی نہیں ہے صرف آزاد کرنے والا آقا اور اس کا قبیلہ ہے تو اس آزاد شدہ غلام کا عاقلہ آقا اور آقا کا قبیلہ ہوگا۔ اور وہی لوگ قتل خطا کی دیت ادا کریں گے۔

وجہ: حدیث میں ہے کہ آقا اور اس کا قبیلہ ہی آزاد شدہ غلام کا عاقلہ ہے اور وہ غلام آقا ہی کے قبیلے میں شمار ہوگا۔ صاحب

الْقَوْمِ مِنْهُمْ.

(۹۴۲) قَالَ وَمَوْلَى الْمَوَالَاةِ يَعْقِلُ عَنْهُ مَوْلَاهُ وَقَبِيْلَتُهُ، لِ لِأَنَّهُ وَلَاءٌ يُتَنَاصَرُ بِهِ فَأَشْبَهَ وَلَاءَ الْعِتَاقَةِ، ٢ وَفِيْهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ وَقَدْ مَرَّ فِي الْوَلَاءِ.

ہدایہ حدیث یہ ہے۔ **عن ابن ابی رافع عن ابی رافع ان النبی ﷺ بعث رجلا علی الصدقة من بن مخزوم فقال لابی رافع اصحبنی فانک تصیب منها قال حتی اتی النبی ﷺ فاساله فاتاه فسأله فقال مولی القوم من انفسهم وانا لا تحل لنا الصدقة** (ابوداؤد شریف، باب الصدقۃ علی بنی ہاشم ص۲۴۰ نمبر۱۶۵۰ر بخاری شریف، باب مولی القوم من انفسھم وابن الاخت منھم ص۹۹۹ نمبر۶۷۶۱) (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ آزاد شدہ غلام کا اب کوئی خاندان نہیں ہے اس لئے اس کی نصرت اور مدد اسی آقا کے قبیلے کے ساتھ ہے، اس لئے اس حادثے کے وقت یہی قبیلہ والے اس کی دیت خطاء ادا کریں گے

ترجمہ: (۹۴۲) مولی الموالاۃ کا مولی اور اس کے قبیلہ والے مولی الموالاۃ کی دیت ادا کریں گے

ترجمہ: لِ اس لئے کہ یہ بھی ولاء ہے اور جنگ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، اس لئے مولی عتاقہ کی طرح ہو گیا

تشریح: وہ لوگ جو دوسری قوم سے عہد و پیمان کر لیتے ہیں کہ میں جنایت کروں تو تم اس کی دیت ادا کرنا اور تم جنایت کرو تو میں اس کی دیت ادا کروں گا اس کو مولی موالات کہتے ہیں۔ پس اگر اس نے قتل خطا کی تو اس کی دیت مولی موالات ادا کریں گے۔

وجہ: (۱) کیونکہ مولی موالات اس کا قبیلہ اور خاندان ہو گیا۔ اس لئے مولی موالات اور اس کا قبیلہ دیت ادا کریں گے (۲) قول تابعی میں ہے۔ **عن ابراهیم فی الرجل یوالی الرجل فیسلم علی یدیه قال یعقل عنه ویرثه** (مصنف عبد الرزاق، باب النصرانی یسلم علی ید رجل ج تاسع ص ۳۹ نمبر ۱۶۲۷۲) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ مولی موالات اور اس کا قبیلہ دیت ادا کریں گے۔ اور کوئی ذی رحم محرم نہ ہو تو وارث بھی ہوں گے (۳) حدیث میں بھی ہے۔ **عن تمیم الداری رفعه قال هو اولی الناس بمحیاه ومماته** (بخاری شریف، باب اذا اسلم علی یدیہ، ص۱۰۰۰، نمبر ۶۷۵۷) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مولی موالات زندگی اور موت کے بعد غم اور خوشی میں ساتھ دیں گے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اپنے خاندان کا کوئی آدمی نہ ہو تو وہ دیت ادا کریں گے۔

ترجمہ: ٢ اور اس بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، اور ولاء کی بحث میں گزر چکا ہے

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ مولی الموالاۃ، عہد و پیمان کرنے سے مولی نہیں بنے گا، اور اس سے دیت کا ادا کرنا لازم نہیں ہوگا۔ پوری تفصیل کتاب الولاء میں گزر چکی ہے

(۹۴۳) قَالَ وَلَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ أَقَلَّ مِنْ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ وَتَتَحَمَّلُ نِصْفَ الْعُشْرِ فَصَاعِدًا، ﴿١﴾ وَالْأَصْلُ فِيهِ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَوْقُوفًا عَلَيْهِ مَرْفُوعًا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَا تَعْقِلُ الْعَوَاقِلُ عَمَدًا وَلَا عَبْدًا وَلَا صُلْحًا وَلَا اِعْتِرَافًا وَلَا مَا دُوْنَ اَرْشِ الْمُوْضِحَةِ وَاَرْشُ الْمُوْضِحَةِ نِصْفُ عُشْرِ بَدْلِ النَّفْسِ،

ترجمه: (۹۴۳) عاقلہ نہیں برداشت کریں گے دیت کے بیسواں حصے سے کم کا اور برداشت کریں گے بیسواں حصہ یا اس سے زیادہ کا اور جو اس سے کم ہو وہ قصوروار کے مال میں ہے۔

ترجمه: ﴿١﴾ اصل اس بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے جو موقوفا بھی ہے، اور حضورؐ تک مرفوعا بھی ہے عاقلہ قتل عمد کی دیت نہیں دیتے، اور نہ غلام کی اور نہ صلح کی اور نہ اعتراف کی اور نہ موضحہ کی ارش سے کم کی، اور موضحہ کا ارش جان کے بدل کا بیسواں حصہ ہے

لغت: الموضحہ: وضح سے مشتق ہے، سر پر ایسا زخم جس سے اندر کی ہڈی نظر آتی ہو اور واضح ہوتی ہو، اس کو موضحہ زخم، کہتے ہیں، اس میں پوری دیت سو اونٹ کا بیسواں حصہ یعنی پانچ اونٹ دیت ہے

اصول: پوری دیت دس درہم کا بیسواں حصہ سے کم دیت ہو تو وہ قاتل ادا کرے گا، عاقلہ اس کو ادا نہیں کریں گے

تشریح: قتل خطا وغیرہ کی پوری دیت جو دس ہزار درہم ہے اس کا بیسواں حصہ لازم ہوتی ہو تو وہ عاقلہ پر ہوگی یعنی پانچ سو درہم یا اس سے زیادہ لازم ہوتے ہوں تو عاقلہ برداشت کر سکتے ہیں۔ اور اگر ایسا قتل خطا ہے جس میں بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم سے کم دیت لازم ہوتی ہو تو وہ عاقلہ برداشت نہیں کریں گے خود جنایت کرنے والے کو دینا ہوگا۔ پھر صاحب ھدایہ نے اس کے لئے حضرت ابن عباسؓ کا قول، اور ان سے مرفوعا حدیث پیش کی ہے کہ قتل عمد کیا ہو تو اس کی دیت عاقلہ ادا نہیں کریں گے۔ غلام آزاد کو قتل کر دے تو اس کی دیت غلام کا آقا یا اس کا قبیلہ ادا نہیں کریں گے، بلکہ خود غلام پر اس کی دیت لازم ہوگی، قاتل نے دیت پر صلح کی ہو تو یہ دیت عاقلہ ادا نہیں کریں گے، اور موضحہ زخم سے کم دیت ہو تو یہ دیت بھی عاقلہ ادا نہیں کریں گے

وجه: (۱) صاحب ھدایہ کا قول تابعی یہ ہے جس میں ہے کہ عاقلہ بیسویں حصے سے کم کی دیت برداشت نہیں کریں گے، اس سے زیادہ کا کریں گے۔ عن ابن عباس قال لا تعقل العاقلة عمدا ولا صلحا ولا اعترافا ولا ما جنى المملوك (سنن للبیہقی، باب من قال لاتحمل العاقلة عمدا ولا عبدا ولا صلحا ولا اعترافا ج ثامن، ص ۱۸۲، نمبر ۱۶۳۶۰) (۲) عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: »لَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ مَا دُونَ الْمُوضِحَةِ، وَلَا تَعْقِلُ الْعَمْدَ، وَلَا الصُّلْحَ، وَلَا الِاعْتِرَافَ (مصنف عبد الرزاق، باب عقوبۃ القاتل، نمبر ۱۷۸۱۵) (۳)۔ عَنْ سُفْيَانُ: »مَا دُونَ الْمُوضِحَةِ فَهُوَ عَلَى الَّذِي أَصَابَ، وَالْمُوضِحَةُ فَمَا فَوْقَهَا عَلَى الْعَاقِلَةِ، وَقَضَى عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بِالْمُوضِحَةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ (مصنف عبد الرزاق، باب عقوبۃ القاتل، نمبر ۱۷۸۱۷)

۲ وَلِأَنَّ التَّحَمُّلَ لِلتَّحَرُّزِ عَنِ الْإِجْحَافِ، وَلَا إِجْحَافَ فِي الْقَلِيلِ وَإِنَّمَا هُوَ فِي الْكَثِيرِ، وَتَقْدِيرُ الْفَاصِلِ عُرِفَ بِالسَّمْعِ.

(۹۴۴) قَالَ وَمَا نَقَصَ مِنْ ذٰلِكَ يَكُونُ فِي مَالِ الْجَانِي ، ۱ وَالْقِيَاسُ فِيهِ التَّسْوِيَةُ بَيْنَ الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ فَيَجِبُ الْكُلُّ عَلَى الْعَاقِلَةِ كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَالتَّسْوِيَةُ فِي أَنْ لَّا يَجِبَ عَلَى الْعَاقِلَةِ شَيْءٌ إِلَّا أَنَّا تَرَكْنَاهُ بِمَا رَوَيْنَاهُ ۲ وَبِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْجَبَ أَرْشَ الْجَنِينِ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَهُوَ نِصْفُ عُشْرِ بَدَلِ الرَّجُلِ عَلٰى مَا مَرَّ فِي الدِّيَاتِ فَمَا دُونَهُ يُسْلَكُ بِهِ

اورموضحہ زخم کی دیت پانچ اونٹ ہے،تو سواونٹ میں سے پانچ اونٹ دیت کا بیسواں حصہ ہوا،موضحہ زخم کے لئے حدیث یہ ہے۔عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: »فِي الْمَوَاضِحِ خَمْسٌ خَمْسٌ«(ترمذی شریف،باب ماء فی الموضحۃ،نمبر۱۳۹۰)

ترجمہ: ۲ اورعاقلہ دیت اس لئے برداشت کرتے ہیں کہ بربادی سے بچے،اورتھوڑی دیت میں بربادی نہیں ہے،زیادہ دیت میں بربادی ہے،اورکتنی دیت میں بربادی ہےاورکتنی میں نہیں اس کا اندازہ سمع یعنی قول صحابی سے پتہ چل گیا

تشریح: بڑی دیت عاقلہ برداشت کرےاس کی وجہ یہ تھی کہ بڑی دیت قاتل برداشت کرےتو وہ کنگال ہوجائے گا،اس لئے اس کو عاقلہ برداشت کریں گے،اورچھوٹی دیت سے کنگال نہیں ہوگا اس لئے اس کو قاتل برداشت کرے گا،اورکون سی دیت چھوٹی ہےاس کا اندازہ اوپر کےقول تابعی سے ہوا۔سمع کا ترجمہ ہےحدیث سے یاقول صحابی سےسن کرمتعین کیا

ترجمہ: (۹۴۴)اورجودیت بیسویں حصے سےکم ہووہ جنایت کرنے والے کے مال میں سے ہوگا

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ۱ اورقیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ چاہے تھوڑی دیت ہو یازیادہ ہودونوں میں برابر ہے،اس لئے یاتودونوں ہی عاقلہ پرواجب ہوں،جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے،یابرابری یہ ہو کہ عاقلہ پرکچھ بھی واجب نہ ہو(چاہے دیت کم ہو یازیادہ)، لیکن ہم نےاوپر کی روایت کی وجہ سے قیاس چھوڑ دیا ہے

تشریح: قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ دیت کم ہو یازیادہ دونوں صورتوں میں عاقلہ پرواجب ہو،یادونوں صورتوں میں عاقلہ پر واجب نہ،لیکن چونکہ اوپرروایت گزری کہ کم دیت عاقلہ پرنہیں ہوگی،اورزیادہ دیت ہوتو عاقلہ پرہوگی،اس روایت کی وجہ سے ہم نے اپنا قیاس چھوڑ دیا ہے

ترجمہ: ۲ یااس روایت کی وجہ سے قیاس چھوڑ دیا ہے کہ حضورؐ نے جنین(پیٹ کے بچے مارنے پر)عاقلہ پردیت واجب کی ہےاوروہ مرد کی دیت کا بیسواں حصہ ہے،جیسا کہ دیت کے باب میں گزرا،اس لئے اس سے جو کم دیت ہوتو اس میں مال

مَسْلَكَ الْأَمْوَالِ، لِأَنَّهُ يَجِبُ بِالتَّحْكِيمِ كَمَا يَجِبُ ضَمَانُ الْمَالِ بِالتَّقْوِيمِ فَلِهٰذَا كَانَ فِيْ مَالِ الْجَانِيْ أَخْذًا بِالْقِيَاسِ.

(۹۴۵) قَالَ وَلَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ جِنَايَةَ الْعَبْدِ وَلَا مَا لَزِمَ بِالصُّلْحِ أَوْ بِاعْتِرَافِ الْجَانِيْ لِمَا رَوَيْنَاهُ،

کے حکم کے طریقے پر چلیں گے اس لئے کہ مال حاکم کے فیصلے سے واجب ہوتا ہے، جیسے کہ مال کا ضمان حاکم کے فیصلے سے لازم ہوتا ہے، اس لئے جرم کرنے والے کے مال میں لازم ہوگا قیاس کو لیتے ہوئے

تشریح: حضورؐ نے حضرت ہذیل کی روایت میں پیٹ کے بچے کو مارا تو پوری دیت کا بیسواں حصہ، غلام یا باندی لازم کی جس کی قیمت پانچ سو درہم تھی، جس سے معلوم ہوا کہ دیت بیسواں حصہ ہو تو عاقلہ پر لازم ہوگا، اور جو اس سے کم ہو اس میں حاکم کا فیصلہ چلتا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ حاکم کے فیصلے سے جو مال لازم ہوتا ہے اور جرم کرنے والے کے مال میں لازم ہوتا ہے، اس لئے یہاں بھی جرم کرنے والے کے مال میں لازم ہوگا

وجہ: حضرت ہذیل والی روایت یہ ہے کہ جس میں پیٹ کے بچے کے مارنے سے غرہ لازم کیا ہے۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ امْرَأَتَيْنِ مِنْ هُذَيْلٍ، رَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى فَطَرَحَتْ جَنِيْنَهَا، فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا بِغُرَّةٍ، عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ« (بخاری شریف، باب جنین المراۃ نمبر ۶۹۰۴)(۲) اور غرہ کی قیمت پانچ سو درہم ہو اس کے لئے یہ روایت ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ غلام یا باندی کی قیمت پانچ سو درہم ہو جو پوری دیت دس درہم کا بیسواں حصہ ہوتا ہے۔ قَالَ: فِيْنَا رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: حَمَلُ بْنُ مَالِكٍ،..... فِيْهِ غُرَّةٌ: عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ، أَوْ خَمْسُمِائَةٍ أَوْ فَرَسٌ، أَوْ عِشْرُوْنَ وَمِئَةُ شَاةٍ (طبرانی کبیر، باب فی الدیۃ، نمبر ۵۱۴)

ترجمہ: (۹۴۵) عاقلہ دیت نہیں دیں گے غلام کی جنایت کا۔ اور نہ وہ دیت جو صلح سے لازم ہوئی ہو، اور نہ وہ دیت جو مجرم کے اقرار سے لازم ہوئی ہے

ترجمہ: ۱؎ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے پہلے روایت کی ہے

تشریح: یہاں چار مسئلے ہیں۔ ا۔ پہلا مسئلہ۔ غلام ابھی آزاد نہیں ہوا ہو بلکہ کسی کا غلام ہی ہو ایسی حالت میں قتل خطاء کی تو اس کی دیت غلام کی قیمت کے حساب سے ہوگی۔ اور خود آقا کو اختیار ہوگا کہ غلام کو جنایت والے کے حوالے کر دے یا آقا اس کی دیت دیکر غلام رکھ لے۔ تاہم آقا یا آقا کے خاندان والے اس کی دیت ادا نہیں کریں گے۔ غلام آزاد ہو جائے تب آقا کے خاندان اس کی دیت ادا کریں گے۔ ۲۔ دوسرا مسئلہ۔ قاتل پر قصاص واجب تھا لیکن اس نے مال پر صلح کر لی تو یہ مال عاقلہ پر واجب نہیں ہوگا۔ ۳۔ تیسرا مسئلہ۔ مجرم پر حاکم کے فیصلے سے دیت واجب نہیں ہوئی بلکہ اس نے جرم کا اقرار کیا جس کی وجہ سے دیت واجب ہوئی تو یہ دیت بھی عاقلہ ادا نہیں کریں گے

۲ وَلِأَنَّهُ لَا تَنَاصُرَ بِالْعَبْدِ، وَالْإِقْرَارُ وَالصُّلْحُ لَا يُلْزِمَانِ الْعَاقِلَةَ لِقُصُورِ الْوِلَايَةِ عَنْهُمْ

(۹۴۶) قَالَ إِلَّا أَنْ يُصَدِّقُوهُ، ۱ لِأَنَّهُ ثَبَتَ بِتَصَادُقِهِمْ، وَالْامْتِنَاعُ كَانَ لِحَقِّهِمْ وَلَهُمْ وِلَايَةٌ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ.

(۹۴۷) وَمَنْ أَقَرَّ بِقَتْلِ خَطَاءٍ وَلَمْ يَرْفَعُوا إِلَى الْقَاضِيْ إِلَّا بَعْدَ سِنِيْنَ قَضِيَ عَلَيْهِ بِالدِّيَةِ فِيْ مَالِهٖ فِيْ ثَلَاثِ

وجه: قول صحابی میں ہے۔عن ابن عباس قال لا تعقل العاقلة عمدا و لا صلحا و لا اعترافا و لا ما جنی المملوک (سنن للبیہقی، باب من قال لاتحمل العاقلة عمداولاعبدولاصلحاولا اعترافاج ثامن،ص ۱۸۲،نمبر ۱۶۳۶۰)اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ غلام جنایت کرے تو اس کی دیت آقا کے عاقلہ پر نہیں ہے۔اسی طرح قاتل کسی چیز کا اعتراف کرے تو وہ بھی قاتل کے عاقلہ پر نہیں ہے۔اور قاتل پر قصاص تھا اس نے مال پر صلح کر لی تو یہ دیت بھی قاتل کے عاقلہ پر نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲ دوسری وجہ یہ ہے کہ غلام سے جنگ میں نصرت نہیں ہوتی ہے،اور قاتل اقرار کر لے، یا صلح کر لے تو اس سے عاقلہ کو لازم نہیں ہوگا،ان کے اوپر ولایت کے قصور کی وجہ سے

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے،غلام اپنے آقا کی وجہ سے جنگ میں مدد نہیں کرسکتا ہے،اس لئے وہ قتل خطاء کرے تو اس کی دیت عاقلہ ادا نہیں کرے گا۔دوسرا مسئلہ ہے کہ قاتل قتل کا اقرار کرلے تو یہ دیت عاقلہ پر لازم نہیں ہوگی، کیونکہ قاتل کی ولایت عاقلہ پر نہیں ہے، یہ تو حدیث کی بنا پر عاقلہ پر دیت لازم ہوئی، ورنہ ان پر دیت لازم نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ انہوں نے قتل نہیں کیا ہے،اسی طرح قاتل صلح کرلے تو یہ دیت بھی عاقلہ پر لازم نہیں ہوگی

ترجمہ: (۹۴۶) مگر یہ کہ باقی لوگ اس کی تصدیق کریں۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ عاقلہ کی تصدیق کرنے سے اب ان پر بھی دیت ثابت ہوگئی،اور امتناع خود عاقلہ کے حق کی وجہ سے تھا،اور عاقلہ کو اپنے اوپر ولایت ہے(اس لئے اگر وہ لوگ تصدیق کر دیں تو اب عاقلہ پر دیت ادا کرنا لازم ہو جائے گا)

تشریح: قاتل کسی مال کا اعتراف کرتا ہے کہ مقتول کا اتنا مال میرے ذمے ہے تو یہ بھی قاتل کے عاقلہ ادا نہیں کریں گے۔ہاں! اگر عاقلہ اس کی تصدیق کریں کہ واقعی مقتول کا اتنا مال تمہارے ذمے ہے اور ہم لوگ اس کو خوشی سے ادا کریں گے تو ادا کرسکتے ہیں۔کیونکہ یہ ان کا مال ہے اور اپنا مال کہیں بھی خرچ کرسکتے ہیں۔

وجه: (۱)اوپر قول صحابی گزر چکا ہے۔ولا اعترافا (۲)خوشی سے دینے کے لئے یہ قول تابعی ہے۔ثنا ابن ابی الزناد عن ابیه عن الفقهاء من اهل المدینة کانوا یقولون لا تحمل العاقلة ما کان عمدا و لا بصلح و لا اعتراف و لا ما جنی المملوک الا ان یحبوا ذلک طولا منهم (سنن للبیہقی، باب من قال لاتحمل العاقلة عمداولاعبداولاصلحا ولا اعترافاج ثامن،ص ۱۸۲،نمبر ۱۶۳۶۴)

ترجمہ: (۹۴۷) کسی نے قتل خطاء کا اقرار کیا،لیکن قاضی کے پاس تین سال کے بعد مقدمہ لے گیا تو اس کے مال میں

سِنِيْنَ مِنْ يَوْمٍ يُقْضٰى، ل لِأَنَّ التَّاجِيْلَ مِنْ وَقْتِ الْقَضَاءِ فِي الثَّابِتِ بِالبَيِّنَةِ فَفِي الثَّابِتِ بِالْإِقْرَارِ أَوْلٰى.

(۹۴۸) وَلَوْ تَصَادَقَ الْقَاتِلُ وَوَلِيُّ الْجِنَايَةِ عَلٰى أَنَّ قَاضِيَ بَلَدٍ كَذَا قَضٰى بِالدِّيَةِ عَلٰى عَاقِلَتِهِ بِالْكُوْفَةِ بِالْبَيِّنَةِ وَ كَذَّبَهُمَا الْعَاقِلَةُ فَلَا شَيْءَ عَلَى الْعَاقِلَةِ، ل لِأَنَّ تَصَادُقَهُمَا لَيْسَ بِحُجَّةٍ عَلَيْهِمْ

(۹۴۹) وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِيْ مَالِهِ،

دیت کا فیصلہ کیا جائے گا اور فیصلے کے دن سے اگلے تین سال تک دیت لی جائے گی

ترجمہ: ل اس لئے کہ گواہوں کے ذریعہ سے دیت ثابت ہو تو فیصلے کے بعد سے تاخیر ہوتی ہے، تو اقرار سے ثابت ہو تو بدرجہ اولی فیصلے کے بعد سے دیت لی جائے گی

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ صرف اقرار سے دیت کا تعین نہیں ہوگا، بلکہ قاضی کے فیصلے کے بعد سے دیت کا تعین ہو گا، اور فیصلے کے بعد تین سال تک قاتل کے مال سے دیت لی جائے گی

تشریح: قاتل نے قتل کا اقرار کیا، لیکن قاضی کے پاس جانے میں تاخیر کی اور تین سال کے بعد قاضی کے پاس مقدمہ لے گیا، تو یہاں دو باتیں ہوں گی، ایک تو یہ کہ اقرار کیا ہے اس لئے عاقلہ پر اس کی دیت نہیں ہوگی، بلکہ خود قاتل کے مال میں دیت ہوگی۔ اور دوسری بات یہ کہ اقرار کے وقت سے دیت ادا کرنا لازم نہیں ہوگا، بلکہ جب قاضی دیت کا فیصلہ کرے گا، اس کے بعد سے تین سال میں دیت قاتل سے وصول کی جائے گی۔

وجہ: (۱) قاضی کے فیصلہ کے بعد دیت لازم ہوتی ہے اس سے پہلے نہیں۔ (۲) بینہ اور گواہ مضبوط چیز ہے اس میں قاضی کے فیصلے کے بعد دیت لازم ہوتی ہے، تو اقرار جو کم درجے کا ہے اس میں بھی قاضی کے فیصلہ کے بعد دیت دینا لازم ہوگا، اقرار کے وقت سے نہیں۔

ترجمہ: (۹۴۸) اگر قاتل اور مقتول کے ولی نے تصدیق کر دی کہ قاضی نے گواہ کے ذریعہ فلاں شہر، (مثلا کوفہ میں) اس کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا ہے، اور قاتل کے عاقلہ نے دونوں کی تکذیب کر دی تو عاقلہ پر کچھ نہیں ہوگا

ترجمہ: ل، اس لئے کہ دونوں کی تصدیق عاقلہ پر حجت نہیں ہے

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ خود قاضی عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کرے تو عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے، یہاں قاضی نے دستخط کے ساتھ عاقلہ پر فیصلہ نہیں کیا ہے بلکہ مقتول کے ولی اور قاتل نے تصدیق کی ہے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ ہوا ہے، یہ تصدیق خود قاتل کے حق میں صحیح ہے، لیکن دوسرے کے حق میں صحیح نہیں ہے، کیونکہ قاتل کو عاقلہ پر ولایت نہیں ہے، اور عاقلہ نے اس جرم کی تکذیب کر دی ہے اس لئے عاقلہ پر کچھ لازم نہیں ہوگا

ترجمہ: (۹۴۹) اور خود قاتل کے مال میں کچھ لازم نہیں ہوگا

ا لِأَنَّ الدِّيَةَ بِتَصَادُقِهِمَا تَقَرَّرَتْ عَلَى الْعَاقِلَةِ بِالْقَضَاءِ وَتَصَادُقُهُمَا حُجَّةٌ فِي حَقِّهِمَا، بِخِلَافِ الْأَوَّلِ

(۹۵۰) إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُ عَطَاءٌ مَعَهُمْ فَحِينَئِذٍ يَلْزَمُهُ بِقَدْرِ حِصَّتِهِ، ا لِأَنَّهُ فِي حَقِّ حِصَّتِهِ مُقِرٌّ عَلَى نَفْسِهِ وَفِي حَقِّ الْعَاقِلَةِ مُقِرٌّ عَلَيْهِمْ.

(۹۵۱) قَالَ وَإِذَا جَنَى الْحُرُّ عَلَى الْعَبْدِ فَقَتَلَهُ خَطَأً كَانَ عَلَى عَاقِلَتِهِ قِيمَتُهُ، ا لِأَنَّهُ بَدَلُ النَّفْسِ عَلَى

ترجمہ: ا اس لئے کہ مقتول اور قاتل کی تصدیق سے قضاء کے ذریعہ عاقلہ پر دیت ثابت ہوئی، اور ان دونوں کی تصدیق انہیں دونوں کے حق میں حجت ہے (دوسروں کے حق میں نہیں،) بخلاف اس سے پہلے مسئلے کے کہ وہاں قاتل نے اپنے مال میں قتل خطاء کا اقرار کیا تھا

تشریح: قاتل اور مقتول کی تصدیق کا حاصل یہ ہے کہ عاقلہ پر دیت لازم ہو، اور عاقلہ کے ساتھ ایک تھوڑا سا حصہ خود قاتل پر بھی ہو، لیکن عاقلہ پر دیت لازم نہیں ہوئی تو قاتل پر بھی دیت لازم نہیں ہوگی، کیونکہ یہاں قاتل بھی عاقلہ کا حصہ ہے، اور جب عاقلہ پر دیت نہیں تو قاتل پر بھی دیت نہیں ہوگی۔

بخلاف الاول: اس کے برخلاف پہلے مسئلے میں، قاتل خود اقرار کرے کہ میں نے قتل خطاء کیا ہے تو یہاں قاتل عاقلہ پر اقرار نہیں کر رہا ہے، بلکہ پوری دیت کا اپنے مال میں اقرار کر رہا ہے، اور یہ مال اس کا ہے اس لئے یہ اقرار کر سکتا ہے، دونوں مسئلوں میں یہ فرق ہے

ترجمہ: (۹۵۰) لیکن اگر قاتل کا عطیہ عاقلہ کے ساتھ ہو تو اس وقت قاتل کے حصے میں جو دیت آتی ہے اتنی دیت قاتل پر لازم ہوگی

ترجمہ: ا اس لئے اتنی سی دیت کا اقرار اپنی ذات پر ہے، اور عاقلہ کا جو حق ہے اس بارے میں عاقلہ پر اقرار کر رہا ہے (اس لئے وہ دیت عاقلہ پر لازم نہیں ہوگی)

تشریح: یہاں ایک نکتہ ہے جس پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ اپنے اوپر قتل کا اقرار کرتا تو یہ دیت اس کے مال میں لازم ہوتی، لیکن یہاں عاقلہ پر اس دیت کا اقرار کر رہا ہے جو ان کے عطیہ سے دینا پڑے، اس لئے عاقلہ کی دیت کے بارے میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی، لیکن خود اس قاتل کو حکومت کی جانب سے جو عطیہ ملتا ہے، اس میں اس کا اقرار مانا جائے گا، اور قاتل کے حصے میں جو چار درہم لازم آتا ہے وہ اس کے عطیے سے لیا جائے گا، اپنے اوپر اقرار جائز ہے

ترجمہ: (۹۵۱) اگر آزاد آدمی نے غلام پر قتل خطاء کی جنایت کی تو اس کی دیت آزاد کے عاقلہ پر ہوگی۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ جیسا کہ پہلے گزرا کی غلام کی قیمت یہاں جان کا بدل ہے

اصول: غلام کی جان آزاد کی طرح ہے، اس لئے اس کو قتل کرنے پر دیت لازم ہونی چاہئے، لیکن غلام کی قیمت دیت کی جگہ پر ہوگی

مَا عُرِفَ مِنْ أَصْلِنَا، ۲ وَفِيْ أَحَدِ قَوْلَى الشَّافِعِيِّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ تَجِبُ فِيْ مَالِهِ، لِأَنَّهُ بَدَلُ الْمَالِ عِنْدَهُ، وَلِهٰذَا يُوْجِبُ قِيْمَتُهُ بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ.

(۹۵۲) وَمَا دُوْنَ النَّفْسِ مِنَ الْعَبْدِ لا تَتَحَمَّلُهُ الْعَاقِلَةُ، ۱ لِأَنَّهُ يُسْلَكُ بِهِ مَسْلَكَ الْأَمْوَالِ، عِنْدَنَا

اصول: غلام کی جان سے نیچے عضو وغیرہ مال کے درجے میں ہے اس لئے اس کو کاٹنے میں مال لازم ہوگا، اور عاقلہ پر نہیں بلکہ کاٹنے والے کے مال میں لازم ہوگا

تشریح: آزاد آدمی کسی آزاد کو قتل خطاء کرتا تو اس کی دیت قاتل کے عاقلہ پر ہوتی۔ لیکن غلام کو قتل کیا ہے اس لئے دیت کی بجائے غلام کی قیمت دینی ہوگی۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ غلام کی قیمت دیت خطاء کے درجے میں ہے اس لئے جس طرح آزاد آدمی کی دیت قاتل کے عاقلہ پر لازم ہوتی ہے اسی طرح غلام کی قیمت قاتل کے عاقلہ پر لازم ہوگی۔

وجہ: (۱) کیونکہ دونوں کا سبب ایک ہی ہے یعنی قتل خطاء۔ اس لئے غلام کی قیمت قاتل کے عاقلہ ادا کریں گے (۲) عن عمر بن الخطابؓ قال عقل العبد فی ثمنه مثل عقل الحر فی دیته (مصنف عبد الرزاق، باب ضراحات العبد ج عاشر ص ۹ نمبر ۱۸۱۵۰) اس قول صحابی میں ہے کہ غلام کی دیت اس کی قیمت میں ایسے ہی ہے جیسے آزاد کی عقل اس کی دیت میں ہے۔ اور آزاد کی دیت عاقلہ برداشت کرتے ہیں تو غلام کی قیمت بھی قاتل کے عاقلہ برداشت کریں گے۔

ترجمہ: ۲ حضرت امام شافعیؒ کے دو قول میں سے ایک میں ہے کہ آزاد کے مال میں لازم ہوگی، اس لئے کہ انکے یہاں مال کے بدلے میں ہے، یہی وجہ ہے کہ غلام کی قیمت جتنی پہنچے دینی ہوگی

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کے ایک قول میں یہ ہے کہ غلام کی جان آزاد کی جان کی طرح نہیں بلکہ وہ مال کے درجے میں ہے، اور مال ضائع کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ عاقلہ پر لازم نہیں ہوتا بلکہ خود ضائع کرنے والے پر لازم ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی غلام کے قاتل پر قیمت ہوگی، اور چونکہ یہ دیت نہیں ہے اس لئے غلام کی قیمت دس ہزار درہم سے زیادہ بھی ہو جائے تب بھی ادا کرے گا، اس میں آزاد کی دیت کے قریب ہونا ضروری نہیں ہے

ترجمہ: (۹۵۲) اور جان قتل کرنے کے علاوہ غلام کا عضو وغیرہ کاٹا تو اس کی قیمت قاطع کے عاقلہ برداشت نہیں کریں گے

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ ہمارے نزدیک غلام کا عضو مال کے درجے میں ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہوا (اور مال ضائع کرنے پر عاقلہ برداشت نہیں کرتے ہیں)

اصول: غلام کا عضو مال کے درجے میں ہے، اس لئے اس کی قیمت قاطع کے عاقلہ برداشت نہیں کریں گے

تشریح: آزاد آدمی نے غلام کا عضو کاٹ دیا تو اس کی دیت لازم نہیں ہوگی، بلکہ اس کی قیمت لازم ہوگی، اور غلام کا عضو ہمارے یہاں مال کے درجے میں ہے اور کوئی مال ضائع کردے تو یہ عاقلہ برداشت نہیں کرتے ہیں، اس لئے عضو کی قیمت

عَلٰى مَا عُرِفَ، ۲؎ وَفِيْ أَحَدِ قَوْلَيْهِ تَتَحَمَّلُهُ الْعَاقِلَةُ كَمَا فِي الْحُرِّ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ. ۳؎ قَالَ أَصْحَابُنَا إِنَّ الْقَاتِلَ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ عَاقِلَةٌ فَالدِّيَةُ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ هُمْ أَهْلُ نُصْرَتِهِ، وَلَيْسَ بَعْضُهُمْ أَخَصَّ مِنْ بَعْضٍ بِذٰلِكَ وَلِهٰذَا لَوْ مَاتَ كَانَ مِيْرَاثُهُ لِبَيْتِ الْمَالِ فَكَذَا مَا يَلْزَمُهُ مِنَ الْغَرَامَةِ يَلْزَمُ بَيْتَ الْمَالِ، ۴؎ وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ رِوَايَةٌ شَاذَةٌ أَنَّ الدِّيَةَ فِيْ مَالِهِ، وَوَجْهُهُ أَنَّ الْأَصْلَ أَنْ تَجِبَ الدِّيَةُ عَلَى الْقَاتِلِ، لِأَنَّهُ بَدَلُ مُتْلَفٍ، وَالْإِتْلَافُ مِنْهُ إِلَّا أَنَّ الْعَاقِلَةَ تَتَحَمَّلُهَا تَحْقِيْقًا لِلتَّخْفِيْفِ عَلٰى مَا مَرَّ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ عَاقِلَةٌ عَادَ الْحُكْمُ إِلَى الْأَصْلِ.

عاقلہ برداشت نہیں کریں گے، بلکہ قاطع خود اپنے مال میں سے دیں گے

ترجمہ: ۲؎ اور امام شافعیؒ کے دو قول میں سے ایک میں ہے کہ غلام کے عضو کی قیمت عاقلہ برداشت کریں گے، جیسے آزاد کے عضو کی دیت عاقلہ برداشت کرتے ہیں، اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے

تشریح: امام شافعیؒ کے دو قول میں سے ایک قول یہ ہے کہ غلام کا عضو کاٹ دیا تو جس طرح آزاد کا عضو کاٹ دے تو اس کی دیت قاطع کے عاقلہ برداشت کرتے ہیں اسی طرح غلام کا عضو کاٹ دے تو اس کی قیمت قاطع کے عاقلہ برداشت کریں گے، مصنف فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ اگر قاتل کا کوئی عاقلہ نہ ہو تو اس کی دیت بیت المال میں ہوگی، اس لئے کہ جماعۃ المسلمین اس کی مدد کرنے والی ہے، اور بعض بعض کے ساتھ خاص نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر وہ مر جائے تو اس کی میراث بیت المال کو ملے گی، تو ایسے ہی قاتل کا تاوان بھی اسی بیت المال کو ادا کرنا ہوگا

تشریح: کوئی قاتل ایسا ہو جس کا کوئی عاقلہ نہ ہو تو اس کی دیت بیت المال ادا کرے گا، کیونکہ اسی سے اس کو نصرت ہے، اور اگر وہ مرتا ہے تو اس کی وراثت بیت المال کو ملتی ہے، اس لئے اس کا تاوان بھی بیت المال ہی ادا کرے۔

ترجمہ: ۴؎ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ایک شاذ روایت یہ ہے کہ دیت خود قاتل کے مال میں سے واجب ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں دیت قاتل کے مال میں واجب ہوتی ہے اس لئے کہ یہ ضائع کرنے کا بدل ہے، اور قاتل ہی نے جان ضائع کی ہے، لیکن تخفیف کے لئے عاقلہ اس کو برداشت کرتے ہیں، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، لیکن جب عاقلہ نہیں ہے تو حکم اصل کی طرف لوٹ جائے گا (اور دیت خود قاتل پر لازم ہوگی، بیت المال پر واجب نہیں ہوگی)

تشریح: ایسا آدمی جس کا کوئی عاقلہ نہ ہو اس کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کی ایک شاذ روایت یہ ہے کہ خود قاتل کے مال میں دیت واجب ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں دیت قاتل کے مال میں واجب ہوتی ہے کیونکہ یہ ضائع کرنے کا بدل ہے، لیکن تخفیف کے لئے عاقلہ پر ڈالی گئی ہے، لیکن اب عاقلہ نہیں ہے تو خود قاتل ہی پر لازم ہوگی، اور بیت المال ادا نہیں کرے گی

(۹۵۳) وَابْنُ الْمُلَاعَنَةِ تَعْقِلُهُ عَاقِلَةُ أُمِّهِ، ۱ لِأَنَّ نَسَبَهُ ثَابِتٌ مِنْهَا دُوْنَ الْأَبِ،

(۹۵۴) فَإِنْ عَقَلُوْا عَنْهُ ثُمَّ ادَّعَاهُ الْأَبُ رَجَعَتْ عَاقِلَةُ الْأُمِّ بِمَا أَدَّتْ عَلٰى عَاقِلَةِ الْأَبِ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ مِنْ يَوْمِ يَقْضِي الْقَاضِيْ لِعَاقِلَةِ الْأُمِّ عَلٰى عَاقِلَةِ الْأَبِ ۱ لِأَنَّهُ تَبَيَّنَ أَنَّ الدِّيَةَ وَاجِبَةٌ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّ عِنْدَ الْإِكْذَابِ ظَهَرَ أَنَّ النَّسَبَ لَمْ يَزَلْ كَانَ ثَابِتًا مِنَ الْأَبِ حَيْثُ بَطَلَ اللِّعَانُ بِالْإِكْذَابِ، وَمَتٰى ظَهَرَ مِنَ الْأَصْلِ فَقَوْمُ الْأُمِّ تَحَمَّلُوْا مَا كَانَ وَاجِبًا عَلٰى قَوْمِ الْأَبِ فَيَرْجِعُوْنَ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّهُمْ مُضْطَرُّوْنَ فِيْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: (۹۵۳) لعان شدہ عورت کے بیٹے کی دیت ماں کے عاقلہ دیں گے

ترجمہ: ۱ اس لئے اس بچے کا نسب ماں ثابت ہوگیا، باپ سے نہیں

تشریح: شوہر نے بیوی پر زنا کی تہمت لگائی، جس کی وجہ سے لعان ہوا، اور قاضی نے بچے کا نسب باپ سے کاٹ کر ماں کی طرف کردیا، اب ماں کا جو عاقلہ ہیں وہ اس بچے کی دیت ادا کریں گے، کیونکہ بچہ اب باپ کا نہیں رہا، بلکہ ماں ہی کا ہوگیا ہے

وجہ: اس قول صحابی میں ہے کہ ماں کا جو عصبہ ہوگا لعان کے بچے کا عصبہ بھی وہی ہوں گے، اور وہی وارث ہوں گے، اس لئے دیت بھی وہی ادا کریں گے۔ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ، وَابْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَا: »عَصَبَةُ ابْنِ الْمُلَاعِنَةِ عَصَبَةُ أُمِّهِ (مصنف عبد الرزاق، باب میراث الملاعنۃ، نمبر ۱۲۴۸۲)

ترجمہ: (۹۵۴) پس اگر ماں کے عاقلہ نے لعان کے بچے کی دیت ادا کی، پھر باپ نے دعوی کیا کہ یہ بچہ میرا ہے (اور لعان توڑ دیا) تو ماں کے عاقلہ نے جتنی دیت ادا کی تھی وہ سب قاضی کے فیصلے کے بعد سے تین سال میں باپ کے عاقلہ سے وصول کریں گے

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ اب ظاہر ہوگیا کہ دیت باپ کے عاقلہ پر واجب تھی، اس لئے کہ جب باپ نے اپنے آپ کو جھٹلا دیا تو ظاہر ہوگیا کہ پیدائش کے وقت سے باپ ہی سے نسب ثابت تھا، اور جب اصل ظاہر ہوگیا، اور حال یہ ہے کہ باپ کے قوم پر جو واجب تھا وہ ماں کے قوم نے برداشت کیا تھا، تو وہ باپ کے قوم سے وصول کریں گے، اس لئے کہ ماں کا قوم ادا کرنے میں مجبور تھے

اصول: غلطی میں کوئی رقم ادا کی ہو تو اصل ظاہر ہونے کے بعد اصل آدمی سے وہ رقم وصول کی جائے گی

تشریح: لعان کے بہت دنوں بعد میں باپ نے کہا کہ میں زنا کی تہمت لگانے میں جھوٹا ہوں، اور یہ بچہ میرا ہے، تو جس دن سے قاضی نے فیصلہ کیا کہ یہ بچہ باپ کا ہے اس دن سے تین سال میں ماں کے عاقلہ باپ کے عاقلہ سے اپنی ادا کی ہوئی دیت پوری وصول کریں گے، کیونکہ اب پتہ چلا کہ پیدائش کے وقت سے یہ بچہ باپ کا تھا، اور اس بچے کے عاقلہ باپ کے خاندان والے تھے، اور اس کی دیت کو ماں کے خاندان والے ادا کر رہے تھے، اس لئے اپنی دی ہوئی رقم تین سال میں وصول کریں گے

۲ وَكَذٰلِكَ إِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ عَنْ وَفَاءٍ وَلَهُ وَلَدٌ حُرٌّ فَلَمْ يُؤَدَّ كَتَابَتُهُ حَتّٰى جَنٰى اِبْنُهُ وَعَقَلَ عَنْهُ قَوْمُ أُمِّهِ ثُمَّ أُدِّيَتِ الْكِتَابَةُ، لِأَنَّهُ عِنْدَ الْأَدَاءِ يَتَحَوَّلُ وَلَاءُهُ إِلٰى قَوْمِ أَبِيهِ مِنْ وَقْتِ حُرِّيَةِ الْأَبِ وَهُوَ اٰخِرُ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهِ فَتَبَيَّنَ أَنَّ قَوْمَ الْأُمِّ عَقَلُوا عَنْهُمْ فَيَرْجِعُوْنَ عَلَيْهِمْ. ۳ وَكَذٰلِكَ رَجُلٌ أَمَرَ صَبِيًّا بِقَتْلِ رَجُلٍ فَقَتَلَهُ فَضَمَنَتْ عَاقِلَةُ الصَّبِيِّ الدِّيَةَ رَجَعَتْ بِهَا عَلٰى عَاقِلَةِ الْاٰمِرِ إِنْ كَانَ الْأَمْرُ ثَبَتَ بِالْبَيِّنَةِ وَفِيْ مَالِ الْاٰمِرِ إِنْ كَانَ ثَبَتَ بِإِقْرَارِهِ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ مِنْ يَوْمٍ يَقْضِيْ بِهَا الْقَاضِيْ عَلٰى

ترجمہ: ۲ ایسے ہی اگر مکاتب اتنا مال چھوڑ کر مرا کہ اس کی مال کتابت ادا کی جاسکتی ہو، اور اس کا آزاد بچہ ہے (آزاد ماں سے)، ابھی مال کتابت ادا نہیں کیا تھا کہ اس کے بیٹے نے جنایت کی، اور اس کے ماں کے عاقلہ نے بچے کی جانب سے دیت ادا کی، اب باپ کے مرنے کے بعد مال کتابت ادا کیا تو ماں کے عاقلہ باپ کے عاقلہ سے دیت وصول کریں گے اس لئے کہ مال کتابت ادا کرتے وقت بیٹے کی ولاء باپ کے قوم کی طرف منتقل ہوگئی، باپ کی آزادگی کے وقت سے، اور یہ کام باپ کی موت سے تھوڑی دیر پہلے ہوئی، اب ظاہر ہوا کہ ماں کی قوم نے باپ کی قوم کی جانب سے دیت ادا کی ہے، اس لئے ماں کی قوم باپ کی قوم سے دیت وصول کرے گی

تشریح: زید مکاتب تھا اس نے آزاد عورت سے نکاح کیا، اس سے ایک بچہ پیدا ہوا، زید نے ابھی مال کتابت نہیں کیا تھا کہ زید کے بچے نے جنایت کی، چونکہ زید ابھی غلام ہے، اس لئے اس کا کوئی عاقلہ نہیں ہے، اس لئے ماں کے عاقلہ نے دیت ادا کی، اب باپ نے مرتے وقت اتنا مال چھوڑا کہ مال کتابت ادا کیا جاسکتا ہو، اور جیسے ہی مال کتابت ادا کیا تو زید آزاد شمار کیا گیا، اور گویا کہ موت سے کچھ دیر پہلے زید آزاد ہوا کیونکہ مال کتابت موت کے بعد ادا کیا گیا ہے، پس موت سے کچھ دیر پہلے وہ آزاد ہوا اور بیٹے کی ولاء باپ کی طرف منتقل ہوئی اور باپ کا عاقلہ بیٹے کا عاقلہ ہوا، اس لئے ماں کے عاقلہ نے جو دیت ادا کی تھی وہ سب اب باپ کے عاقلہ سے وصول کریں گے، کیونکہ ان لوگوں نے مجبوری میں دیت ادا کی تھی۔

ترجمہ: ۳ ایسے ہی کسی آدمی نے ایک بچے کو ایک آدمی کو قتل کرنے کا حکم دیا، اس بچے نے اس کو قتل کر دیا، اس لئے بچے کے عاقلہ نے دیت کی ضمانت لی، تو وہ حکم دینے والے کے عاقلہ سے دیت واپس لیں گے، اگر گواہ ثابت کر دے کہ حکم دینے والے نے واقعی حکم دیا تھا، اور حکم دینے والے کے مال سے دیت وصول کی جائے گی، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حکم دینے والے نے اقرار کیا ہے کہ اس نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا، اور حکم دینے والے پر قاضی کے فیصلے کے دن کے بعد سے تین سال میں وصول کیا جائے گا، حکم دینے والے سے یا اس کے عاقلہ سے، تین سال میں اس لئے کہ دیت تاخیر کے ساتھ واجب ہوتی ہے آسانی کے راستے پر

تشریح: زید نے ایک بچے کو حکم دیا کہ عمر کو قتل کر دے، بچے نے قتل کر دیا، لیکن ابھی یہ ثابت نہ ہوسکا کہ زید نے قتل کرنے کا

الْاَمـرِ أَوْ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ، لِأَنَّ الدِّيَاتِ تَجِبُ مُؤَجَّلَةً بِطَرِيْقِ التَّيْسِيْرِ. ۴ قَـالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ هٰهُنَا عِدَّةُ مَسَائِلَ ذَكَرَهَا مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ مُتَفَرِّقَةً، وَالْأَصْلُ الَّذِىْ تَخْرُجُ عَلَيْهِ أَنْ يُّقَالَ حَالُ الْقَاتِلِ إِذَا تَبَـدَّلَ حُكْمًا فَانْتَقَلَ وَلَاؤُهٗ إِلٰى وَلَاءٍ بِسَبَبِ أَمْرٍ حَادِثٍ لَمْ تَنْتَقِلْ جَنَايَتُهٗ عَنِ الْأُوْلٰى قُضِيَ بِهَا أَوْ لَمْ يُقْضَ، ۵ وَإِنْ ظَهَـرَتْ حَـالَةٌ خَـفِيَّةٌ مِثْـلُ دَعْـوَةِ وَلَـدِ الْمُلَاعَنَةِ حَوَّلَتِ الْجِنَايَةُ إِلَى الْأُخْرٰى وَقَعَ

حکم دیا ہے،اس لئے بچے کے عاقلہ پر دیت ہوگی، عاقلہ کے دیت ادا کرنے کے بعد گواہ کے ذریعہ ثابت کیا کہ زید نے قتل کا حکم دیا تھا،تو قاضی زید کے عاقلہ پر دیت کا حکم دے گا،اور بچے کے عاقلہ زید کے عاقلہ سے دیت وصول کریں گے،لیکن جس دن قاضی نے زید کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا ہے اس کے بعد تین سال میں وصول کیا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ گواہ کے ذریعہ یہ ثابت نہیں کیا جا سکا کہ زید نے حکم دیا تھا، بلکہ خود زید نے اقرار کیا کی میں نے بچے کو قتل کا حکم دیا تھا، چونکہ اقرار سے حکم ثابت ہو رہا ہے اس لئے زید کے عاقلہ پر دیت نہیں ہوگی، بلکہ خود زید کے مال میں دیت لازم ہوگی،۔اور قاضی جس دن یہ فیصلہ کرے گا کہ زید کے مال سے دیت وصول کی جائے اس دن سے تین سال میں دیت وصول کی جائے گی، کیونکہ دیت سہولت کے طور پر واجب ہوگی،اس لیے تین سالوں میں وصول کی جائے گی۔

ترجمہ: ۴ صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ یہاں چند مسائل ہیں جنکو امام محمدؒ نے متفرق جگہ پر بیان کئے ہیں،اور جن اصول پر متفرع ہوتے ہیں،تو یوں کہا جائے کہ۔ا۔قاتل کا حل حکما تبدیل ہو جائے اس لئے اس کی ولاء کسی حادث امر کی وجہ سے دوسری جانب منتقل ہوگئی تو اس کی جنایت پہلے سے دوسرے کی جانب منتقل نہیں ہوگی، چاہے فیصلہ ہو چکا ہو یا نہیں ہوا ہو۔

تشریح: یہاں مصنف چار اصول بیان کر رہے ہیں

۔ا۔ پہلا اصول یہ ہے کہ قاتل نے قتل کیا اس کے بعد جنایت بھی ادا کر دی،اس جنایت کے ادا کرنے کے بعد اس کی حالت بدلی تو یہ جنایت بعد والوں کی طرف منتقل نہیں ہوگی

مثلا۔ بیٹے کا باپ غلام تھا اس کی ماں آزاد تھی،اس لئے اس کی ماں کے تابع ہو کر بچہ آزاد تھا،اس بچے نے جنایت کی،اور اس کی جنایت ماں کے عاقلے نے ادا کی،اس کے بعد باپ آزاد ہوا تو باپ کی طرف ولاء تو آجائے گی،لیکن جنایت اب باپ کا عاقلہ ادا نہیں کریں گے، کیونکہ قاتل کی حالت جنایت کر دینے کے بعد بدلی ہے

ترجمہ: ۵ اور پہلے سے جنایت کرنے والے کی حالت پوشیدہ تھی،اور وہ اب ظاہر ہوئی، جیسے عورت لعان شدہ تھی اس کے باپ نے اپنا بچہ ہونے کا دعوی کیا تو جنایت دوسرے کی طرف منتقل ہو جائے گی، چاہے قاضی پہلے کے لئے دیت کا فیصلہ کر چکا ہو یا نہ کیا ہو

تشریح: یہ دوسرا اصول ہے۔قاضی نے ایک فیصلہ کیا بعد میں پتہ چلا کہ جنایت کرنے والے کی حالت فیصلے سے پہلے ہی

الْقَضَاءُ بِهَا أَوْ لَمْ يَقَعْ، ٦ وَلَوْ لَمْ يَخْتَلِفْ حَالُ الْجَانِي وَلَكِنَّ الْعَاقِلَةَ تَبَدَّلَتْ كَانَ الْإِعْتِبَارُ فِي ذٰلِكَ لِوَقْتِ الْقَضَاءِ، فَإِنْ كَانَ قُضِيَ بِهَا عَلَى الْأُولٰى لَمْ تَنْتَقِلْ إِلَى الثَّانِيَةِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ قُضِيَ بِهَا عَلَى الْأُولٰى فَإِنَّهُ يُقْضٰى بِهَا عَلَى الثَّانِيَةِ ٧ وَإِذَا كَانَتِ الْعَاقِلَةُ وَاحِدَةً فَلَحِقَهَا زِيَادَةٌ أَوْ نُقْصَانٌ

دوسری تھی، تو فیصلے کے بعد بھی پہلے والوں پر دیت لازم ہوگی، کیونکہ یقین ہو گیا کہ اس کی حالت فیصلے سے پہلے ہی دوسری تھی

پہلی مثال: عورت کا بچہ پیدا ہوا، پھر باپ نے لعان کر کے اپنا نسب ختم کر لیا، اس دوران بچے نے جنایت کی اور اس کی دیت ماں کے عاقلہ نے ادا کی بعد میں باپ نے کہا یہ بچہ میرا ہے اور لعان ختم کر دیا تو اس ختم کرنے سے پتہ چلا کہ قاضی کے فیصلے کے وقت بھی یہ بچہ باپ کا تھا، اس لئے ماں کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ ہو چکا تھا پھر بھی اس کی دیت اب باپ کے عاقلہ ادا کریں گے۔

دوسری مثال۔ باپ مکاتب تھا اور بچے کی ماں آزاد تھی، اس لئے یہ بچہ ماں کے تابع ہو کر بچہ آزاد تھا، اس بچے نے جنایت کی، اور اس کی جنایت ماں کے عاقلہ نے ادا کی، پھر باپ نے مرتے وقت پوری مال کتابت چھوڑی، جس کی وجہ سے باپ موت سے پہلے آزاد شمار ہوا، تو باپ کے عاقلہ اس دیت کو ادا کریں گے۔ کیونکہ اب پتہ چلا ہے کہ قاضی کے فیصلے سے پہلے گویا کہ باپ آزاد تھا، اور اسی کے عاقلہ کو دیت ادا کرنی چاہئے تھی، لیکن ظاہری طور پر اس وقت وہ مکاتب تھا اس لئے پر فیصلہ نہیں کیا جا سکا تھا، لیکن اب حقیقت کے ظاہر ہونے پر اس کے عاقلہ کو دیت ادا کرنی ہوگی۔۔

ترجمہ: ٦ تیسرا اصول۔ جنایت کرنے والے کی حالت بدلی نہ ہو۔ لیکن عاقلہ بدل جائے تو اس میں فیصلے کے وقت کا اعتبار ہے، اگر پہلے عاقلہ پر فیصلہ کیا جا چکا ہو تو اب دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوگا، اور اگر پہلے پر فیصلہ نہ کیا ہو تو دوسرے عاقلہ پر فیصلہ کر دیا جائے گا

تشریح: یہ تیسرا اصول ہے، اس میں جنایت کرنے والے کی حالت بدلی نہیں ہے، لیکن عاقلہ کی حالت بدل رہی ہے، تو قاضی یہ دیکھے گا کہ فیصلہ کے وقت کون سے عاقلہ ہیں، اگر فیصلہ کے وقت پہلے عاقلہ ہیں، اور اس پر فیصلہ کر دیا گیا ہے تو اب دوسرے عاقلہ کے آنے کے بعد دوسرے پر دیت نہیں ہوگی۔ اور اگر ابھی فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ دوسرے عاقلہ آ چکے ہیں تو دوسرے عاقلہ پر فیصلہ کر دیا جائے گا

مثال اس کی مثال یہ ہے کہ جنایت کرنے والے کا عطیہ کوفہ کے دیوان میں تھا اس وقت قاضی نے اہل کوفہ پر دیت کا فیصلہ کیا، بعد میں اس کا عطیہ بصرہ کے دیوان میں آ گیا تو اب بدل کر اہل بصرہ پر دیت لازم نہیں ہوگی، اور اگر عطیہ بصرہ کے دیوان میں آ چکا تھا، اس وقت قاضی نے دیت کا فیصلہ کیا تو اہل بصرہ پر دیت کا فیصلہ ہوگا، اہل کوفہ پر نہیں

ترجمہ: ٧ اور اگر عاقلہ ایک ہوں لیکن اس کو زیادتی لاحق ہو گئی (جیسے عاقلہ کا بچہ بالغ ہو گیا) یا عاقلہ میں نقصان ہو گیا ہو

اِشْتَرَكُوْا فِيْ حُكْمِ الْجِنَايَةِ قَبْلَ الْقَضَاءِ وَبَعْدَهُ إِلَّا فِيْمَا سَبَقَ أَدَاءُهُ، ۸ فَمَنْ أَحْكَمَ هٰذَا الْأَصْلَ مُتَأَمِّلًا يُمَكِّنُهُ التَّخْرِيْجُ فِيْمَا وَرَدَ عَلَيْهِ مِنَ النَّظَائِرِ وَالْأَضْدَادِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

(مثلا عاقلہ کے کچھ لوگ مر گئے) تو فیصلہ سے پہلے ہو یا فیصلہ کے بعد ہو سبھی دیت میں شریک ہوں گے، ہاں اس سے پہلے جو دے چکا ہے وہ دے چکا ہے۔

تشریح: یہ چوتھا اصول ہے، کہ ایک ہی خاندان کے عاقلہ ہیں، لیکن ان عاقلہ کے افراد میں زیادتی ہوگئی، مثلا عاقلہ کے کچھ بچے بالغ ہوگئے تو اب ان بچوں پر بھی دیت ہوگی، اور پہلے عاقلہ کے ہر فرد پر چار درہم تھے تو اب ان پر تین درہم لازم ہوں، دوسری صورت یہ ہے کہ عاقلہ کے کچھ فرد کا انتقال ہوگیا، اور دیت پوری نہیں ہو رہی ہے تو اس قبیلے کے قریب کے جو قبیلہ ہے ان پر بھی دیت لازم ہوگی، تا کہ موجودہ عاقلہ پر تین سال میں چار درہم تھے، اس سے زیادہ نہ ہو چار درہم ہی رہے، قاضی کے فیصلے سے پہلے ہو بڑھا ہو یا گھٹا ہو دونوں صورتوں میں یہی ہوگا

لغت: الا فيما سبق: عاقلہ نے جو پہلے دے دیا ہے وہ دے دیا ہے اب اس کو واپس نہ دیا جائے گا، اور نہ اس سے لیا جائے گا۔

چار اصول ایک نظر میں

۱ قاتل کی حالت فیصلے کے بعد بدلی ہے — جنایت دوسرے عاقلہ کی طرف منتقل نہیں ہوگی

۲ قاتل کی حالت فیصلے سے پہلے پوشیدہ تھی اب ظاہر ہوئی — جنایت پہلے عاقلہ کی طرف منتقل ہوگی

۳ قاتل کی حالت بدلی نہیں عاقلہ بدلے ہیں — فیصلے کے وقت جو عاقلہ تھے انہیں پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا

۴ قاتل کی حالت بدلی نہیں — البتہ عاقلہ کے افراد میں زیادتی ہوئی تو ان پر بھی دیت لازم ہوگی۔ اور اگر عاقلہ کے افراد میں کمی ہوئی ہے تو تو دوسرے قبائل کو ملایا جائے گا

ترجمہ: ۸ کوئی ان اصولوں پر اچھی طرح غور کر کے یاد کرلے گا، تو ان پر جو مثالیں فٹ ہو سکتی ہیں ان کی تخریج کرنا ممکن ہو جائے گا، اور جو ان کی ضد میں مسئلے ہیں انکی تخریج بھی ممکن ہو جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

كِتَابُ الْوَصَايَا

بَابٌ فِيْ صِفَةِ الْوَصِيَّةِ مَا يَجُوْزُ مِنْ ذٰلِكَ وَمَا يُسْتَحَبُّ مِنْهُ وَمَا يَكُوْنُ رَجُوْعًا عَنْهُ

(۹۵۵) قَالَ الْوَصِيَّةُ غَيْرُ وَاجِبَةٍ وَهِيَ مُسْتَحَبَّةٌ

﴿كتاب الوصايا﴾

لغت: وصیت کرنے والے کو۔ا۔موصی ۔۲۔اور جس کے لئے وصیت کی اس کو موصی لہ۔۳۔اور جس مال کی وصیت کی اس کو موصی بہ۔۴۔اور جس سے وصیت نافذ کرنے کے لئے کہا اس کو وصی کہتے ہیں۔مثلا زید نے خالد سے کہا کہ میرے مرنے کے بعد یہ باغ محمود کو دے دینا تو زید وصیت کرنے والا ہے اس لئے یہ موصی ہوا۔اور خالد وصیت نافذ کرنے والا ہے اس لئے وہ وصی ہوا،اور محمود کے لئے باغ کی وصیت کی اس لئے محمود موصی لہ ہوا،اور باغ کی وصیت کی ہے اس لئے باغ موصی بہ ہوا۔

ضروری نوٹ: وصایا وصیت کی جمع ہے۔موت کے وقت کسی کے لئے مال کی وصیت کرتے ہیں اس کو وصیت کہتے ہیں

وجہ:(۱) كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (سورت البقرة۲،آیت۱۸۰)(۲)وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ (سورت النساء۴،آیت ۱۲)(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ (سورت المائدة۵،آیت۱۰۶)ان آیات میں وصیت کا ذکر ہے(۴) حدیث میں یہ ہے۔عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: مَرِضْتُ، فَعَادَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ادْعُ اللَّهَ أَنْ لاَ يَرُدَّنِي عَلَى عَقِبِي، قَالَ: »لَعَلَّ اللَّهَ يَرْفَعُكَ وَيَنْفَعُ بِكَ نَاسًا«، قُلْتُ: أُرِيدُ أَنْ أُوصِيَ، وَإِنَّمَا لِي ابْنَةٌ، قُلْتُ: أُوصِي بِالنِّصْفِ؟ قَالَ: »النِّصْفُ كَثِيرٌ«، قُلْتُ: فَالثُّلُثِ؟ قَالَ: »الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ أَوْ كَبِيرٌ«، قَالَ: فَأَوْصَى النَّاسُ بِالثُّلُثِ، وَجَازَ ذَلِكَ لَهُمْ (بخاری شریف، باب الوصیۃ بالثلث،ص۴۸۳،نمبر۲۷۴۴/مسلم شریف، باب الوصیۃ بالثلث ،ص۳۸،نمبر ۱۶۲۸/ابوداؤد شریف، باب ما جاء فیما یجوز للموصی فی مالہ،ص۳۹،نمبر۲۸۶۴)اس حدیث سے وصیت کا پتا چلا اور یہ بھی پتا چلا کہ اپنے مال کی ایک تہائی وصیت کرے اس سے زیادہ نہیں۔

ترجمہ: (۹۵۵) وصیت واجب نہیں ہے وہ مستحب ہے۔

لِ وَالْقِيَاسُ يَأْبٰى جَوَازَهَا، لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ مُضَافٌ إِلٰى حَالِ زَوَالِ مَالِكِيَّتِهِ، وَلَوْ أُضِيفَ إِلٰى حَالِ

تشریح: بعض لوگ فرماتے ہیں کہ وصیت کرنا واجب ہے۔ اس لئے مصنف نے فرمایا کہ وصیت کرنا مستحب ہے۔ جب تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی کہ کس وارث کو کتنا ملے گا اس وقت تک ورثہ کے لئے وصیت کرنا واجب تھا۔ اوپر کی آیت میں۔ **كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ** (سورت البقرۃ ۲، آیت ۱۸۰) میں ذکر کیا گیا ہے کہ موت کے وقت وارثین کے لئے وصیت کرنا ضروری ہے۔ لیکن جب آیت میراث نازل ہوگئی تو وارثین کے علاوہ دوسروں کے لئے وصیت کرنا مستحب رہ گیا۔

وجه: (۱) وارثین کو تو حصہ مل ہی جائے گا۔ اب دوسرے لوگوں کو وصیت کر کے مال کا ہدیہ دینا ہے۔ اور ہدیہ دینا مستحب ہے اس لئے وصیت بھی مستحب ہوگی (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے وصیت نہیں کی۔ اگر وصیت کرنا واجب ہوتا تو آپؐ ضرور کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وصیت کرنا مستحب ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **سالت عبد الله بن ابی اوفیؓ اوصی النبی ﷺ فقال لا! فقلت كيف كتب على الناس الوصية او امروا بها ؟قال اوصى بكتاب الله** (بخاری شریف، باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ، ص ۷۶۳، نمبر ۴۴۶۰ / ابوداؤد شریف، باب ماجاء فیما یومر بہ من الوصیۃ، ج ۲، ص ۳۹، نمبر ۲۸۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت کی مال کی وصیت نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وصیت واجب نہیں ہے (۳) ایک حدیث میں وصیت کو صدقہ قرار دیا ہے اور صدقہ کرنا مستحب ہے۔ اس لئے وصیت کرنا بھی مستحب ہوگا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ان الله تصدق عليكم عند وفاتكم بثلث اموالكم زيادة لكم فی اعمالكم** (ابن ماجہ شریف، باب الوصیۃ بالثلث، ص ۳۹۰، نمبر ۲۷۰۹) اس حدیث میں ہے کہ اللہ نے تم پر صدقہ کیا تہائی مال وصیت کرنے کا، اور صدقہ کرنا مستحب ہے اس لئے وصیت بھی مستحب ہوگی۔

اگر کسی کا قرض ہو یا کسی کی امانت ہو جن کا ادا کرنا ضروری ہو تو اس کی وصیت کرنا واجب ہے۔

وجه: حدیث میں اس کی تاکید ہے۔ **أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: »مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ** (بخاری شریف، باب الوصایا وقول النبی ﷺ، نمبر ۲۷۳۸ / ابوداؤد شریف، باب ماجاء فیما یومر بہ من الوصیۃ، ص ۳۹، نمبر ۲۸۶۲) اس حدیث میں ہے کہ کوئی چیز وصیت کرنے کی ہو تو دو راتیں بھی تاخیر نہ کرو کہ وصیت لکھی ہوئی ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ امانت یا قرض دینا ہو تو وصیت لکھ کر رکھے، ایسی وصیت واجب ہے۔

ترجمه: لِ قیاس وصیت جائز ہونے کا انکار کرتا ہے، اس لئے کہ میت کی ملکیت کے زائل ہونے کی حالت میں کسی کو مالک بنانا ہے، اور اگر ملکیت کے قائم ہونے کی حالت میں مالک بنانے کی طرف نسبت کرے مثلا کہا گیا کہ میں نے تجھے کل مالک

قِيَامِهَا بِأَنَّ قِيْلَ مَلَّكْتُكَ غَدًا كَانَ بَاطِلًا فَهٰذَا أَوْلٰى ۲ إِلَّا أَنَّا اِسْتَحْسَنَّاهُ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهَا فَإِنَّ الْإِنْسَانَ مَغْرُوْرٌ بِأَمَلِهِ مُقَصِّرٌ فِيْ عَمَلِهِ فَإِذَا عَرَضَ لَهُ الْمَرَضُ وَخَافَ الْبَيَاتَ يَحْتَاجُ إِلٰى تَلَافِيْ بَعْضِ مَا فَرَّطَ مِنْهُ التَّفْرِيْطَ بِمَالِهِ عَلٰى وَجْهٍ لَوْ مَضٰى فِيْهِ يَتَحَقَّقُ مَقْصَدُهُ الْمَآلِيْ، وَلَوْ أَنْهَضَهُ الْبُرْءُ يَصْرِفُهُ إِلٰى مَطْلَبِهِ الْحَالِيْ، وَفِيْ شَرْعِ الْوَصِيَّةِ ذٰلِكَ فَشَرَعْنَاهُ ۳ وَمِثْلُهُ فِي الْإِجَارَةِ بَيَّنَّاهُ.

بنایا تو باطل ہوتا ہے تو مرنے کے بعد مالک بنانا بدرجہ اولی باطل ہوگا

تشریح: قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وصیت جائز نہ ہو، کیونکہ آدمی مرگیا تو اس کی ملکیت ختم ہوگئی تو مرنے کے بعد کسی کو مالک بنانا صحیح نہ ہو، جیسے زندگی میں کہے کہ میں تم کو کل مالک بناوں گا، تو اس سے ملکیت نہیں ہوگی، صرف وعدہ ہوگا، اسی طرح وصیت بھی باطل ہونی چاہئے

ترجمہ: ۲ لیکن استحسان کی وجہ سے ہم اس کو جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ انسان کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے کہ انسان جینے کی امید میں دھوکے میں رہتا ہے، اور اپنے عمل میں کوتاہی کرتا ہے، پھر جب اس کو مرض لاحق ہوتی ہے اور ہلاکت سے ڈرتا ہے تو جو اس سے پہلے کوتاہی ہو چکی ہوتی ہے مال کے ذریعہ اس کی تلافی کی کوشش کرتا ہے، اس طرح کہ اگر وہ اس مرض میں مرگیا تو اس کا اخروی مقصد متحقق ہو جائے، اور اگر وہ صحت یاب ہو گیا تو وہ اس مال کو دنیوی مقصد میں خرچ کرے گا، اور وصیت کے مشروع ہونے میں یہ مقصد حاصل ہوتا ہے، اس لئے ہم نے اس کو مشروع قرار دیا

تشریح: قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ وصیت جائز نہ ہو، کیونکہ اس وقت اس کی ملکیت ختم ہو چکی ہوتی ہے، لیکن استحسان کے طور پر اس کو جائز قرار دیا، کیونکہ آدمی مال کے ذریعہ اپنی کوتاہی کی تلافی کرنا چاہتا ہے۔ باقی واضح ہے

لغت: مغرور: غر سے مشتق ہے۔ دھوکہ کھانا۔ امل: امید۔ البیات: ہلاکت، موت، شب خوں مارنا۔ فرط: جو گزر چکا ہو۔ اسی سے ہے تفریط، کمی کوتاہی کرنا۔ المالی: آخرت۔ انہض: نہض سے مشتق ہے، اٹھانا۔ البرء: ٹھیک ہونا، صحت یاب ہونا۔ الحالی: اس وقت کی چیز، حال کی چیز۔

ترجمہ: ۳ اور اجارہ میں ایسا ہو چکا ہے کہ (ضرورت کے بنا پر معدوم کو موجود مان کر اجرت جائز قرار دی گئی ہے) اس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے

تشریح: اجرت میں بھی نفع معدوم ہوتا ہے، بعد میں وجود میں آئے گا، اس کے باوجود انسانی ضرورت کی بنا پر اس کی اجرت طے کرنا جائز ہوا اور اس کی اجازت دی، اسی طرح، یہاں وصیت میں موت کے بعد ملکیت نہ ہونے کے باوجود انسانی ضرورت کی بنا پر اس کو جائز قرار دیا ہے۔

۴ وَقَدْ تَبْقَى الْمَالِكِيَّةُ بَعْدَ الْمَوْتِ بِاعْتِبَارِ الْحَاجَةِ كَمَا فِيْ قَدْرِ التَّجْهِيْزِ وَالدَّيْنِ ۵ وَقَدْ نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ وَهُوَ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوْصِىْ بِهَا أَوْدَيْنٍ﴾ (سورة النساء: ۱۱) وَالسُّنَّةُ وَهُوَ قَوْلُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ "إِنَّ اللّٰهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ فِيْ اٰخِرِ أَعْمَارِكُمْ زِيَادَةً لَكُمْ فِيْ أَعْمَالِكُمْ تَضَعُوْنَهَا حَيْثُ شِئْتُمْ أَوْ قَالَ حَيْثُ أَحْبَبْتُمْ ۶ وَعَلَيْهِ إِجْمَاعُ الْأُمَّةِ، ۷ ثُمَّ تَصِحُّ

ترجمہ: ۴ ضرورت کے اعتبار سے موت کے بعد بھی میت کی ملکیت باقی رہتی ہے، جیسے تجہیز وتکفین، کی قیمت اور قرض ادا کرنا،

تشریح: استحسانا وصیت جائز ہے اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ضرورت کی بنا پر موت کے بعد تجہیز وتکفین کے لئے، اور قرض ادا کرنے کے لئے میت کی ملکیت باقی رکھتے ہیں، اور اسی کے مال سے تجہیز وتکفین کرتے ہیں اور قرض ادا کرتے ہیں، اسی طرح وصیت کے لئے بھی موت کے بعد اس کی ملکیت باقی رہے گی

ترجمہ: ۵ اور اس کے بارے میں آیات بھی ہیں وہ اللہ تعالی کا قول من بعد وصية يوصى بها او دين، اور حدیث میں بھی ہے، حضورؐ کا قول ہے اللہ نے تمہارے آخری عمر میں تمہارے اعمال کی زیادتی کے لئے تمہارے تہائی مال کا صدقہ کیا ہے، جہاں چاہو تم خرچ کرو، حیث شئتم، یا حیث احببتم، فرمایا

تشریح: وصیت جائز ہے اس کے بارے میں صاحب ھدایہ کی آیت یہ ہے۔ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ (سورت النساء۴، آیت۱۲) اور وصیت کے بارے میں صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »إِنَّ اللَّهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ، عِنْدَ وَفَاتِكُمْ، بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ، زِيَادَةً لَكُمْ فِي أَعْمَالِكُمْ (ابن ماجہ شریف، باب الوصیۃ بالثلث، نمبر ۲۷۰۷)

ترجمہ: ۶ اور وصیت کے جائز ہونے پر اجماع ہے

تشریح: وصیت جائز ہے اس پر اجماع بھی ہے، اس لئے وصیت جائز ہے

ترجمہ: ۷ پھر اجنبی کے لئے بغیر وارثین کی اجازت کے بھی تہائی مال میں وصیت جائز ہے، اور وصیت میں افضل طریقہ کیا ہے اس کو ہم بعد میں بیان کریں گے، ان شاء اللہ

تشریح: یہاں تین باتیں ہیں۔ ۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ اجنبی کے لئے وصیت بغیر وارثین کی اجازت کے جائز ہے۔

لِلْأَجْنَبِيِّ فِي الثُّلُثِ مِنْ غَيْرِ إِجَازَةِ الْوَرَثَةِ لِمَا رَوَيْنَا، وَسَنُبَيِّنُ مَا هُوَ الْأَفْضَلُ فِيهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.
(۹۵۶) قَالَ وَلَا تَجُوزُ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ ۱؎ لِقَوْلِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ بَعْدَ مَا نَفٰى وَصِيَّتَهُ بِالْكُلِّ وَالنِّصْفِ، ۲؎ وَلِأَنَّهُ حَقُّ الْوَرَثَةِ، وَهٰذَا لِأَنَّهُ انْعَقَدَ سَبَبُ الزَّوَالِ إِلَيْهِمْ وَهُوَ اسْتِغْنَاؤُهُ عَنِ الْمَالِ فَأَوْجَبَ تَعَلُّقَ حَقِّهِمْ بِهِ إِلَّا

۲۔دوسری بات یہ ہے کہ تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنی ہوتو وارثین کی اجازت چاہئے ۔۳۔اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر اجنبی کے بجائے وارثین کے لئے وصیت کریں تب بھی وارثین کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے، اگر کسی نے کسی وارث کے لئے تھوڑے سے مال کی بھی وصیت کردی تو اگر باقی وارث اجازت دیں گے تو وصیت نافذ ہو جائے گی، اور اگر باقی وارث نے اجازت نہیں دی تو وصیت نافذ نہیں ہوگی، کیونکہ اب یہ مال وارثین کا ہے

ترجمہ: (۹۵۶) تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔

ترجمہ: ۱؎ حضرت سعد بن وقاص کی حدیث میں حضور ﷺ کا قول ہے کہ تہائی مال وصیت کرو، اور تہائی بھی بہت ہے، یہ آدھے مال اور کل مال وصیت کرنے کے نفی کرنے کے بعد کہی تھی

تشریح: میت وارث کے علاوہ کے لئے وصیت کرنا چاہے تو اپنے تہائی مال تک وصیت کرسکتا ہے۔اس سے زیادہ کی وصیت کرے تو وہ وارثین کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگی۔ کیونکہ دو تہائی مال وارثین کا حق ہو گیا۔

وجہ: عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: مَرِضْتُ، فَعَادَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ادْعُ اللَّهَ أَنْ لا يَرُدَّنِي عَلَى عَقِبِي، قَالَ: »لَعَلَّ اللَّهَ يَرْفَعُكَ وَيَنْفَعُ بِكَ نَاسًا«، قُلْتُ: أُرِيدُ أَنْ أُوصِيَ، وَإِنَّمَا لِي ابْنَةٌ، قُلْتُ: أُوصِي بِالنِّصْفِ؟ قَالَ: النِّصْفُ كَثِيرٌ، قُلْتُ: فَالثُّلُثِ؟ قَالَ: الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ أَوْ كَبِيرٌ، قَالَ: فَأَوْصَى النَّاسُ بِالثُّلُثِ، وَجَازَ ذَلِكَ لَهُمْ (بخاری شریف، باب الوصیۃ بالثلث ،ص ۳۸۳، نمبر ۲۷۴۴ر مسلم شریف، باب الوصیۃ بالثلث ،ص ۳۸، نمبر ۱۶۲۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثلث سے زیادہ وصیت نہ کرے۔ کیونکہ وہ ورثہ کا حق ہے (۲) اس قول صحابی میں اس کی پوری وضاحت ہے۔عن ابن عباسؓ قال لو غض الناس الی الربع لان رسول الله ﷺ قال الثلث والثلث کثیر (بخاری شریف، باب الوصیۃ بالثلث ،ص ۳۸۳، نمبر ۲۷۴۳ر ابن ماجہ شریف، باب الوصیۃ بالثلث ،ص ۳۹۰، نمبر ۲۷۱۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ چوتھائی مال وصیت کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ حضورؐ نے تہائی کو زیادہ مال بتایا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مال میں ورثہ کا حق ہو گیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ موت کی وجہ سے میت سے ملکیت زائل ہو کر وارثین کی ملکیت ہوگئی ہے، کیونکہ وصیت کرنے والا مال سے مستغنی ہو چکا ہے، اس لئے وارثین کا حق متعلق کرنا

أَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يَظْهَرْهُ فِي حَقِّ الْأَجَانِبِ بِقَدْرِ الثُّلُثِ لِيَتَدَارَكَ تَقْصِيرَهُ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ، ٣ وَأَظْهَرَ فِي حَقِّ الْوَرَثَةِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ لَا يَتَصَدَّقُ بِهِ عَلَيْهِمْ، تَحَرُّزًا عَمَّا يَتَّفِقُ مِنَ الْإِيْثَارِ عَلٰى مَا نُبَيِّنُهُ، ٤ وَقَدْ جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ ''اَلْحَيفُ فِي الْوَصِيَّةِ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ'' وَفَسَّرُوْهُ بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثُّلُثِ وَبِالْوَصِيَّةِ لِلْوَارِثِ.

واجب ہو گیا،لیکن شریعت نے تہائی کے بارے میں اجنبی کا حق ظاہر نہیں کیا تا کہ اپنی کوتاہی کی تلافی کر سکے،جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے

تشریح: یہاں دو باتیں عرض کر رہے ہیں۔ا۔پہلی بات یہ ہے کہ موت کی وجہ سے وصیت کرنے والا اپنے مال سے مستغنی ہو چکا ہے،اس لئے اس مال کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہو چکا ہے۔۲۔دوسری بات یہ ہے کہ اپنی کوتاہی کی تلافی کے لئے تہائی مال سے مستغنی نہیں ہوا ہے،لیکن وہ بھی اجنبی کے حق میں ہے

ترجمہ: ٣ لیکن ورثہ کے حق میں ابھی بھی استغناء کو برقرار رکھا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وارثین پر اتنا سار صدقہ نہیں کرے گا (یہ تو دوسروں کا حق مارنے کے لئے ہے)،اس کو ہم بعد میں بیان کریں گے

تشریح: عبارت پیچیدہ ہے۔اجنبی کے حق میں ہم نے کہا کہ میت ابھی بھی محتاج ہے،لیکن اپنے وارث کے حق میں ہم ابھی بھی یہی کہتے ہیں میت مستغنی ہے،کیونکہ ایک وارث پر اچانک اتنا صدقہ نہیں کرے گا،یہ دوسرے وارث کے حق کو مارنے کے لئے ایک وارث کے لئے وصیت کر رہا ہے،اس لئے اپنے وارث کے لئے وصیت کرنا جائز قرار نہیں دیا ہے،اس کو ہم بعد میں بیان کریں گے

لغت: تحرزا: بچتے ہوئے۔ایثار: ایثار کرنا،خرچ کرنا۔

ترجمہ: ٤ حدیث میں ہے کہ وصیت کرنے میں ظلم کرنا بڑے گناہ میں سے ہے،اور حیف کی تفسیر کی ہے کہ تہائی سے زیادہ وصیت کرنا،اور وارث کے لئے وصیت کرنا حیف اور ظلم ہے

وجہ: (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: الْإِضْرَارُ فِي الْوَصِيَّةِ مِنَ الْكَبَائِرِ (دارقطنی، باب کتاب الوصایا،نمبر۴۲۹۳)(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْخَيْرِ سَبْعِينَ سَنَةً، فَإِذَا أَوْصَى حَافَ فِي وَصِيَّتِهِ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِشَرِّ عَمَلِهِ فَيَدْخُلُ النَّارَ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الشَّرِّ سَبْعِينَ سَنَةً، فَيَعْدِلُ فِي وَصِيَّتِهِ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِخَيْرِ عَمَلِهِ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ« قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: »وَاقْرَئُوا إِنْ شِئْتُمْ « }تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ (النساء:۴، آیت ۱۳(ابن ماجۃ شریف، باب الحیف فی الوصیۃ،نمبر۲۷۰۴)

(۹۵۷) قَالَ إِلَّا أَنْ يُجِيزَهَا الْوَرَثَةُ بَعْدَ مَوْتِهِ وَهُمْ كِبَارٌ، ﴿ لِأَنَّ الِامْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ وَهُمْ أَسْقَطُوهُ.
(۹۵۸) وَلَا مُعْتَبَرَ بِإِجَازَتِهِمْ فِي حَالِ حَيَاتِهِ، ﴿ لِأَنَّهَا قَبْلَ ثُبُوتِ الْحَقِّ، إِذِ الْحَقُّ يَثْبُتُ عِنْدَ الْمَوْتِ فَكَانَ لَهُمْ أَنْ يَرُدُّوهُ بَعْدَ وَفَاتِهِ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ، لِأَنَّهُ بَعْدَ ثُبُوتِ الْحَقِّ فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ

ترجمه: (۹۵۷) لیکن ورثہ میت کے مرنے کے بعد اس کی اجازت دے، اور وہ ورثہ بالغ ہوں (تو اب یہ وصیت نافذ کر دی جائے گی)

ترجمه: ﴿ اس لئے کہ انہیں کے حق کے لئے ممنوع تھا، اور اب انہوں نے اپنا حق ساقط کر دیا (تو اب جائز ہو جائے گی

تشريح: البتہ اگر وارث اجازت دے تو اس کی اجازت سے کسی وارث کے لئے وصیت نافذ کر دی جائے گی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ میت کے مرنے کے بعد اجازت دے، زندگی میں ورثہ اجازت دے تو اس کا اعتبار نہیں ہے، اسی طرح بچہ اجازت دے تو اس کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس کے قول کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے بالغ آدمی کی اجازت کا اعتبار ہے

وجه: (۱) سب کی اجازت ہوگئی تو گویا کہ سب نے اپنا اپنا حصہ ایک وارث کو اپنی اپنی مرضی سے دے دیا۔ اس لئے اس کی گنجائش ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابن عباس** ؓ **قال قال رسول الله** ﷺ **لا يجوز لوارث وصية الا ان يشاء الورثة** (دار قطنی، کتاب الوصایا، ج رابع، ص ۸۷، نمبر ۴۲۵۳ / مصنف ابن ابی شیبة، ما جاء فی الوصية للوارث، ج سادس، ص ۲۰۹، نمبر ۳۰۷۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باقی وارثین اجازت دے تو وارث کے لئے وصیت نافذ کر دی جائے گی۔

ترجمه: (۹۵۸) وصیت کرنے والے کی زندگی میں وارثین نے وصیت نافذ ہونے کی اجازت دی تو اس کا اعتبار نہیں ہے (موصی کی موت کے بعد اجازت دینی ہوگی)

ترجمه: ﴿ اس لئے کہ یہ اجازت حق ثابت ہونے سے پہلے ہے، اس لئے کہ وارثین کا حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے، اس لئے اجازت دینے والے وارث کو حق ہے کہ وصیت کرنے والے کی موت کے بعد اپنی بات واپس لے لے، بخلاف موت کے بعد وارث نے نافذ کرنے کی اجازت دی ہو تو (تو اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے)، اس لئے کہ وارث کے حق ثابت ہونے کے بعد اجازت دی ہے، اس لئے اپنی بات سے رجوع نہیں کر سکتا ہے، اس لئے کہ موت سے پہلے وارث نے جو اجازت دی تھی وہ معدوم ہو چکی ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ملکیت ثابت ہو جائے تب اجازت دینا جائز ہوگا، اس سے پہلے اجازت دی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، وصیت کرنے والے کی موت کے بعد اپنی بات سے انکار کر سکتا ہے

تشريح: میت نے کسی وارث کے لئے وصیت کر دی، یا ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کر دی، وارث نے میت کی زندگی میں

يَرْجِعُوا عَنْهُ، لِأَنَّ السَّاقِطَ مُتَلَاشٍ، ۲ غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّهُ يَسْتَنِدُ عِنْدَ الْإِجَازَةِ لَكِنَّ الْاِسْتِنَادَ يَظْهَرُ فِيْ حَقِّ الْقَائِمِ وَهٰذَا قَدْ مَضٰى وَتَلَاشٰى، ۳ وَلِأَنَّ الْحَقِيْقَةَ تَثْبُتُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَقَبْلَهُ يَثْبُتُ مُجَرَّدُ الْحَقِّ فَلَوْ اِسْتَنَدَ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ يَنْقَلِبُ حَقِيْقَةً قَبْلَهُ وَالرِّضَاءُ بِبُطْلَانِ الْحَقِّ لَا يَكُوْنُ رِضًا بِبُطْلَانِ الْحَقِيْقَةِ.

کہا کہ ہم اس کی اجازت دیتے ہیں، تو اس اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، موت کے بعد اپنی بات سے انکار کر سکتا ہے، ہاں وصی کی موت کے بعد اجازت دیں گے تب اس کا اعتبار ہوگا، اگر موت کے بعد اجازت دی تو اب اپنی بات کو واپس نہیں لے سکتا ہے

وجہ: ایک ہے ملکیت کا حق ہونا، یہ وصی کی بیماری کے وقت ہو جاتا ہے، دوسرا ہے حقیقت میں ملکیت ہونا، وصی کی موت کے بعد حقیقت میں وارثین کی ملکیت ہوتی ہے، اجازت دینا ملکیت ہو جانے کے بعد ہوگی، صرف مرض الموت میں ملکیت کے حق ہونے سے اجازت کا اعتبار نہیں ہے، وہ معدوم ہے، اور غیر معتبر ہے۔

لغت: لان الساقط متلاش: اس جملے کا تعلق لھم ان یردوہ، سے ہے کہ وارث نے موصی کی حیات میں اجازت دے دی تھی تو موصی کے مرنے کے بعد اس سے رجوع کر سکتا ہے، کیونکہ موصی کی زندگی میں وارث کی اجازت دینا ساقط ہے، اور معدوم ہے۔ متلاش: لاشی، سے مشتق ہے، چور چور ہو جانا، معدوم ہونا

ترجمہ: ۲ زیادہ سے زیادہ بات یہ ہوگی کہ وارث کی اجازت اجازت کے وقت منسوب ہوگی، لیکن یہ منسوب ہونا ملکیت قائم ہو اس وقت ظاہر ہوگی، اور موت سے پہلے کی اجازت تو گزر چکی ہے، اور معدوم ہو چکی ہے (اس لئے وہ اجازت رہی ہی نہیں)

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وارث نے موصی کی موت سے پہلے جو اجازت دی تھی اس کا اثر موصی کے مرنے کے بعد ظاہر ہوگا، لیکن یہ اجازت تو پہلے ہی ساقط ہو چکی ہے اور معدوم ہو چکی ہے، اس لئے اس کا اثر موصی کی موت کے بعد ظاہر نہیں ہوگا، اور اس اجازت کا اعتبار نہیں ہوگا

لغت: یستند: سند سے مشتق ہے، منسوب ہوگا، سند پکڑی جائے گی۔

ترجمہ: ۳ اور اس لئے کہ وارث کی حقیقی ملکیت موصی کی موت کے بعد ثابت ہوتی ہے، اور موصی کی موت سے پہلے صرف ملکیت کا حق ثابت ہوتا ہے، پس اگر وارث کی اجازت کو ہر طرح سے منسوب کر دی جائے تو موصی کی موت سے پہلے ہی وارث کی حقیقی ملکیت ہو جائے گی، اور وارث حق کے ختم ہونے سے راضی ہے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ حقیقی ملکیت کے ختم ہونے سے راضی ہو گیا ہے۔

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب موصی مرض میں مبتلاء ہوا تو وارث کو ملکیت کا حق ملا، لیکن حقیقی ملک موت کے بعد ہوگی۔ وارث نے موت سے پہلے اجازت دی، تو اس نے اپنا حق ختم کیا، لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ اس نے اپنی اصلی ملکیت ختم کر دی، اس لئے موت سے پہلے وارث نے جو اجازت دی ہے اس کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ حقیقی ملکیت سے پہلے اجازت دی ہے، اور دوسرے کی ملکیت میں اجازت دینے سے اجازت ثابت نہیں ہوگی

۴ وَكَذٰلِكَ إِنْ كَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ وَأَجَازَتِ الْبَقِيَّةُ فَحُكْمُهُ مَا ذَكَرْنَاهُ، ۵ وَكُلُّ مَا جَازَ بِإِجَازَةِ الْوَارِثِ يَتَمَلَّكُهُ الْمُجَازُ لَهُ مِنْ قِبَلِ الْمُوْصِيْ عِنْدَنَا، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ مِنْ قِبَلِ الْوَارِثِ،

ترجمه: ۴ ایسے ہی وارث کے لئے وصیت کردی اور باقی وارث نے اس کی اجازت دے دی تو اس کا حکم بھی وہی ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے (کہ موصی کی موت سے پہلے کی اجازت کا اعتبار نہیں ہے، اور موصی کی موت کے بعد کی اجازت کا اعتبار ہے)

تشریح: پہلے تھا کہ وصیت کرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی اور باقی ورثہ نے موصی کی موت سے پہلے اجازت دی تو اس کا اعتبار نہیں ہے، موت کے بعد اس سے انکار کرسکتا ہے، اسی طرح موصی کو اپنے وارث کے لئے وصیت نہیں کرنی چاہئے، لیکن وارث کے لئے وصیت کردی تو باقی وارث موصی کی موت سے پہلے اجازت دی تو اس کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ موصی کی موت کے بعد اجازت دینی ہوگی تب اجازت سمجھی جائے گی

ترجمه: ۵ اور جو وصیت ایسی ہے جس میں وارث کی اجازت سے مجازلہ مالک بنتا ہے ان میں موصی کی جانب سے مالک بنے گا ہمارے نزدیک، اور امام شافعیؒ کے یہاں وارث کی جانب سے مالک بنے گا، اور صحیح ہمارا قول ہے، اس لئے کہ موصی کی جانب سے وصیت جاری ہوئی ہے (اور مال بھی موصی ہی کا ہے)، اور وارث کی اجازت سے صرف ایک رکاوٹ دور ہوئی ہے، اور رکاوٹ دور ہونے کے لئے چیز پر وارث کا قبضہ ہونا ضروری نہیں ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ۔ چیز موصی کی ہے اس لئے جس کے لئے وصیت کی ہے وہ موصی کے مال کا مالک بنے گا، وارث کے مال کا نہیں

اصول: امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ یہ مال وارث کا ہو چکا ہے، اس لئے جس کے لئے وصیت کی ہے وہ وارث کے مال کا مالک بنے گا، موصی کے مال کا نہیں

تشریح: موصی نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی، یا وارث کے لئے وصیت کر ڈالی جس میں وصیت نافذ ہونے کے لئے وارث کی اجازت کی ضرورت پڑتی ہے اس میں مجازلہ (جس کے لئے وصیت کی ہے) موصی کے مال کا مالک بنے گا یا وارث کے مال کا یہ سوال ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک موصی کے مال کا مالک بنے گا، اور امام شافعیؒ کے نزدیک وارث کے مال کا مالک بنے گا

وجه: یہاں تین چیزیں ہیں۔ ۱۔ مال موصی کا ہے۔ ۲۔ وصیت بھی موصی نے کی ہے۔ ۳۔ وارث نے صرف اجازت دی ہے، اور گویا کہ وارث کی جانب سے ایک رکاوٹ تھی اس کو وارث نے دور کیا ہے، نہ مال اس کا ہے، اور نہ اس نے وصیت کی ہے اس لئے ہمارے یہاں مجازلہ موصی کے مال کا مالک بنے گا، وارث کے مالک نہیں۔

وَالصَّحِيحُ قَوْلُنَا، لِأَنَّ السَّبَبَ صَدَرَ مِنَ الْمُوصِيْ وَالْإِجَازَةُ رَفْعُ الْمَانِعِ، وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِهِ الْقَبْضُ، ٦ وَصَارَ كَالْمُرْتَهِنِ إِذَا أَجَازَ بَيْعَ الرَّاهِنِ.

(۹۵۹) قَالَ وَلَا تَجُوزُ لِلْقَاتِلِ عَامِدًا كَانَ أَوْ خَاطِئًا بَعْدَ أَنْ كَانَ مُبَاشِرًا ١ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا وَصِيَّةَ لِلْقَاتِلِ،

لغت: مجازلہ: وصی نے جس کے لئے وصیت کی ہے۔موصی لہ۔لیس من شرطه القبض : اجازت دینے کے لئے چیز پر قبضہ کرنا شرط نہیں ہے۔یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ وارث نے موصی کی چیز پر ابھی تک قبضہ بھی نہیں کیا ہے تو چیز اس کی کیسے ہوگئی، اور چیز اس کی نہیں ہوئی تو اس کی اجازت کی کیا ضرورت ہے۔اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ چیز ہونے کے لئے قبضہ ہونا شرط نہیں ہے، موصی کے مرتے ہی چیز وارث کی ہو جاتی ہے، چاہے اس نے چیز پر قبضہ نہ کیا ہو۔ مشتری نے چیز خرید لی تو ابھی تک مبیع پر قبضہ نہیں کیا ہے تب بھی یہ چیز اس کی ہوگئی ہے، اسی طرح یہاں ہوگا

ترجمہ: ٦ اور ایسا ہو گیا، جیسے راہن کی بیچی ہوئی چیز کو مرتہن نے اس کی اجازت دے دی (تو بیع کا ثبوت راہن کی جانب سے ہوگا، مرتہن کی جانب سے نہیں)

تشریح: یہ ایک مثال ہے۔زید نے اپنی چیز عمر کے پاس رہن پر رکھا، زید نے یہ چیز بیچ دی، تو عمر کی اجازت پر یہ بیع موقوف رہے گی، لیکن عمر نے اس بیع کی اجازت دے دی تو یہ بیع زید راہن کی طرف سے ہوگی، عمر مرتہن کی طرف سے نہیں، اسی طرح وارث نے وصیت کی اجازت دی تو یہ چیز موصی کی جانب سے مجازلہ مالک بنے گا وارث کی جانب سے نہیں۔

ترجمہ: (۹۵۹) قاتل کے لئے وصیت جائز نہیں۔جان کر قتل کیا ہو یا غلطی سے قتل کیا ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ خود سے قتل کیا ہو، اس کے سبب سے قتل نہ ہوا

ترجمہ: ١ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ قاتل کے لئے وصیت نہیں ہے

تشریح: کسی کو وراثت کے لئے قتل کیا ہے تو اس کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔اور اگر میت نے وصیت کی تھی اور اسی آدمی نے میت کو قتل کر دیا تو وہ وصیت باطل ہو جائے گی۔ چاہے قتل عمد کیا ہو یا قتل خطاء کیا ہو، لیکن شرط یہ ہے خود قاتل نے قتل کیا ہو، لیکن اگر قاتل کے سبب سے قتل ہوا ہو، مثلا قاتل نے کنواں کھودا تھا اس میں موصی گر کر مر گیا، جس کی وجہ سے قاتل پر دیت لازم ہوئی تو اس صورت میں قاتل کے لئے وصیت باطل نہیں ہوگی، کیونکہ اس کے کنواں کھودنے کے سبب سے موصی قتل ہوا ہے، خود اس نے قتل نہیں کیا ہے، کان مباشرا، کا یہی معنی ہے

وجہ: (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث ہے۔ عن الی علی بن ابی طالب قال رسول الله ﷺ لیس لقاتل وصية (۲) دوسری حدیث میں ہے۔عن ابی هريرةؓ عن النبی ﷺ قال لیس لقاتل ميراث (دارقطنی فی الاقضیۃ والاحکام وغیر ذلک، ج رابع، ص۱۵۲، نمبر۴۵۷۱/۴۵۷۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاتل کے لئے وصیت نہیں ہے۔اور نہ قاتل کے لئے میراث ہے۔

۲ وَلِأَنَّهُ اِسْتَعْجَلَ مَا أَخَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فَيُحْرَمُ الْوَصِيَّةَ كَمَا يُحْرَمُ الْمِيرَاثَ، ۳ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ تَجُوزُ لِلْقَاتِلِ، وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ إِذَا أَوْصٰى لِرَجُلٍ ثُمَّ أَنَّهُ قَتَلَ الْمُوصِيَ تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ عِنْدَنَا وَعِنْدَهُ لَا تَبْطُلُ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ فِي الْفَصْلَيْنِ مَا قُلْنَاهُ.

(۹۶۰) وَلَوْ أَجَازَتْهَا الْوَرَثَةُ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَا تَجُوزُ، ۱ لِأَنَّ جِنَايَتَهُ بَاقِيَةٌ وَالْاِمْتِنَاعُ لِأَجْلِهَا،

ترجمہ: ۲ اور اس لئے کہ اللہ نے جو موخر وراثت رکھی تھی اس کو قاتل نے جلدی لینا چاہا اس لئے وصیت سے محروم رہے گا، جیسے میراث سے محروم ہے

تشریح: موصی کے مرنے کے بعد تو قاتل کو میراث ملنا ہی تھا لیکن قتل کر کے جلدی لینا چاہا تو اللہ نے اس کو میراث سے بھی محروم کر دیا، اور وصیت سے بھی محروم کر دیا تا کہ لالچ میں کوئی دوسرا آدمی قتل نہ کرے

ترجمہ: ۳ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قاتل کے لئے وصیت کرنا جائز ہے، اور اسی اختلاف پر اگر کسی آدمی کے لئے وصیت کی، پھر اس نے وصیت کرنے والے ہی کو قتل کر دیا تو ہمارے نزدیک وصیت باطل ہو جائے گی، اور امام شافعیؒ کے نزدیک وصیت باطل نہیں ہوگی، اور دونوں مسئلوں میں وہ حدیث حجت ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کیا

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں۔ ا۔ایک مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک قاتل کے لئے وصیت کرنا جائز ہے، اور ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی کے لئے وصیت کی تھی اب اس نے موصی کو قتل کر دیا تو اب یہ وصیت باطل ہو جائے گی، اس کو وصیت کی بنا پر کچھ نہیں ملے گا، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک وصیت باطل نہیں ہوگی، قاتل کو وصیت کی بنا پر مال ملے گا، دونوں مسئلوں میں امام شافعیؒ پر وہ حدیث حجت ہے جو ہم نے بیان کیا، یعنی، **ليس لقاتل وصية**،

ترجمہ: (۹۶۰) اگر ورثہ نے قاتل کے لئے جو وصیت تھی اس کی اجازت دے دی تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہو جائے گی، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز نہیں ہوگی

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ قاتل کا جرم ابھی بھی باقی ہے، اور وصیت جائز نہ ہونا اسی قتل کے جرم کی وجہ سے تھا

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ ورثہ کے حق کی وجہ سے قاتل کے لئے وصیت نہیں ہے، اس لئے اگر ورثہ اجازت دے دیں تو وصیت نافذ ہو جائے گی

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ قتل والے جرم کی وجہ سے قاتل کے لئے وصیت نہیں ہے، ورثہ کے حق کی وجہ سے نہیں، اس لئے ورثہ وصیت کی اجازت بھی دیں تب بھی قاتل کے لئے وصیت جائز نہیں ہے

تشریح: ورثہ نے قاتل کے لئے وصیت کی اجازت دے دی تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وصیت نافذ ہو جائے گی

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح خود وارث کے لئے وصیت کا امتناع باقی وارثوں کی وجہ سے ہے، لیکن وہ اجازت دے

۲ وَلَهُمَا أَنَّ الْاِمْتِنَاعَ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ، لِأَنَّ نَفْعَ بُطْلَانِهَا يَعُوْدُ إِلَيْهِمْ كَنَفْعِ بُطْلَانِ الْمِيْرَاثِ، ۳ وَلِأَنَّهُمْ لَا يَرْضَوْنَهَا لِلْقَاتِلِ كَمَا لَا يَرْضَوْنَهَا لِأَحَدِهِمْ.
(۹۶۱) قَالَ وَلَا تَجُوْزُ لِوَارِثِهِ ۱ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ أَلَا لَا

دیں تو وصیت جائز ہو جاتی ہے، اسی طرح قاتل کے لئے وصیت کا امتناع وارث کی وجہ سے ہے، اس لئے وہ اجازت دے دیں تو وصیت نافذ کر دی جائے گی

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ قتل والے جرم کی وجہ سے قاتل کے لئے وصیت نہیں ہے، اور قتل کا جرم ورثہ کی اجازت کے بعد بھی باقی ہے اس لئے ابھی بھی قاتل کے لئے وصیت جائز نہیں ہوگی

ترجمہ: ۲ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ورثہ کے حق کی وجہ سے قاتل کے لئے وصیت ممنوع ہے، اس لئے کہ وصیت کے باطل ہونے کا نفع ورثہ کی طرف لوٹتا ہے، جیسے وراثت کے باطل ہونے کا نفع ورثہ کی طرف لوٹتا ہے

تشریح: یہ امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے۔ قاتل کو وراثت نہیں ملے گی تو یہ مال باقی وارثوں کو مل جائے گا، اسی طرح قاتل کے لئے وصیت نہیں ہوگی تو یہ مال بھی باقی وارثوں کو مل جائے گا، اس لئے قاتل کے لیے وصیت کا نہ ہونا ورثہ کے حق کی وجہ سے ہے ،اس لئے ورثہ قاتل کے لئے وصیت کی اجازت دے اور اپنا حق ساقط کر دے تو قاتل کے لئے وصیت نافذ ہو جائے گی

ترجمہ: ۳ اس لئے ورثہ جس طرح خود ورثہ کے لئے وصیت کرنے سے راضی نہیں ہوں گے اسی طرح قاتل کے لئے بھی وصیت کرنے سے راضی نہیں ہوگے

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے، ورثہ یہ نہیں چاہتے کہ کسی وارث کے لئے موصی وصیت کرے، اسی طرح وہ یہ بھی نہیں چاہتے ہیں کہ قاتل کے لئے وصیت کرے، اس لئے یہ وصیت کی رکاوٹ ورثہ کی وجہ سے ہے اس لئے وہ اجازت دے دیں تو قاتل کے لئے وصیت نافذ ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۹۶۱) اپنے وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے

ترجمہ: ۱ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر حق والوں کو حق دے دیا گیا ہے، سن لو وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض کو ترجیح دینے میں باقی کو تکلیف ہوگی، اور اس کے جائز قرار دینے میں قطع رحمی بھی ہوگی، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ ظلم ہے اس حدیث کی بنا پر جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے

تشریح: جس آدمی کو میت کے مال میں حصہ ملے گا، اس کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے، ہاں باقی ورثہ میت کے مرنے کے بعد اس کی اجازت دے دی تو اب یہ وصیت نافذ ہو جائے گی، کیونکہ انہوں نے اپنا حق ساقط کر دیا

وجہ: وارث کے لئے وصیت جائز نہ ہونے کی تین وجہ بیان کر رہے ہیں، دو حدیث اور ایک دلیل عقلی (۱) حدیث یہ ہے۔

وَصِيَّةَ لِلْوَارِثِ، وَلأَنَّهُ يَتَأَذَّى الْبَعْضُ بِإِيْثَارِ الْبَعْضِ فَفِيْ تَجْوِيْزِهِ قَطِيْعَةُ الرَّحِمِ، وَلأَنَّهُ حَيْفٌ بِالْحَدِيْثِ الَّذِيْ رَوَيْنَاهُ، ۲؎ وَيُعْتَبَرُ كُوْنُهُ وَارِثًا أَوْ غَيْرَ وَارِثٍ وَقْتَ الْمَوْتِ، لا وَقْتَ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهُ

سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: »إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِى حَقٍّ حَقَّهُ فَلا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث،ص ۴۰،نمبر ۲۸۷۰رترمذی شریف، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث،ص۳۲،نمبر۲۱۲۰) حدیث سے معلوم ہوا کہ وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔(۲) صاحب ھدایہ کی دوسری حدیث ۔عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْخَيْرِ سَبْعِينَ سَنَةً، فَإِذَا أَوْصَى حَافَ فِي وَصِيَّتِهِ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِشَرِّ عَمَلِهِ فَيَدْخُلُ النَّار (ابن ماجۃ شریف، باب الحیف فی الوصیۃ،نمبر ۲۷۰۴)(۳) دلیل عقلی یہ ہے کہ بعض وارث کے لئے وصیت کریں گے تو اس کو میت کے مال سے زیادہ ملے گا،اور دوسرے کو کم ملے گا تو اس سے باقی وارث کو تکلیف ہوگی،اور قطع رحمی ہوگی اس لئے جس آدمی کے لئے واراثت میں حصہ ہے اس کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے

شروع اسلام میں وارثین کے لئے وصیت واجب تھا بعد میں قرآن نے سب حصے داروں کا حصہ متعین کردیا تو اب وہ منسوخ ہوگیا۔اب وارثین کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔کیونکہ اس میں بعض وارث کو زیادہ ملے گا۔اور بعض حقدار کو کم، ہاں! باقی ورثہ اس وصیت کو نافذ کرنے کی اجازت دے تو نافذ کردی جائے گی۔

وجه: پہلے وارثین کے لئے وصیت کرنا واجب تھا اس کی دلیل یہ آیت ہے۔کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین (آیت ۱۸۰،سورۃ البقرۃ ۲)اور اب یہ منسوخ ہوگیا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عباس قال کان المال للولد وکانت الوصیة للوالدین فنسخ اللہ من ذلک ما احب فجعل للذکر مثل حظ الانثیین (بخاری شریف، باب لا وصیۃ لوارث،ص ۴۸۳،نمبر ۲۷۴۷)اس حدیث میں ہے کہ وارثین کے لئے وصیت کرنا اب منسوخ ہوگیا۔

ترجمه: ۲؎ موصی لہ وارث ہے یا نہیں ہے یہ موصی کی موت کے وقت کا اعتبار ہوگا،وصیت کے وقت کا نہیں،اس لئے کہ موصی لہ موت کے بعد مالک ہوتا ہے،اور ملکیت کا ثبوت موت کے بعد ہوتا ہے

تشریح: وصیت جب کر رہا تھا اس وقت وارث ہے یا نہیں اس کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ موت کے وقت وارث ہے یا نہیں ہے اس کا اعتبار ہے، کیونکہ جس کے لئے وصیت کی ہے وہ موت کے بعد وارث ہوتا ہے،اس کی ایک مثال یہ ہے کہ زید کا کوئی بیٹا نہیں تھا،اس لئے اس کا بھائی وارث ہے،اب زید نے بھائی کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت وارث کے لئے ہے اس لئے جائز نہیں ہے،لیکن موت سے پہلے زید کا لڑکا ہوا،اس لئے بیٹا وارث بنا،اور بھائی وراثت سے محروم ہوگیا اس لئے موت کے

تَمْلِيكٌ مُضَافٌ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَحُكْمُهُ يَثْبُتُ بَعْدَ الْمَوْتِ، ۳ وَالْهِبَةُ مِنَ الْمَرِيضِ لِلْوَارِثِ فِي هٰذَا نَظِيرُ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهَا وَصِيَّةٌ حُكْمًا حَتّٰى تَنْفُذَ مِنَ الثُّلُثِ، ۴ وَإِقْرَارُ الْمَرِيضِ لِلْوَارِثِ عَلٰى عَكْسِهِ، لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي الْحَالِ فَيُعْتَبَرُ ذٰلِكَ وَقْتَ الْإِقْرَارِ.

(۹۶۲) قَالَ إِلَّا أَنْ يُجِيزَهَا الْوَرَثَةُ، ۱ وَيُرْوَى هٰذَا الْاِسْتِثْنَاءُ فِيمَا رَوَيْنَاهُ، ۲ وَلِأَنَّ الْاِمْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ فَتَجُوزُ بِإِجَازَتِهِمْ، وَلَوْ أَجَازَ بَعْضٌ وَرَدَّ بَعْضٌ تَجُوزُ عَلَى الْمُجِيزِ بِقَدْرِ حِصَّتِهِ لِوِلَايَتِهِ عَلَيْهِ

وقت بھائی کے لئے وصیت کرنا جائز ہو گیا، دوسری مثال یہ ہے کہ زید کا بیٹا تھا اس لئے اس کے بھائی کے لئے وصیت کرنا جائز تھا، لیکن موت سے پہلے بیٹے کا انتقال ہو گیا اس لئے اب یہ وصیت جائز نہیں گی، کیونکہ موت کے وقت کا اعتبار ہے

ترجمہ: ۳ مریض وارث کے لئے ہبہ کرے وہ وصیت کے مثل ہے اس لئے کہ وہ بھی حکما وصیت کی طرح ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ ہبہ تہائی میں نافذ ہوگا

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ، مرض الموت میں ہبہ وصیت کی طرح ہے

تشریح: مرض الموت کی حالت میں ہبہ کرنے کا حکم وصیت کی طرح ہے، یہی وجہ ہے کہ وارث کے لئے ہبہ کرنا جائز نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح وصیت صرف تہائی مال میں جاری ہوتی ہے، اسی طرح مرض الموت کا ہبہ بھی تہائی مال ہی میں نافذ ہوگا زیادہ میں نہیں

ترجمہ: ۴ اور وارث کے لئے مریض کا اقرار وصیت سے الٹا ہے اس لئے اس میں فی الحال تصرف ہے اس لئے اقرار میں اقرار کے وقت کا اعتبار ہے

تشریح: جس طرح وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں اسی طرح وارث کے لئے مرض الموت میں اقرار کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے یہ تأثر جاتا ہے کہ اقرار کر کے اس کو زیادہ دینا چاہتا ہے، البتہ اس میں خیال رہے کہ اقرار کے وقت میں وہ وارث ہے یا نہیں اس کا اعتبار ہے، موت کے وقت میں وارث ہے یا نہیں اس کا اعتبار نہیں ہے

ترجمہ: (۹۶۲) لیکن ورثہ نے اجازت دی ہو تو وصیت جائز ہو جائے گی

ترجمہ: ۱ اور یہ استثناء روایت میں موجود ہے

وجہ: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَجُوزُ الْوَصِيَّةُ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرَثَةُ (دارقطنی، کتاب الفرائض، ۴۱۵۰ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ما جاء فی الوصیۃ للوارث، ج سادس، ص ۲۰۹، نمبر ۳۰۷۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باقی وارثین اجازت دے تو وارث کے لئے وصیت نافذ کر دی جائے گی۔

ترجمہ: ۲ اور اس لئے کہ باقی وارثین کے حق کے لئے وصیت ممتنع ہے اس لئے ان کی اجازت سے جائز ہو جائے گی،

وَبَطَلَ فِيْ حَقِّ الرَّادِ.

(۹۶۳) قَالَ وَيَجُوْزُ أَنْ يُوْصِيَ الْمُسْلِمُ لِلْكَافِرِ وَالْكَافِرُ لِلْمُسْلِمِ ۱؎ فَالْأَوَّلُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ الآية

اوراگر بعض نے اجازت دی اور بعض نے رد کردیا تو اجازت والے پر جائز ہوگی اس کے حصے کی مقدار، اس لئے کہ اس کو اس پر ولایت ہے، اور رد کرنے والے کے حق میں باطل ہو جائے گی

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: (۹۶۳) اور جائز ہے مسلمان کافر کے لئے وصیت کرے اور کافر مسلمان کے لئے۔

ترجمہ: ۱؎ پہلا (یعنی مسلمان کافر کے لئے وصیت کرے) اس کی دلیل اللہ تعالی کا قول ہے جو لوگ تم سے دین کے بارے میں قتال نہیں کرتے ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے میں اللہ تم کو نہیں روکتے ہیں، آیت،

تشریح: کافر کی چار قسمیں ہیں، ۱۔ ایک وہ کافر جو دار الاسلام میں ٹیکس دیکر رہتے ہیں اور ذمی ہیں، ان کے لئے وصیت کرنا جائز ہے۔ ۲۔ وہ کافر جو دار الحرب میں رہتے ہیں لیکن امن لیکر دار الاسلام میں آئے ہیں، ان کے لئے بھی وصیت جائز ہے۔ ۳۔ وہ کافر جو اپنے کفر کے ملکوں میں رہتے ہیں، لیکن مسلمان سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کرتے، ان کے لئے بھی وصیت جائز ہے۔ ۴۔ وہ کافر جو دار الحرب میں رہتے ہیں، اور اس وقت مسلمانوں سے دین کے بارے میں لڑائی میں ہے تو جامع صغیر میں ہے کہ ان کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی آیت یہ ہے جس میں ہے کہ جو غیر مسلم تم سے دین میں نہیں لڑتے ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے میں تم کو نہیں اللہ نہیں روکتے۔ لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (سورت الممتحنۃ ۶۰، آیت ۸) (۲) اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَى أَوْلِيَائِكُمْ مَعْرُوفًا كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا (آیت ۶، سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت میں الا ان تفعلوا الی اولیاء کم معروفا سے اشارہ ہے کہ اولیاء اور خاندان والے کافر بھی ہوں تو ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کر سکتا ہے۔ اور وصیت کرنا ایک قسم کا احسان کرنا ہے۔ اس لئے وصیت بھی کر سکتا ہے (۳) قول صحابی میں ہے۔ ان صفیة اوصت لقرابة لها یهودی (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۲ فی الوصیۃ للیهودی والنصرانی من رأها جائزة، ج سادس، ص ۲۱۳، نمبر ۳۰۷۵۴ رسنن للبیہقی، باب الوصیۃ للکفار، ج سادس، ص ۴۵۹، نمبر ۱۲۶۵۰) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ آدمی یہودی یا نصرانی کے لئے وصیت کر سکتا ہے۔ اور جب کفار کے لئے وصیت کر سکتا ہے تو کفار بھی مسلمان کے لئے وصیت کر سکتے ہیں۔

۲ وَالثَّانِيُ لِأَنَّهُمْ بِعَقْدِ الذِّمَةِ سَاوَوْا الْمُسْلِمِيْنَ فِي الْمُعَامَلَاتِ، وَلِهٰذَا جَازَ التَّبَرُّعُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فِيْ حَالَةِ الْحَيَاةِ فَكَذَا بَعْدَ الْمَمَاتِ، ۳ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ الْوَصِيَّةُ لِأَهْلِ الْحَرْبِ بَاطِلَةٌ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ الآية.

(۹۶۴) قَالَ وَقَبُوْلُ الْوَصِيَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ فَإِنَّ قَبِلَهَا الْمُوْصٰى لَهٗ فِيْ حَالِ حَيَاتِهٖ أَوْ رَدَّهَا فَذٰلِكَ بَاطِلٌ، ۱ لِأَنَّ أَوَانَ ثُبُوْتِ حُكْمِهٖ بَعْدَ الْمَوْتِ لِتَعَلُّقِهٖ بِهٖ فَلَا يُعْتَبَرُ قَبْلَهٗ كَمَا لَا يُعْتَبَرُ قَبْلَ الْعَقْدِ.

ترجمه: ۲ دوسری وجہ یہ ہے کہ ذمی نے ذمی ہونے کا عقد کیا ہے اس لئے وہ معاملات میں مسلمانوں کی طرح ہو گیا (اس لئے اس کے لئے وصیت جائز ہوگی)، اسی لئے دونوں جانب سے تبرع اور احسان جائز ہے زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی، (یعنی وصیت بھی)

تشریح: واضح ہے

ترجمه: ۳ جامع صغیر میں ہے کہ اہل حرب کے لئے وصیت کرنا باطل ہے، اللہ تعالی کے اس قول کی وجہ سے، کہ جو تم سے دین کے بارے میں قتال کرتے ہیں، ان سے دوستی نہ رکھو، آیت

تشریح: چونکہ اہل حرب ہم سے دین کے بارے میں قتال کر رہے ہیں، اس لئے وہ دشمن ہوئے اس لئے ان کے بارے میں وصیت کرنا باطل ہے

جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ رجل أوصى لرجل فقبوله ورده في حَيَاة الْمُوصى بَاطِل وَتجوز الْوَصِيَّة لما فِي الْبَطن وَلَا تجوز لَهُ الْهِبَة وَالْوَصِيَّة لأهل الْحَرْب بَاطِلَة فَإِن دخل حَرْبِيّ دَار الْإِسْلَام بِأَمَان فأوصى لمُسلم أَو ذمِّي جَازَ (جامع صغیر، باب الوصیۃ بثلث المال، ۵۲۴)

وجه: صاحب ھدایہ کی پیش کردہ آیت یہ ہے۔ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (سورت الممتحنۃ ۶۰، آیت ۹)

ترجمه: (۹۶۴) وصیت قبول کرنے کا اعتبار موت کے بعد ہے، پس اگر موصی لہ نے زندگی میں قبول کیا یا اس کو رد کیا تو یہ باطل ہے۔

ترجمه: ۱ اس لئے کہ وصیت کے حکم کے ثابت ہونے کا وقت موت کے بعد ہے، اس لئے کہ وصیت موت کے بعد متعلق ہوتی ہے، اس لئے موت سے پہلے قبول کرنے اور نہ کرنے کا اعتبار نہیں ہے، جیسے عقد میں عقد سے پہلے قبول کرنے اور نہ کرنے کا اعتبار کیا جاتا ہے

لغت: ۔ ۱۔ وصیت کرنے والے کو موصی ۔ ۲۔ اور جس کے لئے وصیت کی اس کو موصی لہ۔ ۳۔ اور جس مال کی وصیت کی اس کو موصی بہ۔ ۴۔ اور جس سے وصیت نافذ کرنے کے لئے کہا اس کو وصی کہتے ہیں۔ مثلاً زید نے خالد سے کہا کہ میرے مرنے کے

(۹٦۵) قَالَ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُوْصِيَ الْإِنْسَانُ بِدُوْنِ الثُّلُثِ

بعد یہ باغ محمود کو دے دینا تو زید وصیت کرنے والا ہے اس لئے یہ موصی ہوا۔اور خالد وصیت نافذ کرنے والا ہے اس لئے وہ وصی ہوا،اور محمود کے لئے باغ کی وصیت کی اس لئے محمود موصی لہ ہوا،اور باغ کی وصیت کی ہے اس لئے باغ موصی بہ ہوا۔

اصول: جب موصی لہ چیز کا مالک بنے گا تب اس کو قبول کرنے، یا نہ کرنے کا اختیار ہے،اس سے پہلے نہیں،اور چیز کا مالک بنتا ہے،موصی کی موت کے بعد اس لئے موت کے بعد ہی قبول کرنے، یا رد کرنے کا حق ہوگا،زندگی میں نہیں

وجہ: (۱)وصیت کا مطلب ہے مرنے کے بعد موصی لہ کو مالک بنانا تو جس وقت مالک بنایا جائے گا یعنی مرنے کے بعد اس وقت قبول یا انکار کا اعتبار ہے۔اور حیات میں مالک بنایا ہی نہیں جا رہا ہے تو اس کے قبول یا رد کا کیا اعتبار ہوگا؟ (۲) قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ **ان ابن ابی ربیعة کتب الی عمر بن الخطاب الرجل یوصی بوصیة ثم یوصی باخری قال املکھما آخرھما** (مصنف ابن ابی شیبة،۱۳ الرجل یوصی بالوصیة ثم یوصی باخری بعدھا، ج سادس، ص ۲۱۱، نمبر ۳۰۷۲۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بعد کی وصیت کا اعتبار ہے پہلی وصیت ساقط ہو جائے گی (۳) قول تابعی میں ہے کہ میت کی زندگی میں ورثہ زیادہ وصیت کرنے کی اجازت دے پھر مرنے کے بعد ورثہ زیادہ وصیت کرنے دینے کی اجازت سے مکر جائے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، پھر تہائی سے زیادہ کی وصیت منسوخ ہو جائے گی۔قول تابعی یہ ہے۔ **عن شریح قال اذا استأذن الرجل ورثته فی الوصیة فاوصی باکثر من الثلث فطیبوا له،فاذا نفضوا ایدیهم من قبره فهم علی رأس امرهم ان شاء وا اجازوا وان شاء وا لم یجیزوا** (مصنف ابن ابی شیبة،۲ فی الرجل یستأذن ورثته ان یوصی باکثر من الثلث، ج سادس، ص ۲۰۹، نمبر ۳۰۷۱۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے مرنے کے بعد رد کرنے یا قبول کرنے کا اعتبار ہے (۴) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عبد الله بن ابی قتادة عن ابیه ان النبی ﷺ حین قدم المدینة سأل عن البراء بن معرور فقالوا توفی واوصی بثلثه لک قال قد رددت ثلثه علی ولده** (سنن للبیہقی، باب الوصیة للرجل وقبوله ورده، ج سادس، ص ۴۵۱، نمبر ۱۲۶۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موصی لہ کو موصی کے مرنے کے بعد قبول کرنے یا رد کرنے کا حق ہوتا ہے۔

ترجمہ: (۹٦۵) مستحب ہے کہ انسان تہائی سے کم کی وصیت کرے۔

وجہ: (۱) حدیث میں فرمایا کہ تہائی مال تو بہت بڑی چیز ہے اس لئے بہتر ہے کہ تہائی مال سے کم کی وصیت کرے۔خصوصا غریب ورثہ ہو تو ان کی رعایت پوری کرے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عامر بن سعد عن ابیه قال مرضت فعادنی النبی ﷺ ... ارید ان اوصی وانما لی ابنة فقلت اوصی بالنصف؟ قال النصف کثیر قلت فالثلث؟ قال الثلث والثلث کثیر او کبیر قال واوصی الناس بالثلث فجاز ذلک لهم** (بخاری شریف، باب الوصیة بالثلث

۱ سَوَاءٌ كَانَتُ الْوَرَثَةُ أَغْنِيَاءَ أَوْ فُقَرَاءَ، لِأَنَّ فِي التَّنْقِيصِ صِلَةَ الْقَرِيبِ بِتَرْكِ مَالِهِ عَلَيْهِمْ، بِخَلَافِ اِسْتِكْمَالِ الثُّلُثِ، لِأَنَّهُ اِسْتِيفَاءُ تَمَامِ حَقِّهِ فَلَا صِلَةَ وَلَا مِنَّةَ، ۲ ثُمَّ الْوَصِيَّةُ بِأَقَلَّ مِنَ الثُّلُثِ أَوْلٰى أَمْ تَرْكُهَا؟ قَالُوْا إِنْ كَانَتِ الْوَرَثَةُ فُقَرَاءَ وَلَا يَسْتَغْنُوْنَ بِمَا يَرِثُوْنَ فَالتَرْكُ أَوْلٰى لِمَا فِيْهِ مِنَ الصَّدَقَةِ عَلَى الْقَرِيْبِ وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ عَلٰى ذِى الرَّحْمِ الْكَاشِحِ، وَلِأَنَّ فِيْهِ رِعَايَةَ حَقِّ الْفُقَرَاءِ

،ص ۳۸۳،نمبر ۲۷۴۴)(۳)اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے قول میں ہے کہ میری تمنا ہے کہ لوگ چوتھائی تک وصیت کیا کریں۔قول صحابی یہ ہے۔عن ابن عباسؓ قال لو غض الناس الى الربع لان رسول الله ﷺ قال الثلث، والثلث كثير (بخاری شریف،باب الوصیۃ بالثلث،ص ۳۸۳،نمبر ۲۷۴۴/۲۷۴۳ /مسلم شریف،باب الوصیۃ بالثلث،ص ۳۸،نمبر ۱۶۲۹/ابوداؤد شریف،باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ،ص ۳۹،نمبر ۲۸۶۴/ابن ماجہ شریف،باب الوصیۃ بالثلث،ص ۳۹۰،نمبر ۲۷۱۱)اس حدیث اور قول صحابی سے معلوم ہوا کہ تہائی سے کم چوتھائی مال تک وصیت کرنا مستحب ہے۔

ترجمہ: ۱ چاہے ورثہ مالدار ہوں یا فقیر ہوں،اس لئے کہ تہائی سے کم وصیت کرنے میں قریبی رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کرنا ہے،اس کے لئے کچھ مال چھوڑ کر،بخلاف پوری تہائی وصیت کرنے میں اپنا پورا حق لے لینا ہے،اس لئے نہ صلہ رحمی ہوئی اور نہ وارثین پر احسان ہوا

تشریح: وارثین مالدار ہو یا غریب دونوں صورتوں میں تہائی سے کم وصیت کرنا مستحب ہے،اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ وصی نے جو تھوڑا سا مال چھوڑا اس سے وارثین پر صلہ رحمی بھی ہوگی،اور اس پر احسان بھی ہوگا،لیکن اگر پوری تہائی وصیت کر دی تو گویا کہ میت نے اپنا پورا حق وصول کر لیا،اور وارثین کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کی،اور نہ اس پر احسان کیا،اس لئے تہائی مال سے کچھ کم وصیت کرنا مستحب ہے،لیکن پوری تہائی وصیت کر دی تب بھی جائز ہے

ترجمہ: ۲ پھر تہائی سے کم وصیت کرے تو یہ بہتر ہے،یا وصیت چھوڑ دے یہ بہتر ہے،تو علماء نے فرمایا کہ اگر ورثہ فقیر ہوں،اور اس وراثت میں جو مال ملے گا اس سے بھی مالدار نہ بن پاتے ہوں ہو تو وصیت چھوڑ دینا بہتر ہے،اس لئے کہ اس صورت میں قریبی رشتہ دار پر صدقہ ہے،اور حضور نے فرمایا کہ ذی رحم محرم جو دشمنی رکھتا ہو اس پر صدقہ زیادہ افضل ہے،اور اس لئے کہ اس میں فقیر کے حق کی بھی رعایت ہے اور قرابت کی بھی رعایت ہے

وجہ: (۱)صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّدَقَاتِ أَيُّهَا أَفْضَلُ؟ قَالَ: »عَلَى ذِى الرَّحِمِ الْكَاشِحِ (سنن دارمی،باب الصدقۃ علی القرابۃ،نمبر ۱۷۲۱)(۲)دوسری حدیث میں ہے کہ رشتہ دار پر صدقہ کرنے دوہرا ثواب ملے گا۔عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَعَلَى ذِى الْقَرَابَةِ اثْنَتَانِ: صَدَقَةٌ

وَالْقَرَابَةِ جَمِيعًا. ٣ وَإِنْ كَانُوا أَغْنِيَاءَ أَوْ يَسْتَغْنُوْنَ بِنَصِيْبِهِمْ فَالْوَصِيَّةُ أَوْلٰى، لِأَنَّهُ يَكُوْنُ صَدَقَةً عَلَى الْأَجْنَبِيِّ وَالتَّرْكُ هِبَةٌ مِنَ الْقَرِيْبِ وَالْأُوْلٰى أَوْلٰى، لِأَنَّهُ يُبْتَغٰى بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰى، ٤ وَقِيْلَ فِيْ هٰذَا الْوَجْهِ يُخَيَّرُ لِاشْتِمَالِ كُلٍّ مِنْهُمَا عَلٰى فَضِيْلَةٍ وَهُوَ الصَّدَقَةُ أَوِ الصِّلَةُ فَيُخَيَّرُ بَيْنَ الْخَيْرَيْنِ.

(٩٦٦) قَالَ وَالْمُوْصٰى بِهٖ يَمْلِكُ بِالْقَبُوْلِ،

وَصِلَةٌ (ابن ماجة شريف، باب افضل الصدقة، نمبر ١٨٤٤)

ترجمه: ٣ اور اگر وارثین مالدار ہیں، یا اس وراثت کے ملنے سے مالدار بن جائیں گے تو اجنبی کے لئے وصیت کرنا افضل ہے اس لئے کہ اس صورت میں اجنبی پر صدقہ ہو جائے گا، اور چھوڑنے میں وارثین کے لئے ہبہ ہوگا، اس لئے پہلا یعنی صدقہ کرنا افضل ہے، اس لئے کہ اس صدقہ سے اللہ کی رضا مندی مقصود ہے

تشریح: اگر وارث مالدار ہیں، یا اس وراثت کے ملنے سے مالدار بن جائیں گے تو اجنبی پر صدقہ کرنا افضل ہے، اس سے زیادہ ثواب ملے گا

ترجمه: ٤ ایک تیسری رائے یہ ہے کہ اس صورت میں اختیار دیا جائے گا، اس لئے کہ دونوں میں الگ الگ فضیلتیں ہیں، اس لئے وہ صدقہ ہے، یا صلہ رحمی ہے اس لئے موصی دونوں نیکیوں کے درمیان اختیار دیا جائے گا

تشریح: ایک رائے یہ ہے کہ وصیت چھوڑے گا تو رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی ہے، اور اجنبی پر وصیت کرے گا تو صدقہ کا ثواب ملے گا اس لئے وصیت کرنے والے کو دونوں اختیار ہیں

ترجمه: (٩٦٦) جس چیز کی وصیت کی جائے وہ ملک میں آجاتی ہے قبول کرنے سے۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ جس کے لئے وصیت کی ہے وہ اس کو قبول کرے گا تب وہ چیز کا مالک بنے گا، اور رد کرے گا تو وصیت رد ہو جائے گی

اصول: امام شافعیؒ کا ایک اصول یہ ہے کہ، جس کے لئے وصیت کی ہے اس کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ بغیر قبول کئے ہی چیز کا مالک بنے گا

تشریح: وصیت کرنے والے نے وصیت کی اور جس کے لئے وصیت کی اس نے قبول کر لیا تو وصیت کی چیز موصی لہ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔ اور قبول نہیں کیا تو اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی۔

وجه: (۱) حنفیہ کے یہاں وصیت بیع کی طرح ہے۔ جس طرح بیع میں بائع ایجاب کرے پھر مشتری قبول کرے تب مبیع مشتری کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وصیت میں موصی وصیت کرے اور موصی لہ اس کو قبول کرے تب وصیت کی چیز موصی لہ کی ملکیت میں داخل ہوگی۔ اور اگر موصی لہ نے انکار کر دیا یا اس کو خبر پہنچی اور وہ خاموش رہا تو وصیت کی چیز اس کی ملکیت نہیں ہوگی۔

۱؎ خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهِ عَلَيْهِ هُوَ يَقُوْلُ الْوَصِيَّةُ أُخْتُ

وجہ: (۱) موصی لہ کے قبول کی ضرورت اس لئے ہے کہ وصیت ایک قسم کا احسان ہے تو ممکن ہے کہ موصی لہ اس احسان کو نہ لینا چاہتا ہو۔ یا وہ مثلا فقیر نہیں ہے اور موصی صدقے کے مال کی وصیت موصی لہ کے لئے کرنا چاہتا ہے جس کی وجہ سے موصی لہ اس کے حق میں ہے کہ صدقے کا مال میں نہ لوں۔ اس لئے وہ قبول کرے گا تو ملکیت ہوگی ورنہ نہیں (۲) یہ قول صحابی بھی اس کی دلیل ہے۔ عن ابن عون قال اوصی الی ابن عم فکرهت ذلک فسألت عمرا فامرنی ان اقبلها قال و کان ابن سیرین یقبل الوصیة (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۵ فی قبول الوصیة، من کان یوصی الی الرجل فیقبل ذلک، ج سادس، ص ۲۲۷، نمبر ۳۰۹۰۱) اس میں وصیت قبول کی تب وصی بنا۔ (۳) اس قول تابعی میں اس کا اشارہ ہے۔ عن الشعبی قال لا وصیة لمیت (مصنف ابن ابی شیبة، الرجل یوصی لرجل بوصیة فیموت الموصی لہ قبل الموصی، ج سادس، ص ۲۱۱، نمبر ۳۰۷۳۲) اس قول تابعی میں ہے کہ جو مر چکا ہے اس کے لئے وصیت کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ وصیت کی چیز کو قبول کرنے کا اہل نہیں رہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وصیت کی چیز کو قبول کرنے سے موصی لہ کی ملکیت ہوگی۔ (۴) عَنْ حَفْصٍ، عَنْ مَكْحُولٍ، فِي الرَّجُلِ يُوصِي لِلرَّجُلِ بِدَنَانِيرَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَيَمُوتُ الْمُوصَى لَهُ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ بِهَا مِنْ أَهْلِهِ .قَالَ: »هِيَ إِلَى أَوْلِيَاءِ الْمُتَوَفَّى الْمُوصِي يُنْفِذُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (دارمی، باب اذا مات الموصی لہ قبل الموصی، نمبر ۳۳۴۴) اس حدیث میں ہے کہ موصی لہ کا انتقال موصی سے پہلے ہو جائے تو چیز موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گی (۵) حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور نے چیز ورثہ کی طرف لوٹا دی۔ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ سَأَلَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ مَعْرُورٍ، فَقَالُوا: تُوُفِّيَ وَأَوْصَى بِثُلُثِهِ لَكَ، قَالَ: " قَدْ رَدَدْتُ ثُلُثَهُ عَلَى وَلَدِهِ (سنن للبیہقی، باب الوصیة للرجل وقبولہ وردہ، ج سادس، ص ۴۵۲، نمبر ۱۲۶۱۳ / مستدرک للحاکم، کتاب الجنائز، نمبر ۱۳۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد وصیت قبول کرنے یا رد کرنے کا حق ہوتا ہے۔ اور یہاں قبول کرنے والا ہی پہلے مر گیا تو کون قبول کرے گا۔ اس لئے یہ وصیت باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ امام زفرؒ اس کے خلاف ہیں۔ اور امام شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے (یعنی موصی لہ کے قبول کئے بغیر ہی وہ مالک ہو جائے گا) وہ فرماتے ہیں کہ وصیت میراث کی بہن ہے، اس لئے کہ دونوں ہی خلیفہ کے طور پر مالک بنتا ہے، اس لئے کہ اس میں ملک کا انتقال ہے، پھر وراثت بغیر وارث کے قبول کے ثابت ہوتی ہے تو اسی طرح وصیت بھی بغیر وارث کے قبول کے ثابت ہوگی

تشریح: امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وصیت میں چیز کا مالک بننے کے لئے موصی لہ کے قبول کی ضرورت نہیں ہے، بغیر قبول کئے ہوئے ہی وہ چیز کا مالک بن جائے گا

الْمِيرَاثِ إِذْ كُلٌّ مِنْهُمَا خِلافَةٌ لِمَا أَنَّهُ اِنْتِقَالٌ، ثُمَّ الْإِرْثُ يَثْبُتُ مِنْ غَيْرِ قَبُوْلٍ فَكَذٰلِكَ الْوَصِيَّةُ، ۲ وَلَنَا أَنَّ الْوَصِيَّةَ إِثْبَاتُ مِلْكٍ جَدِيْدٍ وَلِهٰذَا لا يُرَدُّ الْمُوْصٰى لَهُ بِالْعَيْبِ وَلا يُرَدُّ عَلَيْهِ بِالْعَيْبِ وَلا يَمْلِكُ أَحَدٌ اِثْبَاتَ الْمِلْكِ لِغَيْرِهٖ إِلَّا بِقَبُوْلِهٖ، ۳ أَمَّا الْوَرَاثَةُ خِلافَةٌ حَتّٰى يَثْبُتَ فِيْهَا هٰذِهِ الْأَحْكَامُ

وجه: (۱) وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح وراثت میں میت کے مرتے ہی وارث اس چیز کے مالک بن جاتے ہیں، اوران کو قبول کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے اسی طرح یہاں بھی ہوگا، کیونکہ وصیت وراثت کی بہن ہے (۲) وصیت میں خلیفہ کے طور پر موصی لہ مالک بنتا ہے، اس لئے اس میں قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت میں موصی لہ کے لئے ملک جدید کو ثابت کرنا ہے (، یہ خلیفہ کے طور پر نہیں ہے، اس لئے اس میں قبول کرنے کی ضرورت ہے) یہی وجہ ہے کہ چیز میں عیب ہوتو موصی لہ اس کی وجہ سے بائع پر واپس نہیں کرسکتا ہے، اورعیب کی بنا پر مشتری موصی لہ پر چیز واپس نہیں کرسکتا ہے، اورکوئی قبول کے بغیر اس کی ملکیت ثابت کرنے کا مالک نہیں ہوتا ہے

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت میں وراثت کی طرح بطور خلافت کے موصی لہ مالک نہیں ہوتا ہے، بلکہ موصی لہ کے لئے ملک جدید ہوتی ہے، اس لئے جس طرح مشتری قبول کرتا ہے تب اس کے لئے ملک ہوتی ہے، اسی طرح وصیت میں بھی موصی لہ قبول کرے گا کہ وصیت کی چیز کو قبول کرتا ہوں تب وہ مالک ہوگا، اورخاموش رہے گا یا رد کرے گا تو وصیت رد ہو جائے گی، اس کی دو مثال پیش کررہے ہیں۔۱۔ وصیت کرنے والے نے ایک چیز خریدی، پھر اس کو موصی لہ کے لئے وصیت کی، اب موصی لہ نے اس میں عیب پایا، تو اس عیب کی وجہ سے وصیت کرنے والے کے بائع پر واپس نہیں کرسکتا ہے، بلکہ یہ وصی پر واپس کرے گا، پھر وصی اپنے بائع پر واپس کرے گا، اگر موصی لہ خلیفہ کے طور پر مالک بنتا تو خلیفہ ہونے کی وجہ سے وصیت کرنے والے کے بائع پر واپس کرسکتا تھا، جس طرح وراثت میں وارث مالک بنتا ہے تو اس کو واپس کرنے کا حق ملتا ہے، یہ واپس نہ کر سکنا دلیل ہے کہ یہ موصی کا خلیفہ نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ملک جدید ہے۔۲۔ دوسری مثال، وصیت کرنے والے نے تمام مال کی وصیت کی، پھر اس مال میں سے کوئی چیز بیچ دی، اب خریدنے والے نے اس میں عیب پایا اس وقت موصی کا انتقال ہو چکا تھا ،تو اب یہ مشتری عیب کی وجہ سے موصی لہ کے پاس نہیں لوٹا سکتا ہے، اگر وارث کی طرح یہ خلیفہ ہوتا تو موصی لہ کے پاس لوٹا سکتا تھا، لیکن نہیں لوٹا سکنا اس بات کی دلیل ہے کہ موصی لہ کی ملک جدید ہے، اس لئے موصی لہ کے قبول کرنے کی ضرورت ہے۔

ترجمہ: ۳ بہرحال وراثت تو خلافت میں آجاتی ہے یہاں تک کہ اس میں یہ احکام ثابت ہوں گے، اور وارث کی ملکیت شریعت کی جانب سے بغیر قبول کئے ہوئے ثابت ہوجائے گی

تشریح: وراثت میں وارث مورث کی جانب سے بطور خلافت کے مالک ہوتا ہے، اس میت کے مرنے کے بعد چیز کو قبول نہ بھی کرے تب بھی وارث مالک ہوجائے گا، یہی وجہ ہے کہ پہلی مثال میں مریض نے کوئی چیز خریدی ہو پھر وہ مرگیا اور وہ چیز وارث کی ملکیت میں اائی ہو، اوراس چیز میں عیب ہوتو وارث عیب کی وجہ سے بائع پر واپس کرسکتا ہے، کیونکہ وہ میت کا خلیفہ ہے

فَيَثْبُتُ جَبْرًا مِنَ الشَّرْعِ مِنْ غَيْرِ قَبُوْلٍ.

(۹٦۷) قَالَ إِلَّا فِيْ مَسْأَلَةٍ وَاحِدَةٍ وَهُوَ أَنْ يَمُوْتَ الْمُوْصِيْ ثُمَّ يَمُوْتُ الْمُوْصٰى لَهُ قَبْلَ الْقُبُوْلِ فَيَدْخُلُ الْمُوْصٰى بِهٖ فِيْ مِلْكِ وَرَثَتِهٖ ۱؎ اِسْتِحْسَانًا، ۲؎ وَالْقِيَاسُ أَنْ تَبْطُلَ الْوَصِيَّةُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْمِلْكَ مَوْقُوْفٌ عَلَى الْقَبُوْلِ فَصَارَ كَمَوْتِ الْمُشْتَرِيْ قَبْلَ قَبُوْلِهٖ بَعْدَ إِيْجَابِ الْبَائِعِ،

،تو جس طرح میت واپس کرسکتا تھا اسی طرح وارث بھی واپس کرسکتا ہے۔ دوسری مثال میں جبکہ میت نے کوئی چیز بیچی ہو، میت کے مرنے کے بعد اس میں عیب پایا گیا تو مشتری اس چیز کو وارث پر واپس کرسکتا ہے، کیونکہ وارث میت کا اب خلیفہ ہے۔ اس لئے وارثت میں وارث میت کا خلیفہ بنتا ہے، اس لئے مالک ہونے کے لئے چیز کو قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۹٦۷) مگر ایک مسئلے میں وہ یہ کہ وصیت کرنے والا مرے پھر وہ مرے جس کے لئے وصیت کی قبول کرنے سے پہلے تو وصیت کی چیز موصی لہ کے ورثہ کی ملکیت میں داخل ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ استحسان کے طور پر

تشریح: وصیت کرنے والے نے جس وقت وصیت کی اس وقت جس کے لئے وصیت کی تھی وہ زندہ تھا۔ لیکن اس کو وصیت کی خبر پہنچنے سے پہلے اور قبول یا رد کرنے سے پہلے موصی لہ کا انتقال ہو گیا اور وصیت کرنے والا زندہ تھا پھر مرا تو یہ چیز جس کے لئے وصیت کی تھی اس کے ورثہ کی ملکیت ہو جائے گی۔

وجہ: (۱) اس قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ فِي رَجُلٍ أَوْصَى لِرَجُلٍ فَمَاتَ الَّذِي أَوْصَى لَهُ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُ، قَالَ: هِيَ لِوَرَثَةِ الْمُوصَى لَهُ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴؎ فی الرجل یوصی لرجل بوصیۃ فیموت الموصی لہ قبل الموصی، نمبر ۳۰۷۳۸ مصنف عبد الرزاق، الرجل یوصی والمقتول والرجل یوصی للرجل فیموت قبلہ، ج تاسع، ص ۸۴، نمبر ۱٦۴۴۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ وصیت کرنے کے بعد موصی لہ مر گیا تو یہ مال موصی لہ کے ورثہ کی ملکیت ہو جائے گی (۲) موصی نے وصیت کردی تو اپنی جانب سے مال موصی لہ کی ملکیت میں داخل کر دی۔ اب موصی لہ زندہ تو تھا لیکن خبر نہ ہونے کی وجہ سے قبول یا انکار نہ کرسکا تو ظاہری حال یہی ہے کہ وہ قبول ہی کرے گا۔ اس لئے اس کی ملکیت میں داخل شمار کر کے اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔ اس صورت میں موصی لہ کا باضابطہ قبول کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

ترجمہ: ۲؎ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وصیت باطل ہو جائے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا ہے، کہ ملکیت قبول کرنے پر موقوف ہے، تو ایسا ہو گیا کہ بائع کے ایجاب کرنے کے بعد مشتری کے قبول کرنے سے پہلے وہ مر جائے (تو بیع باطل ہو جائے گی)

تشریح: قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ وصیت باطل ہو جائے، کیونکہ ملکیت کے لئے قبول کرنا ضروری تھا، اور حال یہ ہے کہ قبول کرنے سے پہلے موصی لہ مر چکا ہے اور وہ قبول نہیں کر پایا ہے، جیسے بائع نے بیع کے لئے ایجاب کیا اور قبول کرنے سے پہلے مشتری مر گیا تو یہ بیع باطل ہو جاتی ہے، اسی طرح یہ وصیت بھی باطل ہو جانی چاہئے۔

۳ وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ أَنَّ الْوَصِيَّةَ مِنْ جَانِبِ الْمُوْصِيْ قَدْ تَمَّتْ بِمَوْتِهٖ تَمَامًا لَا يَلْحَقُهُ الْفَسْخُ مِنْ جِهَتِهٖ وَإِنَّمَا تَوَقَّفَتْ لِحَقِّ الْمُوْصٰى لَهٗ فَإِذَا مَاتَ دَخَلَ فِيْ مِلْكِهٖ ۴ كَمَا فِي الْبَيْعِ الْمَشْرُوْطِ فِيْهِ الْخِيَارُ لِلْمُشْتَرِيْ إِذَا مَاتَ قَبْلَ الْإِجَازَةِ.

(۹۶۸) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى وَعَلَيْهِ دَيْنٌ يُحِيْطُ بِمَالِهٖ لَمْ تَجُزِ الْوَصِيَّةُ، ۱ لِأَنَّ الدَّيْنَ مُقَدَّمٌ عَلَى

ترجمہ: ۳ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ موصی کی موت کی وجہ سے موصی کی جانب سے وصیت پوری ہو چکی ہے، اب ان کی جانب سے فسخ نہیں ہو سکتی ہے، صرف موصی لہ کے حق کی وجہ سے ملکیت موقوف رکھی تھی، لیکن جب وہ مر گیا تو خود بخود اس کی ملکیت میں داخل ہو چکی ہے،

تشریح: استحسان کی وجہ یہ ہے کہ موصی نے وصیت کی اور موصی کی موت ہوگئی تو اس کی جانب سے وصیت پوری ہو چکی ہے اب اس کی جانب سے فسخ نہیں ہو سکتی ہے، البتہ موصی لہ کے حق کے لئے ملکیت موقوف رکھی گئی ہے، لیکن جب اس کا انتقال ہو گیا تو اب وہ قبول نہیں کر سکتا ہے، البتہ غالب گمان یہی ہے کہ وہ زندہ ہوتا تو یہ مفت کا مال ضرور قبول کرتا، اس لئے استحسانا اس کی ملکیت میں داخل کر دی جائے گی۔

ترجمہ: ۴ جیسے ایسی بیع جس میں مشتری کو خیار شرط ہو وہ اجازت سے پہلے مر جائے (تو خیار شرط میں ہاں کئے بغیر بھی مبیع مشتری کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے، ویسے وصیت میں بھی ہوگی)

تشریح: یہ مثال ہے، کہ بیع میں مشتری نے خیار شرط لی تھی کہ تین دن میں مبیع لوں گا یا نہیں، مجھے اس کا اختیار دیں، اور ہاں، یا نا کہنے سے پہلے مشتری کا انتقال ہو گیا تو مبیع مشتری کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی، حال آنکہ اس نے ہاں نہیں کہا ہے، اسی طرح وصیت میں قبول کرنے سے پہلے موصی لہ کا انتقال ہوا تب بھی چیز اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۹۶۸) کسی نے وصیت کی حال یہ ہے کہ اس پر دین ہے جو اس کے مال کو محیط ہے تو وصیت جائز نہیں ہوگی (مگر یہ کہ قرض خواہ قرض سے بری کر دیں)۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے، اس لئے کہ قرض دو ضرورتوں میں سے مقدم ضرورت ہے، اس لئے کہ قرض ادا کرنا فرض ہے، اور وصیت تبرع اور احسان ہے، اس لئے اہم فالاہم سے شروع کیا جائے گا، مگر یہ کہ قرض دینے والے موصی کو قرض سے بری کر دے (تو وصیت جائز ہو جائے گی)، اس لئے کہ اب قرض باقی نہیں رہا، تو مشروع طریقے پر وصیت جائز ہو جائے گی، کیونکہ موصی کو ثواب حاصل کرنے کے لئے وصیت کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

تشریح: کسی کے پاس کل ایک ہزار درہم ہیں لیکن ایک ہزار قرض بھی ہے اور قرض اس کے سارے مال کو گھیرے ہوا ہے۔ تو اس کی وصیت کرنا درست نہیں ہے۔ ہاں! خود قرض دینے والے قرض سے بری کر دیں تو اب وصیت کر سکتا ہے۔

الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهُ أَهَمُّ الْحَاجَتَيْنِ فَإِنَّهُ فَرْضٌ، وَالْوَصِيَّةُ تَبَرُّعٌ، وَأَبَدًا يَبْدَأُ بِالْأَهَمِّ فَالْأَهَمِّ إِلَّا أَنْ يُبْرِئَهُ الْغُرَمَاءُ، لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ الدَّيْنُ فَتَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ عَلَى الْحَدِّ الْمَشْرُوعِ لِحَاجَتِهِ إِلَيْهَا.

(٩٦٩) قَالَ وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الصَّبِيِّ، ‌ل وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ تَصِحُّ إِذَا كَانَ فِي وُجُوهِ

وجه: (۱) حدیث میں ہے کہ میت کے مال سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔ اس سے بچے گا تو اس کی تہائی سے وصیت نافذ کی جائے گی۔ اور اس کے بعد جو باقی بچے گا وہ ورثہ میں تقسیم ہوگا۔ حدیث یہ ہے۔ عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّكُمْ تَقْرَئُونَ هَذِهِ الآيَةَ: [مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ] النساء: (۴، آیت ۱۲) »وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الوَصِيَّةِ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی میراث الاخوۃ من الاب والام، ج ۲، ص ۲۹، نمبر ۲۰۹۴/ ابن ماجہ شریف، باب الدین قبل الوصیۃ، ص ۳۹۱، نمبر ۲۷۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت میں اگرچہ وصیت کا تذکرہ پہلے ہے اور قرض ادا کرنے کا تذکرہ بعد میں ہے لیکن حضورؐ نے فیصلہ فرمایا کہ قرض پہلے ادا کیا جائے گا اس کے بعد بچے گا تو وصیت نافذ کی جائے گی۔ (۲) اس قول تابعی میں ہے کہ پہلے کفن، پھر قرض، پھر وصیت، اور اس سے جو مال بچے گا تب وراثت میں تقسیم ہوگا۔ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: »يُبْدَأُ بِالْكَفَنِ، ثُمَّ الدَّيْنِ، ثُمَّ الْوَصِيَّةِ، ثُمَّ الْمِيرَاثِ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی الرجل یموت وعلیہ دین، نمبر ۲۲۴۱۱)

لغت: محیط: احاطۃ سے مشتق ہے گھیرا ہوا، یبرأ: بری کر دے، غرماء: غریم کی جمع ہے قرض دینے والا۔

ترجمہ: (۹۶۹) بچے کی وصیت صحیح نہیں۔

وجہ: (۱) قول صحابی میں ہے کہ بچے کی وصیت جائز نہیں ہے. عن ابن عباسؓ قال لایجوز عتق الصبی ولا وصیته ولا بیعه ولا شراءه ولا طلاقه (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۶ من قال لاتجوز وصیۃ الصبی حتی یحتلم، ج سادس، ص ۲۲۳، نمبر ۳۰۸۶۰/ مصنف عبد الرزاق، وصیۃ الغلام، ج تاسع، ص ۸۰، نمبر ۱۶۴۲۱)۔ (۲) حدیث میں ہے کہ بچوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے اس لئے اس کی وصیت کا اعتبار نہیں۔ حدیث یہ ہے۔ عن علیؓ عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق اویصیب حدا، ص ۲۵۶، نمبر ۴۴۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کا اعتبار نہیں ہے

ترجمہ: ‌ل امام شافعیؒ نے فرمایا کہ بچہ خیر کے کاموں میں وصیت کرے تو جائز ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے یفاع یعنی قریب البلوغ کی وصیت کی اجازت دی ہے، اور یفاع کا معنی ہے جو قریب البلوغ ہو

وجہ: صاحب ہدایہ کا قول صحابی حضرت عمر کا قول یہ ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ غُلَامٌ مِنْ غَسَّانَ بِالْمَدِينَةِ، وَكَانَ لَهُ وَرَثَةٌ بِالشَّامِ، وَكَانَتْ لَهُ عَمَّةٌ بِالْمَدِينَةِ، فَلَمَّا حَضَرَ أَتَتْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ وَقَالَتْ: أَفَيُوصِي، قَالَ: اللَّهُ«، قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَ: »فَأَوْصَى لَهَا

الْخَيْرِ، لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَجَازَ وَصِيَّةَ يَفَاعٍ أَوْ يَافِعٍ وَهُوَ الَّذِيْ رَاهَقَ الْحُلُمَ، ۲ وَلِأَنَّهُ نَظَرٌ لَهُ بِصَرْفِهِ إِلٰى نَفْسِهِ فِيْ نَيْلِ الزُّلْفٰى، وَلَوْ لَمْ تَنْفُذْ يَبْقٰى عَلٰى غَيْرِهِ، ۳ وَلَنَا أَنَّهُ تَبَرُّعٌ وَالصَّبِيُّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ، وَلِأَنَّ قَوْلَهُ غَيْرُ مُلْزِمٍ وَفِيْ تَصْحِيْحِ وَصِيَّتِهِ قَوْلٌ بِإِلْزَامِ قَوْلِهِ ۴ وَالْأَثَرُ مَحْمُوْلٌ عَلٰى أَنَّهُ كَانَ قَرِيْبَ الْعَهْدِ بِالْحُلُمِ مَجَازًا وَكَانَتْ وَصِيَّتُهُ فِيْ تَجْهِيْزِهِ وَأَمْرِ دَفْنِهِ وَذٰلِكَ جَائِزٌ عِنْدَنَا

بِـنَـخْلٍ «، فَبِـعْتُـهُ أَنَـا لَهَـا بِثَلَاثِيْنَ أَلْفِ دِرْهَمٍ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی الرجل یوصی بالشیء فی سبیل اللہ، نمبر ۳۰۸۴۸)(۲) اس دوسرے قول صحابی میں ہے کہ گیارہ سال کے بچے کے لئے وصیت کی اجازت دی ہے۔عَنِ الـزُّهْرِيِّ، أَنَّ عُثْمَانَ »أَجَازَ وَصِيَّةَ ابْـنِ إِحْدَى عَشْرَةَ سَنَةً (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی الرجل یوصی بالشیء فی سبیل اللہ، نمبر ۳۰۸۴۹ رمصنف عبد الرزاق، باب وصیۃ الغلام، ج تاسع، ص ۷۷، نمبر ۱۶۴۰۹)

ترجمہ: ۲ اور اس لئے کہ بچے کی مصلحت اسی میں ہے کہ اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لئے وصیت کر کے اپنی ذات میں خرچ کرے، اور اگر وصیت نافذ نہیں کی جاتی ہے تو مال غیر پر باقی رہے گا

تشریح: یہ امام شافعیؒ کی دلیل عقلی ہے، کہ بچے کی مصلحت اسی میں ہے کہ وصیت کر کے اپنی ذات کے لئے ثواب کمالے، کیونکہ وصیت نہیں کرے گا تو یہ مال غیر کے لئے چھوڑ کر مرے گا، اس لئے قریب البلوغ بچے کی مصلحت اسی میں ہے کہ اس کی وصیت نافذ کی جائے

لغت: نیل: پانا، لینا۔ زلفی: قربت، ثواب۔

ترجمہ: ۳ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت تبرع اور احسان ہے، اور بچی تبرع کرنے کا اہل نہیں ہوتا ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بچے کا قول لازم والا نہیں ہے اور اس کی وصیت کے نافذ کرنے میں اس کے قول کو لازم کرنا ہوگا

تشریح: یہاں دو دلیل عقلی بیان کر رہے ہیں۔ا۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اوپر حدیث گزری جس سے پتہ چلا کہ بچہ تبرع اور احسان کرنے کا اہل نہیں ہے ورنہ وہ اپنا سب مال برباد کر دے گا۔۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بچے کا قول لازم نہیں ہوتا، اور اس کی وصیت کو صحیح مان لیں تو اس کے قول کو لازم کرنا لازم آئے گا، اس لئے اس کی وصیت جائز قرار نہ دی جائے۔

ترجمہ: ۴ اور حضرت عمرؓ کا اثر اس بات پر محمول ہے کہ وہ ابھی ابھی بالغ ہوا ہے اس لئے اس کو مجازا قریب البلوغ کہہ دیا گیا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کی وصیت اپنی تجہیز و تکفین کے لئے تھی، اور یہ ہمارے یہاں بھی جائز ہے

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے قریب البلوغ کو وصیت کی اجازت دی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بچہ ابھی ابھی بالغ ہوا ہے اس لئے اس کو مجازا قریب البلوغ، کہہ دیا گیا ہے، ورنہ تو وہ حقیقت میں وہ بالغ تھا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس بچے نے اپنی تجہیز و تکفین کے لئے وصیت کی تھی اور یہ ہمارے نزدیک بھی جائز ہے کہ بچہ اپنے لئے تجہیز و تکفین کے لئے وصیت کرے، ورنہ عام چیز کے لئے وصیت جائز نہیں ہے۔

۵ وَهُوَ يُحرِزُ الثَّوَابَ بِالتَّرْكِ عَلٰى وَرَثَتِهٖ كَمَا بَيَّنَاهُ. ۶ وَالْمُعْتَبَرُ فِي النَّفْعِ وَالضَّرَرِ النَّظْرُ إِلٰى أَوْضَاعِ التَّصَرُّفَاتِ لَا إِلٰى مَا يَتَّفِقُ بِحُكْمِ الْحَالِ، اِعْتَبَرَهُ بِالطَّلَاقِ فَإِنَّهُ لَا يَمْلِكُهُ وَلَا وَصِيَّهُ وَإِنْ كَانَ يَتَّفِقُ نَافِعًا فِيْ بَعْضِ الْأَحْوَالِ، ۷ وَكَذَا إِذَا أَوْصٰى ثُمَّ مَاتَ بَعْدَ الْإِدْرَاكِ لِعَدَمِ الْأَهْلِيَّةِ وَقْتَ الْمُبَاشَرَةِ، ۸ وَكَذَا إِذَا قَالَ إِذَا أَدْرَكْتُ فَثُلُثُ مَالِيْ لِفُلَانٍ وَصِيَّةً لِقُصُوْرِ أَهْلِيَّتِهٖ فَلَا يَمْلِكُهُ تَنْجِيْزًا

ترجمہ: ۵ اور ثواب تو اپنے ورثہ کے لئے مال چھوڑ کر بھی کما سکتا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ وصیت کر کے صدقے کا ثواب کمائے گا، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اپنے ورثہ کے لئے مال چھوڑنا بھی صدقہ ہے، اس لئے بچہ وصیت نہ کرے اور اپنے ورثہ کے لئے مال چھوڑ دے تو اس میں صدقہ کا ثواب ملے گا، اس لئے اس کو وصیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۶ نفع اور نقصان میں تصرفات کی جنس کی طرف نظر ہونی چاہئے اتفاقی طور پر کوئی فائدہ، یا نقصان ہو جائے اس کی طرف نہیں، طلاق پر قیاس کرتے ہوئے، چنانچہ بچہ طلاق کا مالک نہیں ہوتا ہے، اور نہ وصیت کا، اگر چہ اتفاقی طور پر بعض احوال میں فائدہ مند بھی ہو سکتی ہے

اصول: بنیادی طور پر کون سی چیز بچے کے لئے نقصان دہ اور کون سی چیز فائدہ مند ہے اس کا اعتبار ہے، وقتی طور پر کوئی چیز فائدہ مند ہو جائے یا نقصان دہ ہو جائے اس کا اعتبار نہیں ہے

تشریح: بچے کے نفع اور نقصان کے لئے اس کی بنیادی چیز دیکھی جائے گی، اگر بنیادی طور پر وہ نقصان دہ ہے تو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، اور اگر نفع بخش ہے تو اس کی اجازت دی جائے گی، چاہے بعض حالت میں وہ فائدہ مند نہ ہو، مثلا بچہ بیوی کو طلاق دیکر اس کی مالدار بہن سے نکاح کرے تو اس میں بچے کا فائدہ ہے کہ مال ملے گا، لیکن یہ وقتی چیز ہے، پھر بھی اس صورت میں بھی بچے کو طلاق کی اجازت نہیں ہوگی

لغت: اوضاع التصرفات: تصرف کی اصل وضع، اصل بنیاد۔

ترجمہ: ۷ ایسے ہی وصیت جائز نہیں ہوگی، اگر بچپنے کی حالت میں وصیت کی پھر بالغ ہو کر انتقال کر گیا، اس لئے کہ مباشرت یعنی وصیت کرتے وقت وہ وصیت کرنے کا اہل نہیں تھا۔

اصول: وصیت کرتے وقت بالغ ہونا چاہئے،

تشریح: جب وصیت کر رہا تھا تو وہ بچہ تھا، اور بالغ ہونے کے بعد اس کا انتقال ہوا تب بھی اس کی وصیت نافذ نہیں ہوگی، کیونکہ وصیت کرتے وقت وہ اہل نہیں تھا بچہ تھا

لغت: مباشرة: باشر سے مشتق ہے، کرنا، وصیت کرنا۔

ترجمہ: ۸ ایسے ہی اگر بچے نے یوں کہا کہ اگر بالغ ہو جاوں تو میرا تہائی مال فلاں کے لئے وصیت ہے (تو یہ وصیت جائز نہیں ہوگی) اس کی اہلیت کی کم ہونے کی وجہ سے اس لئے وہ تنجیز اور تعلیق دونوں کا مالک نہیں ہوگا، جیسے طلاق اور آزاد کرنے

وَتَعْلِيْقًا كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَالْعِتَاقِ، ۹ بِخِلَافِ الْعَبْدِ وَالْمُكَاتَبِ، لِأَنَّ أَهْلِيَتَهُمَا مُسْتَتِمَّةٌ، وَالْمَانِعُ حَقُّ الْمَوْلٰى فَتَصِحُّ إِضَافَتُهُ إِلٰى حَالِ سُقُوْطِهٖ.
(٩٧٠) قَالَ وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الْمُكَاتَبِ وَإِنْ تَرَكَ وَفَاءً، ا لِأَنَّ مَالَهُ لَا يَقْبَلُ التَّبَرُّعَ،

میں ہوتا ہے

اصول: بچے کی وصیت تنجیزا بھی جائز نہیں، اور تعلیقا بھی جائز نہیں، کیونکہ اس میں ابھی اہلیت نہیں ہے۔

لغت: تنجیز: نجز: سے مشتق ہے، ابھی کوئی عقد کرنا۔ تعلیق: علق سے مشتق ہے، اپنے عقد کوکسی بات پر معلق کرنا

تشریح: بچہ یوں کہے کہ میں جب بالغ ہوں گا اس وقت میرا تہائی مال وصیت ہے، تو یہ بالغ ہونے پر معلق ہے، بچہ یہ بھی نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ وہ نابالغ ہے

ترجمہ: ۹ بخلاف غلام اور مکاتب کے (اس کی وصیت آزاد ہونے کے بعد نافذ ہوگی) اس لئے کہ بالغ ہونے کی وجہ سے اس کی اہلیت پوری ہے صرف آقا کے حق کی وجہ سے مانع ہے، اس لئے آقا کے حق کے سقوط کی طرف اضافت کر کے صحیح ہے

تشریح: غلام، اور مکاتب بالغ ہے تنجیز وصیت کرے تب تو آزاد ہونے کے بعد بھی وصیت نافذ نہیں ہوگی کیونکہ آقا کا حق ہے، لیکن اگر تعلیق کرے، یعنی جب میں آزاد ہوں گا اس وقت مال کا مالک ہوں تو وہ مال وصیت ہے تو یہ جائز ہے،

وجہ: اس وقت آقا کا حق نہیں ہے، بات معلق ہے اس لئے جائز ہو جائے گی، کیونکہ وصیت کرتے وقت ان دونوں میں اہلیت تھی، وہ دونوں بالغ، اور عاقل تھے۔

لغت: مستتمۃ: تم سے مشتق ہے، پورا ہونا۔

ترجمہ: (٩٧٠) مکاتب کی وصیت صحیح نہیں اگر چہ وہ اتنا مال چھوڑے جو کافی ہو۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ اس کا مال تبرع کو قبول نہیں کرتا ہے

تشریح: اگر مکاتب تعلیق وصیت کرے تب تو جائز ہے، لیکن تنجیز وصیت کرے تو جائز نہیں ہے، اور آزاد ہونے کے بعد بھی نافذ نہیں ہوگی۔ چاہے اتنا مال چھوڑا ہو کہ اس سے اس کا مال کتابت ادا ہو سکتا ہو

وجہ: (ا) کیونکہ اس کا مال حقیقت میں آقا کا مال ہے (۲) قول صحابی میں ہے۔ **سأل طهمان ابن عباسؓ ایوصی العبد؟ قال لا** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۰ فی العبد یوصی اتجوز وصیتہ، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۶۳) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ غلام وصیت نہیں کرسکتا (۳) خود مکاتب وصیت نہیں کرسکتا اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ **عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: »الْمُكَاتَبُ لَا يَعْتِقُ وَلَا يَهَبُ إِلَّا بِإِذْنِ مَوْلَاهُ** (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب المکاتب یوصی اویہب، اویعتق، نمبر ۳۰۸۳۱) (۴) مکاتب ایک ایک درہم ادا کرنے تک غلام ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عمر بن زعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ ایما عبد کوتب علی مائة اوقية فاداها الا عشر اوقيات فهو رقيق**

۲ وَقِيلَ عَلٰى قَوْلِ أَبِىْ حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَا تَصِحُّ وَعِنْدَهُمَا تَصِحُّ رَدًّا لَهَا إِلٰى مُكَاتَبٍ يَقُوْلُ كُلُّ مَمْلُوْكٍ أَمْلِكُهُ فِيمَا أَسْتَقْبِلُ فَهُوَ حُرٌّ ثُمَّ عَتَقَ فَمَلَكَ، ۳ وَالْخِلَافُ فِيهَا مَعْرُوْفٌ عُرِفَ فِىْ مَوْضِعِهٖ.
(۹۷۱) قَالَ وَتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِلْحَمْلِ وَبِالْحَمْلِ ۱ إِذَا وُضِعَ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ الْوَصِيَّةِ،

(ابن ماجہ شریف، باب المکاتب، ص ۳۶۱، نمبر ۲۵۱۹ / بخاری شریف، باب المکاتب اذا رضی ص ۳۴۸، نمبر ۲۵۶۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک درہم رہنے تک مکاتب غلام ہے۔اوراوپر پتا چلا کہ غلام کی وصیت جائز نہیں اس لئے مکاتب کی وصیت جائز نہیں ہے چاہے اتنا مال چھوڑا ہو کہ مال کتابت ادا ہو جائے۔

ترجمہ: ۲ بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر مکاتب کی وصیت جائز نہیں ہے، لیکن صاحبینؒ کے قول پر جائز ہے اس بات پر قیاس کرتے ہوئے کہ، مکاتب کہے مستقبل میں جتنے مملوک کا میں مالک بنوں تو وہ آزاد ہے، پھر مکاتب آزاد کیا گیا پھر مالک بنا تو یہ آزاد ہو جائے گا

تشریح: مکاتب تنجیز وصیت کرے تو ابھی وصیت نافذ نہیں ہوگی، لیکن آزاد ہونے کے بعد نافذ ہو جائے گی، وہ تنجیز وصیت کو تعلیق وصیت پر قیاس کرتے ہیں، مثلا مکاتب یوں کہے کہ مستقبل میں جس کا مالک بنوں وہ آزاد ہے، اب وہ آزاد کیا گیا، اس کے بعد غلام کا مالک بنا تو اب یہ غلام آزاد ہوگا، کیونکہ یہ تعلیق کی صورت ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے تنجیز بھی آزاد ہونے کے بعد نافذ کی جائے گی۔

ترجمہ: ۳ اپنی جگہ پر حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کا اختلاف مشہور ہے

تشریح: جامع کبیر میں، باب الحنث فی ملک المکاتب، میں یہ اختلاف موجود ہے، وہاں مطالعہ کر لیا جائے

ترجمہ: (۹۷۱) جائز ہے وصیت حمل کے لئے اور حمل کی (جبکہ وضع حمل ہوا ہو وصیت کے دن سے چھ مہینے سے کم میں)۔

ترجمہ: ۱ جبکہ وصیت کے وقت سے چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہو جائے

اصول: وصیت کے لئے شرط یہ ہے کہ وصیت کے وقت پیٹ میں بچہ موجود ہو

اصول: وراثت، اور وصیت میں حمل باندی سے الگ چیز ہے،

تشریح: حمل کے لئے وصیت کرنے کی شکل یہ ہے کہ مثلا زید عمر کے اس بیٹے کے لئے وصیت کرتا ہے جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہے تو وصیت جائز ہے۔لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وصیت کے دن سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو۔تاکہ یقین ہو جائے کہ وصیت کے وقت بچہ ماں کے پیٹ میں تھا

وجہ: (۱) وصیت کے وقت بچہ پیٹ میں موجود ہو، اور وصیت سے چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہوا تو یہ یقین ہو گیا کہ وصیت کے وقت پیٹ میں بچہ موجود تھا۔(۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ **یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین** (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ اولاد کے بارے میں تم کو اللہ وصیت کرتا ہے اور پیٹ میں حمل ٹھہر گیا تو اولاد کا

۲؎ أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ الْوَصِيَّةَ اِسْتِخْلَافٌ مِنْ وَجْهٍ، لِأَنَّهُ يَجْعَلُهُ خَلِيْفَةً فِيْ بَعْضِ مَالِهِ، وَالْجَنِيْنُ صَلُحَ خَلِيْفَةً فِي الْإِرْثِ فَكَذَا فِي الْوَصِيَّةِ إِذْ هِيَ أُخْتُهُ إِلَّا أَنَّهُ يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ لِمَا فِيْهِ مِنْ مَعْنَى التَّمْلِيْكِ، بِخِلَافِ الْهِبَةِ لِأَنَّهَا تَمْلِيْكٌ مَحْضٌ وَلَا وِلَايَةَ لِأَحَدٍ عَلَيْهِ لِيُمَلِّكَهُ شَيْئًا، ۳؎ وَأَمَّا الثَّانِيْ فَلِأَنَّهُ

وجود شروع ہو گیا اس کو بھی میراث ملے گی اور وصیت بھی ملے گی (۳) حدیث میں ہے۔ عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال اذا استهل المولود ورث (ابوداؤد شریف، باب فی المولود یستھل ثم یموت، ص ۴۹، نمبر ۲۹۲۰ / ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الصلوة علی الطفل، ص ۲۱۵، نمبر ۱۵۰۸) اس حدیث میں ہے کہ بچہ زندہ پیدا ہو جس کی ایک علامت یہ ہے کہ روئے تو اس کو وراثت ملے گی۔ اس پر قیاس کر کے بچے کا وجود ماں کے پیٹ میں ہو چکا ہو تو اس کو بھی وراثت ملے گی۔ اور وصیت کا مال بھی ملے گا۔

اور حمل کو دوسرے کے لئے وصیت کرے اس کی شکل یہ ہے کہ آقا کہے کہ میں اپنی باندی کے حمل کو فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں۔ تو جب یہ حمل پیدا ہو گا اس وقت موصی لہ کو یہ بچہ مل جائے گا اور اس کی وصیت کرنا صحیح ہوگا۔

وجہ: میراث اور وصیت میں حمل ماں سے الگ شمار کیا جاتا ہے۔ جب وہ ماں سے الگ ہو گیا تو اس کے لئے وصیت کرنا جائز ہوگا۔ اور اس کو کسی اور کے لئے وصیت کی تو وہ بھی جائز ہے۔

لغت: الوصیۃ للحمل: حمل کے لئے کسی چیز کی وصیت کرے۔ الوصیۃ بالحمل: حمل کو کسی اور کے لئے وصیت کرے۔

ترجمہ: ۲؎ بہر حال پہلی صورت (یعنی حمل کے لئے وصیت کرنا، جائز ہے) اس لئے کہ وصیت من وجہ وراثت کا خلیفہ ہے، اس لئے کہ بعض مال میں خلیفہ بنانا ہے، اور پیٹ کا بچہ وراثت میں خلیفہ بنتا ہے اس لئے وصیت میں بھی خلیفہ بنے گا، اس لئے کہ وصیت وراثت کی بہن ہے، اتنی بات ہے کہ وصیت میں ملکیت کا شائبہ ہے، اس لئے رد کرنے سے رد ہو جاتی ہے، بخلاف اگر پیٹ کے بچے کے لئے کوئی چیز ہبہ کرے تو ہبہ نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ اس میں خالص مالک بنانا ہے (ہبہ وراثت کا خلیفہ نہیں ہے) اور کسی کو بھی یہ ولایت نہیں ہے کہ پیٹ کے بچے کو کسی چیز کا مالک بنا دے

تشریح: یہاں وصیت کے بارے میں تین باتیں بتا رہے ہیں۔ ۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ وصیت وراثت کا خلیفہ ہے، اس لئے جس طرح جنین، پیٹ کے بچے کے لئے وراثت جائز ہے اسی طرح وصیت بھی جائز ہے۔ ۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ وصیت اور وراثت میں فرق یہ ہے کہ وراثت کو رد نہیں کر سکتا ہے، وصیت کو جنین بعد میں رد کر سکتا ہے، کیوں کہ اس میں ملکیت کا معنی ہے۔ ۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ جنین کے لئے ہبہ نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ ہبہ وراثت کا خلیفہ نہیں ہے، اس میں صرف ملکیت ہے، اور جنین پیٹ میں ہے اس لئے اس کو فوری طور پر کوئی مالک نہیں بنا سکتا ہے، اس لئے جنین کو کوئی چیز ہبہ نہیں کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ دوسری صورت (یعنی حمل کو کسی اور کے لئے وصیت کرنا، جائز ہے) اس لئے کہ وصیت کے وقت جنین پیٹ

بِعَرْضِ الْوُجُوْدِ إِذِ الْكَلَامُ فِيْمَا إِذَا عُلِمَ وُجُوْدُهُ وَقْتَ الْوَصِيَّةِ، وَبَابُهَا أَوْسَعُ لِحَاجَةِ الْمَيِّتِ وَعَجْزِهٖ وَهٰذَا تَصِحُّ فِيْ غَيْرِ الْمَوْجُوْدِ كَالثَّمَرَةِ فَلَأَنْ تَصِحَّ فِي الْمَوْجُوْدِ أَوْلٰى.

(۹۷۲) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِجَارِيَةٍ إِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ وَالْاِسْتِثْنَاءُ، ١ لِأَنَّ اِسْمَ الْجَارِيَةِ لَا يَتَنَاوَلُ الْحَمْلَ لَفْظًا وَلٰكِنَّهُ يَسْتَحِقُّ بِالْإِطْلَاقِ تَبْعًا فَإِذَا أَفْرَدَ الْأُمَّ بِالْوَصِيَّةِ صَحَّ إِفْرَادُهَا،

میں موجود ہے، اور میت کی ضرورت اور عاجزی کو دیکھتے ہوئے وصیت کا باب بہت وسیع ہے، یہاں تک کہ کوئی چیز موجود نہ ہو اس میں بھی وصیت ہو جاتی ہے، جیسے یہ وصیت کرے کہ اس باغ کا پھل فلاں کے لئے ہے تو صحیح ہے، اور یہاں جنین میں تو وصیت کے وقت پیٹ میں موجود ہے (اس لئے بدرجہ اولی جائز ہوگا)

تشریح: دوسری صورت یعنی یوں وصیت کرے کہ اس باندی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں تو یہ جائز ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ باغ میں ابھی پھل موجود نہیں ہے اور مالک یہ وصیت کرے کہ اس باغ کا پھل پانچ سال کے لئے فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں تو یہ جائز ہے، جب پھل موجود نہیں ہے پھر بھی اس کی وصیت جائز ہے، تو پیٹ کا بچہ وصیت کے وقت پیٹ میں موجود ہے اس لئے اس کی وصیت بدرجہ اولی جائز ہوگی

ترجمہ: (۹۷۲) اگر وصیت کی ایک آدمی کے لئے باندی کی مگر اس کے حمل کی تو وصیت صحیح ہے اور استثناء صحیح ہے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ جاریہ کا لفظ لفظی طور پر حمل کو شامل نہیں ہے، لیکن مطلق جاریہ بولے تو ماں کے تابع ہو کر حمل بھی مستحق ہو جائے گا، لیکن جب ماں کی الگ سے وصیت کی تو اس کا الگ کرنا صحیح ہوگا

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جاریہ میں صرف باندی شامل ہوتی ہے اس کا حمل نہیں، اس لئے حمل کو اپنے لئے رکھ سکتا ہے

تشریح: یوں کہا کہ اس باندی کو زید کے لئے وصیت کرتا ہوں مگر اس کا حمل زید کے لئے وصیت نہیں کرتا بلکہ وہ میرے لئے ہے۔ تو یہ وصیت صحیح ہے۔ جس کی وجہ سے باندی زید کو مل جائے گی اور حمل جب پیدا ہوگا وہ بچہ آقا کا ہوگا۔

وجہ: (۱) یہ مسئلہ اوپر کے اصول پر متفرع ہے یعنی میراث اور وصیت میں حمل باندی سے الگ شی ہے۔ اس لئے باندی کسی اور کے لئے ہوگی اور حمل کا استثناء کر کے آقا کے لئے ہوگا۔ (۲) لفظ جاریہ میں صرف باندی آتی ہے، حمل نہیں، لیکن مطلق جاریہ بولا تو ماں کے تابع ہو کر حمل کی بھی وصیت ہو جائے گی، لیکن اگر حمل کو صراحت کے طور اپنے لئے رکھا تو اب حمل مالک کے لئے رہے گا، صرف باندی موصی لہ کے پاس جائے گی

نوٹ: بیع اور ہبہ میں حمل باندی کا جز شمار کیا ہے اس لئے باندی بیچے یا ہبہ کرے اور حمل نہ بیچے یا ہبہ نہ کرے تو صحیح نہیں ہے۔ بلکہ باندی کے ساتھ حمل کی بھی بیع ہوگی یا باندی کے ساتھ حمل کا بھی ہبہ ہوگا۔

لغت: استثناء: استثناء کا ترجمہ ہے جملہ بول کر اس کو الگ کرنا۔ اس کا انکار کرنا۔

۲ وَلِأَنَّهُ يَصِحُّ إِفْرَادُ الْحَمْلِ بِالْوَصِيَّةِ فَجَازَ اِسْتِثْنَاؤُهُ، ۳ وَهٰذَا هُوَ الْأَصْلُ أَنَّ مَا يَصِحُّ إِفْرَادُهُ بِالْعَقْدِ يَصِحُّ اِسْتِثْنَاؤُهُ مِنْهُ، إِذْ لَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا وَمَا لَا يَصِحُّ إِفْرَادُهُ بِالْعَقْدِ لَا يَصِحُّ اِسْتِثْنَاؤُهُ مِنْهُ، وَقَدْ مَرَّ فِي الْبُيُوْعِ.

(۹۷۳) وَقَالَ وَيجوز لِلْمُوْصِي الرُّجُوْعُ عَنِ الْوَصِيَّةِ، ۱ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ لَمْ يَتِمَّ فَجَازَ الرُّجُوْعُ عَنْهُ

ترجمہ: ۲ اور اس لئے بھی کہ اگر صرف حمل کو وصیت میں دے تو جائز ہے، اس لئے حمل کا انکار کر دے تو یہ بھی جائز ہوگا،

تشریح: باندی اپنے پاس رکھ لے اور صرف حمل کو کسی کے لئے وصیت کرے تو یہ جائز ہے، اسی طرح حمل اپنے پاس رکھ لے اور صرف باندی کی وصیت کرے یہ بھی جائز ہے

ترجمہ: ۳ اور یہی اصول ہے کہ جس کو وصیت میں تنہا دے سکتا ہو تو وصیت سے اس کا انکار بھی کیا جا سکتا ہے، کیونکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور عقد میں جس کی تنہا وصیت نہیں کر سکتا ہے، اس کا استثناء، یعنی انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، یہ بحث کتاب البیوع میں گزر چکی ہے

تشریح: یہاں اصول بیان کر رہے ہیں کہ۔ وصیت میں جس چیز کو تنہا دے سکتا ہو اور باندی اپنے پاس رکھ سکتا ہو، وصیت میں اس کا استثناء اور انکار بھی کر سکتا ہے، یعنی باندی وصیت میں دے اور حمل اپنے پاس رکھ لے، کیوں کہ حمل باندی میں داخل نہیں ہے۔

ترجمہ: (۹۷۳) جائز ہے وصیت کرنے والے کے لئے وصیت سے رجوع کرنا۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ وصیت تبرع اور احسان ہے، تو موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے پہلے واپس لے سکتا ہے (اور موصی لہ وصیت کرنے والے کی موت کے بعد قبول کر سکتا ہے، اس لئے اس کے قبول کرنے سے پہلے پہلے اپنی وصیت سے رجوع کر سکتا ہے)، جیسے ہبہ کو قبول کرنے سے پہلے پہلے رجوع کر سکتا ہے، اور پوری تحقیق ہم نے کتاب الہبہ میں پیش کی ہے

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ موصی لہ وصیت کو موصی کی موت کے بعد قبول کرے گا تب وہ چیز کا مالک بنے گا، اس سے پہلے نہیں، اس لئے وصیت کرنے والا اپنی زندگی میں وصیت کو واپس لینا چاہے تو واپس لے سکتا ہے، کیونکہ یہ موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے پہلے واپس لیا ہے

اس کی مثال یہ ہے کہ زید نے کوئی چیز عمر کو ہبہ کی، تو ہبہ کو قبول کرنے سے پہلے پہلے زید اپنی چیز واپس لے سکتا ہے، وصیت کی چیز کا معاملہ بھی ایسے ہی ہے۔ اسی طرح زندگی میں وصیت کی چیز میں کوئی تبدیلی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے

وجہ: (۱) اس قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ قَالَ: قُلْتُ لِعُمَرَ: شَيْءٌ يَصْنَعُهُ أَهْلُ الْيَمَنِ، يُوْصِي الرَّجُلُ ثُمَّ يُغَيِّرُ وَصِيَّتَهُ، قَالَ: »لِيُغَيِّرْ مَا شَاءَ مِنْ وَصِيَّتِهِ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۶ من کان یستحب ان یکتب فی وصیتہ ان حدث بی حدث قبل ان اغیر وصیتی، ج سادس، ص ۲۱۸، نمبر ۳۰۸۰۶) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ موت سے پہلے وصیت میں

كَالْهِبَةِ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِيْ كِتَابِ الْهِبَةِ، ۲؎ وَلِأَنَّ الْقُبُوْلَ يَتَوَقَّفُ عَلَى الْمَوْتِ وَالْإِيْجَابُ يَصِحُّ إِبْطَالُهُ قَبْلَ الْقُبُوْلِ كَمَا فِي الْبَيْعِ.

(۹۷۴) قَالَ وَإِذَا صَرَّحَ بِالرُّجُوْعِ أَوْ فَعَلَ مَا يَدُلُّ عَلَى الرُّجُوْعِ كَانَ رُجُوْعًا، ۱؎ أَمَّا الصَّرِيْحُ فَظَاهِرٌ، وَكَذَا الدَّلَالَةُ لِأَنَّهَا تَعْمَلُ عَمَلَ الصَّرِيْحِ فَقَامَ مَقَامَ قَوْلِهِ قَدْ أَبْطَلْتُ

تبدیلی کرسکتا ہے(۲)**قال عمر ما اعتق الرجل فی مرضه من رقيقه فهی وصية ان شاء رجع فيها** (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۲۵ الرجل یوصی بالوصیۃ ثم یرید ان یغیرھا، ج سادس،ص ۲۱۷،نمبر ۳۰۷۹۶) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ وصیت منسوخ کرسکتا ہے۔

ترجمه: ۲؎ اوراس لئے کہ وصیت کوقبول کرنا موصی کی موت پر موقوف ہے،اور قاعدہ یہ ہے کہ قبول سے پہلے اپنے ایجاب کوواپس لےسکتا ہے، جیسے کہ بیع میں ہوتا ہے

تشریح: وصیت کوواپس لےسکتا ہے، یہ اس کی دوسری دلیل عقلی ہے۔ کہ موصی کی وصیت کے بعد اوراس کی موت کے بعد موصی لہ قبول کرے گا تب وہ مالک بنے گا،اور قبول سے پہلے موصی اپنی بات سے رجوع کرلے اور اپنی بات کوواپس لے لے تو وہ لےسکتا ہے۔اس کی مثال یہ ہے کہ بیع میں ایجاب کیا،اب مشتری کے قبول سے پہلے پہلے اپنی بات واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے، ایسے ہی یہاں ہوگا۔

ترجمه: (۹۷۴)اگر صراحۃ رجوع کرے یا ایسا کام کرے جو رجوع پر دلالت کرتا ہو تو رجوع ہو جائے گا۔

ترجمه: ۱؎ بہرحال صریح کی صورت میں تو ظاہر ہے کہ اس سے رجوع ہو جاتا ہے، ایسے ہی دلالت کے طور پر رجوع تو وہ بھی اپنے قول ابطلت الوصیۃ کے درجے میں ہے

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ صاف کہہ دے کہ میں نے وصیت ختم کردی تب بھی وصیت سے رجوع ہے، اور کوئی ایسی حرکت کرے جس سے پتہ چلتا ہو کہ یہ اپنی وصیت ختم کرنا چاہتا ہے تب بھی وصیت ختم ہو جائے گی

تشریح: صراحۃ رجوع کی صورت یہ ہے کہ صاف لفظوں میں کہے کہ میں اس وصیت کوواپس لیتا ہوں۔اور دلالۃ رجوع کی صورت یہ ہے کہ مثلا کہے کہ اس غلام کوفلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں اور پھر اس کو بیچ دے یا آزاد کردے تو دلالۃ پتا چلا کہ وہ وصیت سے رجوع کرنا چاہتا ہے ورنہ غلام کو بیچتا یا آزاد کیوں کرتا۔اس لئے بیچنا اور آزاد کرنا اس بات پر دلالت ہے کہ وہ وصیت کوختم کرنا چاہتا ہے۔

وجه: حدیث میں ہے کہ اشارہ سے کہا تو صراحت کی طرح ہوگیا۔**سمعت من سهل بن سعد الساعدى صاحب رسول الله ﷺ يقول قال رسول الله ﷺ بعثت انا والساعة كهذه من هذه او كهاتين وقرن بين السبابة والوسطى** (بخاری شریف، باب اللعان،ص ۷۹۸،نمبر ۵۳۰۱) اس حدیث میں شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو

۲ وَصَارَ كَالْبَيْعِ بِشَرْطِ الْخِيَارِ فَإِنَّهُ يَبْطُلُ الْخِيَارُ فِيهِ بِالدَّلَالَةِ. ۳ ثُمَّ كُلُّ فِعْلٍ لَوْ فَعَلَهُ الْإِنْسَانُ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ يَنْقَطِعُ بِهِ حَقُّ الْمَالِكِ فَإِذَا فَعَلَهُ الْمُوْصِي كَانَ رُجُوْعًا وَقَدْ عَدَدْنَا هٰذِهِ الْأَفَاعِيْلَ فِي

ملا کر اشارہ فرمایا کہ قیامت اس طرح قریب ہے تو اشارے سے بھی کبھی بات کی وضاحت کی جاتی ہے۔اسی پر قیاس کر کے دلالت سے بھی کسی چیز کا پتا لگایا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ جیسے مشتری نے خیار شرط کے ساتھ چیز خریدی تو دلالت سے اس کا اختیار باطل ہو جائے گا، (ایسے ہی موصی کی دلالت سے بھی وصیت باطل ہو جائے گی)

تشریح: مشتری نے باندی خریدی اور تین دنوں کا اختیار لیا، پھر تین دن کے اندر اس باندی سے وطی کر لی تو اب مشتری کا خیار شرط ختم ہو جائے گا، اور بیع مکمل ہو جائے گی، کیونکہ باندی سے وطی کر لینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ باندی اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے، اور خیار شرط کو ختم کرنا چاہتا ہے، یہاں مشتری نے صراحت کے ساتھ خیار ختم نہیں کیا ہے، لیکن دلالت سے ختم ہوا ہے، اسی طرح موصی نے کسی کے لئے باندی کی وصیت کی پھر اس باندی کو بیچ دیا تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ وصیت ختم کرنا چاہتا ہے، اس دلالت سے اس کی وصیت ختم ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۳ پھر ہر وہ کام جو آدمی دوسرے کی ملکیت میں کرے تو تو اس سے مالک کا حق ختم ہو جاتا ہے، تو اگر ایسا کام موصی نے کیا تو اس سے وصیت سے رجوع ہوگا، ان کاموں کو میں نے کتاب الغصب میں ذکر کیا ہے

تشریح: یہاں سے پانچ اصول بیان کر رہے ہیں، کہ اگر یہ کام موصی نے کیا تو اس سے دلالت کے طور پر یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنی وصیت سے رجوع کر لی ہے

۔۱۔ پہلا اصول ۔۔غاصب غصب کی چیز میں ایسا کام کرے جس سے اس چیز کو مالک کو واپس کرنا مشکل ہو جائے، مثلا غصب کی چیز کو بیچ دے، تو وصی بھی یہ کام کرے تو وصیت سے رجوع سمجھا جائے گا

۔۲۔ دوسرا اصول ۔۔وصیت کی چیز میں ایسی زیادتی کر دے کہ اس کو ہٹا کر موصی لہ کو نہیں دے سکتا ہے، مثلا ستو کی وصیت کی اور موصی نے اس میں گھی ملا دیا۔تو وصیت سے رجوع سمجھا جائے گا

۔۳۔ تیسرا اصول ۔۔وصیت میں ایسا کام کر دیا جس سے موصی کی ملکیت ہی ختم ہو گئی، مثلا باندی کی وصیت کی تھی، پھر اس کو بیچ دیا۔تو وصیت سے رجوع سمجھا جائے گا

۔۴۔ چوتھا اصول ۔۔وصیت کی چیز کو اپنی ضرورت میں استعمال کر لے۔تو وصیت سے رجوع سمجھا جائے گا

۔۵۔ پانچواں اصول ۔۔ایسا کام کرے جس سے یہ محسوس ہوتا ہو کہ وصیت کو اور مضبوط کرنا چاہتا ہے تو اس سے وصیت سے رجوع کرنا نہیں سمجھا جائے گا

كِتَابِ الْغَصَبِ. ؎ وَكُلُّ فِعْلٍ يُوجِبُ زِيَادَةً فِي الْمُوْصَىٰ بِهِ وَلَا يُمْكِنُ تَسْلِيمُ الْعَيْنِ إِلَّا بِهَا فَهُوَ رُجُوعٌ إِذَا فَعَلَهُ مِثْلُ السَّوِيْقِ يَلِتُّهُ بِالسَّمَنِ وَالدَّارُ بَنَى فِيهَا الْمُوْصِيُ وَالْقُطْنُ يَحْشُوْبِهُ وَالْبِطَانَةُ يُبَطِّنُ بِهَا وَالظِّهَارَةُ يَظْهَرُ بِهَا، لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ تَسْلِيمُهُ بِدُوْنِ الزِّيَادَةِ وَلَا يُمْكِنُ نَقْضُهَا لِأَنَّهُ حَصَلَ

تشریح: مثلا غاصب نے گیہوں غصب کیا پھر اس کو پیس دیا، تو اس پیسے ہوئے آٹے کو مالک کو واپس نہیں دے سکتا ہے، اس لئے اب یہ آٹا غاصب کا ہو گیا، اور غاصب پر گیہوں کی قیمت واجب ہوگی، اسی طرح موصی نے گیہوں کی وصیت کی پھر اس کو پیس دیا تو اس سے وصیت ختم ہو جائے گی۔ یہ پہلا اصول ہے، کہ وصی نے ایسا کام کیا کہ دوسرے کی ملکیت ختم ہو جائے تو اس سے بھی وصیت ختم ہو جاتی ہے، اور وصیت سے دلالت کے طور پر رجوع سمجھا جائے گا

ترجمہ: ؎ موصی کا ہر وہ کام جس سے وصیت کی چیز میں زیادتی ہو جاتی ہو اور اس کے بغیر عین چیز کو سپرد کرنا ممکن نہ ہو تو اس کے کرنے سے بھی وصیت ختم ہو جائے گی، مثلا ستو ہو جس کو گھی میں ملا دیا ہو، یا گھر ہو جس میں موصی نے عمارت بنا دی،، اور روئی جس کو موصی نے بھر لیا ہو۔، اور استر کا کپڑا جس کا موصی نے استر بنا لیا ہو، اور ابرا جس کا موصی نے ابرا بنا لیا ہو، اس لئے کہ اس زیادتی کے بغیر موصی کو اس کی تسلیم ممکن نہیں ہے، اور زیادتی کا توڑنا ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ یہ زیادتی موصی کی جانب سے موصی کی ملکیت میں حاصل ہوئی ہے

یہ دوسرا اصول ہے۔ وصیت کی چیز میں ایسی زیادتی کر دی کہ اس کو توڑ کر دینا ممکن نہ ہو تو اس سے بھی وصیت سے رجوع سمجھا جائے گا

تشریح: وصیت کی چیز میں زیادتی کرنے کی پانچ مثالیں ہیں۔ جس سے وصیت ختم ہو جائے گی۔ ا۔ ستو کی وصیت کی پھر موصی نے خود ہی اس میں اپنا گھی ملا دیا، اور ستو میں اضافہ کر دیا، اب گھی کو ستو سے الگ کرنا ناممکن ہے، اور گھی کے ساتھ ستو دینا ناممکن ہے، کیونکہ گھی کی وصیت نہیں کی تھی، اس لئے اس سے وصیت سے رجوع سمجھا جائے گا۔ ۲۔ گھر کی وصیت کی پھر اس میں موصی نے اپنا گھر بنا لیا۔ ۳۔ روئی کی وصیت کی پھر اس روئی کو اپنے تکئے میں بھر لیا۔ ۴۔ ایسا کپڑا تھا جو شیروانی کے نیچے لگتا تھا، اس کی وصیت کی، پھر اس کو اپنی شیروانی میں لگوا دیا۔ ۵۔ ایسا کپڑا تھا جو شیروانی کے اوپر لگتا تھا جس کپڑے کو ظہارہ، کہتے ہیں، اس کی کسی کے لئے وصیت کی، پھر موصی نے اس کو اپنی شیروانی پر لگوا دیا تو ان سب کو الگ کرنا ناممکن ہے، اس لئے ان سب کاموں سے وصیت ختم ہو جائے گی، اور وصیت سے رجوع مانا جائے گا

لغت: یلت: لت، سے مشتق ہے، ملا دینا۔ السمن: گھی۔ قطن: روئی۔ یحشو: حشو سے مشتق ہے، دو کپڑوں کے درمیان روئی بھر دینا۔ البطانۃ: بطن سے مشتق ہے۔ پیٹ۔ بطانہ ایسا کپڑا جو شیروانی وغیرہ کے نچلے حصے میں سلتا ہو، استر لگانا۔ یبطن بھا: کپڑے کو نیچے لگا دیا۔ الظہارۃ: ظہر سے مشتق ہے، ظاہر ہونا، پیٹھ، ایسا کپڑا جو شیروانی وغیرہ کے اوپر کے حصے میں سلتا ہو، جس

فِيْ مِلْكِ الْمُوْصِيْ مِنْ جِهَتِهِ، ۵ بِخِلَافِ تَجْصِيْصِ الدَّارِ الْمُوْصٰى بِهَا وَهَدْمِ بِنَائِهَا، لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي التَّابِعِ. ۶ وَكُلُّ تَصَرُّفٍ أَوْجَبَ زَوَالَ مِلْكِ الْمُوْصِيْ فَهُوَ رُجُوْعٌ كَمَا إِذَا بَاعَ الْعَيْنَ الْمُوْصٰى بِهٖ ثُمَّ اشْتَرَاهُ أَوْ وَهَبَهُ ثُمَّ رَجَعَ فِيْهِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لَا تَنفُذُ إِلَّا فِيْ مِلْكِهٖ فَإِذَا أَزَالَهُ كَانَ رُجُوْعًا، ۷ وَذِبْحُ الشَّاةِ الْمُوْصٰى بِهَا رُجُوْعٌ، لِأَنَّهُ لِلصَّرْفِ إِلٰى حَاجَتِهٖ عَادَةً فَصَارَ هٰذَا الْمَعْنٰى

کو، ابرا، کہتے ہیں۔یظہر بھا: کپڑے کواوپر کے حصے میں لگادیا۔نقض: توڑنا

ترجمه: ۵ بخلاف وصیت کئے ہوئے گھر کو چونا کرنے کے اوراس کی عمارت کوگرانے کے اس لئے کہ یہ تابع میں تصرف ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وصیت کی چیز میں بنیادی تبدیلی نہیں کی، بلکہ صرف جزوی تبدیلی کی تو اس سے وصیت سے رجوع نہیں سمجھا جائے گا، اور وصیت ختم نہیں ہوگی

تشریح: وصیت کئے ہوئے گھر میں چونا لگا دیا تو یہ جزوی تبدیلی ہے، بنیادی تبدیلی نہیں ہے، اس سے وصیت ختم نہیں ہوگی ،اسی طرح گھر کے باہر کچھ عمارت تھی اس کو گرا دیا تو یہ بھی جزوی تبدیلی ہے، اصل گھر تو ابھی بھی موجود ہے اس لئے اس سے بھی وصیت ختم نہیں ہوگی۔

لغت: تجصیص: جص سے مشتق ہے، چونا لگوانا۔گچ لگوانا۔

ترجمه: ۶ موصی کا ہر وہ تصرف جس سے وصیت کرنے والے کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے تو وہ رجوع ہے، جیسے وصیت کی چیز کو بیچ دی، پھر اس کو خریدا، یا وصیت کی چیز کو ہبہ کر دیا پھر ہبہ واپس لے لیا، اس لئے کہ وصیت موصی ہی کی ملک میں نافذ ہوتی ہے، پس جب اس کی ملکیت زائل ہوگئی تو، یہ وصیت سے رجوع ہے

یہ تیسرا اصول ہے۔۔موصی کی حرکت سے وصیت کی چیز اس کی ملکیت سے نکل گئی تو یہ وصیت سے رجوع کرنا سمجھا جائے گا

تشریح: یہاں تین مثالیں پیش کر رہے ہیں جس میں وصیت کی چیز موصی کی ملکیت سے نکل چکی ہے۔ا۔مثلا بکری کی وصیت کی پھر بکری کو بیچ دیا، بعد میں اسی بکری کو خرید لیا، تو یہ بکری موصی کی ملکیت سے نکل چکی ہے اس لئے یہ فعل وصیت سے رجوع سمجھی جائے گی۔۲۔دوسری مثال۔بکری کی وصیت کی تھی، پھر اس بکری کو کسی اور کو ہبہ کر دی، بعد میں ہبہ کو واپس لیا تو اس سے وصیت سے رجوع سمجھا جائے گا

ترجمه: ۷ وصیت کی ہوئی بکری کو ذبح کر لی تو یہ بھی وصیت سے رجوع کرنا ہے، اس لئے کہ عادة اپنی ضرورت میں صرف کرنا ہے، اس لئے یہ معنی بھی اصل ہو گیا

یہ چوتھا اصول۔۔اپنی ضرورت میں وصیت کی چیز استعمال کر لی تو یہ بھی وصیت سے رجوع کرنا سمجھا جائے گا

تشریح: بکری کی وصیت کی تھی، پھر اسی بکری کو اپنی ضرورت میں ذبح کر لیا تو یہ بھی وصیت سے رجوع کرنا سمجھا جائے گا

أَصْلًا أَيْضًا، ۸ وَغَسْلُ الثَّوْبِ الْمُوْصٰى بِهٖ لَا يَكُوْنُ رُجُوْعًا، لِأَنَّهُ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُعْطِيَ ثَوْبَهُ غَيْرَهُ يَغْسِلُهُ عَادَةً فَكَانَ تَقْرِيْرًا.

(۹۷۵) قَالَ وَمَنْ جَحَدَ الْوَصِيَّةَ لَمْ يَكُنْ رُجُوْعًا ۱ كَذَا ذَكَرَهُ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ،

لغت: فصارهذا المعنی اصلا: یہ مبہم جملہ ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ضرورت میں وصیت کی چیز کو استعمال کرلیا تو بھی وصیت سے رجوع ہے

ترجمہ: ۸ اور وصیت کے کپڑے کو دھونا وصیت سے رجوع نہیں ہے اس لئے کہ جو دوسرے کو کپڑا دیتا ہے وہ عادۃ کپڑا دھو کر دیتا ہے،اس لئے کپڑا دھونا وصیت کو اور مضبوط کرنا ہے

اصول: ایسا کام کرے جس سے محسوس ہو کہ وصیت کو اور مضبوط کرنا مقصود ہو تو اس سے وصیت سے رجوع کرنا نہیں سمجھا جائے گا

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: (۹۷۵) کسی نے وصیت کا انکار کیا تو رجوع نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱ امام محمدؒ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے

نوٹ: ان مسائل میں عبارت پیچیدہ ہے۔ پہلے یہ بتایا کہ موصی کے کن کن اعمال سے وصیت سے رجوع سمجھا جائے گا۔اب یہ بتا رہے ہیں کہ دس قسم کے جملے بولنے سے وصیت سے رجوع ہوگا یا نہیں،اور پہلی وصیت ختم ہوگی یا نہیں

اس پورے بحث میں، رجوع، کا ترجمہ یاد رکھنا ضروری ہے،تب جا کر مسئلہ سمجھ میں آئے گا۔ رجوع کا ترجمہ ہے کہ، ماضی میں وصیت کا اقرار،اب اس کا انکار کر رہا ہے

تشریح: ۱۔ یہ پہلا جملہ ہے۔ وصیت سے انکار کیا،اور جحد بولا تو امام محمد کے نزدیک وصیت سے رجوع نہیں ہوگا،اور پہلی وصیت ختم نہیں ہوگی

وجہ:

(۱) جحد — ماضی میں انکار — اس کی وجہ سے فی الحال انکار

(۲) رجوع — ماضی میں اقرار — فی الحال انکار

جحد میں ہے ماضی میں انکار،اور اس کی وجہ سے فی الحال بھی انکار۔ اور رجوع میں ہے ماضی میں اقرار،اور فی الحال انکار،اس معنی کی وجہ سے دونوں کے معنی میں اتفاق نہیں رہا اس لئے جحد کا لفظ رجوع کے معنی میں استعمال نہیں ہوگا،اور جحد کے لفظ سے وصیت سے رجوع نہیں ہوگا

۲ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَكُوْنُ رُجُوْعًا لِأَنَّ الرُّجُوْعَ نَفْيٌ فِي الْحَالِ، وَالْجُحُوْدُ نَفْيٌ فِي الْمَاضِيْ وَالْحَالِ فَأَوْلٰى أَنْ يَكُوْنَ رُجُوْعًا، ۳ وَلِمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ الْجُحُوْدَ نَفْيٌ فِي الْمَاضِيْ وَالْإِنْتِفَاءُ فِي الْحَالِ ضَرُوْرَةُ ذٰلِكَ، وَإِذَا كَانَ ثَابِتًا فِي الْحَالِ كَانَ الْجُحُوْدُ لَغْوًا، ۴ أَوْ لِأَنَّ الرُّجُوْعَ إِثْبَاتٌ فِي الْمَاضِيْ وَنَفْيٌ فِي الْحَالِ، وَالْجُحُوْدُ نَفْيٌ فِي الْمَاضِيْ وَالْحَالِ فَلَا يَكُوْنُ

ترجمہ: ۲ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جحد سے وصیت سے رجوع ہوگا، اس لئے کہ رجوع میں فی الحال وصیت کی نفی ہے، اور جحد میں ماضی اور حال دونوں میں وصیت کی نفی ہے، تو اس لفظ سے بدرجہ اولی رجوع ہوگا

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ موصی نے جحد کا لفظ استعمال کیا تو اس سے وصیت سے رجوع ہو جائے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ رجوع میں ماضی میں وصیت کا اقرار رہتا ہے، اور فی الحال اس کی نفی ہوتی ہے، اور جحد میں ماضی اور حال دونوں میں وصیت کی نفی ہے تو جحد لفظ رجعتُ سے زیادہ مضبوط ہے، اس لئے جحد لفظ سے وصیت سے رجوع ہو جائے گا

ترجمہ: ۳ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ، جحد کا ترجمہ ہے ماضی میں وصیت کی نفی، اور اس کی ضرورت کی وجہ سے فی الحال بھی نفی، لیکن جب وصیت فی الحال ثابت ہے (تو جھوٹ ہو گیا) اور جحد کا لفظ لغو ہو گیا

تشریح: امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ جحد کا اصل ترجمہ یہ ہے کہ ماضی میں وصیت کی نفی، لیکن اس کی ضرورت کی وجہ سے مجبورا فی الحال بھی نفی ہوتی ہے، لیکن یہاں فی الحال تو وصیت ثابت ہے، اس لئے جحد میں جھوٹ ہو گیا، اور جحد کا لفظ لغو ہو گیا، اس لئے جہد کے لفظ سے رجوع نہیں ہوگا

ترجمہ: ۴ امام محمدؒ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ۔ لفظ، رجوع، میں ماضی میں وصیت کا اثبات ہوتا ہے، اور فی الحال وصیت کی نفی ہوتی ہے، اور جحد میں ماضی اور حال دونوں میں نفی ہوتی ہے (اس لئے دونوں کے معنی میں جوڑ نہیں ہوا) اس لئے جہد کے لفظ سے حقیقت میں رجوع نہیں ہوگا۔ جیسے نکاح سے انکار سے فرقت نہیں ہوتی ہے

تشریح: یہ امام محمدؒ کی دوسری دلیل ہے، جحد سے رجوع ہونے میں دونوں لفظوں میں اتفاق ہونا چاہئے تا کہ جحد سے رجوع کا معنی لیا جا سکے، اور یہاں دونوں کے معنی میں اتفاق نہیں ہے، کیونکہ جحد کا معنی ہے ماضی میں بھی انکار، اور فی الحال بھی انکار، اور رجوع کا معنی ہے ماضی میں وصیت کا اقرار، اور فی الحال انکار، اس لئے جحد اور رجوع کے معنی میں اتفاق نہیں ہوا اس لئے جحد سے رجوع نہیں ہوگا

اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ نکاح کا انکار کر دے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، کیونکہ طلاق، اور جحد کے معنی میں فرق ہے، طلاق کا ترجمہ ہے ماضی میں نکاح کا اقرار اور ابھی اس کا انکار، اور جحد النکاح کا ترجمہ ہے، ماضی میں بھی نکاح کا انکار اور

رُجُوعًا حَقِيقَةً وَلِهٰذَا لا يَكُوْنُ جُحُوْدُ النِّكَاحِ فُرْقَةً. ۵ وَلَوْ قَالَ كُلُّ وَصِيَّةٍ أَوْصَيْتُ بِهَا لِفُلَانٍ فَهُوَ حَرَامٌ وَرِبَوا لا يَكُوْنُ رُجُوْعًا، لِأَنَّ الْوَصْفَ يَسْتَدْعِيْ بِقَاءَ الْأَصْلِ، بِخَلَافِ مَا إِذَا قَالَ فَهِيَ بَاطِلَةٌ، لِأَنَّهُ الذَّاهِبُ الْمُتَلَاشِيْ، ٦ وَلَوْ قَالَ أَخَّرْتُهَا لا يَكُوْنُ رُجُوْعًا، لِأَنَّ التَّاخِيْرَ لَيْسَ لِلسُّقُوْطِ كَتَأْخِيْرِ الدَّيْنِ، بِخَلَافِ مَا إِذَا قَالَ تَرَكْتُ، لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ.

ابھی بھی نکاح کا انکار، اس لئے جحد النکاح سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اسی طرح جحد الوصیت سے رجوع عن الوصیت نہیں ہوگا

ترجمہ: ۵ اور اگر موصی نے کہا کہ، فلاں کے لئے جتنی وصیت کی ہے وہ سب حرام اور سود ہے تو اس لفظ سے وصیت سے رجوع نہیں ہوگا، اس لئے کہ حرام کی صفت اصل وصیت کو باقی رہنا چاہتی ہے، بخلاف اگر کہا، کہ وصیت باطل ہے (تو اس سے وصیت سے رجوع ہوگا) اس لئے کہ باطل کا ترجمہ ہے ختم ہوگئی معدوم ہوگئی

تشریح: یہ دوسرا اور تیسرا لفظ ہے، جس سے رجوع ہوگا یا نہیں

موصی نے کہا فلاں کے لئے جو وصیت کی ہے وہ حرام ہے اور سود ہے، حرام اور سود ہونا یہ صفت ہے، اور صفت اصل کے ساتھ ہوتی ہے، اس لئے اصل وصیت باقی ہے، اگر چہ اس میں کراہیت ہے اس لئے ان دونوں لفظ سے وصیت سے رجوع نہیں ہوگا۔

تیسرا لفظ ہے وصیتی باطلة: کہ میری وصیت باطل ہے، اس لفظ سے وصیت سے رجوع ہو جائے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ باطل کا ترجمہ ہے وصیت چلی گئی، وصیت معدوم ہوگئی، اس لئے باطلة کے لفظ سے وصیت سے رجوع ہو جائے گا

لغت: المتلاشی: معدوم ہوگئی، الذاہب المتلاشی: جو چلی گئی معدوم ہوگئی

ترجمہ: ٦ اور اگر موصی نے کہا کہ میں نے وصیت کو موخر کی ہے تو اس جملے سے رجوع نہیں ہوگا، اس لئے کہ تاخیر کرنا ساقط کرنے کے لئے نہیں ہوتا ہے، جیسے قرض کو موخر کر دے، بخلاف اگر کہے کہ ترکت: میں نے وصیت چھوڑ دی ہے (تو اس جملے سے رجوع ہوگا) اس لئے کہ اس لفظ سے وصیت کو ساقط کرنا ہے

تشریح: یہ چوتھا، اور پانچواں جملہ ہے جس سے وصیت سے رجوع ہوگا یا نہیں ہوگا۔ موصی نے کہا کہ میں نے وصیت کو موخر کر دیا، تو اس لفظ سے وصیت سے رجوع نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موخر کا معنی ہے کہ اصل وصیت تو ابھی بھی موجود ہے، صرف اس کو موخر کیا گیا ہے اس لئے اس لفظ سے وصیت سے رجوع نہیں ہوگا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ قرض کے بارے میں قرض دینے والا کہے کہ میں نے قرض کو موخر کر دیا تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ قرض تو ابھی بھی باقی ہے، صرف تاخیر کے ساتھ وصول کرنے کی مہلت دی گئی ہے، اسی طرح یہاں وصیت موجود ہے اس لئے اس سے رجوع نہیں ہوگا

لیکن اگر موصی نے کہا ترکت الوصیت، تو اس سے رجوع ہو جائے گا، اس لئے ترکت کا مطلب ہوتا ہے وصیت ساقط کر دی، اور ختم کر دیا، اس لئے ترکت کے لفظ سے رجوع ہو جائے گا

ے وَلَوْ قَالَ الْعَبْدُ الَّذِيْ أَوْصَيْتُ بِهٖ لِفُلَانٍ فَهُوَ لِفُلَانٍ كَانَ رُجُوْعًا، لِأَنَّ اللَّفْظَ يَدُلُّ عَلٰى قَطْعِ الشِّرْكَةِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى بِهٖ لِرَجُلٍ ثُمَّ أَوْصٰى بِهٖ لِاٰخَرَ، لِأَنَّ الْمَحَلَّ يَحْتَمِلُ الشِّرْكَةَ وَاللَّفْظُ صَالِحٌ لَهَا وَكَذَا إِذَا قَالَ فَهُوَ لِفُلَانٍ وَارِثِيْ يَكُوْنُ رُجُوْعًا عَنِ الْأَوَّلِ عَلٰى مَا بَيَّنَا وَيَكُوْنُ وَصِيَّةً لِلْوَارِثِ وَقَدْ ذَكَرْنَا حُكْمَهٗ،

ترجمہ: ے اور اگر وصیت کرنے والے نے کہا کہ، جو غلام میں نے فلاں کو وصیت کی ہے وہ اب فلاں کے لئے ہے، تو اس جملے سے وصیت سے رجوع ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ شرکت کو منقطع کرنے پر دلالت کرتا ہے، بخلاف غلام کو کسی کو وصیت میں دیا، پھر اسی غلام کی دوسرے کے لئے وصیت کر دی (اس جملے سے رجوع نہیں ہوگا) اس لئے کہ یہاں محل شرکت کا احتمال رکھتا ہے، اور لفظ میں بھی اس شرکت کی صلاحیت ہے، اور ایسے ہی اگر کہا کہ یہ غلام میرے فلاں وارث کے لئے ہے تو بھی پہلی وصیت سے رجوع ہوگا، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا، اور اب وارث کے لئے وصیت ہو جائے گی، اور میں نے اس کا حکم ذکر کر دیا ہے

تشریح: عبارت پیچیدہ ہے۔ یہ چھٹا، اور ساتواں، اور آٹھواں جملہ ہے جس سے وصیت سے رجوع ہوگا یا نہیں

یہاں دو جملے ہیں جن کے بولنے سے یہ سمجھا جائے گا کہ وصیت سے رجوع ہے۔ ا۔ پہلا جملہ، **العبد الذی اوصیت به لفلان فهو لفلان** ۔۲۔ اور دوسرا جملہ ہے، **العبد الذی اوصیت به لفلان فهو لفلان وارثی** ۔ ترجمہ جس غلام کو میں نے زید کے لئے وصیت کی تھی وہ اب عمر کے لئے ہے، یا اب وہ میرے فلاں وارث کے لئے ہے۔ تو اس جملے میں صاف یہ ہے کہ پہلی وصیت کو ختم کرتا ہوں اور اس غلام کو دوسرے کو دے رہا ہوں، کیونکہ لفظ میں یہ نہیں ہے کہ دونوں ایک ہی غلام میں شریک ہو جائیں، اس لئے ان دونوں لفظوں سے وصیت سے رجوع ہوگا۔ البتہ جس صورت میں اپنے وارث کے لئے وصیت کی تو وصیت درست ہو جائے گی، البتہ باقی ورثہ کی اجازت پر نافذ کرنا موقوف رہے گا

یہ آٹھواں جملہ ہے۔ ایک تیسرا جملہ ہے، **اوصی بالغلام لرجل ثم اوصی به لآخر** ، غلام کو کسی کی وصیت میں دیا، پھر اسی غلام کی دوسرے کے لئے وصیت کر دی، تو اس جملے میں پہلی وصیت کو ختم نہیں کیا ہے، بلکہ پہلے ہی وصیت میں دوسرے کو شریک کر دیا، اس لئے اس جملے سے وصیت سے رجوع نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں وصیت میں شرکت کا احتمال ہے، اور لفظ میں شرکت کی صلاحیت ہے، اس لئے غلام میں دونوں کی شرکت ہو جائے گی، اور دونوں کے لئے وصیت ہو جائے گی

لغت: وقد ذکرنا حکمه: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ، وارث کے لئے وصیت کی تو وصیت درست ہو جائے گی، البتہ اس کے نافذ کرنے میں باقی ورثہ کی اجازت کی ضرورت ہوگی، کیونکہ وارث کے لئے وصیت کرنے میں باقی وارث کی اجازت کی ضرورت پڑتی ہے

۸ وَلَوْ كَانَ فُلَانٌ الْآخَرُ مَيِّتًا حِينَ أَوْصٰى فَالْوَصِيَّةُ الْأُولٰى عَلٰى حَالِهَا، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ الْأُولٰى إِنَّمَا تَبْطُلُ ضَرُوْرَةَ كَوْنِهَا لِلثَّانِيْ وَلَمْ يَتَحَقَّقْ فَبَقِيَ لِلْأَوَّلِ، ۹ وَلَوْ كَانَ فُلَانٌ حِيْنَ قَالَ ذٰلِكَ حَيًّا ثُمَّ مَاتَ قَبْلَ مَوْتِ الْمُوْصِيْ فَهِيَ لِلْوَرَثَةِ لِبُطْلَانِ الْوَصِيَّتَيْنِ الْأُولٰى بِالرُّجُوْعِ، وَالثَّانِيَةُ بِالْمَوْتِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمه: ۸ اور اگر دوسرا آدمی (جس کے لئے وصیت کی تھی) وصیت کے وقت مر چکا ہے تو پہلی وصیت اپنی حالت پر رہے گی (یعنی وہ ختم نہیں ہوگی)، اس لئے کہ پہلی وصیت اس وقت ختم ہوتی ہے جب دوسری وصیت درست ہو جائے، اور یہاں دوسری وصیت درست نہیں ہوئی ہے اس لئے پہلی وصیت باقی رہے گی

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دوسری وصیت صحیح ہو تب ہی پہلی وصیت ختم ہوگی، ورنہ نہیں

تشریح: یہ نواں جملہ ہے۔ یہاں، **العبد الذی اوصیت به لفلان فهو لفلان** ۔۲۔ اور دوسرا جملہ ہے، **العبد الذی اوصیت به لفلان فهو لفلان وارثی**۔ پر تبصرہ ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ، **العبد الذی اوصیت به لفلان فهو لفلان**، کہہ کر پہلی وصیت ختم کر دی اور دوسرے کے لئے وصیت کر دی تو پہلی وصیت اس وقت ختم ہوگی جبکہ دوسرا آدمی جس کے لئے وصیت کی ہے وہ وصیت کے وقت زندہ ہو، لیکن اگر وصیت کے وقت اس کی وفات ہو چکی ہے تو دوسرے کے لئے وصیت درست نہیں ہوئی اس لئے پہلی وصیت ختم نہیں ہوگی، بلکہ وہ باقی رہے گی

ترجمه: ۹ اور اگر دوسرے کو وصیت کرتے وقت وہ زندہ تھا، پھر موصی کی موت سے پہلے مر گیا تو یہ مال موصی کے ورثہ کے لئے ہے، دونوں وصیتوں کے باطل ہونے کی وجہ سے، پہلی وصیت رجوع کرنے کی وجہ سے، اور دوسری وصیت دوسرے کے مرنے کی وجہ سے

تشریح: یہ دسواں جملہ ہے۔۔ یہ بھی، **العبد الذی اوصیت به لفلان فهو لفلان**۔ پر تبصرہ ہے۔۔

پہلی وصیت کو ختم کر کے دوسرے کے لئے وصیت کی، دوسرا آدمی اس وقت زندہ تھا اس لئے وصیت تو صحیح تھی، لیکن موصی کے مرنے کے بعد وصیت کو قبول کرنا ضروری ہے تب وصیت نافذ ہوگی، یہاں موصی سے پہلے دوسرے آدمی کی موت ہو چکی ہے اس لئے یہ دوسری وصیت نافذ نہیں ہوئی۔ اب پہلی وصیت ختم ہو چکی ہے، اور دوسری وصیت نافذ نہیں ہوئی، اس لئے یہ مال خود موصی کے وارث کو مل جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِثُلُثِ الْمَالِ

(٩٧٦) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِرَجُلٍ بِثُلُثِ مَالِهِ وَلِآخَرَ بِثُلُثِ مَالِهِ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ ، ل لِأَنَّهُ يَضِيقُ الثُّلُثُ عَنْ حَقِّهِمَا، إِذْ لَا تُزَادُ عَلَيْهِ عِنْدَ عَدَمِ الْإِجَازَةِ عَلٰى مَا تَقَدَّمَ وَقَدْ تَسَاوَيَا فِي سَبَبِ الْاِسْتِحْقَاقِ فَيَسْتَوِيَانِ فِي الْاِسْتِحْقَاقِ، وَالْمَحَلُّ يَقْبَلُ الشِّرْكَةَ فَيَكُونُ بَيْنَهُمَا.

﴿باب الوصية بثلث المال﴾

ترجمہ: (٩٧٦) کسی نے کسی آدمی کے لئے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے تہائی مال کی، اور ورثہ نے اجازت نہیں دی تو ایک تہائی دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ (وارث کی اجازت نہ دینے کی وجہ سے) دونوں کا حق تہائی ہی میں سمٹ جائے گا، اس لئے کہ ورثہ کی اجازت نہ ہوتے وقت تہائی سے زیادہ نہیں ہوگا، جیسا کہ پہلے گزرا ہے، اور سبب میں دونوں کا حق برابر ہے، اس لئے دونوں کا استحقاق بھی برابر ہوگا، اور محل شرکت قبول کرتا ہے، اس لئے یہ تہائی ہی دونوں کے درمیان (چھٹا چھٹا) ہوجائے گا

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ۔ ورثہ اجازت نہ دے تو سب وصیت والوں کو ایک تہائی ہی میں حساب کر کے لینا ہوگا

تشریح: قاعدہ یہ گزرا کہ ورثہ کی اجازت کے بغیر تہائی مال سے زیادہ وصیت نہیں کر سکتا اور یہاں دو آدمیوں کو ایک تہائی کی وصیت ہے۔ اس لئے دو تہائی (66.66) کی وصیت ہوگئی۔ اور ورثہ ایک تہائی سے زیادہ کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔ اس لئے ایک تہائی مال کو دونوں موصی لہ کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی۔ مثلا سو درہم ہو تو ایک تہائی 33.33 درہم یعنی تینتیس درہم اور تینتیس پیسے ہوئے۔ اور اس کو دو آدمیوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کریں تو 16.66 سولہ درہم اور چھیاسٹھ پیسے ملیں گے۔ اور دونوں کی وصیت میں سے آدھی آدھی کم ہوجائے گی

وجہ: (۱)۔عَنِ الزُّهْرِيِّ، فِي رَجُلٍ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِفَرَسٍ وَسَمَّاهُ، وَقَالَ: ثُلُثُ مَالِي لِفُلَانٍ وَفُلَانٍ، وَكَانَ الْفَرَسُ لِعَابَ ثُلُثِ مَالِهِ، قَالَ الزُّهْرِيُّ: »نَرَى أَنْ يُقَسِّمَ ثُلُثَ مَالِهِ عَلَى حِصَصِهِمْ« (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۸ رجل اوصی لرجل بفرس واوصی لآخر بثلث مالہ وکان الفرس ثلث مالہ، ج سادس، نمبر ۳۰۸۶۸) (۲)۔عن الحسن انه قال فی رجل اوصی بدرهم وبالسدس ونحوه قال يتحاصون جميعا (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۸ رجل اوصی لرجل بفرس واوصی لآخر بثلث مالہ وکان الفرس ثلث مالہ، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۶۹) اس قول تابعی میں ہے کہ زیادہ وصیت کر دی ہو تو سب کو حصے پر تقسیم کر دی جائے گی۔ (۳) اس حدیث میں ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ وصیت جائز نہیں ہے۔ عن عامر بن سعد عن ابیه قال مرضت فعادنی النبی ﷺ ... قلت فالثلث قال الثلث والثلث كثير او كبير قال واوصى الناس بالثلث فجاز ذلک لهم (بخاری شریف، باب الوصیۃ بالثلث، ص ۳۸۳، نمبر ۲۷۴۴ رمسلم شریف،

(۹۷۷) وَإِنْ أَوْصَى لِأَحَدِهِمَا بِالثُّلُثِ وَلِآخَرَ بِالسُّدُسِ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا، ۱ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُدْلِي بِسَبَبٍ صَحِيحٍ وَضَاقَ الثُّلُثُ عَنْ حَقَّيْهِمَا فَيَقْسِمَانِهِ عَلَى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا كَمَا فِي أَصْحَابِ الدُّيُونِ فَيُجْعَلُ الْأَقَلُّ سَهْمًا وَالْأَكْثَرُ سَهْمَيْنِ فَصَارَ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ، سَهْمٌ لِصَاحِبِ الْأَقَلِّ وَسَهْمَانِ لِصَاحِبِ الْأَكْثَرِ.

باب الوصیۃ بالثلث ،ص ۳۸ ،نمبر ۱۶۲۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثلث سے زیادہ وصیت نہ کرے

نوٹ: اوپر کا حساب کلکیو لیٹر پر سیٹ کر لیں۔

ترجمہ: (۹۷۷) اور اگر ان میں سے ایک کے لئے وصیت کی تہائی کی اور دوسرے کے لئے چھٹے حصے کی ،اور ورثہ نے تہائی سے زیادہ کی اجازت نہیں دی تو ایک تہائی دونوں کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ دونوں سبب صحیح کی وجہ سے مستحق ہوئے ہیں ،اور دونوں کا حق تہائی میں سمٹ گیا ہے ،اس لئے دونوں کے حق کے برابر تقسیم ہوگا ، جیسے قرض والوں کے درمیان ہوتا ہے ،اس لئے کم والے کو ایک حصہ ملے گا ،اور زیادہ والے کو دو حصے ملیں گے ،اور دونوں مل کر تین حصے ہو جائیں گے ،ایک حصہ کم والے کو اور دو حصے زیادہ والے کو (اور مل کر ایک تہائی ہوگئی)

تشریح: ایک آدمی کے لئے پورے مال کی تہائی کی وصیت کی جو سو درہم میں سے 33.33 تینتیس درہم تینتیس پیسے ہوں گے۔اور دوسرے کے لئے پورے مال کے چھٹے حصے کی وصیت کی جو سو درہم میں سے 16.666 یعنی سولہ درہم اور چھیاسٹھ پیسے ہوں گے۔اب دونوں وصیتوں کو ملائیں تو آدھے مال کی وصیت ہوگی ،یعنی پورے مال کا 50 فیصد ہوگی۔اور قاعدہ یہ ہے کہ صرف تہائی مال کی وصیت جائز ہے۔اس لئے دونوں موصی لہ کو اپنے اپنے حصہ سے ایک ایک تہائی کم ملے گی۔جس کے لئے پوری ایک تہائی مال کی وصیت کی تھی یعنی سو درہم میں سے 33.33 درہم ملنے والے تھے ان کو اس میں سے ایک تہائی کم کر کے 22.22 بائیس درہم اور بائیس پیسے ملیں گے۔اور جن کو پورے مال کے چھٹے حصے کی وصیت کی تھی اس کو ایک تہائی کم کر کے 11.11 گیارہ درہم گیارہ پیسے ملیں گے۔اور مجموعہ 33.33 ہو جائے گا ،یعنی پورے مال کی ایک تہائی ہو جائے گی

وجہ: وصیت کی وجہ سے دونوں کو ملے ہیں ،البتہ ایک کا حصہ زیادہ ہے اور دوسرے کا حصہ کم ہے ،اس لئے جب وصیت تہائی مال میں سمٹے گی تو ہر ایک کا حصہ کم ہو جائے گا ،اور جو حصہ ملا ہے ،یعنی پورے مال کی تہائی (33.33)،اس کو تین حصوں میں تقسیم کریں تو ایک حصہ (11.11) کا ہوگا ،اب اکثر والے کو اس کا دوگنا یعنی (22.22) دے دیں ،اور کم والے کو ایک حصہ یعنی (11.11) دے دیں ،مجموعہ (33.33) ہو جائے گا

لغت: اثلاثا: تین تہائی کریں ان میں سے دو تہائی ایک کو دیں اور ایک تہائی دوسرے کو دیں اس کو اثلاث کہتے ہیں۔

(۹۷۸) وَإِنْ أَوْصٰى لِأَحَدِهِمَا بِجَمِيعِ مَالِهِ وَلِاٰخَرَ بِثُلُثِ مَالِهِ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا عَلٰى أَرْبَعَةِ أَسْهُمٍ عِنْدَهُمَا، وَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَلثُّلُثُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَلَا يَضْرِبُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ

ترجمہ: (۹۷۸) اگر دونوں میں سے ایک کے لئے تمام مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے تہائی مال کی، اور ورثہ نے اجازت نہیں دی تو تہائی دونوں کے درمیان چار حصوں پر ہوگا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔ اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ تہائی دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تہائی سے جو زیادہ کی وصیت ہو وہ موصی لہ کے لئے نہیں ہوگا، سوائے محابات، اور غلام کی کمائی، اور دراہم مرسلہ میں

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے تہائی سے زیادہ وصیت کی تو یہ وصیت جائز ہو جائے گی، البتہ یہ تہائی سے زیادہ ہے اس لئے سبھی تہائی کے اندر سمٹ کر حساب سے ملے گا

اصول: امام ابو حنیفہ کا اصول۔۔ کھلے الفاظ میں تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے تو وہ باطل ہو کر تہائی پر آ جائے گی اور دوسرے کے ساتھ برابر ہو جائے گی۔ لیکن دبی زبان میں تہائی سے زیادہ وصیت کرے اور بعد میں پتا چلے کہ تہائی سے زیادہ ہے تب بھی وصیت جائز ہے، جیسے محابات، یا سعایہ، یا دراہم مرسلہ کے ذریعہ پورے مال کی وصیت کر دے اور بعد میں حساب سے پتا چلے کہ پورے مال کی وصیت کی ہے تو دونوں موصی لہ کو اپنے اپنے حصے کے مطابق ملے گا اور تہائی مال حصص پر تقسیم ہوگا۔ ،انہیں دو اصولوں پر یہ مسائل متفرع ہیں

تشریح: ایک آدمی کے لئے پورے مال کی وصیت کی مثلا سو درہم اس کے پاس تھے تمام ہی کی وصیت زید کے لئے کر دی۔ پھر دوسرے آدمی کے لئے اس کی تہائی یعنی 33.33 تینتیس درہم تینتیس پیسے کی وصیت کر دی تو مجموعہ 100+33.33 برابر 133.33 ایک سو تینتیس درہم تینتیس پیسے کی وصیت کر دی۔ حالانکہ قاعدہ گزر چکا ہے کہ ورثہ اجازت نہ دے تو پورے مال کی تہائی ہی کی وصیت کر سکتا ہے۔ یعنی پورا مال سو درہم ہے تو اس میں سے 33.33 تینتیس درہم تینتیس پیسے ہی کی وصیت کر سکتا ہے۔ اس لئے اب دیکھنا ہوگا کہ 33.33 میں سے پورے مال کی وصیت کئے جانے والے کے کتنے حصے ہوں گے اور تہائی مال وصیت کئے جانے والے کے کتنے حصے ہوں گے۔ اس حساب سے تقسیم کی جائیگی۔

حصص کا حساب: جس کو پورے مال یعنی 100 سو درہم کی وصیت کی وہ تہائی 33.33 کا تین گنا ہے۔ اس لئے تین گنا اور ایک گنا تہائی وصیت والے کی مجموعہ چار گنا ہوا۔ اس لئے حساب ربع یعنی چوتھائی سے کیا جائے گا۔ جس کی وصیت تین گنا تھی اس کو تین ربع دیں اور جس کی وصیت ایک تہائی یعنی ایک گنا تھی اس کو ایک ربع دیں۔ اور پورے 100 درہم کی تہائی 33.33 تینتیس درہم اور تینتیس پیسے کو چار حصوں میں تقسیم کرے۔ اس طرح پر ہر حصہ 8.33 آٹھ درہم تینتیس پیسے کا ہوگا۔ اب جس کی وصیت تین گنا کی تھی یعنی پورے مال کی تھی اس کو تین ربع دیں جو 24.999 یعنی چوبیس درہم ننانوے پیسے ہوئے۔ اور جس کی وصیت پورے مال

رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لِلْمُوْصٰى لَهٗ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ إِلَّا فِى الْمُحَابَاةِ وَالسِّعَايَةِ وَالدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ.

میں سے تہائی کی تھی یعنی ایک ربع کی تھی اس کو 8.33 آٹھ درہم تینتیس پیسے ملیں گے۔حاصل یہ ہے کہ تین ربع پورے مال والے کو اورایک ربع تہائی مال والے کو ملے گا۔اور مجموعہ 33.33 تینتیس درہم تینتیس پیسے ہوگا جو سو درہم کی تہائی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تہائی مال سے زیادہ جس کے لئے وصیت کی وہ بیکار ہے۔شریعت کے اعتبار سے اتنی کرنی ہی نہیں چاہئے۔اس لئے اس کی وصیت بھی تہائی رہ گئی۔گویا کہ جمیع مال والے کے لئے تہائی اور دوسرے کے لئے بھی تہائی کی وصیت رہ گئی۔اور یہ دونوں برابر ہیں اس لئے کل مال کے تہائی حصے میں دونوں برابر یعنی آدھا آدھا تقسیم کریں گے۔اور ہر ایک کو 33.33 کا آدھا 16.66 سولہ درہم چھیاسٹھ پیسے ملیں گے۔

لغت: المحابات: محبۃ سے مشتق ہے، محبت میں زیادہ قیمت کی چیز کو کم قیمت میں بیچ دینا، اس کو محابات، کہتے ہیں۔اس کی صورت یہ ہے۔مثلا ایک آدمی کا ایک غلام ہے جس کی قیمت تیس (۳۰) درہم ہے۔اس نے وصیت کی کہ اس کو زید کے ہاتھ میں دس درہم میں بیچ دو۔اب دس درہم میں بیچا تو گویا کہ وہ بیس درہم اس کو محبت میں وصیت کردی یہ غلام کی قیمت سے آدھے سے زیادہ ہے۔اگر میت کی صرف یہی غلام مال ہو اور آدھے سے زیادہ کی وصیت کرے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وصیت باطل ہوتی۔لیکن صاف لفظ میں تہائی سے زیادہ کی وصیت نہیں کی ہے بلکہ حساب اور کھوج کے بعد معلوم ہوا کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت کی ہے۔اس لئے یہ وصیت باطل نہیں ہوگی بلکہ حصص پر تقسیم ہو جائے گی یعنی تیس میں سے ایک تہائی یعنی دس درہم وصیت ہوگی اور باقی بیس درہم قیمت مشتری کو ادا کرنی ہوگی۔

اس آدمی کے پاس دوسرا غلام تھا جس کی قیمت ساٹھ (۶۰) درہم تھی۔اس نے وصیت کی کہ عمر کے ہاتھ میں صرف بیس درہم میں بیچ دے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ چالیس درہم محبت میں وصیت کردی جو اس کی قیمت سے آدھے سے بھی زیادہ ہے۔پس اگر صرف یہی مال ہوتا اور زبان سے کہتا کہ آدھے سے زیادہ کی وصیت کرتا ہوں تو وصیت باطل ہو جاتی۔لیکن محابات کیا تو وصیت باطل نہیں ہوگی۔البتہ اس کے لئے تہائی میں وصیت ہوگی۔اس لئے اس غلام کو چالیس درہم میں خریدنا ہوگا۔اور بیس درہم وصیت میں شمار ہو کر کم ہو جائے گا جو ساٹھ (۶۰) درہم کی تہائی ہے۔اس صورت میں دونوں آدمیوں کے لئے وصیت درست رہی اور دونوں کو اس کی تہائی مل گئی۔یعنی تیس والے کو ایک تہائی دس کم ہوا اور ساٹھ والے کے لئے اس کی دو تہائی یعنی بیس کم ہوا تو گویا کہ ان کے حصوں پر تقسیم ہوئی۔

السعایۃ: یہ سعی سے مشتق ہے۔غلام اپنی قیمت کما کر آقا کو دے۔اس کی صورت یہ ہے کہ میت نے دو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی۔ایک کی قیمت تیس تھی اور دوسرے کی قیمت ساٹھ درہم۔اور آقا کے پاس کل مال یہی دو غلام تھے۔پس اگر یوں کہتا کہ پورے مال کے آزاد ہونے کی وصیت کرتا ہوں تو وصیت باطل ہو کر تہائی پر آجاتی اور دونوں غلاموں کو برابر ملتا۔لیکن یہاں پہلے آزاد کیا بعد میں حساب کرنے سے پتا چلا کہ آقا کا پورا مال وصیت میں صرف ہو رہا ہے اس لئے دونوں وصیتیں اپنی اپنی جگہ

۱ لَهُمَا فِي الْخِلَافِيَّةِ أَنَّ الْمُوْصِيْ قَصَدَ شَيْئَيْنِ الْإِسْتِحْقَاقَ وَالتَّفْضِيْلَ، وَامْتَنَعَ الْإِسْتِحْقَاقُ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ وَلَا مَانِعَ مِنَ التَّفْضِيْلِ فَيَثْبُتُ كَمَا فِي الْمُحَابَاةِ وَأُخْتَيْهَا، ۲ وَلَهُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ وَقَعَتْ بِغَيْرِ

پر برقرار رہے گی اور جس کو زیادہ کی وصیت کی اس کو زیادہ ملے گی اور جس کو کم کی وصیت کی اس کو کم ملے گی۔ مثلا جس غلام کی قیمت تیس درہم تھی اس کی ایک تہائی یعنی دس درہم آزاد ہوگی اور باقی دو تہائی یعنی بیس درہم کما کر یعنی سعایت کر کے آقا کے ورثہ کو ادا کرے۔ اور جس غلام کی قیمت ساٹھ درہم ہے اس کی ایک تہائی یعنی بیس درہم آزاد ہوگی اور باقی دو تہائی یعنی چالیس درہم سعایت کر کے آقا کے ورثہ کو ادا کرے گا۔ اور دونوں غلام کے مجموعی قیمت نوے درہم کی تہائی یعنی تیس درہم آزاد ہوئی۔

الدراهم المرسله: غیر متعین درہم کی وصیت۔ اس میں میت یہ نہ کہے کہ میں پورے مال کی وصیت کرتا ہوں یا آدھے مال کی وصیت کرتا ہوں۔ بلکہ یوں کہے کہ میں زید کے لئے تیس درہم کی وصیت کرتا ہوں اور عمر کے لئے ساٹھ درہم کی وصیت کرتا ہوں۔ بعد میں حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ اس کے پاس کل نوے درہم ہی وراثت میں ہے۔ اس لئے اس کی ایک تہائی کی وصیت درست ہوگی باقی ورثہ میں تقسیم ہوگا۔ چنانچہ زید کے لئے تیس درہم کی وصیت کی تھی اس لئے اس کی تہائی یعنی دس درہم وصیت میں ملیں گے۔ اور باقی بیس درہم ورثہ میں تقسیم ہوں گے۔ اور عمر کے لئے ساٹھ درہم کی وصیت کی تھی اس لئے اس کی تہائی یعنی بیس درہم وصیت میں ملیں گے۔ اور باقی چالیس درہم ورثہ میں تقسیم ہوں گے۔

ترجمہ: ۱ اختلافی مسئلے میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کرنے والے نے دو باتوں کا ارادہ کیا تھا، موصی لہ کو مستحق بنانے کا، اور ایک دوسرے کو فضیلت دینے کا، لیکن ورثہ کے حق کی وجہ سے مستحق بنانا ممتنع ہوگیا، لیکن فضیلت دینے میں کوئی مانع نہیں ہے اس لئے فضیلت دینے کا حق ثابت ہوگا، جیسے محابات اور دو بہنوں یعنی سعایہ، اور دراہم مرسلہ میں ہوتا ہے

تشریح: عبارت پیچیدہ ہے۔۔ اوپر جو اختلافی مسئلہ چل رہا ہے، اس میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کرنے والے نے یہاں دو باتیں کی ہیں۔ ۱۔ ایک یہ کہ ایک موصی لہ کو اپنے تمام مال کا مستحق بنانا چاہ رہا ہے، لیکن ورثہ کے حق کی وجہ سے یہ نہیں ہوگا کہ کسی کو اپنے تمام کا مستحق بنادے۔ ۲۔ دوسری بات یہ کی ہے کہ ایک موصی لہ کو دوسرے موصی لہ پر فضیلت دی کہ ایک کو پورے مال کی وصیت کی اور دوسرے کو صرف تہائی مال کی۔ یہ فضیلت دینا ہوسکتا ہے، اس میں کوئی مانع نہیں ہے، جیسے محابات، کرسکتا ہے، غلام سے سعایہ کرا سکتا ہے، اور دراہم مرسلہ کی وصیت کرسکتا ہے، اسی طرح ایک کو زیادہ مال کی وصیت، اور دوسرے کو کم مال کی وصیت کرسکتا ہے۔ اس لئے متن کے مسئلے میں ایک کو پورے مال کی وصیت کی اور دوسرے کو تہائی مال کی وصیت کی، یہ جائز ہوگی، البتہ ورثہ کے حق کی وجہ سے تمام وصیت تہائی مال میں سمٹ جائے گی

ترجمہ: ۲ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ۔ پورے مال کی وصیت کرنے میں ورثہ اجازت نہ دے تو غیر مشروع واقع ہوئی ہے، اس لئے یہ کسی حال میں بھی نافذ نہیں ہے اس لئے بالکل ہی باطل ہے

تشریح: عبارت پیچیدہ ہے۔۔۔ پورے مال کی وصیت میں جتنا بھی مال ہوتا جائے گا سب کو وصیت میں دینا ہوگا، پس

الْمَشْرُوْعِ عِنْدَ عَدَمِ الْإِجَازَةِ مِنَ الْوَرَثَةِ إِذْ لَا نِفَاذَ لَهَا بِحَالٍ فَبَطَلَ أَصْلًا، ۳ وَالتَّفْضِيْلُ يَثْبُتُ فِيْ ضِمْنِ الْاِسْتِحْقَاقِ فَبَطَلَ بِبُطْلَانِهٖ كَالْمُحَابَاةِ الثَّابِتَةِ فِيْ ضِمْنِ الْبَيْعِ ۴ بِخِلَافِ مَوَاضِعِ الْإِجْمَاعِ، لِأَنَّ لَهَا نِفَاذًا فِي الْجُمْلَةِ بِدُوْنِ إِجَازَةِ الْوَرَثَةِ بِأَنْ كَانَ فِي الْمَالِ سِعَةٌ فَيُعْتَبَرُ فِي التَّفَاضُلِ لِكَوْنِهٖ

ورثہ اجازت نہ دے تو کبھی بھی یہ وصیت نافذ نہیں ہو پائے گی ،اس لئے پورے مال کی وصیت ہر حال میں باطل ہے ۔ دوسری صورت ہے کہ دو ہزار کی وصیت کی اور میت کے پاس دو ہزار ہی ہے ،تو ورثہ اجازت نہ دے تو یہ وصیت نافذ نہیں ہوگی ،لیکن دوسری صورت ہے کہ وصیت کے بعد میت کے پاس چھ ہزار ہو جائے تو یہ دو ہزار چھ ہزار کی تہائی ہے ،اس لئے ورثہ اجازت نہ دے تب بھی یہ وصیت نافذ ہو سکتی ہے ،لیکن پورے مال کی وصیت کی ہو تو جتنا بھی مال ہوتا جائے گا وہ وصیت میں چلا جائے گا ، اس لئے ورثہ کی اجازت کے بغیر کبھی بھی یہ وصیت نافذ نہیں ہوگی ۔ اسی کو کہا ہے ،فبطل اصلا ، یہ فرق ہے متعین مال کی وصیت میں ،اور پورے مال کی وصیت میں ۔

ترجمہ: ۳ اور ایک دوسرے کو فضیلت دینا استحقاق کے ضمن میں ثابت ہوتا ہے اس لئے استحقاق باطل ہو جائے تو تفضیل بھی باطل ہو جائے گا ، جیسے محابات بیع کے ضمن میں ثابت ہوتا ہے (اور بیع فاسد ہو جائے تو اس کے ضمن میں محابات بھی فاسد ہو جاتا ہے)

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے صاحبین کو جواب ہے ،انہوں نے کہا تھا کہ تفضیل کا حق ہے ،تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ تفضیل ،یعنی کسی کو زیادہ وصیت کرنا اور کسی کو کم وصیت کرنا یہ استحقاق کے ضمن میں ثابت ہوتا ہے ، پس اگر استحقاق نہ ہو تو تفضیل بھی نہیں ہوگی ،اور یہاں پورے مال کی وصیت میں استحقاق ہی نہیں ہے تو اس کے ضمن میں تفضیل بھی نہیں ہوگی ۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ محابات بیع کے ضمن میں ثابت ہوتا ہے ،لیکن جس بیع میں محابات کیا تھا وہ بیع ہی فاسد ہو جائے ،تو اس کے ضمن میں محابات بھی ختم ہو جائے گا ،اسی طرح یہاں پورے مال کی وصیت میں استحقاق ہی نہیں ہے تو تفضیل کیسے جائز ہوگی ۔

ترجمہ: ۴ بخلاف اجماع کی جگہ میں ، (یعنی محابات ،سعایہ ،اور دراہم مرسلہ میں) اس لئے کہ ان میں کسی نہ درجے میں ورثہ کی اجازت کے بغیر بھی وصیت کا نفاذ ہے ،اس طرح کہ مال میں وسعت ہو جائے تو وہاں تفاضل کا بھی اعتبار کیا جائے گا ، اس لئے کسی نہ کسی حد میں مشروع ہے ، بخلاف جس میں ہم ہیں (اس میں کسی حال میں بھی وصیت صحیح نہیں ہے)

تشریح: اجماع کی جگہ یعنی محابات ،سعایہ ،اور دراہم مرسلہ میں ورثہ اجازت نہ دے تب بھی کسی نہ کسی وقت وصیت جائز ہو سکتی ہے ، مثلا موصی نے محابات میں دو ہزار کا غلام پانچ سو بیچنے کے لئے کہہ دیا ،تو یہ ممکن ہے کہ موصی کی موت سے پہلے اس کے پاس چھ ہزار آجائے تو یہ دو ہزار کا محابات ورثہ کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہو جائے گا ، کیونکہ یہ دو ہزار چھ ہزار کی تہائی ہے ،اور جب یہ جائز ہوگا تو اس کے تحت میں تفاضل بھی جائز ہوگا ۔ اور اوپر کے مسئلے ،جس میں پورے مال کی وصیت کی ، ورثہ کی اجازت کے بغیر کبھی بھی پورے مال کی وصیت جائز نہیں ہو سکتی ہے ،اس لئے وہاں تفاضل بھی جائز نہیں ہوگی ۔

مَشْرُوْعًا فِي الْجُمْلَةِ، بِخِلَافِ مَا نَحْنُ فِيْهِ. ۵ وَهٰذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى بِعَيْنٍ مِنْ تَرِكَتِهٖ وَقِيْمَتُهٗ تَزِيْدُ عَلَى الثُّلُثِ فَإِنَّهٗ يَضْرِبُ بِالثُّلُثِ وَإِنِ احْتَمَلَ أَنْ يَزِيْدَ الْمَالُ فَيَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ، لِأَنَّ هُنَاكَ الْحَقُّ تَعَلَّقَ بِعَيْنِ التَّرِكَةِ بِدَلِيْلِ أَنَّهٗ لَوْ هَلَكَ وَاسْتَفَادَ مَالًا اٰخَرَ تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ، وَفِي الْأَلْفِ الْمُرْسَلَةِ لَوْ هَلَكَتِ التَّرِكَةِ تَنْفُذُ فِيْمَا يُسْتَفَادُ فَلَمْ يَكُنْ مُتَعَلِّقًا بِعَيْنٍ مَا تَعَلَّقَ بِهٖ حَقُّ الْوَرَثَةِ.

لغت: مواضع الاجماع: اجماع کی جگہ،اس سے مراد ہے،محابات،سعایہ،اور دراہم مرسلہ،جس میں سب کے نزدیک وصیت جائز ہے۔

ترجمہ: ۵ یہ بخلاف اگر اپنے ترکے میں سے کسی عین چیز کی وصیت کی اور اس چیز کی قیمت تہائی سے زیادہ ہوجائے،تو سمٹ کر تہائی ہی میں تقسیم کی جائے گی،اگر چہ مال بڑھنے کا احتمال ہے،اور یہ تہائی نکل سکتی ہے،اس لئے کہ یہاں عین ترکہ سے حق متعلق ہے اس دلیل سے کہ اگر عین چیز ہلاک ہوجائے اور دوسرا مال آجائے تب بھی وصیت باطل ہوجائے گی،اور ہزار مرسلہ ہو یعنی غیر متعین ہو،اور وہ درہم مرسلہ ہلاک ہوجائے تو جو بعد میں درہم آئے اس میں یہ وصیت نافذ ہوگی،کیونکہ یہاں عین درہم کے ساتھ وصیت متعلق نہیں ہے کہ اس کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہوجائے

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔۔یہاں دراہم مرسلہ،یعنی غیر متعین درہم کی وصیت،اور متعین چیز کی وصیت میں فرق بیان کرنا چاہتے ہیں۔۔مثلا زید نے ایک آدمی کے لئے گھوڑے کی وصیت کی،اور دوسرے کے لئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی،اور زید کے پاس صرف یہی گھوڑا تھا تو گھوڑے والے کو حصص کے ساتھ نہیں ملے گا،یعنی گھوڑے والے کو تین چوتھائی اور تہائی والے کو ایک چوتھائی نہیں ملے گی،بلکہ یہاں گھوڑے والے کو،اور تہائی والے کو آدھا آدھا ملے گا،چاہے بعد میں میت کی ملکیت زیادہ ہوجائے

وجہ: گھوڑے کی وصیت کی تو یہ متعین چیز کی وصیت ہے،چنانچہ اگر یہ گھوڑا ہلاک ہوجائے تو موصی لہ کو کچھ نہیں ملے گا،چاہے موصی کے پاس اور ملکیت موجود ہو،کیونکہ اسی متعین گھوڑے میں وصیت کی تھی۔اور اگر دراہم مرسلہ میں متعین ایک ہزار درہم کی وصیت کی،بعد میں وہ درہم ہلاک ہوگیا،اور موصی کے پاس دوسرے تین ہزار موجود ہے تو موصی لہ کو اس تین ہزار میں سے ایک ہزار ملے گا،کیونکہ یہاں درہم متعین نہیں ہے۔پس گھوڑے اور ہزار درہم میں فرق کی وجہ سے موصی لہ کا حق متعین گھوڑے کے ساتھ ہے،اس لئے اس کو ایک تہائی میں سے آدھا ملے گا،اور دراہم مرسلہ میں حصے کے اعتبار سے ملے گا۔

لغت: یضرب بالثلث: یضرب بالثلث کا ترجمہ یہ ہے،ایک ہی تہائی میں آدھا آدھا ملے گا۔فیخرج من الثلث: میت کے پاس اتنا مال ہے کہ اس گھوڑے کی قیمت اس کی تہائی ہے،مثلا گھوڑے کی قیمت دو ہزار درہم ہے،اور میت کے پاس چھ ہزار کی ملکیت ہے،اس لئے گھوڑے کی قیمت پورے مال کی تہائی ہے،اور یہ گھوڑا وصیت میں نکل سکتا ہے۔الالف المرسلۃ: ایسا ہزار جو متعین نہ ہو،

(۹۷۹) قَالَ وَإِذَا أَوْصٰى بِنَصِيْبِ ابْنِهٖ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ، وَلَوْ أَوْصٰى بِمِثْلِ نَصِيْبِ ابْنِهٖ جَازَ، ۱ لِأَنَّ الْأَوَّلَ وَصِيَّةٌ بِمَالِ الْغَيْرِ، لِأَنَّ نَصِيْبَ الْأَبْنِ مَا يُصِيْبُهُ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالثَّانِيْ وَصِيَّةٌ بِمِثْلِ نَصِيْبِ الْإِبْنِ وَمِثْلُ الشَّيْءِ غَيْرُهُ وَإِنْ كَانَ يَتَقَدَّرُ بِهٖ فَيَجُوْزُ، ۲ وَقَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ تَجُوْزُ فِي الْأَوَّلِ

ترجمہ: (۹۷۹) کسی نے وصیت کی اپنے بیٹے کے حصے کی تو وصیت باطل ہے اور اگر وصیت کی بیٹے کے حصے کے مثل تو جائز ہے۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ پہلی صورت میں دوسرے کے مال کی وصیت ہے، اس لئے کہ موصی کے مرنے کے بعد بیٹے کو جو حصہ ملے گا، اس کی وصیت کر رہا ہے (اور یہ غیر کا مال ہے، جس کی وہ وصیت نہیں کر سکتا ہے)، اور دوسری صورت میں بیٹے کو باپ کے حصے میں سے جتنا ملے گا اس کی مثل کی وصیت کر رہا، اور کسی چیز کی مثل اس کے غیر ہوتی ہے، اگر چہ اس مثل سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اس لئے یہ دوسرے صورت جائز ہے

تشریح: یہاں دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت۔ یوں وصیت کی کہ میری وراثت میں سے جتنا حصہ میرے بیٹے کو ملے گا وہی حصہ فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت باطل ہے۔ یہ پہلی صورت ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ، میری وراثت میں سے جتنا میرے بیٹے کو ملے گا اس مقدار کی وصیت کرتا ہوں تو یہ جائز ہے

وجہ: (۱) اس لئے کہ وراثت ملنے کے بعد وہ مال بیٹے کا ہو گیا تو دوسرے کے مال کی وصیت کیسے کرے گا۔ اس لئے وصیت باطل ہے۔ اور اگر یوں وصیت کی کہا جتنا مال بیٹے کو ملے گا اس کے مثل وصیت کرتا ہوں۔ مثلا اگر بیٹے کو میری وراثت میں سے ایک تہائی ملے گی تو ایک تہائی کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اگر ایک تہائی سے زیادہ ملے گی مثلا آدھا ملے گا تو آدھے کی وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت درست ہے۔ البتہ موصی لہ کو ہر حال میں تہائی سے زیادہ نہیں ملے گی۔ (۲) اس قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ **سئل عامر عن رجل مات وترک ثلاثة بنين واوصى بمثل نصيب احدهم قال هو رابع له الربع** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۸ رجل مات وترک ثلاثۃ بنین واوصی بمثل نصیب احدھم، ج سادس، ص ۲۱۶، نمبر ۳۰۷۸۰) اس قول تابعی میں ہے کہ بیٹے کے مثل کی وصیت کرے تو جائز ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ تین بیٹے ہوں تو موصی لہ کو چوتھا بیٹا شمار کیا جائے گا۔ اور چاروں بیٹو کو ایک ایک چوتھائی مل جائے گی۔

لغت: نصیب: حصہ۔

ترجمہ: ۲ امام زفرؒ نے فرمایا کہ پہلی صورت میں (اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کی ہو) بھی وصیت جائز ہے، فی الحال پر نظر کرتے ہوئے کہ ابھی کل موصی کا ہی مال ہے، اور اس کا جواب ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے (کہ موت کے بعد بیٹے کا مال ہو جائے گا، اور دوسر کے مال کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے)

أَيْضًا نَظْرًا إِلَى الْحَالِ، وَالْكُلُّ مَالُهُ فِيهِ وَجَوَابُهُ مَا قُلْنَا.

(۹۸۰) قَالَ وَمَنْ أَوْصَى بِسَهْمٍ مِنْ مَالِهِ فَلَهُ أَخَسُّ سِهَامِ الْوَرَثَةِ إِلَّا أَنْ يَنْقُصَ عَنِ السُّدُسِ فَيُتَمُّ لَهُ السُّدُسِ وَلَا يُزَادُ عَلَيْهِ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَقَالَا لَهُ مِثْلُ نَصِيْبِ أَحَدِ الْوَرَثَةِ وَلَا يُزَادُ عَلَى الثُّلُثِ إِلَّا أَنْ تُجِيْزَ الْوَرَثَةُ، لِ لِأَنَّ السَّهْمَ يُرَادُ بِهِ أَحَدُ سِهَامِ الْوَرَثَةِ عُرْفًا لَا سِيَّمَا فِي

تشریح: امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ جس وقت موصی وصیت کر رہا ہے اس وقت وہ مال اسی کا ہے، بیٹے کا نہیں ہے، اس لئے اس مال کی وصیت کر سکتا ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ اس کے لفظ پر غور کریں، موصی کہہ رہے ہیں کہ، اوصی بنصیب ابنہ ، بیٹے کو جو حصہ ملے گا میں اس کی وصیت کرتا ہوں، اور بیٹے کو حصہ ملنے کے بعد وہ بیٹے کا مال ہے، اس لئے اس کی وصیت نہیں کر سکتا ہے

ترجمہ: (۹۸۰) کسی نے اپنے مال کے ایک سہم کی وصیت کی تو اس کے وارث میں سے جس کا کم حصہ ہوگا وہ موصی لہ کو ملے گا، لیکن چھٹا سے کم ہو جائے تو چھٹا حصہ پورا کر دیا جائے گا، لیکن چھٹا سے زیادہ نہیں دیا جائے گا، یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس کے وارث میں جس کو کم حصہ ملا ہوگا وہی ملے گا، لیکن کم والا حصہ تہائی مال سے زیادہ ہو جائے تو تہائی سے زیادہ نہیں دی جائے گی، مگر یہ کہ وارث اس کی اجازت دے دے

ترجمہ: لے اس لئے کہ عرف میں سہم کا ترجمہ ہے وارثوں میں سے کسی ایک کا حصہ وصیت میں ہو اور کم سے کم حصہ متعین ہے اس لئے اسی کی طرف پھیرا جائے گا، مگر اگر تہائی سے زیادہ ہو جائے تو تہائی کی طرف لوٹا دی جائے گی، اس لئے کہ وارث کی اجازت کے بغیر تہائی سے زیادہ نہیں کی جا سکتی ہے

اصول: صاحبین کا اصول یہ ہے کہ سہم کا مطلب ہے وارث میں سے جس کا حصہ کم ہو وہ دیا جائے گا، چاہے چھٹے حصے سے کم ہو جائے

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ، ذوی الفروض کے حصوں میں سے کم سے کم حصہ چھٹا حصہ ہے اس لئے سہم کا مطلب چھٹا حصہ لیا جائے گا

تشریح: وصی نے مبہم جملہ بولا، اور یوں کہا کہ میرے مال میں سے ایک سہم کی وصیت کرتا ہوں، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سہم کا مطلب ہوگا، کہ چھٹا حصہ وصیت میں دی جائے گی

وجہ: (۱) ذوی الفروض کا جو کم سے کم حصہ ہے وہ چھٹا حصہ ہے اس لئے یہی چھٹا حصہ مراد ہوگا۔ ذوی الفروض کا بڑا حصہ ہے دو تہائی (66.66) اس سے چھوٹا ہے آدھا حصہ (50) اس سے چھوٹا ہے ایک تہائی (33.33) اس سے چھوٹا ہے چوتھائی (25) اور اس سے چھوٹا ہے چھٹا حصہ (16.66) اور اس سے چھوٹا ہے آٹھواں حصہ (12.50) (۲) کیوں کہ قول صحابی

الْوَصِيَّةِ، وَالْأَقَلُّ مُتيَقَّنٌ بِهِ فَيُصْرَفُ إِلَيْهِ إِلَّا إِذَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لا مَزِيدَ عَلَيْهِ عِنْدَ عَدَمِ إِجَازَةِ الْوَرَثَةِ، ۲ وَلَهُ أَنَّ السَّهْمَ هُوَ السُّدُسُ هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَدْ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيمَا يَرْوِىْ، وَلِأَنَّه، يُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ السُّدُسُ فَإِنَّ اِيَاسًا قَالَ السَّهْمُ فِي اللُّغَةِ عِبَارَةٌ عَنِ السُّدُسِ وَيُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ الْوَرَثَةِ فَيُعْطٰى مَا ذَكَرْنَا،

سے ثابت ہے کہ سہم کا ترجمہ ہے چھٹا حصہ (۳) اہل لغت بھی سہم کا ترجمہ چھٹا حصہ کہتے ہیں اس لئے چھٹا حصہ دیا جائے گا
صاحبین فرماتے ہیں کہ سہم سے مراد ہے کہ موصی کے وارثین میں سے کم سے کم حصہ جسکو ملا ہوگا،، چاہے وہ ذوی الفروض ہو چاہے عصبہ کے طور پر ہو، وہ حصہ وصیت میں دی جائے گی، سہم کا مطلب یہی ہے۔مثلا موصی کے ۱۲ بیٹے ہیں تو ہر بیٹے کو بارہواں حصہ ملے گا یعنی سو میں سے (8.33) ملے گا تو اتنا ہی حصہ وصیت میں دی جائے گی۔لیکن اگر کم سے کم والا حصہ تہائی مال سے زیادہ ہو جائے تو اب سمٹ کر تہائی ہی دی جائے گی ورثہ کی اجازت کے بغیر تہائی سے زیادہ نہیں دی جائے گی۔مثلا موصی کی ایک ہی بیٹی ہے تو اس کو آدھا (50) ملے گا جو تہائی سے زیادہ ہے اس لئے آدھا نہ دیکر تہائی (33.33) ہی دی جائے گی۔

وجہ: اس روایت میں ہے۔عن شریح انہ قضی فی رجل اوصی لرجل بسهم من ماله ولم يسم قال ترفع السهام فيكون للموصى له سهم (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۲۳ فی الرجل یوصی للرجل بسھم مالہ ، ج سادس ، ص ۲۱۷، نمبر ۳۰۸۰۱)۔قول تابعی سے معلوم ہوا کہ اگر سہم کی مقدار متعین نہیں کی تو وارثین میں سے کم حصہ جس کو ملے گا وہ حصہ دلوایا جائے گا۔

ترجمہ: ۲ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سہم کا ترجمہ ہے چھٹا حصہ، حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہی روایت ہے، اور انہوں نے حضور ﷺ سے نقل کیا ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل عرب سہم بولتے تھے اور اس سے چھٹا حصہ مراد لیتے تھے، چنانچہ حضرت ایاس بن معاویۃ بن قرۃؒ نے فرمایا کہ لغت میں سہم سے مراد چھٹا حصہ ہے، اور اس سے ورثہ کے سہام میں سے ایک سہم مراد لیا جاتا ہے، اس لئے موصی لہ کو یہی چھٹا دیا جائے گا جو ہم نے ذکر کیا۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ یہاں تین دلیلیں بیان فرما رہے ہیں کہ۔۱۔حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ سہم سے مراد چھٹا حصہ ہے۔۲۔لغت میں بھی حضرت ایاس سے مروی ہے کہ سہم سے مراد چھٹا حصہ ہے۔۳۔اہل عرب اپنے محاورے میں سہم بولتے تھے اور اس سے چھٹا حصہ مراد لیتے تھے، اس لئے کسی نے سہم کی وصیت کی تو وصیت میں چھٹا حصہ ہی دیا جائے گا

وجہ: (۱) صاحب ھدایہ کی روایت یہ ہے۔عَنِ الْهُزَيْلِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ »رَجُلًا أَوْصَى لِرَجُلٍ بِسَهْمٍ مِنْ مَالِهِ فَجَعَلَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّدُسَ (مسند البزاز، باب الھزیل بن شرحبیل، نمبر ۲۰۷۴) (۲) مطلق سہام سے چھٹا حصہ مراد ہے اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ عَنْ إِيَاسِ بْنِ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: " كَانَتِ الْعَرَبُ تَقُولُ: لَهُ السُّدُسُ (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۲۳ فی الرجل یوصی للرجل بسھم مالہ ، ج سادس ، ص ۲۱۷، نمبر ۳۰۸۰۰) (۳)۔عَنِ الْهُذَيْلِ، أَنَّ رَجُلًا جَعَلَ لِرَجُلٍ سَهْمًا مِنْ مَالِهِ وَلَمْ يُسَمِّ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ: »لَهُ السُّدُسُ (۳۰۸۰۱)

۳؎ قَالُوْا هٰذَا كَانَ فِيْ عُرْفِهِمْ وَفِيْ عُرْفِنَا السَّهَمُ كَالْجُزْءِ.

(۹۸۱) قَالَ وَلَوْ أَوْصٰى بِجُزْءٍ مِنْ مَالِهِ قِيْلَ لِلْوَرَثَةِ أَعْطُوْهُ مَا شِئْتُمْ، ۱؎ لِأَنَّهُ مَجْهُوْلٌ يَتَنَاوَلُ الْقَلِيْلَ وَالْكَثِيْرَ غَيْرَ أَنَّ الْجَهَالَةَ لَا تَمْنَعُ صِحَّةَ الْوَصِيَّةِ، وَالْوَرَثَةُ قَائِمُوْنَ مَقَامَ الْمُوْصِى فَإِلَيْهِمُ الْبَيَانُ.

(۹۸۲) قَالَ وَمَنْ قَالَ سُدُسُ مَالِيْ لِفُلَانٍ ثُمَّ قَالَ فِيْ ذٰلِكَ الْمَجْلِسِ أَوْ فِيْ مَجْلِسٍ اٰخَرَ لَهُ ثُلُثُ مَالِيْ وَأَجَازَتِ الْوَرَثَةُ فَلَهُ ثُلُثُ الْمَالِ وَيَدْخُلُ السُّدُسُ فِيْهِ، وَمَنْ قَالَ سُدُسُ مَالِيْ لِفُلَانٍ ثُمَّ قَالَ فِيْ

لغت: اخس: کمتر۔

ترجمہ: ۳؎ علماء نے فرمایا کہ یہ اہل کوفہ کے عرف میں ہے (کہ سہم کا معنی چھٹا حصہ ہے، یا کہ ورثہ کے کم سے کم حصہ ہے) اور ہمارے اہل ازبکستان کے عرف میں سہم کا معنی جز ہے

تشریح: صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ کے عرف کے مطابق میں نے تشریح کی، کہ سہم کا معنی چھٹا حصہ، یا وراث کو جو کم سے کم حصے ملے وہ ہے۔اور صاحب ھدایہ کا شہر فرغانہ، ملک ازبکستان میں سہم کا ترجمہ جز ہے۔اور جز کے بارے میں آگے تحقیق آرہی ہے

ترجمہ: (۹۸۱) اگر اپنے مال کے کچھ حصے کی وصیت کی تو ورثہ کو کہا جائے گا کہ جتنا چاہو اس کو دے دو۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ بجزء مالہ، مجہول جملہ ہے اس میں کم اور زیادہ دونوں شامل ہیں، یہ اور بات ہے کہ مقدار کی جہالت سے وصیت نہیں رکے گی، اور ورثہ موصی کے قائم مقام ہیں اس لئے وہی بیان کریں گے

تشریح: اس مسئلے میں وصیت کرنے والے نے کچھ مقدار متعین نہیں کی ہے اور نہ کوئی حصہ متعین کیا ہے بلکہ اپنے مال کے، جز، کا لفظ بولا ہے۔اور جز تھوڑے سے مال کو بھی کہتے ہیں۔اس لئے ورثہ جو بھی دے دیں گے وہ جز ہو جائے گا۔چونکہ اب ورثہ میت کے قائم مقام ہیں اس لئے ورثہ سے کہا جائے گا کہ آپ جو دیں وہ وصیت پوری ہونے کے لئے کافی ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ مقدار مجہول ہو تب بھی وصیت صحیح ہو جاتی ہے، وصیت باطل نہیں ہوگی۔

لغت: جز: کچھ حصہ، کچھ جز۔

ترجمہ: (۹۸۲) کسی نے کہا میرے مال کا چھٹا حصہ فلاں کے لئے ہے، پھر اسی مجلس میں، یا دوسری مجلس میں کہا کہ، اسی فلاں کو میرے مال کی تہائی حصہ ہے، اور ورثہ نے اس کی اجازت دی تو موصی لہ کے لئے تہائی مال ہی ہوگا، اور پہلا چھٹا حصہ تہائی میں داخل ہو جائے گا، اور اگر کسی نے کہا کہ میرے مال میں سے چھٹا حصہ فلاں کے لئے ہے، پھر اسی مجلس میں، یا دوسری مجلس میں کہا کہ اسی فلاں کے لئے چھٹا ہے تو اس کے لئے صرف چھٹا ہی حصہ ہوگا

اصول: ایک ہی آدمی کو دوبارہ معرفہ کے ساتھ بولا ہو تو اس سے پہلا حصہ ہی مراد ہے، الگ سے کوئی حصہ نہیں ہے

ذٰلِکَ الْمَجْلِسِ أَوْ فِيْ غَيْرِهِ سُدُسُ مَالِيْ لِفُلَانٍ فَلَهُ سُدُسٌ وَاحِدٌ، لِ لِأَنَّ السُّدُسَ ذُكِرَ مُعَرَّفًا بِالْإِضَافَةِ إِلَى الْمَالِ، وَالْمَعْرِفَةُ إِذَا أُعِيْدَتْ يُرَادُ بِالثَّانِيْ عَيْنَ الْأَوَّلِ هُوَ الْمَعْهُوْدُ فِي اللُّغَةِ.

(۹۸۳) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِثُلُثِ دَرَاهِمِهِ أَوْ بِثُلُثِ غَنَمِهِ فَهَلَكَ ثُلُثَا ذٰلِكَ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ وَهُوَ يَخْرُجُ

تشریح: اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پہلی مرتبہ بھی اپنے مال کی طرف منسوب کر کے معرفہ بولا اور دوسری مرتبہ بھی اپنے مال کی طرف منسوب کر کے معرفہ بولا تو دوسری مرتبہ جو بولا اس سے پہلے جو مقدار ہے وہی مراد ہوگی، البتہ یہ فرق ہے کہ پہلی مرتبہ کم بولا اور دوسری مرتبہ زیادہ بولا تو یہ سمجھا جائے گا کہ پہلے کو ہی تھوڑا بڑھا کر دیا ہے الگ سے کوئی حصہ نہیں دیا ہے۔
اوپر کے دونوں مسئلوں میں سدس مالی، اور ثلث مالی کہہ کر اپنے مال کی طرف اضافت کی ہے اور معرفہ بنایا ہے
مثلا پہلے چھٹے حصے (16.66) کی وصیت کی، بعد میں پھر تہائی مال (33.33) کی وصیت کی تو دونوں کو الگ الگ کریں تو آدھا (50) مال ہو جائے گا، اور ورثہ نے اجازت دی ہے تو آدھے مال کی وصیت ہو جائے گی، لیکن یوں سمجھا جائے کہ چھٹے حصے سے بڑھا کر تہائی کی وصیت کی ہے تو اب صرف تہائی مال ہی کی وصیت ہوگی
دوسری مثال میں۔ پہلے چھٹے حصے (16.66) کی وصیت کی، بعد میں بھی چھٹے حصے (16.66) کی وصیت کی تو اس میں دو چھٹے حصے کی وصیت مانیں تو تہائی 33.33 ہو جائے گی، لیکن یہاں پہلے چھٹے کی تاکید مانی جائے گی، اور صرف چھٹے حصے کی وصیت مانی جائے گی۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ سدس کو اپنے مال کی طرف اضافت کر کے معرفہ ذکر کیا، اور معرفہ دوبارہ بولے تو اس سے پہلا والا حصہ ہی مراد ہوتا ہے، اور لغت میں یہی متعین ہے

تشریح: یہاں وصی نے سدس کو (سدس مالی) اپنے مال کے ساتھ اضافت کر کے متعین کیا ہے اور معرفہ بولا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ معرفہ دوبارہ بولے تو پہلا ہی جملہ مراد ہوتا ہے، الگ سے نہیں ہوتا ہے، اس لئے دونوں مثالوں میں پہلا ہی سدس مراد ہے

ترجمہ: (۹۸۳) جس نے وصیت کی کسی کے لئے اپنے درہم کے تہائی کی یا اپنی بکریوں کی تہائی کی پھر ان کی دو تہائی ہلاک ہوگئی اور ایک تہائی باقی رہی جو اس کے باقی مال کی تہائی سے نکل سکتی تھی تو موصی لہ کے لئے تمام ما بقی ہوگا۔

اصول: یہاں امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ ایک ہی جنس میں وصیت کی ہے تو اس میں موصی لہ کا حق اصل بن جائے گا، اور ورثہ کا حق تابع بن جائے گا، اور جب اس سے ہلاک ہوگا تو پہلے تابع کا حق ہلاک ہوتا ہے، اس لئے پہلے ورثہ کا حق ہلاک ہو گا، اس کے بعد مزید ہلاک ہوا تو اب موصی لہ کا حق ہلاک ہوگا۔
موصی لہ کا حق ورثہ سے پہلے ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث من بعد وصیة یوصی بھا او دین** (آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ دین اور وصیت کے بعد ورثہ کا حق ہے۔

مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهِ فَلَهُ جَمِيعُ مَا بَقِيَ، ‌ل وَقَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَهُ ثُلُثُ مَا بَقِيَ، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمْ، وَالْمَالُ الْمُشْتَرَكُ يُتْوٰى مَا تُوِيَ مِنْهُ عَلَى الشِّرْكَةِ، وَيَبْقٰى مَا بَقِيَ عَلَيْهَا، وَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتِ التَّرِكَةُ أَجْنَاسًا مُخْتَلِفَةً،

اصول: اگر کئی جنسوں میں وصیت کی تو اس میں موصی لہ اور ورثہ دونوں برابر کے شریک ہوں گے، اصل اور تابع نہیں ہوگا، اس لئے کچھ بھی ہلاک ہوا تو موصی لہ اور ورثہ دونوں کا ہلاک ہوگا

تشریح: مثلا کسی کے پاس نو ہزار درہم تھے یا نوے بکریاں تھیں۔ اس نے کسی کے لئے اس کی تہائی کی وصیت کی۔ وصیت کے بعد اس کی دو تہائی ہلاک ہوگئی مثلا چھ ہزار درہم یا ساٹھ بکریاں ہلاک ہوگئیں۔ اور تین ہزار یا تیس بکریاں باقی رہیں۔ یہ مال پورے مال کی تہائی ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ باقی ماندہ مال جو پورے مال کی تہائی ہے موصی لہ کے لئے ہوگا۔ اور ورثہ کو کچھ نہیں ملے گا۔

وجہ: (۱) یہاں ایک ہی جنس، یعنی صرف درہم میں وصیت کی، یا صرف بکری میں وصیت کی ہے، اور ایک ہی جنس میں وصیت کی ہو تو اصول کے مطابق موصی لہ اصل ہے، اور ورثہ اس کے تابع ہیں اس لئے جو ہلاک ہوا وہ ورثہ کے مال میں سے ہلاک ہوا ہے، اور موصی لہ کا مال باقی ہے اس لئے اس کو تہائی بکری، یا تہائی درہم دے دئے جائیں گے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ وارث کو دوسرے مال میں سے مل رہا ہے، اس لئے اس مال میں اس کو نہیں دیا گیا، اور صرف موصی لہ کو دیا گیا، ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے

ترجمہ: ‌ل حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ ہلاک کے بعد جو باقی رہ گیا ہے اس میں سے تہائی دی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ وصیت والے مال میں ورثہ اور موصی لہ برابر کے شریک ہیں (اصل اور تابع نہیں ہے) اور قاعدہ یہ ہے کہ مشترک مال ہلاک ہو تو سب کا برابر ہلاک ہوتا ہے، اور جو باقی رہتا ہے وہ سب کا برابر باقی رہتا ہے، اور ایسا ہوگیا کہ کئی جنسوں میں وصیت کی ہو

اصول: امام زفرؒ کا اصول یہ ہے کہ ایک جنس میں وصیت کی ہو یا کئی جنسوں میں وصیت کی ہو دونوں صورتوں میں موصی لہ اور ورثہ برابر کے شریک ہیں، موصی لہ اصل اور ورثہ تابع ہوں ایسا نہیں ہے

تشریح: امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ورثہ اور موصی لہ برابر کے شریک ہیں اصل اور تابع نہیں ہیں اس لئے جو ہلاک ہوا وہ دونوں کا ہلاک ہوا، اور جو باقی رہا اس میں سے اپنے اپنے حصے کے اعتبار سے دونوں کا مال باقی رہا۔

اب مثال مذکور میں نو ہزار درہم میں سے، تین ہزار درہم باقی ہیں۔ یا نوے بکریوں میں سے تیس بکریاں باقی ہیں، اور ورثہ کا حق دوگنا ہے یعنی دو تہائی اور موصی لہ کا حق ایک گنا ہے یعنی ایک تہائی اس اعتبار سے موصی لہ کو تین ہزار میں سے ایک ہزار درہم ملیں گے، یا تیس بکریوں میں سے یا دس بکریاں ملیں گی۔ اور ورثہ کو دو ہزار درہم اور بیس بکریاں ملیں گی۔

اس کی مثال دیتے ہیں کہ اگر کئی جنسوں میں وصیت کی ہو اور سب میں ہلاک ہو جائے تو ورثہ اور موصی لہ سب کا برابر ہلاک ہوتا ہے، اسی طرح ایک جنس میں ہلاک ہوا ہو تو سب کا برابر ہلاک ہوگا۔

۲ وَلَنَا أَنَّ فِي الْجِنْسِ الْوَاحِدِ يُمْكِنُ جَمْعُ حَقِّ أَحَدِهِمْ فِي الْوَاحِدِ، وَلِهٰذَا يَجْرِيْ فِيهِ الْجَبْرُ عَلَى الْقِسْمَةِ وَفِيهِ جَمْعٌ، وَالْوَصِيَّةُ مُقَدَّمَةٌ فَجَمَعْنَاهَا فِي الْوَاحِدِ الْبَاقِي ۳ وَصَارَتِ الدَّرَاهِمُ

لغت: یتوی: تو ی سے مشتق ہے، ہلاک ہونا، برباد ہونا۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک ہی جنس ہو تو یہ ممکن ہے کہ ایک ہی کا حق جمع کر دیا جائے، یہی وجہ ہے کہ ایک جنس ہو تو اس میں تقسیم کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، حال یہ ہے کہ اس میں سب کا حق جمع ہے، اور وصیت مقدم ہے اس لئے ہم نے وصیت کو باقی ایک میں جمع کر دیا

تشریح: عبارت پیچیدہ ہے۔۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک جنس میں وصیت کی ہے تو اس میں ایک ہی کا حق رکھ سکتے ہیں، یا اس کو مقدم کر سکتے ہیں۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ ایک جنس کی درہم میں کئی آدمی شریک تھے، اب اس میں ایک نے اس کو تقسیم کرنے کی درخواست قاضی کے پاس دی، اور باقی نے تقسیم کرنے کا انکار کیا پھر بھی ایک آدمی کی درخواست پر قاضی درہم کو تقسیم کر دے، اور دوسرے شریکوں کو تقسیم کرنے پر مجبور کرے گا، حال آنکہ یہاں کئی آدمی شریک ہیں، لیکن ایک آدمی کو مقدم رکھ کر اس کی بات مانی گئی اور تقسیم کر دی گئی، لیکن اگر کئی جنسوں میں لوگ شریک ہوں اور اس میں ایک نے تقسیم کرنے کی درخواست دی اور باقی نے تقسیم کا انکار کیا تو وہاں قاضی تقسیم کرنے پر مجبور نہیں کرے گا، اور ایک آدمی کو مقدم نہیں کرے گا

ٹھیک اسی طرح یہاں وصیت میں ایک جنس ہے اس لئے وصی کو مقدم رکھا جائے گا، اور وارثوں کو چونکہ دوسرے مال میں حصہ مل رہا ہے اس لئے اس کو دوسرے درجے میں رکھا جائے، اور جو مال بچا ہے وہ موصی لہ کو دیا جائے گا، اور جو ہلاک ہوا وہ وارث کا ہلاک ہوا

لغت: جمع حق احدہم فی الواحد: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایک جنس میں ایک کے حق کو جمع کر دیا، اور اسی کو دے دیا گیا۔ یجری فیہ الجبر علی القسمۃ: ایک جنس میں شریک ہو تو اس میں ایک کے درخواست دینے پر سب کو تقسیم کرنے پر مجبور کیا جائے گا، جس سے پتہ چلا کہ ایک جنس ہو تو اس میں ایک کا حق مقدم کیا جا سکتا ہے۔ جمعنا ھا فی الواحد الباقی: جو مال باقی بچا ہے اس کو ایک ہی کو دے دیا گیا، اور ایک ہی میں جمع کر دیا گیا۔

ترجمہ: ۳ وصیت میں بثلث دراہم، جمع کا صیغہ بولتے، یا بثلث درہم، واحد کا صیغہ بولتے دونوں کا حکم ایک ہی ہے

تشریح: یہاں جمع کا صیغہ بولا ہو، یا واحد کا صیغہ بولا ہو، دونوں کا حکم بیان کر رہے ہیں۔۔ متن میں وصیت کرنے والانے، اوصی بثلث دراہم، جمع کا صیغہ ہے، اس کا حکم بیان کیا گیا کہ ایک ہی جنس ہے اس لئے دو تہائی ہلاک ہوئی تو یہ ورثہ کی ہوئی اور جو ایک تہائی بچی وہ موصی لہ کو دی جائے گی، اب بتا رہے ہیں کہ، بثلث درہم، واحد کا صیغہ بولتے تب بھی یہی حکم ہوتا کہ جو دو تہائی ہلاک ہوگی وہ ورثہ کی ہوگی، اور جو ایک تہائی بچے گی وہ موصی لہ کو دی جائے گی، مثلا اوصی بثلث درہم، بولا، اور وصیت

كَالدِّرْهَمِ، ۴ بِخِلَافِ الْأَجْنَاسِ الْمُخْتَلِفَةِ، لِأَنَّهُ لا يُمْكِنُ الْجَمْعُ فِيهَا جَبْرًا فَكَذَا تَقْدِيمًا.

(۹۸۴) قَالَ وَلَوْ أَوْصٰى بِثُلُثِ ثِيَابِهِ فَهَلَكَ ثُلُثَاهَا وَبَقِيَ ثُلُثُهَا وَهُوَ يَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهِ

کرنے والے کے پاس تین درہم تھے، اب ان میں سے دو درہم ہلاک ہو گئے، اور ایک درہم بچا وہ موصی لہ کے لئے ہوگا، اور وصیت کرنے والا جمع کا صیغہ بولے، یا واحد کا صیغہ دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا

ترجمہ: ۴ بخلاف اگر مختلف جنسوں میں وصیت کی ہو (تو ایک کا حق مقدم نہیں ہوگا) اس لئے کہ اس میں تقسیم کرنے میں مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے، اسی طرح ایک کو مقدم بھی نہیں کیا جا سکتا ہے

تشریح: موصی نے کئی جنسوں کی وصیت کی، مثلا بکری میں تہائی، گائے میں تہائی، بھینس میں تہائی کی وصیت کی، اور سب جنسوں میں سے دو دو تہائی ہلاک ہوگئی تو سب جنسوں میں موصی لہ کو مقدم نہیں کر سکتے اور اس کو سب جنسوں میں بچا ہوا مال نہیں دیا جا سکتا ہے، بلکہ ورثہ اور موصی لہ دونوں کا ہلاک ہوا، اس لئے بچے ہوئے مال میں ورثہ کو دو تہائی اور موصی لہ کو ایک تہائی ہی ملے گی

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف جنس ہو تو ایک آدمی کے درخواست سے سب کو تقسیم کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے ان سب میں ایک کو مقدم نہیں کیا جا سکتا ہے، اور باقی مال ایک کو نہیں دیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: (۹۸۴) کسی نے اپنے تہائی کپڑوں کی وصیت کی، پس اس کی دو تہائی ہلاک ہوگئی اور ایک تہائی باقی رہی۔ اور وہ اس کے ما بقی مال کی تہائی سے نکل سکتی ہے پھر بھی موصی لہ مستحق نہیں ہوگا مگر ما بقی کپڑوں کی تہائی کا۔

نوٹ: یہاں چیزوں کی مثالیں دے رہے ہیں۔ ۱۔ اوپر تھی درہم کی مثال، یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا۔ ۲۔ دوسرا ہے کپڑے کی مثال، یہ متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے، لیکن اس میں صفت کا اعتبار نہیں ہے۔ ۳۔ تیسرا ہے کیلی چیز یعنی گیہوں کی مثال، یہ متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے، لیکن اس میں صفت کا اعتبار نہیں ہے۔ ۴۔ چوتھا ہے وزنی چیز مثلا لوہے کی مثال، یہ متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے، لیکن اس میں صفت کا اعتبار نہیں ہے۔ ۵۔ پانچواں ہے غلام کی مثال، یہ متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے، لیکن اس میں صفت کا اعتبار ہے، ہر ایک کی صفت الگ ہے، اور اس کی قیمت بھی الگ الگ ہوتی ہے۔ ۶۔ چھٹا ہے مکان کی مثال، یہ متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے، لیکن اس میں صفت کا اعتبار ہے، ہر ایک کی صفت الگ ہے، اور اس کی قیمت بھی الگ الگ ہوتی ہے

اصول: یہ مسئلہ بھی کئی جنس میں وصیت کی طرح ہے کہ ایک کا حق مقدم نہیں ہوگا

تشریح: ۔۲۔ یہ دوسری قسم کی مثال ہے۔۔ مثلا مختلف قسم کے نو گٹھر کپڑے تھے۔ ان میں سے ایک تہائی کی وصیت کی۔ بعد میں دو تہائی یعنی چھ گٹھر ہلاک ہوگئی اور تین گٹھر باقی رہی۔ اس صورت میں موصی لہ باقی ماندہ تین گٹھر کی تہائی یعنی ایک گٹھر کا مستحق ہوگا۔ اور دو گٹھر ورثہ میں تقسیم ہوں گے۔

لَمْ يَسْتَحِقَّ إِلَّا ثُلُثَ مَا بَقِيَ مِنَ الثِّيَابِ، ۱؎ قَالُوْا هٰذَا إِذَا كَانَتِ الثِّيَابُ مِنْ أَجْنَاسٍ مُخْتَلِفَةٍ، وَلَوْ كَانَتْ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الدَّرَاهِمِ، ۲؎ وَكَذٰلِكَ الْمَكِيْلُ وَالْمَوْزُوْنُ بِمَنْزِلَتِهَا، لِأَنَّهُ

وجــــہ : (۱) اس مسئلے میں کپڑے مختلف قسم کے ہیں۔اس لئے ذہنی طور پر بھی تقسیم نہیں ہوسکتی بلکہ ہر اعتبار سے مشترک ہی رہیں گے۔اس لئے جب کپڑے مشترک رہے تو ہلاک دونوں کے ہوئے ورثہ کے بھی اور موصی لہ کے بھی۔اس لئے اب موصی لہ کو باقی ماندہ کپڑوں کی تہائی یعنی ایک گٹھر ملے گا (۲) مختلف قسم کے کپڑے ہیں تو کئی جنس میں وصیت ہوئی، اور کئی جنس میں شرکت ہو تو قاضی اس میں سب شریک کو تقسیم کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا ہے، تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے کسی ایک کا حق مقدم نہیں ہوگا، اس لئے یہاں کپڑوں میں بھی سب کے ہلاک ہوئے، اس لئے اب جو باقی کپڑے رہے ان میں سے ایک تہائی موصی لہ کو ملے گا (۳) اس قول تابعی میں اس کا اشارہ ہے۔**عن عطاء فی رجل اوصی بثلث ماله واشياء سوى ذلك وترک دارا يكون ثلثها ايعطاها الموصى له بالثلث؟ قال لا! ولكن يعطى بالحصة من المال والدار** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۹ فی رجل لہ دور فاوصی بثلثها اتجمع لہ فی موضع ام لا، ج سادس، ص ۲۱۳، نمبر ۳۰۷۴۷) اس قول تابعی میں متروکہ شیء مال بھی ہے اور گھر بھی۔لیکن موصی لہ کو تہائی حصے میں صرف گھر نہیں دے دیا بلکہ مال میں سے بھی تہائی دی اور گھر میں سے بھی تہائی دی۔جس سے معلوم ہوا کہ مختلف قسم کی چیزیں ہوں تو ہر ایک میں تہائی تہائی حصہ ہوگا۔اور ہر ایک کا دو تہائی حصہ ورثہ کا ہوگا۔اور ایک تہائی موصی لہ کے لیے ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ باضابطہ تقسیم سے پہلے جو جو چیز ہلاک ہوئی ہے اس میں ورثہ کا حصہ بھی تھا اور موصی لہ کا حصہ بھی تھا۔اور جو باقی رہا اس میں ورثہ کا بھی حصہ ہے اور موصی لہ کا بھی حصہ ہے۔اس اعتبار سے جو کچھ بچ گیا اس میں موصی لہ کو تہائی ملے گی۔اور باقی دو تہائی ورثہ کے ہونگے۔

اصول: مختلف قسم کی چیزیں ہوں تو باضابطہ تقسیم سے پہلے وہ مشترک ہی رہتی ہیں۔اس لئے ہلاک ہوں گی تو سب کی ہوں گی۔

ترجمہ: ۱؎ مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ (موصی لہ کی بھی دو تہائی ہلاک ہوگی) اس وقت ہے جبکہ مختلف جنس کے کپڑے ہوں، اور اگر ایک ہی جنس کے کپڑے ہوں تو وہ درہم کی طرح ہیں،

تشریح: یہ جو اوپر متن میں کہا گیا کہ وصیت کے کپڑے ہلاک ہوئے تو موصی لہ کا حصہ بھی ہلاک ہوگا، اور اس کو مقدم نہیں رکھا جائے گا، مشائخ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ کئی جنس کے کپڑے کی وصیت کی ہو تو ایک کو مقدم نہیں رکھ سکتے ہیں۔لیکن اگر ایک ہی قسم کے کپڑے کی وصیت کی ہو تو اس کا حکم درہم کا حکم ہے، یعنی اس میں موصی لہ کو مقدم رکھا جائے گا، اور جو تہائی بچا ہے وہ موصی لہ کو دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ یہی حال ہے کیلی چیز (مثلا گیہوں) اور وزنی چیز (مثلا لوہا) کی وصیت کی ہو تو وہ درہم کے درجے میں ہے اس لئے کہ اس میں بھی تقسیم کرنے کے لئے قاضی سب کو مجبور کر سکتا ہے (اور ایک کو مقدم رکھا جا سکتا ہے)

تشریح: ۔۳۔۴۔یہ تیسری اور چوتھی مثال ہے۔کیلی چیز مثلا گیہوں، اور وزنی چیز مثلا لوہا، تانبا، متعین کرنے سے متعین ہوتا

يَجْرِیْ فِيْهِ الْجَمْعُ جَبْرًا بِالْقِسْمَةِ.

(۹۸۵) وَلَوْ أَوْصٰى بِثُلُثِ ثَلَاثَةٍ مِنْ رَقِيْقِهٖ فَمَاتَ اِثْنَانِ لَمْ يَكُنْ لَهٗ إِلَّا ثُلُثُ الْبَاقِیْ، وَكَذَا الدُّوْرُ الْمُخْتَلِفَةُ، ۱ؕ وَقِيْلَ هٰذَا عَلٰى قَوْلِ أَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَحْدَهٗ، لِأَنَّهٗ لَا يَرَى الْجَبْرَ عَلَى

ہے، لیکن سب کو ایک صفت میں رکھا گیا ہے، ایک گیہوں کو شریعت میں دوسرے گیہوں سے افضل قرار نہیں دیا گیا ہے، کتاب البیوع میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے، اسی طرح وزن سے بکنے والی چیز مثلا لوہا، تانبا، یہ متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے، لیکن صفت کے اعتبار سے شریعت میں فرق نہیں رکھا گیا ہے، کہ کوئی لوہا افضل ہو اور کوئی کم درجے کا ہو۔ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایک جنس میں وصیت کی ہو تو اس کا حکم درہم کی طرح ہے کہ اس میں موصی لہ کو مقدم رکھا جائے گا، اور جو دو تہائی ہلاک ہوئی وہ ورثہ کی ہلاک ہوئی اور موصی لہ کو ایک تہائی مل جائے گی۔

وجہ: کیونکہ کیلی اور وزنی چیز میں ایک ہی جنس میں سب شریک ہوں تو قاضی ایک کے درخواست پر سب کو تقسیم کرنے کے لئے مجبور کر سکتا ہے، اور ایک کو مقدم رکھ سکتا ہے، اس لئے وصیت میں بھی ایسا ہوگا کہ موصی لہ کو مقدم رکھے گا۔

ترجمہ: (۹۸۵) تین غلام تھے ان میں سے ایک کی تہائی کی وصیت کی، پھر دو مر گئے، تو ایک غلام باقی رہ گیا ہے موصی لہ اس کی ایک تہائی ملے گی۔ اسی طرح تین گھر تھے اس کے ایک تہائی کی وصیت کی (اور دو گھر برباد ہو گئے تو ایک گھر کی تہائی موصی لہ کو ملے گی)

تشریح: یہ پانچویں، اور چھٹی مثال ہے، یہاں ہر غلام الگ الگ جنس ہے، اور ذہانت اور مہارت کی وجہ سے ہر غلام کی قیمت الگ الگ ہوتی ہے، اسی طرح ہر گھر الگ الگ جنس ہے، موقع اور محل کے اعتبار سے ہر گھر کی قیمت الگ الگ ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے موصی نے جب تین غلام کی وصیت کی، یا تین گھر میں وصیت کی تو گویا کہ تین جنس میں وصیت کی، یہ ایک جنس نہیں ہے، اور پہلے گزر چکا ہے کہ کئی جنس میں وصیت کی ہو تو اس میں قاضی تقسیم کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا ہے، اور ایک کو مقدم نہیں کر سکتا ہے، بلکہ ورثہ اور موصی لہ ہر ایک غلام میں برابر کے شریک ہیں، اس لئے جب دو غلام ہلاک ہوئے تو ورثہ اور موصی لہ دونوں کے دو غلام ہلاک ہو گئے، اور ایک غلام باقی رہا تو دونوں کے باقی رہے، اس لئے جو غلام باقی رہا، یا جو گھر باقی رہا اس میں سے ایک تہائی موصی لہ کو ملے گی، اور دو تہائی وارث کو ملے گی

ترجمہ: ۱ؕ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ فیصلہ کہ (موصی لہ کو صرف باقی غلام کی تہائی ملے گی) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے اس لئے کہ وہی تین غلاموں میں قاضی تقسیم کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا ہے (کیونکہ یہ کئی جنس ہیں)

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ صرف امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ تین غلام ایک جنس نہیں ہیں بلکہ تین الگ الگ جنس ہیں کیونکہ ہر ایک کی قیمت الگ الگ ہوتی ہے، اور چونکہ الگ الگ جنس ہیں اس لئے قاضی تقسیم کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا ہے،

الْقِسْمَةِ فِيهَا، ۲ۖ وَقِيلَ هُوَ قَوْلُ الْكُلِّ، لِأَنَّ عِنْدَهُمَا لِلْقَاضِي أَنْ يَّجْتَهِدَ وَيَجْمَعَ، وَبِدُوْنِ ذٰلِكَ يَتَعَذَّرُ الْجَمْعُ، وَالْأَوَّلُ أَشْبَهُ لِلْفِقْهِ الْمَذْكُوْرِ.

(۹۸۶) قَالَ وَمَنْ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ وَلَهُ مَالٌ عَيْنٌ وَدَيْنٌ فَإِنَّ خَرَجَ الْأَلْفُ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ دُفِعَ إِلَى الْمُوْصَى لَهُ ۱ۖ لِأَنَّهُ أَمْكَنَ إِيْفَاءُ كُلِّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ مِنْ غَيْرِ بَخْسٍ فَيُصَارُ إِلَيْهِ وَإِنْ لَمْ

اس لئے جو دو غلام ہلاک ہوئے وہ ورثہ، اور موصی لہ دونوں کے ہوئے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک تین غلاموں میں بھی قاضی سب شریک کو تقسیم کرنے پر مجبور کرسکتا ہے، اس لئے گویا کہ وہ ایک ہی جنس ہے، اس لئے ان کے نزدیک تین غلام تین درہم کی مثل ہے، اور جو غلام باقی رہا وہ تین غلام کی تہائی ہے اس لئے یہ پورا غلام موصی لہ کو دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲ۖ لیکن بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ صاحبین، اور امام ابوحنیفہؒ سب کا قول یہی ہے کہ (موصی لہ کو باقی ماندہ ایک غلام کی صرف تہائی ملے گی) اس کی وجہ یہ کہ صاحبینؒ کے یہاں بھی قاضی کو اختیار ہے کہ اجتہاد کرے، پھر ایک کو جمع کردے، یعنی اس کو مقدم کردے، لیکن بغیر اجتہاد کے ایک کو جمع کرنا متعذر ہے، لیکن پہلی بات جو امام ابوحنیفہؒ نے کہی ہے وہ فقہ کے زیادہ مشابہ ہے

لغت: یجمع: یہ ایک محارہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اجتہاد کر کے ورثہ اور موصی لہ میں سے ایک کو جمع کردے یعنی مقدم کردے، اور ورثہ کو دوسرے درجے میں رکھے، اور جو ہلاک ہو وہ پہلے ورثہ کے مال میں سے جائے، یجمع کا یہاں مطلب یہی ہے

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ صاحبین کے یہاں ہے کہ قاضی اجتہاد کرے، اور اجتہاد کر کے موصی لہ کو مقدم کرے، اور ورثہ کو موخر کرے تب موصی لہ مقدم ہوگا، اور جو دو غلام ہلاک ہوئے وہ ورثہ کا ہلاک ہو، لیکن یہاں ابھی تک قاضی نے اجتہاد نہیں کیا ہے اس لئے موصی لہ کا حق مقدم نہیں ہوا، اس لئے صاحبینؒ کے یہاں بھی امام ابوحنیفہؒ کی طرح موصی لہ اور ورثہ تینوں غلاموں میں مشترک رہیں گے، اور دو غلام جو ہلاک ہوئے وہ ورثہ اور موصی لہ دونوں کے ہلاک ہوئے۔۔ لیکن پہلے جو امام ابو حنیفہؒ کی رائے گزری ہے وہ فقہ کے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ تین غلام ایک جنس نہیں ہیں قیمت کے بے پناہ فرق ہونے کی وجہ سے تین جنس ہیں۔

ترجمہ: (۹۸۶) جس نے وصیت کی ایک آدمی کے لئے ایک ہزار درہم کی اور اس کا کچھ مال نقد ہے اور کچھ قرض ہے۔ پس اگر ایک ہزار نقد کی تہائی نکل جائے تو موصی لہ کو دے دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ۖ اس لئے کہ ہر حق والے کو بغیر کسی نقصان کے حق پورا کرنا ممکن ہے اور اگر نہیں نکلے تو نقد کی تہائی دے دی جائے گی۔ اور جو کچھ قرض سے وصول ہوتا رہے گا اس کو لیتا رہے گا یہاں تک کہ جو ایک تہائی وصیت کی تھی وہ ہزار پوری کرے

يَـخْـرُجُ دُفِعَ إِلَيْهِ ثُلُثُ الْعَيْنِ، وَكُلُّ مَا خَرَجَ شَيْءٌ مِنَ الدَّيْنِ أَخَذَ ثُلُثَهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الْأَلْفَ، ۲ لِأَنَّ الْـمُـوْصٰى لَهُ شَرِيْكُ الْوَارِثِ وَفِيْ تَخْصِيْصِهِ بِالْعَيْنِ بَخْسٌ فِيْ حَقِّ الْوَرَثَةِ، لِأَنَّ لِلْعَيْنِ فَضْلًا عَلَى الدَّيْنِ، وَلِأَنَّ الدَّيْنَ لَيْسَ بِمَالٍ فِيْ مُطْلَقِ الْحَالِ، وَإِنَّمَا يَصِيْرُ مَالًا عِنْدَ الْاِسْتِيْفَاءِ فَإِنَّمَا يَعْتَدِلُ النَّظْرُ بِمَا ذَكَرْنَاهُ.

(۹۸۷) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو بِثُلُثِ مَالِهِ فَإِذَا عَمْرٌ مَيِّتٌ فَالثُّلُثُ كُلُّهُ لِزَيْدٍ، ۱ لِأَنَّ الْمَيِّتَ

ترجمہ: ۲ اس لئے کہ موصی لہ وارث کا شریک ہے، اور عین رقم صرف موصی لہ کو دے دیں تو ورثہ کے حق میں نقصان ہوگا، کیونکہ عین رقم کی قرض رقم پر ایک فضیلت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض تو ابھی مال ہے ہی نہیں، وہ تو وصول ہونے کے بعد مال بنے گا، اس لئے دونوں کا نفع اسی میں ہے جو ہم نے ذکر کیا (کہ دونوں کو عین اور قرض میں شریک رکھا جائے)

اصول: یہ مسئلہ بھی اوپر کے اصول پر متفرع ہے کہ مال دو جنس کے ہوں تو موصی لہ اور ورثہ نقد اور قرض دونوں میں شریک رہیں گے۔

تشریح: ایک آدمی نے ایک دوست کے لئے ہزار درہم کی وصیت کی اور اس آدمی کے مال میں کچھ نقد رقم ہے۔ اور رقم لوگوں پر قرض ہے۔ پس اگر نقد مال مثلا تین ہزار موجود ہے تو اس کی تہائی ایک ہزار وصیت والے کو دے گا۔ اور اگر تین ہزار نقد نہیں ہے بلکہ دو ہزار نقد ہے اور باقی قرض ہے تو دو ہزار کی تہائی یعنی 666.66 چھ سو چھیاسٹھ درہم اور چھیاسٹھ پیسے ابھی وصول کرے گا اور باقی قرض جتنا وصول ہوتا جائے گا تو اس میں تہائی لیتا جائے گا یہاں تک کہ اس کا پورا ایک ہزار مکمل ہو جائے۔

وجہ: (۱) مال میں قرض ہے اور نقد ہے۔ تو گویا کہ مختلف جنس کے مال ہیں۔ اس لئے ذہنی طور پر موصی لہ کا حصہ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ دونوں مال ورثہ اور موصی لہ کے درمیان مکمل طور پر مشترک رہیں گے۔ اس لئے جتنا نقد ہے اس میں سے تہائی موصی لہ کو دی جائے گی۔ اور جتنا قرض ہے اس کو وصول کرتے جائیں اور اس میں تہائی لیتے جائیں یہاں تک کہ ہزار پورا ہو جائے (۲) نقد کی ایک بڑی اہمیت ہے۔ اگر یہ صرف موصی لہ کو دے دیا جائے تو ورثہ کو نقصان ہوگا۔ اس لئے اس میں سے تہائی ہی موصی لہ کو دیا جائے گا۔ تا کہ دونوں کا نفع برابر ہو

لغت: عین: نقد، دین: قرض، یستوفی: وفی سے مشتق ہے وصول کرنا۔

ترجمہ: (۹۸۷) کسی نے زید اور عمر کے لئے تہائی مال کی وصیت کی۔ اور عمر اس وقت مر چکا تھا تو ساری تہائی زید کے لئے ہوگی۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے اس لئے زندہ کا مزاحم نہیں ہوگا، جو وصیت کا اہل ہے، اور یہ ایسا ہو گیا کہ زید کے لئے اور دیوار کے لئے وصیت کی ہو (تو دیوار کے لئے وصیت نہیں ہوگی، بلکہ پوری وصیت زید کے لئے ہوگی، ویسے ہی یہاں ہوگا)

اصول: یہاں لزید، زید کے لئے اور بین زید وعمرو میں فرق بیان کر رہے ہیں

لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْوَصِيَّةِ فَلا يُزَاحِمُ الْحَيَّ الَّذِيْ هُوَ مِنْ أَهْلِهَا كَمَا إِذَا أَوْصَى لِزَيْدٍ وَجِدَارٍ، ٢ وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّهُ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِمَوْتِهِ فَلَهُ نِصْفُ الثُّلُثِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ عِنْدَهُ صَحِيْحَةٌ لِعَمْرٍو فَلَمْ يَرْضَ لِلْحَيِّ إِلَّا نِصْفَ الثُّلُثِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا عَلِمَ بِمَوْتِهِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لِلْمَيِّتِ لَغْوٌ فَكَانَ رَاضِيًا بِكُلِّ الثُّلُثِ لِلْحَيِّ. ٣ وَإِنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِيْ بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو وَزَيْدٌ مَيِّتٌ كَانَ لِعَمْرٍو نِصْفُ الثُّلُثِ،

تشریح: مثلا خالد نے زید اور عمر دونوں کے لئے وصیت کی۔جس وقت وصیت کی تو خالد کو معلوم نہیں تھا کہ عمر مر چکا ہے۔لیکن حقیقت میں عمر مر چکا تھا تو یہ پوری تہائی زید کے لئے ہو جائے گی۔

وجہ: (۱) اس قول تابعی میں ہے کہ لفلان ولفلان، کہا اور ایک مر چکا ہے تو پوری تہائی زندہ کو مل جائے گی، اور بین فلان کہا تو زندہ کو تہائی کی آدھی ملے گی۔ عَنِ الثَّوْرِيِّ قَالَ: "إِذَا أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ فَقَالَ هُوَ لِفُلَانٍ وَلِفُلَانٍ، ثُمَّ مَاتَ أَحَدُهُمْ فَهُوَ لِلْبَاقِيْ، وَإِذَا قَالَ: هُوَ بَيْنَ فُلَانٍ وَبَيْنَ فُلَانٍ فَمَاتَ أَحَدُهُمَا فَلِلْآخَرِ النِّصْفُ" (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یوصی لبنی فلاں و بنات فلاں، نمبر ۱۶۴۷۱) (۲) وصیت کے لئے ضروری ہے کہ وصیت کرنے والے کی موت کے بعد وصیت قبول کرے تب مال کا مالک ہوگا، اور دوسرا آدمی مر چکا ہے اس لئے وہ قبول نہیں کر پائے گا، اس لئے وہ زندہ آدمی کا مزاحم نہیں بنے گا، اور جو زندہ ہے پوری تہائی اسی کی ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٢ حضرت امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر وصیت کرنے والا جانتا نہیں تھا کہ دوسرا آدمی مر چکا ہے، پھر بھی وصیت کی تو زندہ کے لئے تہائی کا آدھا ہوگا، اس لئے کہ جب جانتا نہیں تھا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک میت کے لئے وصیت کرنا صحیح ہے اس لئے زندہ کے لئے آدھی تہائی سے راضی ہے، بخلاف اگر موصی جانتا تھا کہ دوسرا مر چکا ہے (پھر بھی وصیت کی) تو میت کے لئے وصیت لغو ہے اس لئے گویا کہ زندہ آدمی کے لئے کل تہائی سے راضی ہے

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وصیت کرنے والے کو معلوم تھا کہ عمرو مر چکا ہے پھر بھی زید اور عمرو کے لیے وصیت کی تب تو پوری تہائی زید کو ملے گی۔

وجہ: کیونکہ موت کو جانتے ہوئے زید اور عمر کے لیے وصیت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حقیقت مین صرف زید کے لئے وصیت کرنا ہے۔لیکن اگر عمر کی موت کا علم موصی کو نہیں تھا اور زید اور عمرو دونوں کی لئے وصیت کی تو چونکہ دونوں کو دینا چاہتا ہے اس لئے زید کو تہائی کا آدھا ملے گا اور باقی آدھا موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گا۔

ترجمہ: ٣ اگر کہا کہ میرا تہائی مال زید اور عمرو کے درمیان میں ہے اور زید مر چکا ہے تو عمرو کے لئے تہائی کا آدھا ہوگا۔اس لئے کہ لفظ، بین، کا تقاضہ یہ ہے کہ زندہ اور مردہ دونوں کے لئے آدھا آدھا ہو، بخلاف جو پہلے گزر چکا ہے (لزید و

لِأَنَّ قَضِيَّةَ هٰذَا اللَّفْظِ أَنْ يَكُوْنَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ الثُّلُثِ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ، أَلَا تَرٰى أَنَّ مَنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِيْ لِزَيْدٍ وَسَكَتَ كَانَ لَهُ كُلُّ الثُّلُثِ، وَلَوْ قَالَ ثُلُثُ مَالِيْ بَيْنَ فُلَانٍ وَسَكَتَ لَمْ يَسْتَحِقَّ الثُّلُثَ.

(۹۸۸) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِثُلُثِ مَالِهِ وَلَا مَالَ لَهُ وَاكْتَسَبَ مَالًا اِسْتَحَقَّ الْمُوْصٰى لَهُ ثُلُثَ مَا يَمْلِكُهُ

عمرو بثلث) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اگر کہتا کہ میرا تہائی مال زید کے لئے ہے، اور چپ رہا تو پوری تہائی زید کے لئے ہو جائے گی ، اور اگر کہا کہ تہائی مال فلاں کے درمیان ہے، اور چپ ہو گیا تو تہائی کا مستحق نہیں ہوگا

تشریح: بین کے لفظ میں آدھا ہونے کا تقاضہ ہے، اس لئے بین زید وعمرو ہے، اور عمرو مر چکا ہے تو زید کے لئے تہائی کی آدھی ہوگی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، ثلث مالی لزید، کہا اور چپ ہو گیا تو زید کے لیے پوری تہائی مال ہوگا ، اور ثلث مالی بین فلاں، کہا اور چپ ہو گیا تو جو زندہ ہے اس کے لئے آدھی تہائی ہوگی ، اسی طرح اوپر کے مسئلے میں لزید ، اور بین زید میں فرق ہوگا

وجہ: (۱) لفظ 'بین' دلالت کرتا ہے کہ دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہو۔ اس لئے زید مر گیا تو اس کا حصہ موصی کے ورثہ کی طرف واپس لوٹ جائے گا۔ اور باقی یعنی تہائی کا آدھا عمرو کو مل جائے گا۔ (۲) پہلے قول تابعی گزر چکا ہے۔۔ عَنِ الثَّوْرِيِّ قَالَ: إِذَا أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ فَقَالَ هُوَ لِفُلَانٍ وَلِفُلَانٍ، ثُمَّ مَاتَ أَحَدُهُمْ فَهُوَ لِلْبَاقِي، وَإِذَا قَالَ: هُوَ بَيْنَ فُلَانٍ وَبَيْنَ فُلَانٍ فَمَاتَ أَحَدُهُمَا فَلِلْآخَرِ النِّصْفُ (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یوصی لبنی فلاں و بنات فلاں، نمبر ۱۶۴۷۱) اس قول تابعی میں ہے کہ بین فلان بولا تو زندہ کے لئے تہائی کی آدھی ہی ہوگی

ترجمہ: (۹۸۸) کسی نے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور اس کے پاس مال نہیں ہے۔ پھر کچھ مال کمایا تو جو مال موت کے وقت کمایا اس میں موصی لہ کو تہائی ملے گی

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وصیت کے وقت مال ہو یا نہ ہو، موت کے وقت کتنا مال ہے اس میں وصیت جاری ہوگی۔ اب صورت مسئلہ میں وصیت کے وقت مال نہیں ہے لیکن بعد میں مثلا تین ہزار درہم کمایا تو اس کی تہائی ایک ہزار موصی لہ کو ملے گی۔

وجہ: (۱) وصیت موصی کے مرنے کے بعد نافذ ہوتی ہے۔ اس لئے موت کے وقت کتنا مال موجود ہے اس کی تہائی میں وصیت نافذ ہوگی (۲) اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها او دين (آیت ۱۲، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ترکتم سے اشارہ ہے کہ موت کے وقت جو چھوڑے اس میں میراث اور وصیت جاری ہوتی ہے۔ اس سے پہلے کتنا مال ہے اس کا اعتبار نہیں ہے۔ (۳)۔ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي رَجُلٍ أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ ثُمَّ أَفَادَ مَالًا قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ مِنْ مِيرَاثٍ أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ، قَالَ: لِلَّذِي أَوْصَى لَهُ ثُلُثُ مَالِهِ وَثُلُثُ مَا أَفَادَ (سنن سعید بن منصور، باب الرجل یوصی بوصی للرجل فیموت الموصی، نمبر ۳۶۹) اس قول تابعی میں ہے کہ بعد میں استفادہ کیا ہو اور موت

عِنْدَ الْمَوْتِ، ۱؎ لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ عَقْدُ اِسْتِخْلَافٍ مُضَافٌ إِلٰى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَيَثْبُتُ حُكْمُهُ بَعْدَهُ فَيُشْتَرَطُ وُجُوْدُ الْمَالِ عِنْدَ الْمَوْتِ، لا قَبْلَهُ، ۲؎ وَكَذَالِكَ إِذَا كَانَ لَهُ مَالٌ فَهَلَكَ ثُمَّ اكْتَسَبَ مَالًا لِمَا بَيَّنَا. ۳؎ وَلَوْ أَوْصٰى لَهُ بِثُلُثِ غَنَمِهِ فَهَلَكَ الْغَنَمُ قَبْلَ مَوْتِهِ أَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ غَنَمٌ فِي الْأَصْلِ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهُ إِيْجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ فَيُعْتَبَرُ قِيَامُهُ حِيْنَئِذٍ، وَهٰذِهِ الْوَصِيَّةُ تَعَلَّقَتْ بِالْعَيْنِ فَتَبْطُلُ بِفَوَاتِهَا عِنْدَ الْمَوْتِ، ۴؎ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ غَنَمٌ فَاسْتَفَادَهُ ثُمَّ مَاتَ فَالصَّحِيْحُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ تَصِحُّ، لِأَنَّهَا لَوْ

کے وقت وہ مال ہوتو وصیت میں اس کی بھی تہائی دی جائے گی

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ وصیت اپنے مال کا خلیفہ بنانے کا ایک عقد ہے، جو موت کے بعد منسوب ہوتا ہے، اس لئے وصیت کا حکم موت کے بعد ثابت ہوتا ہے، اس لئے موت کے وقت مال ہونا شرط ہے، اس سے پہلے ہونا ضروری نہیں ہے

تشریح: وصیت کا مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد موصی لہ کو مالک بنانا ہے، اس لئے موت کے وقت موصی کے پاس مال ہونا ضروری ہے، اس سے پہلے نہ بھی ہو تب بھی وصیت صحیح ہو جائے گی، اور موت کے وقت جتنا مال موجود ہوگا اس کی تہائی موصی لہ کو ملے گی

ترجمہ: ۲؎ اور ایسے ہی اگر موصی کے پاس مال تھا اور ہلاک ہو گیا، پھر مال کمایا (تو موت کے وقت جتنا مال ہوگا اس کی تہائی ملے گی) اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ۳؎ اور اگر اپنی تہائی بکری کی وصیت کی، لیکن موت سے پہلے بکری ہلاک ہو گئی، یا اصل میں بکری تھی ہی نہیں (موت کے وقت بھی بکری نہیں رہی) تو وصیت باطل ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی کہ وصیت موت کے وقت وصیت کی ابتداء کرنا ہے اس لئے موت کے وقت بکری ہونی ضروری ہے، اور یہ وصیت عین کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اس لئے موت کے وقت عین نہ ہونے کی وجہ سے وصیت باطل ہو جائے گی

اصول: موصی کی موت کے وقت مال نہ ہوتو وصیت باطل ہو جاتی ہے

تشریح: یہاں دو باتیں ہیں۔۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ پہلے مسئلے میں عام مال تھا، اور یہاں مال کی ایک خاص قسم بکری ہے۔ ۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ پہلے مال متعین نہیں تھا، یہاں بکری متعین ہے۔ لیکن یہاں بھی اصول وہی ہے کہ موت کے وقت بکری نہیں ہے اس لئے وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ وصیت کرنے کے لئے موت کے وقت مال ہونا ضروری ہے

ترجمہ: ۴؎ اور اگر وصیت کے وقت بکری نہ ہو، لیکن بعد میں بکری حاصل کر لی ہو پھر موصی مر گیا (اور موصی کی موت کے وقت بکری موجود ہو) تو صحیح بات یہ ہے کہ وصیت صحیح ہو جائے گی، اس لئے کہ مال کے لفظ سے وصیت کی ہوتی تو صحیح ہوتی تو ایسے ہی مال

كَانَتْ بِلَفْظِ الْمَالِ تَصِحُّ فَكَذَا إِذَا كَانَتْ بِاسْمِ نَوْعِهِ، وَهٰذَا لِأَنَّ وُجُودَهُ قَبْلَ الْمَوْتِ فَضْلٌ وَالْمُعْتَبَرُ قِيَامُهُ عِنْدَ الْمَوْتِ. ۵ وَلَوْ قَالَ لَهُ شَاةٌ مِنْ مَالِيْ وَلَيْسَ لَهُ غَنَمٌ يُعْطٰى قِيْمَةُ شَاةٍ، لِأَنَّهُ لَمَّا أَضَافَهُ إِلَى الْمَالِ عَلِمْنَا أَنَّ مُرَادَهُ الْوَصِيَّةُ بِمَالِيَةِ الشَّاةِ، إِذْ مَالِيَتُهَا تُوْجَدُ فِيْ مُطْلَقِ الْمَالِ، وَلَوْ أَوْصٰى بِشَاةٍ وَلَمْ يُضِفْهُ إِلٰى مَالِهِ وَلَا غَنَمَ لَهُ قِيْلَ لَا يَصِحُّ، لِأَنَّ الْمُصَحِّحَ إِضَافَتُهُ إِلَى الْمَالِ وَبِدُوْنِهَا تُعْتَبَرُ صُوْرَةُ الشَّاةِ وَمَعْنَاهَا، وَقِيْلَ تَصِحُّ، لِأَنَّهُ لَمَّا ذَكَرَ الشَّاةَ وَلَيْسَ فِيْ مِلْكِهِ شَاةٌ عُلِمَ أَنَّ مُرَادَهُ الْمَالِيَةُ. وَلَوْ قَالَ شَاةٌ

کے کسی قسم سے بھی وصیت صحیح ہوگی، اوراس کی وجہ یہ ہے موت سے پہلے مال کا موجود ہونا افضل ہے، اوراصل اعتبار موت کے وقت موجود ہونا ہے

تشریح: مال کے لفظ سے وصیت کی ہواور وہ مال موت کے وقت موجود ہوتو وصیت صحیح ہوجاتی ہے، ایسے ہی مال کے کسی ایک قسم سے، مثلا بکری، کے لفظ سے وصیت کی، اور پہلے چاہے بکری موجود نہ ہولیکن موت کے وقت بکری حاصل کر لی تو وصیت صحیح ہوجائے گی، کیونکہ موت کے وقت بکری کا ہونا کافی ہے

ترجمہ: ۵ اوراگر کہا، لہ شاۃ من مالی، میرے مال سے بکری کی وصیت کرتا ہوں، اوراس کے پاس بکری نہیں ہے تو وصیت میں بکری کی قیمت دی جائے گی، اس لئے کہ جب اپنے مال کی طرف بکری کی اضافت کی تو تو ہم نے جانا کہ موصی کی مراد یہ ہے کہ اس کے مال سے بکری کی قیمت دے دی جائے، اس لئے کہ بکری کی مالیت مطلق مال میں پائی جاتی ہے۔ اوراگر بکری کی وصیت کی اوراپنے مال کی طرف اضافت نہیں کی، اور موصی کے پاس موت کے وقت بھی بکری نہیں ہے، تو بعض حضرات نے فرمایا کہ وصیت صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ وصیت کی صحیح کرنے والی چیز مال کی طرف اضافت ہے، اور مال کی طرف اضافت کئے بغیر حقیقی بکری کا اعتبار ہوگا (اس کی قیمت کا نہیں) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وصیت صحیح ہے اس لئے کہ جب بکری کا تذکرہ کیا اوراس کی ملکیت میں بکری نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی قیمت مراد ہے جس کی وہ وصیت کر رہا ہے، اوراگر، شاۃ من غنمی، میری بکری میں سے ایک بکری کی وصیت کی اور موصی کے پاس بکری نہیں ہے تو وصیت باطل ہے، اس لئے کہ جب اپنی بکری کی طرف اضافت کی تو معلوم ہوا کہ حقیقی بکری مراد ہے، اس لئے کہ بکری کے ایک جز کی وصیت کی (اور موت کے وقت بکری نہیں ہے اس لئے وصیت باطل ہوجائے گی)، بخلاف اگر شاۃ کی اضافت اپنے مال کی طرف کی ہو (تو وہاں بکری کی قیمت لازم ہوگی، اور وصیت صحیح ہوجائے گی)۔ ان قواعد پر بہت سارے مسائل کی تخریج ہوتی ہے

تشریح: یہاں وصیت کی تین عبارتوں میں فرق بیان کر رہے ہیں۔ ا۔ پہلی عبارت ہے، شاۃ من مالی، اس میں شاۃ کی اضافت اپنے مال کی طرف کی ہے، اور موت کے وقت موصی کے پاس بکری نہیں ہے، اس لئے بکری کی قیمت کی وصیت ہوگی، اور وصیت صحیح ہوجائے گی۔ ۲۔ دوسری عبارت ہے، اوصی بشاۃ، اس میں شاۃ کی اضافت مال کی طرف نہیں ہے، اس لئے اس

مِنْ غَنَمِي وَلَا غَنَمَ لَهُ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ، لِأَنَّهُ لَمَّا أَضَافَهُ إِلَى الْغَنَمِ عَلِمْنَا أَنَّ مُرَادَهُ عَيْنُ الشَّاةِ حَيْثُ جَعَلَهَا جُزْءًا مِنَ الْغَنَمِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَضَافَهَا إِلَى الْمَالِ، وَعَلَى هٰذَا يُخَرَّجُ كَثِيرٌ مِنَ الْمَسَائِلِ.

(۹۸۹) قَالَ وَمَنْ أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَهُنَّ ثَلَاثٌ وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ فَلَهُنَّ ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ مِنْ خَمْسَةِ أَسْهُمٍ، ۱؎ قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَأَبِي يُوسُفَ

بارے میں دوقول ہو گئے ہیں ایک قول یہ ہے کہ، یہاں مال کی طرف اضافت نہیں کی ہے اس لئے عین بکری مراد ہے، اور موت کے وقت بکری نہیں ہے اس لئے وصیت باطل ہو جائے گی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں بھی بکری کی قیمت مراد ہے اس لئے وصیت صحیح ہو جائے گی، اور وصیت میں بکری کی قیمت دی جائے گی۔۳۔ تیسری عبارت ہے، شاۃ من غنمی، میری بکری میں سے ایک بکری، یہاں صراحت کے ساتھ عین بکری کا ذکر ہے، اور موت کے وقت بکری نہیں ہے اس لئے ہر حال میں وصیت باطل ہو جائے گی۔۔ تینوں عبارتوں میں یہ فرق ہے

ترجمہ: (۹۸۹) کسی نے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اپنی ام ولد کے لئے، جو تین ام ولد ہیں، اور فقراء کے لئے اور مساکین کے لئے تو پانچ حصے بنائے جائیں گے، جن میں تین حصے تین ام ولد کے لئے اور ایک حصہ مسکین کے لئے، اور ایک حصہ فقیر کے لئے

ترجمہ: ۱؎ صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ یہ قول امام ابو حنیفہؒ، اور امام ابو یوسف کا ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک سات حصوں پر تقسیم کیا جائے گا تین حصے تین ام ولد کے لئے، اور دونوں فریق یعنی فقیر کے لئے دو حصے اور مسکین کے لئے دو حصے

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں، کہ الف لام کے ساتھ جمع کا صیغہ ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ اسم جنس ہے، اور اس سے ایک فرد مراد ہوتی ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک جمع کے صیغے کا اعتبار کرتے ہوئے کم سے دو عدد شامل ہوں گے

نوٹ: یہاں چار باتیں یاد رکھیں۔۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ ام ولد جمع کا صیغہ ہے جس سے تین ام ولد بن سکتی ہیں، کیونکہ جمع کا صیغہ تین کے لئے آتا ہے۔ اسی طرح فقراء، کا لفظ بھی جمع کا صیغہ ہے، اور وراثت میں اس کا کم سے کم درجہ دو ہیں، اسی طرح مساکین کا صیغہ بھی جمع کا ہے اس میں دو عدد ہوں گے، چنانچہ امام محمدؒ نے فقراء میں دو اور مساکین میں دو مانے ہیں، اس طرح سات حصے ہو گئے۔۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ الفقراء، پر اور المساکین، پر الف لام ہے، منطق میں اس کا ترجمہ جنس ہے، یعنی جمع کا صیغہ ہونے کے باوجود ایک مراد ہے، اس اعتبار سے فقراء کا ایک اور مساکین کا بھی ایک ہی مراد ہو گا، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے فقراء میں ایک اور مساکین میں بھی ایک مانا ہے، اس طرح پانچ حصے بنے۔۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ آقا اپنی باندی کو وصیت نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ مال گھوم کر خود آقا ہی کے پاس چلا جائے گا، اس لئے ام ولد جب تک آقا کی باندی ہے تو اس کے لیے وصیت نہیں کر سکتا ہے، اب آقا کی موت کے وقت ام ولد آزاد ہوئی، اور اس آزادگی کے ایک سیکنڈ کے بعد ام ولد کے لئے

رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّهُ يُقْسَمُ عَلٰى سَبْعَةِ أَسْهُمٍ لَهُنَّ ثَلَاثَةٌ وَلِكُلِّ فَرِيْقٍ سَهْمَانِ، ۲؎ وَأَصْلُهُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ لِأُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ جَائِزَةٌ، وَالْفُقَرَاءُ وَالْمَسَاكِيْنَ جِنْسَانِ وَفَسَّرْنَاهُمَا فِي الزَّكٰوةِ. لِمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ الْمَذْكُوْرَ لَفْظُ الْجَمْعِ وَأَدْنَاهُ فِي الْمِيْرَاثِ اِثْنَانِ نَجِدُ ذٰلِكَ فِي الْقُرْاٰنِ فَكَانَ مِنْ كُلِّ فَرِيْقٍ اِثْنَانِ، وَأُمَّهَاتُ الْأَوْلَادِ ثَلٰثٌ فَلِهٰذَا يُقَسَّمُ عَلٰى سَبْعَةٍ،

وصیت مانیں تب توام ولد کے لئے وصیت جائز ہوگی، کیونکہ آزاد ہونے کے بعد وصیت ہوئی، جیسا کہ یہاں ہے، اور اگر آقا کی موت کے وقت جب ام ولد اس کی باندی تھی اس وقت وصیت مانیں تو یہ وصیت جائز نہیں ہوگی، کیونکہ اپنی باندی کو وصیت کرنا ہوا۔ ۴۔ اور چوتھی بات یہ ہے کہ کتاب الزکوۃ میں ہے کہ فقیر الگ قسم ہے، اور مسکین الگ قسم ہے، دونوں ایک نہیں ہیں۔ یہ چار باتیں یاد رکھیں

تشریح: کسی نے جمع کے صیغے کے ساتھ ام ولد، اور فقراء، اور مساکین کے لئے اپنی تہائی مال کی وصیت کی، اور اس کے پاس تین ام ولد تھی، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تہائی مال کے پانچ حصے کئے جائیں گے، اس میں سے ایک ایک حصہ ام ولد کو، یعنی تین حصے ام ولد کو، اور ایک حصہ فقیر کو، اور ایک حصہ مسکین کو دیا جائے گا، اور تہائی مال کے پانچ حصے کئے جائیں گے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ امہات اولاد، جمع کا صیغہ ہے، اور جمع کے صیغے کی عدد تین بھی ہے اس لئے تین ام ولد شامل ہوں گی، اور ہر ایک ام ولد کو ایک ایک حصہ مل جائے گا، اس طرح تین حصے ام ولد کے ہوئے، اور الفقراء، پر الف لام داخل ہے، اور المساکین پر بھی الف لام داخل ہے، یہ جنس کے معنی میں ہے، اس سے ایک ایک فرد مراد ہوگی، تو دو حصے یہ ہوئے، اور مجموعہ پانچ حصے ہوئے۔

ترجمہ: ۲؎ اس کی اصل یہ ہے کہ ام ولد کے لئے وصیت کرنا جائز ہے (کیونکہ آزادگی کے بعد وصیت نافذ ہوگی) اور فقراء اور مساکین دو جنس ہیں، کتاب الزکوۃ میں اس کی تفسیر کی ہے، امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ فقراء اور مساکین کا لفظ جو مذکور ہے وہ جمع کے ساتھ ہے، اور میراث میں جمع کے صیغے کا ادنی دو ہیں، ہم قرآن کریم کی آیت میں یہی پاتے ہیں اس لئے ہر فریق (فقراء، اور مساکین) کے دو دو حصے ہوئے، اور ام ولد تین ہیں (تو سب کا مجموعہ سات ہو گئے) اس لئے تہائی مال کو سات حصوں پر تقسیم کیا جائے گا

تشریح: امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ امہات الاولاد، جمع کا صیغہ استعمال کئے ہیں اس لئے تین عدد کے معنی میں ہوں گے، اس لئے تین حصے تین ام ولد کو دئے جائیں گے، اور فقراء، اور مساکین بھی جمع کا صیغہ ہے، اور وراثت میں جمع کا صیغہ کم سے کم دو کے لئے آتا ہے، اور فقراء اور مساکین دو قسمیں ہیں اس لئے دونوں کے لئے دو دو حصے ہو گئے، اور سب ملا کر سات حصے ہو گئے

وجہ: اس آیت میں اخوۃ، جمع کا صیغہ ہے اور اس سے دو بہنیں مراد ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ وراثت میں جمع کا صیغہ دو عدد کے لئے آتا ہے۔ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ (سورت النساء ۴، آیت ۱۱)

۳؎ وَلَهُمَا أَنَّ الْجَمْعَ الْمُحَلّٰى بِالْأَلْفِ وَاللَّامِ يُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ وَأَنَّهُ يَتَنَاوَلُ الْأَدْنٰى مَعَ اِحْتِمَالِ الْكُلِّ لَا سِيَّمَا عِنْدَ تَعَذُّرِ صَرْفِهِ إِلَى الْكُلِّ فَيُعْتَبَرُ مِنْ كُلِّ فَرِيْقٍ وَاحِدٌ فَبَلَغَ الْحِسَابُ خَمْسَةً وَالثَّلَاثَةُ لِلثُّلُثِ.

(۹۹۰) قَالَ وَلَوْ أَوْصٰى بِثُلُثِهِ لِفُلَانٍ وَلِلْمَسَاكِيْنِ فَنِصْفُهُ لِفُلَانٍ وَنِصْفُهُ لِلْمَسَاكِيْنِ عِنْدَهُمَا وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ثُلُثُهُ لِفُلَانٍ وَثُلُثَاهُ لِلْمَسَاكِيْنِ،

(۹۹۱) وَلَوْ أَوْصٰى لِلْمَسَاكِيْنِ لَهُ صَرْفُهُ إِلٰى مِسْكِيْنٍ وَاحِدٍ عِنْدَهُمَا وَعِنْدَهُ لَا يَصْرِفُ إِلَّا إِلٰى

ترجمه: ۳؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ الفقراء، اور المساکین، میں جمع کا صیغہ ہے الف لام کے ساتھ اس لئے اس سے جنس فقیر، اور جنس مسکین مراد لی جائے گی، اور وہ زیادہ کے احتمال کے ساتھ ایک فرد کو شامل ہوتا ہے، خاص طور پر ایسے موقع پر جبکہ پوری دنیا کے تمام فقیروں، اور تمام مسکینوں کو دینا متعذر ہو، تو کل فقیر اور کل مسکین کی طرف پھیرنا متعذر رہے اس لئے ہر فریق میں ایک ایک کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے پانچ کا حساب بنے گا، اور تین حصے تین ام ولد کے لئے ہوں گے

تشریح: امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے، الفقراء، اور المساکین میں الف لام ہے، جو جنس کے لئے ہے، اور پوری دنیا کے تمام فقیروں کو اور تمام مسکینوں کو دینا متعذر رہے، اس لئے ایک فقیر اور ایک مسکین مراد لیا جائے گا، تو یہ دو حصے ہوئے اور تین حصے تین ام ولد کے لئے ہیں، اور سب کا مجموعہ پانچ حصے ہوئے

ترجمه: (۹۹۰) اگر تہائی کی وصیت کی فلاں کے لئے اور المساکین کے لئے، تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس میں سے آدھا فلان کے لئے ہوگی، اور آدھا مساکین کے لئے ہوگی، اور امام محمدؒ کے نزدیک ایک تہائی فلاں کے لئے اور دو تہائی مسکین کے لئے

تشریح: یہ مسئلہ اوپر کے اصول پر متفرع ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک المساکین، الف لام کے ساتھ بولا ہے، اس لئے اس سے ایک مسکین ہوا، اور دوسرا فلاں ہوا تو گویا کہ دو فرد کے لئے وصیت کی اس لئے ایک تہائی کی دو حصے کریں، ایک حصہ فلاں کے لئے اور دوسرا حصہ ایک مسکین کے لئے

اور امام محمدؒ کے نزدیک المساکین جمع کا صیغہ ہے اس لئے اس سے دو مسکین ہوئے، اور ایک فلاں ہے، اس لئے تہائی کے تین حصے ہوں گے، ایک حصہ فلاں کے لئے اور دو حصے دو مسکین کے لئے۔ یہ حساب ہوگا

ترجمه: (۹۹۱) اور اگر کسی نے المساکین کے لئے وصیت کی، تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک مسکین کو دے دینا کافی ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک دو مسکین کو دینا ضروری ہوگا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔

تشریح: یہ مسئلہ بھی اوپر کے اصول پر متفرع ہے۔ الف لام کے ساتھ، المساکین، کے لئے وصیت کی، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، الف لام جنس ہے اس لئے ایک ہی مسکین مراد ہے اس لئے ایک ہی مسکین کو پوری تہائی دے دینا کافی ہوگا۔ اور امام

مِسْكِيْنَيْنِ بناءً عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ.

(۹۹۲) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِرَجُلٍ بِمَائَةِ دِرْهَمٍ وَلِاٰخَرَ بِمِائَةٍ ثُمَّ قَالَ لِاٰخَرَ قَدْ أَشْرَكْتُكَ مَعَهُمَا فَلَهُ ثُلُثُ كُلِّ مِائَةٍ، ۱؎ لان الشركة للمساوات لغة و قد امكن اثباته بين الكل بما قلناه لاتحاد المال لانه يصيب كل واحد منهم ثلثا مأة ۲؎ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى لِرَجُلٍ بِأَرْبَعِ مِائَةٍ وَلِاٰخَرَ بِمِائَتَيْنِ ثُمَّ كَانَ الْإِشْرَاكُ، لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ تَحْقِيْقُ الْمُسَاوَاةِ بَيْنَ الْكُلِّ لِتَفَاوُتِ الْمَالَيْنِ فَحَمَلْنَاهُ عَلٰى مُسَاوَاتِهِ

محمدؒ کے نزدیک جمع کا صیغہ ہے اس لئے کم سے کم دو پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔

ترجمہ: (۹۹۲) کسی نے ایک آدمی کے لئے ایک سو درہم کی وصیت کی، پھر دوسرے کے لئے ایک سو درہم کی وصیت کی، پھر تیسرے سے کہا کہ تم کو پہلے دونوں کی وصیت کی رقم میں شریک کرتا ہوں تو اس تیسرے کے لئے ہر ایک کے سو میں ایک ایک تہائی ہوگی

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ شرکت کا لفظ لغت میں برابری کے لئے ہے اس لئے تینوں میں برابری کرنا ممکن ہوگیا، اس طرح جو ہم نے کہا، کیونکہ دونوں موصی لہ کا مال برابر، برابر ہے، اور تینوں کو ایک سو کی دو تہائی مل جائے گی

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شرکت کا لفظ بولا تو سب کو برابر ملے گی

تشریح: شرکت کا لفظ برابری کے لئے ہے، اب پہلے والے کے لئے ایک سو کی وصیت کی، اور دوسرے کے لئے بھی ایک سو کی وصیت کی، اور یہاں دونوں کا مال برابر ہے، اس لئے جب تیسرے کو کہا کہ تم کو دونوں کا شریک کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تینوں کو دو سو میں برابر ملے گا، پہلے سے ایک سو کی ایک تہائی 33.33 لے گا اور دوسرے آدمی سے ایک سو کی ایک تہائی 33.33 لیگا اور دونوں کا مجموعہ 66.66 ہو جائے گا، اور اتنا ہی پہلے موصی لہ کو ملے گا، اور اتنا ہی دوسرے موصی لہ کو ملے گا، اور تینوں کو برابر، برابر ہو گیا

ترجمہ: ۲؎ بخلاف اگر ایک آدمی کے لئے چار سو درہم کی وصیت کی، اور دوسرے کے لئے دو سو درہم کی وصیت کی، پھر تیسرے کو شریک کیا تو تمام کو برابر کا شریک کرنا ناممکن ہے، اس لئے کہ دونوں موصی لہ کے مال میں تفاوت ہے تو ہم نے دونوں میں آدھا آدھا کر کے برابری کی، حتی الامکان شرکت کے لفظ پر عمل کرتے ہوئے

تشریح: یہاں پہلے موصی لہ اور دوسرے موصی لہ کے مال میں فرق ہے، پہلے کے لئے چار سو درہم کی وصیت ہے، اور دوسرے کے لئے دو سو درہم کی وصیت ہے، اس لئے تینوں کو برابر، برابر نہیں دیا گیا، بلکہ پہلے موصی لہ کو برابر برابر کر کے آدھا آدھا دے دیا گیا، یعنی موصی لہ کو دو سو اور شریک کو بھی دو سو۔ اور دوسرے موصی لہ کو بھی آدھا آدھا دے دیا گیا، یعنی موصی لہ کو ایک سو اور شریک کو ایک سو، اس طرح شریک کے لئے تین سو درہم ہو گئے، اور پہلے موصی لہ کے لئے دو سو، اور دوسرے موصی

كُلَّ وَاحِدٍ بِتَنْصِيفِ نَصِيبِهِ عَمَلًا بِاللَّفْظِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ.

(۹۹۳) قَالَ وَمَنْ قَالَ لِفُلَانٍ عَلَيَّ دَيْنٌ فَصَدِّقُوهُ مَعْنَاهُ قَالَ ذٰلِكَ لِوَرَثَتِهِ فَإِنَّهُ يُصَدَّقُ إِلَى الثُّلُثِ، ١ وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ، ٢ وَفِي الْقِيَاسِ لَا يُصَدَّقُ، لِأَنَّ الْإِقْرَارَ بِالْمَجْهُوْلِ وَإِنْ كَانَ صَحِيْحًا، لٰكِنَّهُ لَا يُحْكَمُ بِهِ إِلَّا بِالْبَيَانِ، وَقَوْلُهُ فَصَدِّقُوْهُ صَدَرَ مُخَالِفًا لِلشَّرْعِ، لِأَنَّ الْمُدَّعِيَ لَا يُصَدَّقُ إِلَّا بِحُجَّةٍ فَتَعَذَّرَ إِثْبَاتُهُ إِقْرَارًا مُطْلَقًا فَلَا يُعْتَبَرُ،

لہ کے لئے ایک سودرہم ہوئے

وجہ: یہاں مال میں تفاوت ہے اس لئے شرکت کی یہی شکل بن سکتی ہے، کہ ہر ایک میں الگ الگ شریک کر دیا جائے۔

ترجمہ: (۹۹۳) کسی نے کہا کہ فلاں کا میرے اوپر قرض ہے تو تم لوگ (ورثہ سے کہا) کہ اس کی تصدیق کر دینا، تو تہائی مال میں اس کی تصدیق کی جائے گی

ترجمہ: ١ یہ استحسان کے طور پر ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مجھول اقرار کا اعتبار نہیں ہے، لیکن آدمی مر چکا ہے اس لئے اس کو وصیت قرار دی جائے گی، اور صرف تہائی مال میں فلاں کی تصدیق کی جائے گی

تشریح: زید نے عمر کے لئے قرض کا اقرار کیا لیکن اس کی مقدار نہیں بتائی، وارث سے صرف اتنا کہا کہ فلاں آئے تو وہ جتنا کہے اتنا اس کو دے دینا اور اس کی تصدیق کر دینا، اب یہ اقرار مجھول ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہے جب تک کہ اس کی تفصیل نہ بتائے، لیکن آدمی مر چکا ہے اس لئے اس کو وصیت کے درجے میں رکھا جائے گا، اور صرف تہائی مال میں اس کی تصدیق کی جائے گی، اس سے زیادہ نہیں۔ یہ استحسان کا تقاضہ ہے

ترجمہ: ٢ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ تصدیق نہ کرے اس لئے کہ مجھول اقرار اگر چہ صحیح ہے لیکن بیان کے بغیر اس کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اور میت نے وارث سے جو کہا کہ فلاں کی تصدیق کر دینا تو یہ تصدیق شریعت کے خلاف ہے، اس لئے کہ دلیل کے بغیر مدعی کی تصدیق نہیں کی جا سکتی ہے، اس لئے میت کے اقرار کو ثابت کرنا متعذر ہے اس لئے اس اقرار کا اعتبار نہیں ہے۔

تشریح: قیاس کا تقاضہ ہے کہ میت کا اقرار صحیح نہ ہو، اس کی دو وجہ بیان کر رہے ہیں۔ ۱۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اقرار مجھول ہے، اس لئے جب تک دلیل کے ساتھ اس کا بیان نہ ہو اس اقرار کا اعتبار نہیں ہے۔ ۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ میت نے ورثہ سے جو یہ کہا کہ فلاں کی تصدیق کر لینا یہ خلاف شریعت ہے، جب تک کوئی دلیل، یعنی گواہی نہ ہو وہ دوسرے مال کی تصدیق نہیں کر سکتا ہے، اس لئے ان دونوں وجہ سے میت کے اس اقرار کا اعتبار نہیں ہے

۳؎ وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّا نَعْلَمُ أَنَّ مِنْ قَصْدِهٖ تَقْدِيْمَهُ عَلَى الْوَرَثَةِ وَقَدْ أَمْكَنَ تَنْفِيْذُ قَصْدِهٖ بِطَرِيْقِ الْوَصِيَّةِ وَقَدْ يَحْتَاجُ إِلَيْهِ مَنْ يَّعْلَمُ بِأَصْلِ الْحَقِّ عَلَيْهِ دُوْنَ مِقْدَارِهٖ سَعْيًا مِنْهُ فِيْ تَفْرِيْغِ ذِمَّتِهٖ فَيَجْعَلُهَا وَصِيَّةً جُعِلَ التَّقْدِيْرُ فِيْهَا إِلَى الْمُوْصٰى لَهُ كَأَنَّهُ قَالَ إِذَا جَآئَكُمْ فُلَانٌ وَادَّعٰى شَيْئًا فَأَعْطُوْهُ مِنْ مَّالِيْ مَا شَآءَ، وَهٰذِهٖ مُعْتَبَرَةٌ مِنَ الثُّلُثِ فَلِهٰذَا يُصَدَّقُ عَلَى الثُّلُثِ دُوْنَ الزِّيَادَةِ.

(۹۹۴) قَالَ وَإِنْ أَوْصٰى بِوَصَايَا غَيْرَ ذٰلِكَ يُعْزَلُ الثُّلُثُ لِأَصْحَابِ الْوَصَايَا وَالثُّلُثَانِ لِلْوَرَثَةِ، ۱؎ لِأَنَّ مِيْرَاثَهُمْ مَعْلُوْمٌ وَكَذَا الْوَصَايَا مَعْلُوْمَةٌ، وَهٰذَا مَجْهُوْلٌ فَلَا يُزَاحِمُ الْمَعْلُوْمَ فَيُقَدَّمُ الْمَعْلُوْمُ.

ترجمہ: ۳؎ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ۔میت موصی لہ کو ورثہ پر مقدم رکھنا چاہتا ہے،اور وصیت مان کر اس اقرار کو نافذ بھی کیا جا سکتا ہے،اور کبھی اس کا محتاج ہوتا ہے، کہ ایک آدمی کو اتنا تو یاد ہے اس پر قرض ہے،لیکن اس کی مقدار کتنی ہے یہ یاد نہیں ہے،اس لئے اپنے ذمے سے فارغ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے،اس لئے اس اقرار کو موصی لہ کے لئے وصیت قرار دی جائے ،اور اس کی مقدار کتنی ہے یہ موصی لہ کو سپرد کر دی جائے ، گویا کہ میت نے یوں کہا کہ فلاں آئے اور کچھ کا دعوی کرے تو اس کو میرے مال میں سے کچھ دے دینا،اور یہ تہائی مال میں سے معتبر ہوگا،اس لئے تہائی کے اندر تصدیق کی جائے گی اس سے زیادہ نہیں۔

تشریح: یہ اقرار مجہول ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہونا چاہئے،لیکن استحسان کے طور پر ضرورت کی بنا پر یہ جائز ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میت کو یہ یاد ہے کہ فلاں کا مجھ پر قرض ہے،لیکن قرض کتنا ہے یہ یاد نہیں ہے،اب اس ذمہ داری سے فارغ ہونا چاہتا ہے،اس لئے وارث کو یوں کہتا ہے کہ فلاں آئے اور وہ جتنا مانگے وہ اس کو دے دینا،تو اس اقرار کے مجہول ہونے کی وجہ سے اقرار نہیں قرار دیا جا سکتا ہے،لیکن وصیت قرار دی جائے گی ،اور صرف تہائی مال تک فلاں کو دیا جائے گا اس سے زیادہ نہیں، کیونکہ وصیت صرف تہائی مال میں جاری ہوتی ہے

ترجمہ: (۹۹۴) اس اقرار کے علاوہ بھی کچھ وصیتیں ہیں تو وصیت والوں کے لئے تہائی الگ کی جائے گی،اور دو تہائی ورثہ کے لئے ہوں گے (اور پھر جنکے لئے اقرار کیا ہے اس کو ان دونوں سے دلوائے جائیں گے)

ترجمہ: ۱؎ کیوں کہ ورثہ کی میراث معلوم ہے،اور ایسے ہی وصیت والوں کی وصیت معلوم ہے،اور جس کے لئے اقرار کیا ہے وہ مجہول ہے،اس لئے مجہول معلوم کا مزاحم نہیں ہوسکتا ہے اس لئے معلوم کو مقدم کیا جائے گا

اصول: مجہول معلوم کا مزاحم نہیں ہوتا ہے

تشریح: یہاں تین قسم کے لینے والے ہیں۔۱۔وارث لینے والے ہیں اور ان کے دو حصے معلوم ہیں ۔۲۔جن کے لئے وصیت کی وہ لینے والے ہیں اور ان کا ایک حصہ معلوم ہے ۔۳۔جس کے لئے اقرار کیا ہے یہ حقیقت میں قرض ہے،اور قرض

۲ وَفِي الْإِفْرَازِ فَائِدَةٌ أُخْرٰى وَهُوَ أَنَّ أَحَدَ الْفَرِيْقَيْنِ قَدْ يَكُوْنُ أَعْلَمَ بِمِقْدَارِ هٰذَا الْحَقِّ وَأَبْصَرَ بِهٖ، وَالْاٰخَرُ أَلَدُّ خِصَامًا وَعَسَاهُمْ يَخْتَلِفُوْنَ فِي الْفَضْلِ إِذَا ادَّعَاهُ الْخَصْمِ وَبَعْدَ الْإِفْرَازِ يَصِحُّ إِقْرَارُ كُلِّ وَاحِدٍ فِيْمَا فِيْ يَدِهٖ مِنْ غَيْرِ مُنَازَعَةٍ. ۳ وَإِذَا عُزِلَ يُقَالُ لِأَصْحَابِ الْوَصَايَا صَدِّقُوْهُ فِيْمَا شِئْتُمْ وَيُقَالُ لِلْوَرَثَةِ صَدِّقُوْهُ فِيْمَا شِئْتُمْ، لِأَنَّ هٰذَا دَيْنٌ فِيْ حَقِّ الْمُسْتَحِقِّ وَصِيَّةٌ فِيْ حَقِّ التَّنْفِيْذِ فَإِذَا أَقَرَّ

ہونے کے ناطے ان کا حق وارث اور وصیت والوں سے مقدم ہے، لیکن میت نے اس کی مقدار بیان نہیں کی ہے، اس لئے اس کا اقرار مجہول ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ اقرار والے کا مجہول اقرار معلوم کی مزاحم نہیں ہوتا ہے، اس لئے پہلے معلوم کو اس کا حصہ دے دیا، وارث کو دو حصے اور وصیت والوں کو ایک حصہ، پھر یہ قرض والا وارث سے دو گنا، اور وصیت والوں سے ایک گنا وصول کرے گا، کیونکہ وارث کے پاس میت کا دو گنا مال ہے، اور وصیت والے کے پاس ایک گنا مال ہے

ترجمہ: ۲ اور وارث کو اور وصیت والوں کو پہلے ہی مال دے دینے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ، ہوسکتا ہے کہ کوئی فریق اس مقدار کو زیادہ جانتا ہو، اور اس کی زیادہ بصیرت رکھتا ہو، اور دوسرا فریق جھگڑالو ہو، اس لئے ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جب اقرار والا زیادہ کا دعوی کرے تو دوسرا فریق اختلاف کرنے لگے، اور مال دے دینے کے بعد بغیر جھگڑے کے جس کے قبضے میں جو کچھ ہے اس کے بارے میں اقرار کرے

تشریح: میت نے جس کے لئے اقرار کیا ہے وہ حقیقت میں قرض ہے اس لئے اس کو ورثہ اور وصیت کو دینے سے پہلے ملنا چاہئے، لیکن ورثہ اور موصی لہ کو پہلے دے دیا اس کے تین فائدے بیان کر رہے ہیں۔ ا۔ ایک فائدہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ہر فریق اقرار کی مقدار کو زیادہ جانتا ہو اس لئے وہ صحیح طور پر اس کی مقدار بتائے گا۔ ۲۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ساتھ رہے گا دونوں فریق لڑیں گے، اور مال مل جانے کے بعد نہیں لڑیں گے۔ ۳۔ اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ ساتھ رہے گا تو اقرار والے کے دعوی کے بعد ایک ہاں کہے گا اور دوسرا انکار کرے گا، اور دونوں کو مال مل گیا تو ہر فریق اپنے اپنے انداز میں مقدار بتائے گا۔ ان تین فائدے کی وجہ سے ورثہ اور موصی لہ کو پہلے دے دیا گیا

لغت: افراز: علحدہ کرنا۔ ابصر بہ: بصیرت سے مشتق ہے، زیادہ بصیرت رکھتا ہو۔ الد: سخت جھگڑا کرنے والا، اور خصام کا بھی ترجمہ ہے جھگڑا کرنے والا، دونوں کا ترجمہ ہوا سخت جھگڑالو۔

ترجمہ: ۳ اور جب مال الگ الگ کر کے دونوں کو دے دیا گیا تو اب وصیت والوں سے کہا جائے گا کہ جتنا چاہو مقرلہ کی تصدیق کرو، پھر ورثہ سے کہا جائے گا کہ جتنا چاہو مقرلہ کی تصدیق کرو، اس لئے کہ یہ مقرلہ کے حق میں قرض ہے، اور نافذ کرنے کے حق میں وصیت ہے، پس جب ہر فریق نے کسی مقدار کا اقرار کر لیا تو ظاہر ہو گیا کہ چھوڑے ہوئے مال میں دونوں کے حصے میں قرض شائع ہے، اس لئے وصیت والے سے اقرار کی ایک تہائی لی جائے گی، اور ورثہ سے اقرار کی دو تہائی لی جائے

كُلُّ فَرِيْقٍ بِشَيْءٍ ظَهَرَ أَنَّ فِي التَّرِكَةِ دَيْنًا شَائِعًا فِي النَّصِيْبَيْنِ فَيُؤْخَذُ أَصْحَابُ الثُّلُثِ بِثُلُثِ مَا أَقَرُّوْا وَالْوَرَثَةُ بِثُلُثَيْ مَا أَقَرُّوْا تَنْفِيْذًا لِإِقْرَارِ كُلِّ فَرِيْقٍ فِيْ قَدْرِ حَقِّهِ، ٤ وَعَلٰى كُلِّ فَرِيْقٍ مِّنْهُمَا الْيَمِيْنُ عَلَى الْعِلْمِ إِنِ ادَّعٰى الْمُقِرُّ لَهُ زِيَادَةً عَلٰى ذٰلِكَ، لِأَنَّهُ يُحَلَّفُ عَلٰى مَا جَرٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ.

(۹۹۵) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِأَجْنَبِيٍّ وَلِوَارِثِهٖ فَلِلْأَجْنَبِيِّ نِصْفُ الْوَصِيَّةِ وَتَبْطُلُ وَصِيَّةُ الْوَارِثِ، ۱ لِأَنَّهُ أَوْصٰى بِمَا يَمْلِكُ الْإِيْصَاءَ بِهٖ وَبِمَا لَا يَمْلِكُ فَصَحَّ فِي الْأَوَّلِ وَبَطَلَ فِي الثَّانِيْ،

گی، ہر فریق نے جتنا اقرار کیا ہے اس کے حق میں اس کو نافذ کرنے کے لئے یہ لیا جائے گا

تشــــريــح: ہر فریق کو اس کا مال دے دیا جائے گا، پھر دونوں فریقوں سے کہا جائے گا کہ مقرلہ کی مقدار کا اقرار کرو، وہ جتنا اقرار کرے گا اس میں ایک تہائی وصیت والے سے لی جائے گی، کیوں کہ اس نے میت کے مال سے ایک تہائی لیا تھا۔ اور دو تہائی ورثہ سے لیا جائے گا اس لئے کہ اس نے میت کے مال سے دو تہائی وصول کیا ہے، اور دونوں مل کر اقرار کی مقدار پوری ہو گی۔ چونکہ یہ حقیقت میں قرض ہے اس لئے اس کا دینا ضروری ہے

تــرجــمــه: ٤ اگر مقرلہ نے زیادہ کا دعوی کیا اور ورثہ اور وصیت والے نے کم مقدار کا اقرار کیا تو دونوں فریق اپنے علم کے مطابق قسم کھائیں گے، اس لئے کہ اس کے اور اس کے غیر کے درمیان کیا ہوا اس پر قسم کھا رہے ہیں

تشريح: مقرلہ نے زیادہ مقدار کا دعوی کیا اور ورثہ نے اور موصی لہ نے کم کا اقرار کیا تو اب ورثہ اور موصی لہ اس پر قسم کھائیں گے تب ان دونوں کی بات مانی جائے گی، کیونکہ یہ دونوں منکر ہیں۔ لیکن یوں قسم نہیں کھائیں گے کہ اتنی ہی مقدار تھی، بلکہ یوں قسم کھائیں گے واللہ ہم کو اس سے زیادہ کا علم نہیں ہے

وجــه: اس کی وجہ یہ ہے کہ میت نے کتنا قرض لیا تھا یہ میت کو معلوم تھا، خود ورثہ اور وصیت والے نے نہیں دیا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ دوسرے کے فعل پر قسم کھانا ہو تو یہی کہے گا، کہ، واللہ ہم کو اس سے زیادہ کا علم نہیں ہے، ورنہ جھوٹ ہو جائے گی

تــرجــمــه: (۹۹۵) کسی نے اجنبی اور وارث دونوں کے لئے وصیت کی، تو اجنبی کو آدھی وصیت مل جائے گی، اور وارث کی وصیت باطل ہوگی،

۱ اس کی وجہ یہ ہے کہ وارث کو وصیت کی جس کو وصیت کرنے کا مالک نہیں ہے، اور اجنبی کو وصیت کی جس کو وصیت کرنے کا مالک ہے، اس لئے پہلی وصیت (اجنبی کے لئے) صحیح ہو جائے گی، اور دوسری وصیت (وارث کے لئے) باطل ہو جائے گی

تشريح: یہاں اصول یہ ہے کہ وارث کے لئے وصیت ہو سکتی ہے، لیکن باقی ورثہ کی اجازت سے، اس لئے وارث کے لئے بھی وصیت ہوئی، اور اجنبی کے لئے بھی وصیت ہوئی، لیکن باقی وارث نے اجازت نہیں دی اس لئے وارث کا حصہ ساقط ہو گیا، اور اجنبی کا جو آدھا حصہ تھا وہ باقی رہ گیا جو اس کو ملے گا

۲ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى لِحَيٍّ وَمَيِّتٍ، لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْوَصِيَّةِ فَلَا يَصْلُحُ مُزَاحِمًا فَيَكُوْنُ الْكُلُّ لِلْحَيِّ، وَالْوَارِثُ مِنْ أَهْلِهَا وَلِهٰذَا تَصِحُّ بِإِجَازَةِ الْوَرَثَةِ فَافْتَرَقَا ۳ وَعَلٰى هٰذَا إِذَا أَوْصٰى لِلْقَاتِلِ وَلِلْأَجْنَبِيِّ. ۴ وَهٰذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا أَقَرَّ بِعَيْنٍ أَوْ دَيْنٍ لِوَارِثِهٖ وَلِلْأَجْنَبِيِّ حَيْثُ لَا يَصِحُّ فِيْ حَقِّ الْأَجْنَبِيِّ أَيْضًا، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ إِنْشَاءُ تَصَرُّفٍ، وَالشِّرْكَةُ تَثْبُتُ حُكْمًا لَهُ فَتَصِحُّ فِيْ حَقِّ مَنْ يَسْتَحِقُّهٗ

ترجمہ: ۲ بخلاف اجنبی زندوں کے لئے وصیت کی اور مردوں کے لئے وصیت کی تو پوری وصیت زندہ کو مل جائے گی، اس لئے کہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے، اس لئے وہ زندہ کا مزاحم نہیں ہے اس لئے کل وصیت زندہ کے لئے ہوگئی، اور پہلے مسئلے میں وارث وصیت کا اہل ہے، یہی وجہ ہے کہ باقی وارث کی اجازت سے وصیت نافذ ہو جائے گی، اس لئے وراث کو وصیت کرنے اور میت کو وصیت کرنے میں فرق ہو گیا،

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ میت کسی حال میں وصیت کے قابل نہیں ہے، کیونکہ وہ وصیت کو قبول ہی نہیں کر سکتا ہے، اس لئے اس کی وصیت بالکل باطل ہے اس لئے اب پوری وصیت اجنبی کو مل جائے گی

تشریح: میت نے زندہ اجنبی کے لئے وصیت کی اور ساتھ ہی مردہ کے لئے وصیت کی تو یہاں ایسا نہیں ہوگا کہ، ورثہ کی طرح آدھی وصیت ساقط ہو جائے گی، اور باقی آدھی اجنبی کو ملے گی، بلکہ یہاں پوری وصیت اجنبی کو مل جائے گی

وجہ: اوپر کے مسئلے اور اس مسئلے میں فرق یہ ہے کہ اوپر کے مسئلے میں کسی نہ کسی درجے میں ورثہ کے لئے وصیت درست ہو چکی تھی، لیکن باقی وارث کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے اس وارث کا آدھا حق ساقط ہو گیا، اور اجنبی کا اپنا آدھا حق مل گیا۔ اور اس دوسرے مسئلے میں میت مر چکا ہے، وہ وصیت کو قبول بھی نہیں کر سکتا ہے، اس لئے شروع سے ہی اس کے حق کی وصیت ختم ہو گئی ہے، اس لئے جو وصیت بھی کی وہ زندہ ہی کی وصیت ہے اس لئے پوری وصیت اس زندہ کو مل جائے گی

ترجمہ: ۳ اور یہی حکم ہے (اجنبی کو آدھی وصیت ملے گی) اگر اجنبی کو وصیت کی اور قاتل کو وصیت کی

تشریح: میت نے اجنبی کے لئے وصیت کی اور اپنے ہی قاتل کے لئے وصیت کی تو یہاں بھی قاتل زندہ ہے وہ وصیت کو قبول کر سکتا ہے، جو وصیت کے لئے شرط ہے، اس لئے اس کے حق کی بھی آدھی وصیت ہوئی ہے، لیکن شریعت نے اس کو دینے سے منع کر دیا ہے، اس لئے اس کا حق ختم ہو جائے گا، اور اجنبی کا اپنا حق جو آدھی وصیت ہے وہ اس کو ملے گی

ترجمہ: ۴ یہ بخلاف عین چیز یا قرض کا اقرار اپنے وارث کے لئے کیا اور اجنبی کے لئے بھی کیا تو اجنبی کے حق میں بھی اقرار صحیح نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وصیت تصرف کا انشاء ہے اور شرکت انشاء کا حکم بن کر ثابت ہوتی ہے تو وصیت صحیح ہو جائے گی ان میں سے جس کا مستحق ہے اس کے حق میں، اور اقرار میں پچھلے زمانے کی خبر دینا ہے اور پچھلے زمانے میں شرکت کی وصف کے ساتھ خبر دینا ہے، اور اس صفت کے بغیر اس کو ثابت کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے کہ جو خبر دی ہے اس کے

مِنْهُمَا، أَمَّا الْإِقْرَارُ إِخْبَارٌ عَنْ كَائِنٍ وَقَدْ أَخْبَرَ بِوَصْفِ الشَّرِكَةِ فِي الْمَاضِيْ، وَلَا وَجْهَ إِلٰى إِثْبَاتِهِ بِدُوْنِ هٰذَا الْوَصْفِ، لِأَنَّهُ خِلَافُ مَا أَخْبَرَ بِهِ، وَلَا إِلٰى إِثْبَاتِ الْوَصْفِ، لِأَنَّهُ يَصِيْرُ الْوَارِثُ فِيْهِ شَرِيْكًا، ۵ وَلِأَنَّهُ لَوْ قَبَضَ الْأَجْنَبِيُّ شَيْئًا كَانَ لِلْوَارِثِ أَنْ يُّشَارِكَهُ فَيَبْطُلُ فِيْ ذٰلِكَ الْقَدْرِ ثُمَّ لَا

خلاف ہے،اوراس صفت کے بغیر ثابت کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے اس لئے کہ اس میں وارث شریک ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ آئیند ہ کے بارے میں وصیت کرنی ہے اس لئے جس کے لئے وصیت جائز نہیں ہے اس کو بھی شامل کرنے سے اس کا اثر اس پر نہیں پڑے گا جس کے لئے وصیت جائز ہے،اور جائز والے کی وصیت صحیح ہو جائے گی

اصول: اور اقرار میں پچھلے زمانے میں لئے ہوئے قرض کے بارے میں اقرار کرنا ہے اس لئے ایسے آدمی کو شریک کرلیا جس کے لئے اقرار جائز نہیں ہے تو اس کا اثر دوسرے پر بھی پڑے گا اور دونوں کا اقرار فاسد ہو جائے گا

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔۔۔میت نے کسی چیز کا اقرار کیا اجنبی کے لئے بھی اور اپنے وارث کے لئے بھی تو کسی کے لئے بھی اقرار درست نہیں ہوگا،دونوں فاسد ہو جائیں گے

وصیت اور اقرار میں فرق یہ ہے۔کہ اقرار میں پچھلے زمانے میں دی ہوئی چیز کا اقرار کر رہا ہے،اب اس میں وارث کو بھی شریک کر رہا ہے جو جائز نہیں ہے،اس لئے اس شرکت کا اتنا اثر پڑے گا کہ اجنبی کے لئے بھی اقرار کرنا فاسد ہو جائے گا،اور وصیت میں آئندہ کے بارے میں وصیت کر رہا ہے اور وارث کو بھی اس میں شریک کر رہا ہے، جو جائز نہیں ہے،لیکن اس شرکت کا اثر اتنا نہیں پڑے گا کہ اجنبی کی وصیت ختم ہو جائے،اس لئے وارث کی وصیت ختم ہو جائے گی،اور اجنبی کی وصیت جائز رہے گی،اور اس کو آدھا حصہ مل جائے گا۔اقرار اور وصیت میں یہ فرق ہے۔

لغت: الوصیۃ انشاء تصرف:اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وصیت میں آئندہ کے بارے میں ایک تصرف کر رہا،اور آئندہ کے بارے میں ایک عقد کر رہا ہے،اس میں وارث کی شرکت بالکل چپکی ہوئی نہیں ہے، کہ اجنبی کی وصیت بھی خراب کر دے۔
الاقرار اخبار عن کائن: اقرار میں پچھلے زمانے میں لی ہوئی چیز کا اقرار کر رہا ہے،اس میں وارث کی شرکت بالکل چپکی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے اجنبی کا اقرار بھی خراب ہو گیا۔

ترجمہ: ۵ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ،اجنبی کچھ بھی قبضہ کرے گا تو وارث کو شریک کرنا پڑے گا،اور جتنے حصے میں وارث کو شریک کیا وہ حصہ باطل ہو گیا، پھر بار بار ایسا ہی قبضہ کرے گا،اور بار بار وارث کو شریک کو کرنا پڑے گا اور وہ حصہ پھر باطل ہو جائے گا، یہاں تک سارے حصے باطل ہو جائیں گے اس لئے یہ مفید نہیں ہے۔اور آئندہ کے حصے میں یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک کا حصہ دوسرے سے بالکل الگ ہوتا ہے،اجنبی کا حصہ باقی رہا وہ بھی الگ ہے،اور وارث کا حصہ باطل ہوا وہ بھی الگ ہے (اس

يَزَالُ يَقْبِضُ وَيُشَارِكُهُ الْوَارِثُ حَتّٰى يَبْطُلَ الْكُلُّ فَلَا يَكُوْنُ مُفِيْدًا، وَفِي الْإِنْشَاءِ حِصَّةُ أَحَدِهِمَا مُمْتَازَةٌ عَنْ حِصَّةِ الْاٰخَرِ بَقَاءً وَبُطْلَانًا.

(۹۹۶) قَالَ وَمَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثَةُ أَثْوَابٍ جَيِّدٍ وَوَسَطٍ وَرَدِيٍّ فَأَوْصٰى بِكُلِّ وَاحِدٍ لِرَجُلٍ فَضَاعَ ثَوْبٌ وَلَا يُدْرٰى أَيُّهَا هُوَ وَالْوَرَثَةُ تَجْحَدُ ذٰلِكَ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ، ل وَمَعْنٰى جُحُوْدِهِمْ أَنْ يَقُوْلَ الْوَارِثُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ بِعَيْنِهِ اَلثَّوْبُ الَّذِيْ هُوَ حَقُّكَ قَدْ هَلَكَ فَكَانَ الْمُسْتَحِقُّ مَجْهُوْلًا وَجَهَالَتُهُ تَمْنَعُ

لئے وارث کے حصے سے اجنبی کا حصہ باطل نہیں ہوگا)

تشریح: اجنبی کے حق میں بھی اقرار کے باطل ہونے کی یہ دوسری دلیل ہے۔اقرار میں شرکت لازم ہوتی ہے،اس لئے اجنبی جتنا جتنا حصہ قبضہ کرتا جائے گا، ہر ہر حصے میں وارث کا حصہ ہوگا،جس کی وجہ سے اجنبی کا حصہ بھی باطل ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ اجنبی کے سارے حصے باطل ہو جائیں گے،اس لئے اقرار میں وارث کے لئے اقرار کرنا مفید نہیں ہوگا۔اور وصیت میں یہ ہوتا ہے کہ شروع ہی سے اجنبی کا حصہ الگ ہوتا ہے اور وارث کا حصہ الگ ہوتا ہے،اس لئے وارث کے حصے باطل ہونے کی وجہ سے اجنبی کا حصہ باطل نہیں ہوگا

ترجمہ: (۹۹۶) کسی کے پاس تین کپڑے تھے،ایک کپڑا جید،دوسرا اوسط،تیسرا ردی،اس نے ہر کپڑے میں سے الگ الگ تین آدمیوں کے لئے وصیت کردی، پھر ایک کپڑا ضائع ہوگیا،اور یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کون سا کپڑا (جید، یا اوسط، یا ردی) ہلاک ہوا ہے،اور ورثہ تینوں سے انکار کرتے ہیں تو وصیت ختم ہو جائے گی

ترجمہ: ل یہاں انکار کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے معین کپڑے کے بارے میں کہے تو جو تیرا حق تھا وہ ہلاک ہو گیا ہے،تو یہاں مستحق کپڑا مجہول ہوگیا،اور اس کی جہالت سے فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا،اور مقصود حاصل کرنے سے روکتا ہے اس لئے وصیت ہی ختم ہو جائے گی

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس چیز کی وصیت کی ہو اس میں جہالت کاملہ ہو تو وصیت ختم ہو جائے گی

تشریح: میت کے پاس تین کپڑے تھے،۱۔جید۔۲۔اوسط۔۳۔ردی۔تینوں کپڑوں کے بارے میں تین الگ الگ آدمی کے لئے وصیت کی،اب ان میں سے ایک کپڑا ہلاک ہوگیا،لیکن یہ پتہ نہیں چلا کہ جید ہلاک ہوا ہے، یا اوسط ہلاک ہوا ہے، یا ردی کپڑا ہلاک ہوا ہے،اب جید والا آیا تو وارث نے کہا کہ تمہارا کپڑا تو ہلاک ہو چکا ہے، پھر اوسط والا آیا تو ورثہ نے کہا کہ تمہارا کپڑا ہلاک ہو چکا ہے، پھر ادنی والا آیا تو اس کو بھی کہا کہ تمہارا کپڑا ہلاک ہو چکا ہے اس لئے میں نہیں دوں گا،تو اس میں تمام کی وصیتیں ختم ہو جائیں گی،اور باطل ہو جائیں گی

وجہ: اس کی وجہ یہ کہ کپڑا ہلاک ہونے کی وجہ سے جہالت کاملہ ہوگئی اور قاضی کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا کہ کس کا کپڑا

صِحَّةَ الْقَضَاءِ وَتَحْصِيلُ الْمَقْصُودِ فَبَطَلَ.

(۹۹۷) قَالَ إِلَّا أَنْ يُسَلِّمَ الْوَرَثَةُ الثَّوْبَيْنِ الْبَاقِيَيْنِ، فَإِنْ سَلَّمُوا زَالَ الْمَانِعُ وَهُوَ الْجُحُودُ فَيَكُونُ لِصَاحِبِ الْجَيِّدِ ثُلُثَا الثَّوْبِ الْأَجْوَدِ وَلِصَاحِبِ الْأَوْسَطِ ثُلُثُ الْجَيِّدِ وَثُلُثُ الْأَدْوَنِ وَلِصَاحِبِ الْأَدْوَنِ ثُلُثَا الثَّوْبِ الْأَدْوَنِ، ١ لِأَنَّ صَاحِبَ الْجَيِّدِ لَا حَقَّ لَهُ فِي الرَّدِّيِّ بِيَقِينٍ، لِأَنَّهُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ وَسَطًا أَوْ رَدِّيًّا وَلَا حَقَّ لَهُ فِيهِمَا وَصَاحِبَ الرَّدِيِّ لَا حَقَّ لَهُ فِي الْجَيِّدِ بِيَقِينٍ، لِأَنَّهُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ جَيِّدًا أَوْ وَسَطًا وَلَا حَقَّ

ہلاک ہوا ہے، اور ورثہ بھی انکار کر رہے ہیں اس لئے اس جہالت کاملہ کی وجہ سے سب کی وصیتیں ختم ہوائے گی

ترجمہ: (۹۹۷) لیکن اگر ورثہ باقی دونوں کپڑے موصی لہ کو دے دے، تو اگر انہوں نے دے دیا تو جو انکار تھا وہ مانع زائل ہو گیا، اس صورت میں جید والے کے لئے جید کپڑے کی دو تہائی ملے گی، اور اوسط والے کے لئے ایک تہائی جید کپڑے سے ملے گی، اور ایک تہائی ادنی کپڑے سے ملے گی، اور ادنی والے کے لئے دو تہائی ادنی کپڑے سے ملے گی

تشریح: پہلے یہ تھا کہ ورثہ نے کپڑا دینے سے انکار کر دیا ہے، اس لئے وصیت ختم ہو گئی تھی، لیکن اگر ورثہ نے کپڑا لینے کے لئے کہا ہے تو اب یہ وصیت باقی رہے گی

، اب حساب اس طرح ہوگا کہ ۔۔ تینوں کپڑوں کے ایک ایک تہائی کو تین تین حصے بنائیں، اس طرح یہ نو حصے ہوئے ۔ اس میں سے ایک کپڑا ہلاک ہو گیا تو گویا کہ نو حصوں میں سے تین حصے ہلاک ہو گئے، اور چھ حصے باقی رہے ۔ اور یہ چھ حصے تین آدمیوں کو دینا ہے ۔ اور تینوں کا ایک ایک حصہ ہلاک ہو چکا ہے ۔ یہ طے ہے کہ جو دو کپڑے باقی ہیں ان میں سے ایک جید ہوگا اور دوسرا ردی ہوگا ۔ اب جید والے کو جید کپڑے میں سے دو حصے ملیں گے ۔ اور اس جید میں سے ایک حصہ اوسط والے کو ملے گا ۔ اور ردی کپڑے میں سے دو حصے ردی والے کو ملیں گے، اور اس میں سے ایک حصہ اوسط والے کو ملیں گے ۔ اس طرح اوسط والے کو بھی دو حصے مل جائیں گے ۔ ایک حصہ جید والے سے اور ایک حصہ ردی والے سے ۔ اور ان کا بھی اوسط ہو گیا

ترجمہ: ١ اس لئے کہ جید والے کا ردی کپڑے میں کوئی حق نہیں ہے، اس لئے کہ جو کپڑا موجود ہے وہ اوسط کپڑا ہوگا یا ردی ہوگا، اور جید والے کو ان دونوں میں کوئی حق نہیں ہے، اور ردی والے کا جید کپڑے میں کوئی حق نہیں ہے اس لئے کہ جو کپڑا موجود ہے وہ یا جید ہوگا یا اوسط ہوگا اور ردی والے کا ان دونوں میں کوئی حق نہیں ہے، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ جو ردی ابھی موجود ہے وہی اصل میں ردی ہو، اس لئے ردی والے کو احتمال کی جگہ یعنی ردی میں سے دے دیا جائے گا، اور جید کی دو تہائی چلی گئی (یعنی جید والے کو دے دی گئی) اور ردی والے کی دو تہائی چلی گئی (یعنی ردی والے کو دے دی گئی) تو اب جید والے کی ایک تہائی باقی رہ گئی، اور ردی والے کی بھی ایک تہائی باقی رہی تو یہ اوسط والے کا حق ہے اس لئے ضرورت کی وجہ سے اوسط والے کا حق اس میں متعین ہو گیا

لَهُ فِيهِمَا وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الرَّدِيُّ هُوَ الرَّدِّيُّ الْأَصْلِيُّ فَيُعْطَى مِنْ مَحَلِّ الْاِحْتِمَالِ وَإِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا الْجَيِّدِ وَثُلُثَا الْأَدْوَنِ لَمْ يَبْقَ إِلَّا ثُلُثُ الْجَيِّدِ وَثُلُثُ الرَّدِّيِّ فَيَتَعَيَّنُ حَقُّ صَاحِبِ الْوَسَطِ فِيهِ بِعَيْنِهِ ضَرُورَةً.

(۹۹۸) قَالَ وَإِذَا كَانَتِ الدَّارُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَوْصَى أَحَدُهُمَا بِبَيْتٍ بِعَيْنِهِ لِرَجُلٍ فَإِنَّهَا تُقَسَّمُ فَإِنْ وَقَعَ الْبَيْتُ فِي نَصِيبِ الْمُوْصِي فَهُوَ لِلْمُوْصَى لَهُ ۱؎ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَأَبِي يُوسُفَ رَحْمَةُ

تشریح: عبارت کو غور سے سمجھیں ۔۔ یہاں تین کپڑوں میں سے ایک کپڑا ہلاک ہو چکا ہے، اور اب دو کپڑے باقی ہیں ۔ اور ان دو کپڑوں میں ایک اعلی ہے اور دوسرا ادنی ہے ۔ اس لئے اعلی میں جید والے کا حق ہے، ادنی میں اس کا کوئی حق نہیں ہے، اس لئے کہ میت نے جید والے کے لئے جید کپڑے کی وصیت کی تھی ۔ اس لئے اس اعلی کپڑے میں جید والے کو دو تہائی دے دی اور جو ایک تہائی باقی رہی وہ اوسط والے کو دے دی ۔۔ اور ادنی کپڑا میں ادنی والے کا حق ہے، اس لئے کہ میت نے اس کے لئے ادنی کی وصیت کی تھی، اس لئے ادنی کپڑے میں اس کو دو تہائی دے دی گئی ۔ اور اس ادنی میں سے جو ایک تہائی بچی وہ اوسط والے کو دے دی گئی ۔ اب اوسط والے کے لئے بھی اوسط کپڑے میں سے دو تہائی ہو گئی ۔ اور جید والے کے لئے بھی جید کپڑے سے دو تہائی مل گئی ۔ اور ادنی والے کے لئے بھی ادنی کپڑے سے دو تہائی مل گئی، اور سب کے لئے حصے دو دو تہائی ہو گئی ۔۔ اس حساب کو غور سے سمجھیں

ترجمہ: (۹۹۸) حویلی دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی، ان میں سے ایک نے ایک متعین کمرہ کی کسی کے لئے وصیت کی، تو یہ حویلی تقسیم کی جائے گی، اب اگر یہ کمرہ وصیت کرنے والے کے حصے میں آیا تو یہ کمرہ موصی لہ کو مل جائے گا

ترجمہ: ۱؎ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کمرے کا آدھا ہی موصی لہ کے لئے ہوگا

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے مشترک کمرے میں دوسرے کا حصہ ہو تب بھی پورے کمرے کی وصیت جائز ہو جائے گی

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ مشترک چیز کے حصے کا مطلب یہ ہے کہ پورے گھر میں سے اپنے حصے کو الگ کیا، اس کو کہتے ہیں، افراز کیا

اصول: امام محمد کا اصول یہ ہے کہ مشترک کمرہ ذہنی طور پر آدھا آدھا دونوں کا ہے، اس لئے پورے کمرے کی وصیت کی تو آدھے کمرے کی وصیت ہوئی، اور آدھے کمرے کی وصیت باطل ہو گئی، ختم ہو گئی

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ امام محمدؒ کے یہاں گھر کو حصہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنا حصہ شریک کو دیکر بدلے میں پورا کمرہ لیا، اس کو، مبادلہ، کہتے ہیں،

اور قاعدہ یہ ہے کہ وصیت کرتے وقت چیز وصیت کرنے والے کے پاس موجود نہ ہو، بعد میں خرید لے، تو یہ وصیت ختم ہو جائے

اللّٰهِ عَلَيْهِ، وعند محمد رحمة الله عليه نصفه للموصىٰ له

(۹۹۹) وان وقع فی نصیب الأخر فللموصی لَهُ مِثْلُ ذَرْعِ الْبَيْتِ، ۱؎ وهذا عن ابی حنیفه وابی یوسف رحمه الله وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ مثل ذرع نصف البيت، ۲؎ لَهُ أَنَّهُ أَوْصٰى بِمِلْكِهِ وَبِمِلْكِ غَيْرِهِ، لِأَنَّ الدَّارَ بِجَمِيعِ أَجْزَائِهَا مُشْتَرَكَةٌ فَنَفَذَ الْأَوَّلُ وَتَوَقَّفَ الثَّانِيْ وَهُوَ إِنْ مَلَكَهُ بَعْدَ

گی۔ یہاں بھی آدھا کمرہ گویا کہ شریک سے خریدا، اس لئے اس آدھے کمرے کی وصیت باطل ہوگئی، اس لئے موصی لہ کے لئے آدھے کمرے کی وصیت ہوئی باقی کی نہیں ہوئی

تشریح: مشترک حویلی میں ایک کمرے کی وصیت کی، تو اوپر کے اصول کے اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ، اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں پورے کمرے کی وصیت صحیح ہوگی، اس لئے حویلی کے تقسیم بعد یہ کمرہ وصیت کرنے والے کے قبضے میں آیا تو یہ پورا کمرہ موصی لہ کو دے دیا جائے گا

اور امام محمدؒ کے یہاں اوپر کے اصول کے اعتبار سے آدھے کمرے ہی کی وصیت صحیح ہوئی اس لئے تقسیم کے بعد پورا کمرہ بھی وصیت کرنے والے کے قبضہ میں آیا تب بھی اس کو آدھا کمرہ ہی ملے گا، کیونکہ باقی آدھے کمرے کی وصیت ہی نہیں ہوئی تھی

ترجمہ: (۹۹۹) اور اگر یہ کمرہ دوسرے کے حصے میں چلا گیا تو کمرہ جتنے میٹر کا ہے حویلی میں سے اتنے گز موصی لہ کو دیا جائے گا

ترجمہ: ۱؎ یہ بات امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک کمرہ جتنے میٹر کا ہے موصی لہ کو اس کا آدھا حویلی کی زمین سے ملے گی

تشریح: جس کمرے کی وصیت کی تھی حصے میں وہ کمرہ وصیت کرنے والے کو نہیں ملا، تو اس کمرے کی زمین جتنی گز ہے اتنا گز اس حویلی کی زمین میں موصی لہ کو ملے گا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ پورے کمرے کی وصیت ہوگئی تھی، لیکن وہ کمرہ نہیں ملا، اس لئے کمرے کی جتنی زمین ہے اتنی زمین اسی حویلی کی زمین سے ملے گی

امام محمدؒ کے نزدیک آدھے کمرے کی وصیت ہوئی تھی، اور آدھی کی نہیں ہوئی تھی، اس لئے جب وہ کمرہ نہیں ملا تو اس کمرے کی آدھی زمین جتنی ہوگی اتنی زمین اسی حویلی کی زمین میں سے موصی لہ کو ملے گی

ترجمہ: ۲؎ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے اپنی ملکیت اور غیر کی ملکیت کی وصیت کی ہے، اس لئے کہ حویلی پورے جز کے ساتھ مشترک ہے اس لئے اپنی ملکیت میں وصیت نافذ ہوگئی اور دوسرے کی ملکیت کی وصیت اس کی اجازت پر موقوف ہوگئی (اور دوسرے نے اجازت دی نہیں، اس لئے دوسرے کی ملکیت کی وصیت ختم ہوگئی) اور وصیت کرنے والا تقسیم کے بعد اگر چہ

ذٰلِکَ بِالْقِسْمَةِ الَّتِيْ هِيَ مُبَادَلَةٌ لَا تَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ السَّالِفَةُ كَمَا إِذَا أَوْصٰى بِمِلْكِ الْغَيْرِ ثُمَّ اشْتَرَاهُ، ۳ ثُمَّ إِذَا اقْتَسَمُوْهَا وَوَقَعَ الْبَيْتُ فِيْ نَصِيْبِ الْمُوْصِيْ تَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ فِيْ عَيْنِ الْمُوْصٰى بِهٖ وَهُوَ نِصْفُ الْبَيْتِ، وَإِنْ وَقَعَ فِيْ نَصِيْبِ صَاحِبِهٖ لَهٗ مِثْلُ نِصْفِ ذَرْعِ الْبَيْتِ تَنْفِيْذًا لِلْوَصِيَّةِ فِيْ بَدَلِ الْمُوْصٰى بِهٖ عِنْدَ فَوَاتِهٖ ۴ كَالْجَارِيَةِ الْمُوْصٰى بِهَا إِذَا قُتِلَتْ خَطَأً تَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ فِيْ بَدَلِهَا، بِخِلَافِ

پورے کمرے کا مالک بن گیا ہے، لیکن یہ مبادلہ کے طور پر ہے اس لئے آدھے کمرے میں پہلی وصیت نافذ نہیں ہوگی ۔ جیسے غیر کی چیز کی وصیت کی پھر اس کو خریدا (تو اس میں وصیت نافذ نہیں ہوتی ہے)

تشریح : یہ امام محمدؒ کی دلیل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ کمرے کا ہر ہر جز مشترک ہے، اور ذہنی طور پر آدھا میت کا ہے، اور آدھا شریک کا ہے، اس لئے مرنے والے نے جب وصیت کی تو آدھے میں وصیت نافذ ہوگی، اور باقی میں نافذ نہیں ہوگی،

وجہ : اس کی وجہ یہ کہ تقسیم کے بعد اگر میت اس کمرے کا مالک ہو گیا تو یہ مبادلہ کے طور پر مالک ہوا، یعنی اپنا حصہ شریک کو دیکر مالک ہوا ہے، اور یہ مبادلہ ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ وصیت کے وقت چیز موجود نہ ہو، بعد میں خریدے تو اس میں وصیت نافذ نہیں ہوتی ہے، اور یہاں بھی گویا کہ میت نے اپنا حصہ دیکر شریک سے کمرے کا آدھا حصہ خریدا ہے اور مبادلہ کیا ہے اس لئے اس آدھے حصے میں پچھلی وصیت نافذ نہیں ہوگی

ترجمہ : ۳ پھر جب حویلی کو تقسیم کیا اور پورا کمرہ وصیت کرنے والے کے حصے میں آیا تو آدھے کمرے میں وصیت نافذ ہو گی ۔ اور اگر یہ کمرہ شریک کے حصے میں چلا گیا تو پورا کمرہ جتنے میٹر کا ہے اس کا آدھا موصی لہ کو حویلی کی زمین میں سے ملے گا آدھے کمرے میں وصیت نافذ کرتے ہوئے، کیونکہ اصل کمرہ نہیں ملا ہے

تشریح : یہ بھی امام محمدؒ کی دلیل ہے ۔ اگر حویلی کو تقسیم کیا، اور وہ کمرہ میت کے حصے میں آیا تو اس کمرے کا آدھا موصی لہ کو ملے گا کیونکہ اس آدھے میں وصیت نافذ ہوئی ہے ۔ اور اگر وہ کمرہ شریک کے حصے میں چلا گیا تو کمرے کی جتنی زمین تھی اس کی آدھی زمین حویلی کے اس زمین میں دی جائے گی جو میت کو ملے گی، کیونکہ آدھے کمرے ہی میں امام محمدؒ کے یہاں وصیت ہوئی تھی، باقی میں نہیں ۔

ترجمہ : ۴ جیسے جس باندی کی وصیت کی ہو اس کو غلطی سے قتل کر دیا گیا ہو تو اس کا بدل جو دیت آئے گی اس میں وصیت نافذ ہو گی، بخلاف وصیت شدہ غلام کو بیچا ہو تو اس کی قیمت میں وصیت متعلق نہیں ہو گی، اس لئے کہ بیع پر اقدام کرنے سے وصیت باطل ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے (کہ بیچنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ وصیت واپس لینا چاہتا ہے)، لیکن تقسیم کرنے سے وصیت باطل نہیں ہوگی

تشریح : یہاں تین باتوں میں فرق بیان کر رہے ہیں ۔ ا ۔ وصیت کی باندی موصی نے بیچی ہو تو وصیت ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ

مَا إِذَا بِيعَ الْعَبْدُ الْمُوْصٰى بِهٖ حَيْثُ لَا تَتَعَلَّقُ الْوَصِيَّةُ بِثَمَنِهٖ، لِأَنَّهُ الْوَصِيَّةُ تَبْطُلُ بِالْإِقْدَامِ عَلَى الْبَيْعِ عَلٰى مَا بَيَّنَاهُ وَلَا تَبْطُلُ بِالْقِسْمَةِ. ۵ وَلَهُمَا أَنَّهُ أَوْصٰى بِمَا يَسْتَقِرُّ مِلْكُهُ فِيْهِ بِالْقِسْمَةِ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ يَقْصِدُ الْإِيْصَاءَ بِمِلْكٍ مُنْتَفَعٍ بِهٖ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ وَذٰلِكَ يَكُوْنُ بِالْقِسْمَةِ، لِأَنَّ الْإِنْتِفَاعَ بِالْمُشَاعِ قَاصِرٌ، وَقَدِ اسْتَقَرَّ مِلْكُهُ فِيْ جَمِيْعِ الْبَيْتِ إِذَا وَقَعَ فِيْ نَصِيْبِهٖ فَتَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ فِيْهِ، ۶ وَمَعْنَى الْمُبَادَلَةِ فِيْ هٰذِهِ الْقِسْمَةِ تَابِعٌ، وَإِنَّمَا الْمَقْصُوْدُ الْإِفْرَازُ تَكْمِيْلًا لِلْمَنْفَعَةِ، وَلِهٰذَا يَجْبُرُ عَلَى الْقِسْمَةِ فِيْهِ،

بیچنے پر اقدام اس بات پر دلیل ہے کہ اب اپنی وصیت ختم کرنا چاہتا ہے۔۲۔ باندی کو تقسیم کیا ہو تو اس سے وصیت ختم نہیں ہوتی، بلکہ وصیت مضبوط ہوتی ہے، کیونکہ اس میں تبدیل کا معنی کم ہے اور افراز، یعنی اپنے حصے کو جمع کرنے کا معنی زیادہ ہے۔۳۔ باندی کو کسی نے غلطی سے قتل کر دیا، اور اس کے بدلے میں دیت کی رقم آئی تو اس سے وصیت ختم نہیں ہوگی، کیونکہ یہ بیچنا نہیں ہے، بلکہ مجبورا باندی کی دیت سے تبدیل ہے اس لئے اب موصی لہ کو باندی کی جو دیت آئی ہے وہ دی جائے گی

یہ فرق بتا کر امام محمدؒ کی جانب سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حویلی کو تقسیم کرنے سے، وصیت ختم اور باطل نہیں ہوگی، بلکہ آدھے کمرے میں وصیت جائز ہوگی۔

ترجمہ: ۵ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ، کہ وصیت کرنے والا ایسی چیز کی وصیت کر رہا جس میں تقسیم کی وجہ سے اس کی وصیت اور جم جائے گی، اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ ایسی ملکیت کی وصیت کرنے کا ارادہ ہے جو ہر طرح سے منتفع بہ ہو اور وہ تقسیم کے ذریعہ ہوگی، کیونکہ مشترک چیز سے نفع اٹھانا ناقص ہوتا ہے، اور جب اس کے حصے میں کمرہ آیا تو پورے کمرے میں اس کی ملکیت جم گئی اس لئے پورے کمرے میں وصیت نافذ ہو جائے گی

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے۔ کہ وصیت کرنے والے کا مقصد یہ ہے کہ موصی لہ کمرے سے پورا پورا فائدہ اٹھائے، اور یہ فائدہ مشترک کمرے میں نہیں ہوگا بلکہ تقسیم سے ہی ہوگا، پس جب اس کے حصے میں کمرہ آیا تو کمرے میں اس کی ملکیت اور جم گئی، اور پورے کمرے میں وصیت نافذ ہو جائے گی۔

لغت: استقر: قر سے مشتق ہے، جم جانا۔ المشاع: مشترک

ترجمہ: ۶ اور اس تقسیم میں مبادلہ کا معنی تابع ہے، اور نفع پورا کرنے کے لئے افراز مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ تقسیم کرنے پر شریک کو مجبور کیا جاتا ہے، اور افراز کے اعتبار سے گویا کہ شروع ہی سے کمرہ موصی کی ملکیت میں ہے

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے امام محمدؒ کو جواب ہے، امام محمدؒ نے فرمایا تھا کہ تقسیم میں مبادلہ کا معنی ہے، یعنی اپنی چیز بیچ میں دیکر باقی کمرہ لیا ہے اس لئے باقی حصے میں وصیت جائز نہیں ہوگی، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ، تقسیم میں مبادلہ کا معنی تابع ہے اور افراز، یعنی اپنی چیز کو الگ کرنے کا معنی اصل ہے، تا کہ اس سے پورا فائدہ اٹھایا جا سکے، اس کے لئے ایک دلیل

وَعَلٰى اِعْتِبَارِ الْإِفْرَازِ يَصِيْرُ كَأَنَّ الْبَيْتَ مِلْكُهُ مِنَ الْإِبْتِدَاءِ. ۷ وَإِنْ وَقَعَ فِيْ نَصِيْبِ الْاٰخَرِ تُنْفَذُ فِيْ قَدْرِ ذَرْعَانِ جَمِيْعِهٖ مِمَّا وَقَعَ فِيْ نَصِيْبِهٖ إِمَّا لِأَنَّهُ عِوَضُهُ كَمَا ذَكَرْنَاهُ ۸ أَوْ لِأَنَّ مَرَادَ الْمُوْصِيْ مِنْ ذِكْرِ الْبَيْتِ التَّقْدِيْرُ بِهٖ تَحْصِيْلًا لِمَقْصُوْدِهٖ مَا أَمْكَنَ إِلَّا أَنَّهُ يَتَعَيَّنُ الْبَيْتُ إِذَا وَقَعَ فِيْ نَصِيْبِهٖ جَمْعًا بَيْنَ الْجِهَتَيْنِ التَّقْدِيْرُ وَالتَّمْلِيْكُ، وَإِنْ وَقَعَ فِيْ نَصِيْبِ الْاٰخَرِ عَمِلْنَا بِالتَّقْدِيْرِ، ۹ أَوْ لِأَنَّهُ زَادَ التَّقْدِيْرَ عَلٰى اِعْتِبَارِ أَحَدِ الْوَجْهَيْنِ وَالتَّمْلِيْكُ بِعَيْنِهٖ عَلٰى اِعْتِبَارِ الْوَجْهِ الْاٰخَرِ، كَمَا إِذَا عَلَّقَ عِتْقَ

دے رہے ہیں کہ افراز کا معنی اصل ہے اسی لئے شریک کو تقسیم کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، اگر تبدیل کا معنی اصل ہوتا تو شریک کو تقسیم کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا تھا، اور جب افراز کا معنی ہے تو گویا کہ شروع ہی سے یہ کمرہ موصی کی ملکیت میں ہے، اس لئے اس پورے کمرے کی وصیت بھی صحیح ہوگی، اور پورا کمرہ بھی اس کو ملے گا، اور اگر کمرہ موصی کے حصے میں نہیں آیا تو اس کمرے کی مقدار اسی حویلی کی زمین دی جائے گی

ترجمه: ۷ اور اگر کمرہ دوسرے کے حصے میں چلا گیا تو حویلی میں سے جو موصی کے حصے میں زمین آئے گی اس میں اتنا دینا ہوگا جتنا کمرے کی مقدار ہے، یا اس لئے کہ حویلی کی یہ زمین کمرے کے بدلے میں ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا

تشریح: اگر کمرہ شریک کے حصے میں چلا گیا تو اس پورے کمرے کی جتنی زمین ہے اس کا اندازہ کر کے موصی کو اس حویلی میں جو زمین ملے گی اس میں سے موصی لہ کو دی جائے گی، کیونکہ یہ زمین گویا کہ کمرے کا بدل ہے

ترجمه: ۸ یا اس لئے کہ کمرہ کا تذکرہ کر کے اس کی مقدار زمین مراد ہے جتنا ہو سکے اتنا اپنا مقصود حاصل کرنے کے لئے، مگر یہ کہ اگر موصی کے حصے میں کمرہ آئے تو کمرہ ہی متعین ہوگا تقدیر اور تملیک دونوں کو جمع کرنے کے لئے، اور اگر شریک کے حصے میں کمرہ گیا تو ہم صرف کمرے کا اندازہ لگا کر اس کی زمین بدلے میں دیں گے

لغت: اس عبارت میں، تقدیر، اور تملیک، دو جملے استعمال ہوئے ہیں۔ تقدیر کا مطلب ہے کہ کمرہ کی جتنی زمین ہے، اس کا اندازہ لگا کر حویلی کی دوسری زمین دی جائے گی۔ اور تملیک کا مطلب ہے کہ موصی لہ کو اسی کمرہ کا مالک بنا دیا جائے گا

تشریح: مصنفؒ نے بہت لمبی بحث کی ہے۔۔ اگر موصی کے حصے میں کمرہ آیا تو موصی لہ اس کمرے کا مالک بھی بنے گا، اور اس کمرے کی جتنی زمین ہے اس کا بھی اندازہ اس کو ہوگا، یعنی تقدیر، اور تملیک دونوں ہوں گے۔۔ اور اگر وہ کمرہ موصی کے حصے میں نہیں آیا تو کمرے کی زمین جتنی ہے اس کا اندازہ کر کے حویلی کی زمین میں دی جائے گی، اس صورت میں صرف تقدیر، اور اندازہ ہوگا تملیک نہیں ہوگی

ترجمه: ۹ یا اس لئے کہ دو وجہ میں سے ایک سے اندازہ کرنے کا ارادہ ہے (جبکہ دوسرے کے حصے میں کمرہ چلا جائے) اور دوسرے وجہ سے خود کمرے کا مالک بنانا مراد ہے (جبکہ کمرہ موصی کے حصے میں آئے)، اس کی مثال یہ ہے کہ، آقا کہے کہ

الْوَلَدِ وَطَلَاقَ الْمَرْأَةِ بِأَوَّلِ وَلَدٍ تَلِدُهُ أَمَتُهُ فَالْمُرَادُ فِيْ جَزَاءِ الطَّلَاقِ مُطْلَقُ الْوَلَدِ وَفِي الْعِتْقِ وَلَدٌ حَيٌّ. ۱۰؎ ثُمَّ إِذَا وَقَعَ الْبَيْتُ فِيْ نَصِيْبِ غَيْرِ الْمُوْصِيِ وَالدَّارُ مِائَةُ ذِرَاعٍ، وَالْبَيْتُ عَشَرَةُ أَذْرُعٍ يُقَسَّمُ نَصِيْبُهُ بَيْنَ الْمُوْصٰى لَهُ وَبَيْنَ الْوَرَثَةِ عَلٰى عَشَرَةِ أَسْهُمٍ تِسْعَةٌ مِنْهَا لِلْوَرَثَةِ وَسَهْمٌ لِلْمُوْصٰى لَهُ وَهٰذَا عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَيَضْرِبُ الْمُوْصٰى لَهُ بِخَمْسَةِ أَذْرُعٍ نِصْفَ الْبَيْتِ وَلَهُمْ بِنِصْفِ الدَّارِ

میری باندی پہلی مرتبہ بچہ جنے تو میری بیوی کو طلاق، اور وہ بچہ بھی آزاد، یہاں مطلق بچہ پیدا ہو (زندہ یا مردہ تو اس سے طلاق واقع ہوگی) اور زندہ بچہ پیدا ہو تو اس سے وہ بچہ آزاد ہوگا

تشریح: یہ صاحب ھدایہ کی دلیل ہے۔ ایک لفظ کمرہ بول کر وصیت کرنے والے کے دو مطلب ہے۔ اگر کمرہ ہاتھ آگیا تو کمرے کا مالک بنانا (تملیک)۔ اور کمرے دوسرے کے حصہ میں چلا گیا تو کمرہ کی تقدیر، یعنی جتنا بڑا کمرہ ہے اتنی زمین حویلی کی زمین میں دینا مقصود ہے۔ اس کی مثال دے رہے ہیں کہ اس جملے میں ایک ہی لفظ سے دو معنی مراد لئے ہیں ایسا ہی یہاں ہے، آقا نے کہا کہ میری باندی پہلا بچہ جنے تو میری بیوی کو طلاق ہے، اور وہ بچہ بھی آزاد ہے، یہاں بچہ مردہ پیدا ہو یا زندہ پیدا ہو دونوں صورتوں میں بیوی کو طلاق واقع ہوگی۔ ایک معنی یہ ہوا۔ اور بچہ کے آزاد ہونے کے لئے بچے کا زندہ پیدا ہونا ضروری ہے، یہ دوسرا معنی ہوا جو ایک ہی لفظ، اول ولد، سے مراد لی گئی ہے۔ اسی طرح موصی نے جب کمرے کی وصیت کی تو ایک ہی لفظ، البیت، سے دو معنی مراد لی، یا کمرے کی ملکیت، تملیک،، اور دوسرا معنی کمرے کا اندازہ، تقدیر،

ترجمہ: ۱۰؎ پھر اگر کمرہ موصی کے علاوہ کے حصے میں چلا گیا، اور حویلی 100 سو میٹر کا ہے اور کمرہ 10 دس میٹر ہے، تو پہلے یہ حویلی تقسیم کی جائے گی، پھر موصی کا حصہ جو (50 میٹر ہے) وہ موصی لہ اور ورثہ کے درمیان دس حصوں پر تقسیم کیا جائے گا (اور ہر حصہ 5 میٹر کا ہوگا)، اس میں سے 9 حصے ورثہ کے لئے ہوں گے اور ایک حصہ موصی لہ کے لئے ہوگا (جو 5 میٹر کا ہو گا)، یہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے، اس طرح موصی لہ کا آدھا کمرہ ہوگا جو 5 میٹر ہے، اور ورثہ کے لئے آدھی حویلی ہوگی سوائے آدھے کمرے کے وہ 45 میٹر ہے، اور پانچ میٹر کا ایک حصہ ہوگا، اور مجموعہ دس سہام ہوئے

تشریح: آسان حساب اس طرح ہے

کل حویلی 100 میٹر ہے، اس میں سے آدھا حصہ شریک کا ہے، اس لئے موصی کے حصے میں 50 میٹر آیا، اس 50 میٹر کے دس سہام بنائے، تو ایک سہام 5 میٹر کے بنے، اور یہ فرض کیا گیا ہے کہ کمرہ 10 میٹر کا ہے، اس لئے یہ کمرہ دو سہام کے ہوئے امام محمدؒ کے نزدیک آدھے کمرے ہی کی وصیت ہوئی ہے اس لئے امام محمدؒ کے نزدیک موصی لہ کو دس سہام میں سے ایک سہام یعنی 5 میٹر ملے گا، اور باقی نو سہام یعنی 45 میٹر ورثہ کو ملے گا

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پورے کمرے کی وصیت ہوئی ہے جو 10 میٹر ہے اس لئے انکے نزدیک موصی لہ کو دس سہام میں سے

سِوَى الْبَيْتِ وَهُوَ خَمْسَةٌ وَأَرْبَعُوْنَ فَيُجْعَلُ كُلُّ خَمْسَةٍ سَهْمًا فَيَصِيْرُ عَشَرَةٌ، ۱۱ وَعِنْدَهُمَا يُقَسَّمُ عَلٰى أَحَدَ عَشَرَ سَهْمًا، لِأَنَّ الْمُوْصٰى لَهُ يَضْرِبُ بِالْعَشَرَةِ وَهُمْ بِخَمْسَةٍ وَأَرْبَعِيْنَ فَتَصِيْرُ السِّهَامُ أَحَدَ عَشَرَ، لِلْمُوْصٰى لَهُ سَهْمَانِ وَلَهُمْ تِسْعَةٌ. ۱۲ وَلَوْ كَانَ مَكَانَ الْوَصِيَّةِ إِقْرَارٌ قِيْلَ هُوَ عَلَى الْخِلَافِ وَقِيْلَ لَا خِلَافَ فِيْهِ لِمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَالْفَرْقُ لَهُ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِمِلْكِ الْغَيْرِ صَحِيْحٌ حَتّٰى أَنَّ مَنْ أَقَرَّ بِمِلْكِ الْغَيْرِ لِغَيْرِهٖ ثُمَّ مَلَكَهُ يُؤْمَرُ بِالتَّسْلِيْمِ إِلَى الْمُقِرِّ لَهُ، وَالْوَصِيَّةُ بِمِلْكِ الْغَيْرِ

دوسہام یعنی 10 میٹر ملیں گے، اور باقی آٹھ سہام یعنی 40 میٹر ورثہ کو ملیں گے۔ یہ آسان حساب ہے، اس کو سمجھ لیں

ترجمہ: ۱۱ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگیارہ سہام پر تقسیم ہوگا اس لئے کہ موصی لہ کو دس میٹر کے حساب سے لیگا اور ورثہ کو پینتالیس ملے تھے اس لئے گیارہ سہام ہو جائیں گے، اس میں سے موصی لہ کے دو سہام ہوں گے، اور ورثہ کے لئے نو سہام ہوں گے

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ آسان حساب اس طرح ہے، کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پورا کمرہ وصیت میں آیا ہے جو 10 دس میٹر، اور ۔ موصی کا 50 میٹر ہے اب اس کو پانچ پانچ میٹر کے دس سہام بنا دیں، اور دو سہام یعنی 10 میٹر موصی لہ کو دے دیں، اور آٹھ سہام یعنی 40 میٹر ورثہ کو دے دیں، یہ آسان طریقہ ہے

ترجمہ: ۱۲ اور اگر وصیت کی جگہ مشترک حویلی میں ایک کمرے کا اقرار ہوتا تو بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ مسئلہ بھی اختلاف پر ہے (کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پورا کمرہ، اور امام محمدؒ کے نزدیک آدھے کمرے کا اقرار ہوتا) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس اقرار کی صورت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور اقرار، اور وصیت میں امام محمدؒ نے فرق یہ بیان کیا ہے کہ غیر کے ملک کا اقرار صحیح ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر غیر کے ملک کا دوسرے کے لئے اقرار کیا، پھر اس چیز کا مالک بنا تو مقر لہ کو سپرد کرنے کا حکم دیا جائے گا، اور دوسرے کے ملک کی وصیت صحیح نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ وصیت کے بعد کسی طرح سے اس چیز کا مالک بنا پھر موصی مر گیا تو اس کی وصیت صحیح نہیں ہوگی، اور نہ یہ وصیت نافذ ہوگی

تشریح: پہلے یہ تھا کہ مشترک حویلی میں ایک کمرے کی وصیت کی تو امام محمدؒ کے نزدیک آدھے کمرے کی وصیت ہوگی پورے کی نہیں، کیونکہ پورا موصی کی ملکیت میں نہیں ہے۔ لیکن اگر اسی طرح مشترک حویلی ہو اور اس میں سے ایک کمرے کا اقرار کرے تو امام محمدؒ کے نزدیک بھی یہاں پورے کمرے کا اقرار صحیح ہے،

پھر انکے یہاں وصیت اور اقرار میں فرق یہ ہے کہ دوسرے کے ملک کی وصیت کرے، پھر اس چیز کا مالک ہو جائے تب بھی نہ وصیت درست ہوگی، اور نہ اس کو موصی لہ کو دینے کے لئے کہا جائے گا، کیونکہ وصیت ہی درست نہیں ہوئی۔ لیکن اقرار کا حال یہ ہے کہ غیر کی ملکیت کا اقرار کرے کہ یہ چیز فلاں کی ہے، پھر اقرار کرنے والا اس چیز کا مالک ہو جائے تو یہ اقرار بھی درست ہوگا،

لَا تَصِحُّ حَتّٰى لَوْ مَلَكَهُ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوْهِ ثُمَّ مَاتَ لَا تَصِحُّ وَصِيَّتُهُ وَلَا تَنْفُذُ.

(۱۰۰۰) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى مِنْ مَالِ رَجُلٍ لِآخَرَ بِأَلْفٍ بِعَيْنِهٖ فَأَجَازَ صَاحِبُ الْمَالِ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِيْ فَإِنْ دَفَعَهُ فَهُوَ جَائِزٌ وَلَهُ أَنْ يَمْنَعَ، ۱ لِأَنَّ هٰذَا تَبَرُّعٌ بِمَالِ الْغَيْرِ فَيُتَوَقَّفُ عَلٰى إِجَازَتِهٖ، وَإِذَا أَجَازَ

اور یہ چیز مقرلہ کو سپرد کرنا بھی جائز ہوگا۔ اس قاعدے سے، مان لیا جائے کہ مشترک کمرے میں پورے کمرے کا اقرار غیر کے لئے کیا، اور اس کا آدھا کمرہ ہی تھا، لیکن اپنا حصہ دیکر پورا کمرہ لے لیا تو اب اس کمرے کو مقرلہ کے لئے سپرد کرنا جائز ہو جائے گا، اور اقرار بھی درست ہوگا، اس لئے یہاں مشترک کمرے کا حکم امام ابو حنیفہؒ کی طرح ہو گیا، اور کوئی اختلاف نہیں رہا۔

ترجمہ: (۱۰۰۰) کسی نے دوسرے کے متعین ہزار کی وصیت دوسرے کے لئے کی، اب ہزار والے نے موصی کے مرنے کے بعد اجازت دے دی اور موصی لہ کو دے دیا تو یہ وصیت جائز ہو جائے گی، لیکن مال والے کو یہ بھی اختیار ہے کہ دینے سے انکار کر دے

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ یہ غیر کے مال کے ساتھ تبرع ہے، اس لئے اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور جب اجازت دے گا تو اب اس کی جانب سے تبرع ہوگی، تو صاحب مال کو یہ بھی حق ہے کہ سپرد کرنے سے انکار کر دے

نوٹ: یہاں پانچ باتیں یاد رکھنی ہے۔ ۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ مشترک کمرے کی وصیت میں امام محمدؒ کے یہاں آدھے کمرے کی وصیت جائز ہوئی تھی اور یہاں غیر کے ہزار میں پوری وصیت جائز ہے، اس میں فرق یہ ہے کہ مشترک کمرے میں اپنا حصہ دیکر شریک کا حصہ لینا تھا، اور یہ تبدیل تھی اس لئے وہاں آدھے کی کمرے کی وصیت ہوئی، اور یہاں تبدیل نہیں ہے، بلکہ صاحب مال کی جانب سے تبرع اور ہبہ ہے، اس لئے یہ جائز ہوگی۔ ۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں صاحب مال کی جانب سے ہبہ ہے، اور ہبہ کا قاعدہ یہ ہے کہ موصی لہ کو قبضہ دیگا تب ہبہ مکمل ہوگا، بغیر قبضہ دئے ہبہ مکمل نہیں ہوگا، ۔۳۔ ہبہ کا دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ قبضہ دینے سے پہلے دینے سے انکار کرے تو کر سکتا ہے، چنانچہ یہاں بھی موصی لہ کو قبضہ دینے سے پہلے دینے سے انکار کر سکتا ہے۔۴۔ اور چوتھی بات یہ یاد رکھنی ہے کہ تہائی سے زائد وصیت کرے تو یہ مال بھی وصیت کرنے والے کا ہے، وارث کا نہیں ہے، صرف اس کے حق کی وجہ سے تہائی سے زائد وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ ۵۔ چونکہ یہ مال ورثہ کا نہیں ہے اس لئے ایک مرتبہ اجازت دے دی تو اب اس سے انکار نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ وہ اپنا حق رکاوٹ ساقط کر چکا ہے۔۔ اس مسئلے میں یہ پانچ باتیں یاد رکھنی ضروری ہے

تشریح: مثلا زید کے پاس عمر کا ایک ہزار امانت تھا، اب زید نے عمر کے اس ہزار کی وصیت بکر کے لئے کر دی، اور زید کے مرنے کے بعد عمر نے اس کی اجازت دے دی تو یہ وصیت جائز ہو جائے گی، کیونکہ یہاں تبدیل نہیں ہے، بلکہ عمر کی جانب سے تبرع اور احسان ہے، اور ہبہ ہے، چونکہ یہ عمر کی جانب سے ہبہ ہے اس لئے اس ہزار پر موصی لہ کو قبضہ دیگا تب وصیت نافذ ہوگی

يَكُونُ تَبَرُّعًا مِنْهُ أَيْضًا فَلَهُ أَنْ يَمْتَنِعَ مِنَ التَّسْلِيمِ، ۲ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثُّلُثِ وَأَجَازَتِ الْوَرَثَةُ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ فِي مَخْرَجِهَا صَحِيْحَةٌ لِمُصَادَفَتِهَا مِلْكَ نَفْسِهِ وَالِامْتِنَاعُ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ فَإِذَا أَجَازُوْهَا سَقَطَ حَقُّهُمْ فَنَفَذَ مِنْ جِهَةِ الْمُوْصِيْ.

(۱۰۰۱) قَالَ وَإِذَا اقْتَسَمَ الْإِبْنَانِ تَرِكَةَ الْأَبِ أَلْفًا ثُمَّ أَقَرَّ أَحَدُهُمَا لِرَجُلٍ أَنَّ الْأَبَ أَوْصٰى لَهُ بِثُلُثِ مَالِهِ فَإِنَّ الْمُقِرَّ يُعْطِيْهِ ثُلُثَ مَا فِيْ يَدِهِ ۱ وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ،

اس سے پہلے نہیں ،اور دوسری بات یہ ہے کہ قبضہ دینے سے پہلے عمر دینے سے انکار کر دے تو ایسا کر سکتا ہے، کیونکہ ہبہ کا قاعدہ یہی ہے۔

ترجمہ: ۲ بخلاف اگر تہائی سے زیادہ کی وصیت کی اور ورثہ نے اس کی اجازت دے دی (تو اب ورثہ انکار نہیں کر سکتے ہیں) اس لئے کہ وصیت اپنے مخرج میں صحیح ہے، کیونکہ یہ خود وصیت کرنے والے کا مال ہے، اور تہائی سے زیادہ کا امتناع ورثہ کے حق کی وجہ سے ہے، پس جب ورثہ نے اجازت دے دی تو ان کا حق ساقط ہو گیا اور وصیت کرنے والے کی جانب سے وصیت نافذ ہو گئی

تشریح: یہاں اجنبی کے ہزار میں اور تہائی سے زائد وصیت کرنے میں فرق بیان کر رہے ہیں، کہ تہائی سے زیادہ مال بھی میت کا ہی ہے، صرف ورثہ کے حق کی وجہ سے رکا ہوا ہے، اس لئے جیسے ہی انہوں نے اجازت دی تو ان کا حق ساقط ہو گیا، اس لئے اب دوبارہ دینے سے انکار نہیں کر سکتے ہیں۔ اور ہزار کے مسئلے میں صاحب مال کا مال تھا اس لئے قبضہ دینے سے پہلے پہلے تک انکار کر سکتا ہے، ہاں قبضہ دینے کے بعد انکار نہیں کر سکتا ہے

ترجمہ: (۱۰۰۱) باپ کے ایک ہزار ترکہ کو دو بیٹوں نے تقسیم کر لیا، پھر ایک بیٹے نے ایک آدمی کے لئے اقرار کیا کہ باپ نے اس کے لئے ایک تہائی کی وصیت کی ہے، تو اقرار کرنے والا بیٹا کے ہاتھ میں جتنا ہے اس کی تہائی (16.66) موصی لہ کو دیگا

ترجمہ: ۱ یہ استحسان کا تقاضہ ہے

اصول: یہاں دو اصول ہیں، ایک اصول یہ ہے کہ سب ملا کر پورے مل کی تہائی ہی وصیت میں جائے گی، اس سے زیادہ نہیں۔ اور دوسرا اصول یہ ہے کہ قرض کا اقرار کرے تو جتنا اقرار کرے سب دینا ہوگا۔

تشریح: ایک آدمی کے دو بیٹے تھے اس نے باپ کے ترکہ کو آدھا آدھا تقسیم کر لئے، 100 کا آدھا ہر ایک کے ہاتھ میں 50 آیا، اب ایک بیٹے نے یہ اقرار کیا کہ باپ نے مثلا عمر کے لئے پورے ترکے کی ایک تہائی 33.33 کی وصیت کی ہے تو اقرار کرنے والے کے ہاتھ میں جو 50 ہے اس کی تہائی 16.66 اس پر لازم ہوگا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ جس بیٹے نے اقرار کیا ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ پورے مال 100 کی تہائی 33.33 کی وصیت

۲ وَالْقِيَاسُ أَنْ يُعْطِيَهُ نِصْفَ مَا فِيْ يَدِهٖ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، لِأَنَّ إِقْرَارَهُ بِالثُّلُثِ لَهُ تَضَمَّنَ إِقْرَارُهُ بِمُسَاوَاتِهِ إِيَّاهُ، وَالتَّسْوِيَةُ فِيْ إِعْطَاءِ النِّصْفِ لِيَبْقٰى لَه، النِّصْفُ، ۳ وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّهُ أَقَرَّ بِثُلُثٍ شَائِعٍ فِي التَّرِكَةِ وَهِيَ فِيْ أَيْدِيْهِمَا فَيَكُوْنُ مُقِرًّا بِثُلُثِ مَا فِيْ يَدِهٖ، ۴ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَقَرَّ أَحَدُهُمَا بِدَيْنٍ لِغَيْرِهٖ، لِأَنَّ الدَّيْنَ مُقَدَّمٌ عَلَى الْمِيْرَاثِ فَيَكُوْنُ مُقِرًّا بِتَقَدُّمِهٖ فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ.

کی ہے، اور اقرار کرنے والے بیٹے کے ہاتھ میں آدھا یعنی 50 آیا ہے اس لئے اس کی تہائی 16.66 اس پر لازم ہوگا کہ موصی لہ کو دے دے، استحسان کا تقاضہ یہی ہے۔ آگے قیاس کا تقاضہ آرہا ہے، جو ذرا پیچیدہ ہے

ترجمہ: ۲ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ بیٹے کے ہاتھ میں جو آدھا 50 ہے اس کا آدھا 25 دے دے، حضرت امام زفرؒ کی رائے یہی ہے، اس لئے کہ موصی لہ کے لئے تہائی کے اقرار کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے برابری کا اقرار کیا، اور آدھا دینے میں برابری ہوگی، تاکہ اقرار کرنے والے کے لئے آدھا باقی رہے

تشریح: جب بیٹے نے پورے مال کی تہائی 33.33 کا اقرار کیا تو موصی لہ کو ایک تہائی ملے گی اور دونوں بیٹے اور موصی لہ تینوں کو تہائی تہائی 33.33 ملے گی، اور سب برابر ہوگئے، اس اعتبار سے جب ایک بیٹے نے تہائی کا اقرار کیا تو گویا کہ موصی لہ کے لئے برابری کا اقرار کیا، اور اس بیٹے کو آدھا، یعنی 50 ملا ہے، اس لئے برابری کرنے کے لئے موصی لہ کو اس کا آدھا یعنی 25 دے دے، یہ قیاس کا تقاضہ ہے، اور یہی امام زفرؒ کی رائے ہے

لیکن یہ رائے اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اگر دوسرے بیٹے نے بھی ایک تہائی کا اقرار کیا، اور اس کو بھی 25 دلوایا تو دونوں بیٹوں کا مل کر 50 کی وصیت ہوجائے گی، جب کہ قاعدہ یہ ہے کہ موصی لہ کو پورے مال میں سے ایک تہائی یعنی 33.33 ملنی چاہئے، اور دو تہائی 66.66 ورثہ کے پاس رہنا چاہئے، اس لئے امام زفرؒ کی رائے صحیح نہیں ہے، استحسان صحیح ہے

ترجمہ: ۳ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ میت کے پورے ترکے کی تہائی کا اقرار کیا ہے، اور پورا مال دونوں کے ہاتھ میں ہے، اس لئے گویا کہ اقرار کرنے والے کے ہاتھ میں جتنا 50 ہے اس کی تہائی کا اقرار کر رہا ہے، جو 16.66 بنتا ہے

تشریح: استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اقرار کرنے والا بیٹا پورے مال کی تہائی کا اقرار کر رہا ہے، اس لئے جتنا اقرار کرنے والے کے قبضے میں 50 ہے اس کی تہائی مراد ہوگی، اور وہ 16.66 ہے، اور دونوں بیٹوں کا ملا کر پورے مال کی ایک تہائی 33.33 ہوجائے گی

ترجمہ: ۴ بخلاف اگر ایک بیٹے نے کسی کے لئے باپ پر قرض کا اقرار کیا (تو پورا قرض لازم ہوگا) اس لئے کہ قرض وراثت سے بھی پہلے ہے، اس لئے گویا کہ اپنے حق سے پہلے کا اقرار کر رہا ہے (اس لئے مقر لہ کو پہلے دیا جائے گا)

تشریح: اگر ایک بیٹے نے باپ پر کسی کے لئے قرض کا اقرار کیا جو مثلا 50 فی صد ہے تو بیٹے پر یہ پورا ادا کرنا ہوگا، چاہے

۵؎ أَمَّـا الْمُوْصىٰ لَهُ بِالثُّلُثِ شَرِيْکُ الْوَارِثِ فَلا يُسَلَّمُ لَهُ شَیْءٌ إِلَّا أَنْ يُّسَلِّمَ لِلْوَرَثَةِ ثُلُثَاهُ، ٦؎ وَلأَنَّهُ أَخَـذَ مِنْـهُ نِصْفَ مَـا فِیْ يَدِهٖ فَرُبَّمَا يُقِرُّ الْاِبْنُ الْاٰخَرُ بِهٖ أَيْضًا فَيَأْخُذُ نِصْفَ مَا فِیْ يَدِهٖ فَيَصِيْرُ نِصْفُ التَّرِکَةِ فَيَزَادُ عَلَى الثُّلُثِ.

(۱۰۰۲) قَالَ وَمَنْ أَوْصىٰ لِرَجُلٍ بِجَارِيَةٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِیْ وَلَدًا وَكِلاهُمَا يَخْرُجَانِ مِنَ الثُّلُثِ فَهُمَا لِلْمُوْصىٰ لَهُ، ۱؎ لِأَنَّ الْأُمَّ دَخَلَتْ فِی الْوَصِيَّةِ اَصَالَةً وَالْوَلَدَ تَبْعًا حِيْنَ كَانَ مُتَّصِلًا بِالْأُمِّ

اس میں بیٹے کی پوری وراثت چلی جائے

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض دار کا حق وراثت سے بھی پہلے ہے، پس جب بیٹے نے قرض کا اقرار کیا تو گویا کہ اپنے حق سے بھی پہلے کا اقرار کیا، اس لئے پورا قرض ادا کر کے بچے گا تو بیٹا لیگا، اور نہیں بچا تو نہیں لیگا

ترجمه: ۵؎ اور جس کے لئے وصیت کی اس کا حال یہ ہے کہ وہ وارث کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے، اس لئے وارث کے لئے دو تہائی بچے گی تب ہی موصی لہ تہائی لیگا

تشریح: یہ دلیل ہے۔ کہ موصی لہ وارث پر مقدم نہیں ہوتا ہے، بلکہ وارث کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے، اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ وارث کو دو تہائی بچے پھر ایک تہائی موصی لہ لے، اور یہاں بیٹے سے آدھا لے لے، تو موصی لہ کے پاس پورے مال کا 50 ہو جاتا ہے، اور دونوں وارث کے پاس صرف 50 ہی بچتا ہے، حال آنکہ ان کے پاس دو تہائی 66.66 بچنا چاہئے، اور اتنا نہیں بچتا ہے تو موصی لہ کو برابر نہیں دیا جائے گا، بلکہ بیٹے کے مال کی 16.66 دیا جائے گا

ترجمه: ٦؎ اور اس وجہ سے کہ اگر اقرار کرنے والے بیٹے سے اس کے قبضے کا آدھا لیا جائے تو ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرا بیٹا بھی اقرار کرے تو اس کے قبضے کے مال سے بھی آدھا لیا جائے تو ترکے کا آدھا 50 ہو جائے گا اور پورے مال کی تہائی 33.33 سے زیادہ ہو جائے گا

تشریح: ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر اقرار کرنے والے بیٹے سے اس کے مال کا آدھا 25 لیا جائے، پھر دوسرا بیٹا بھی وصیت کا اقرار کر لے اور اس سے بھی اس کے مال کا آدھا 25 لیا جائے تو دونوں ملا کر پورے ترکے کا آدھا 50 ہو جائے گا، حال آنکہ اس کا حصہ صرف تہائی 33.33 ہے اس لئے موصی لہ کو اقرار کرنے والے بیٹے کے مال کی تہائی 16.66 ہی دی جائے گی

ترجمه: (۱۰۰۲) کسی نے اپنی باندی کی وصیت کی، اب موصی کے موت کے بعد باندی کو بچہ پیدا ہوا، اور دونوں تہائی میں سے نکلتے ہیں تو ماں اور بچہ دونوں موصی لہ کے لئے ہوں گے

ترجمه: ۱؎ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں وصیت میں اصل کے اعتبار سے داخل ہے اور اس کا بچہ تابع کے اعتبار سے داخل ہے، اس لئے کہ ماں کے ساتھ متصل ہے، پس جب ترکہ کی تقسیم سے پہلے بچہ دیا اور ترکہ تقسیم سے پہلے میت کی ملکیت پر ہے، یہی

فَإِذَا وَلَدَتْ قَبْلَ الْقِسْمَةِ، وَالتَّرِكَةُ قَبْلَهَا مُبْقَاةٌ عَلٰى مِلْكِ الْمَيِّتِ حَتّٰى يُقْضٰى بِهَا دُيُوْنُهُ دَخَلَ فِي الْوَصِيَّةِ فَيَكُوْنَانِ لِلْمُوْصٰى لَهُ ۲؎ وَإِنْ لَمْ يَخْرُجَا مِنَ الثُّلُثِ ضَرَبَ بِالثُّلُثِ وَأَخَذَ مَا يَخُصُّهُ مِنْهُمَا جَمِيْعًا فِيْ قَوْلِ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَأْخُذُ ذٰلِكَ مِنَ الْأُمِّ فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ أَخَذَهُ مِنَ الْوَلَدِ. وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ عَيَّنَ صُوْرَةً وَقَالَ

وجہ ہے کہ اس ترکے سے اس کا قرض ادا کیا جاتا ہے، اس لئے ماں اور بچہ دونوں وصیت میں داخل ہو گئے، اس لئے دونوں موصی لہ کے لئے ہوں گے

اصول: وصیت کے وقت بچہ ماں کے پیٹ میں ہے اس لئے وہ ماں سے متصل ہے اس لئے دونوں وصیت میں داخل ہوں گے

اصول: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ماں وصیت میں پہلے داخل ہوگی، اور بچہ بعد میں، اس لئے پہلے ماں سے وصیت پوری کی جائے گی، اور اس سے بچے گا تب بچے سے

اصول: صاحبینؒ کے نزدیک ماں اور بچہ ایک ساتھ وصیت میں داخل ہیں، اس لئے دونوں سے ایک ساتھ وصیت پوری کی جائے گی

تشریح: کسی نے اپنی باندی کی وصیت کی، پھر موصی کی موت کے بعد باندی نے بچہ دیا، اور میت کے پاس اتنا مال ہے کہ ماں اور بچے کی قیمت تہائی بنتی ہے تو ماں اور بچہ دونوں کی وصیت جائز ہو جائے گی، اور دونوں موصی لہ کو دے دی جائے گی۔ مثلا میت کے پاس چار سو درہم ہے، اور ماں اور بچے دونوں کی قیمت دو سو ہے، اور مجموعہ چھ سو ہوئے، اور ماں اور بچہ اس کی تہائی ہوئی تو ماں اور بچہ دونوں وصیت میں جائیں گے

وجہ: وصیت کے وقت بچہ ماں کے ساتھ متصل تھا، اس لئے گویا کہ بچہ ماں کے تابع ہو کر اس کی بھی وصیت ہوگئی۔

ترجمہ: ۲؎ اور اگر ماں اور بچہ دونوں وصیت میں نہ نکلے تو تہائی کو تقسیم کیا جائے گا، اور ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول میں ماں اور بچہ دونوں سے حصے نکالے جائیں گے، اور امام ابوحنیفہؒ کے قول میں پہلے ماں سے تہائی پوری کی جائے گی، اور اس سے بچ جائے تو اب بچے سے باقی مال کی تہائی پوری کی جائے گی

جامع صغیر میں اس کی ایک صورت بیان کی ہے کہ، فرمایا ایک آدمی کے پاس چھ سو درہم نقد ہے، اور اس کی باندی تین سو درہم کی قیمت کی ہے، اس نے کسی کے لئے باندی کی وصیت کی، پھر موصی کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد باندی نے تقسیم سے پہلے بچہ دیا جس کی قیمت تین سو درہم ہے، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک موصی لہ کے لئے ماں ہوگی، اور بچے کی ایک تہائی ہوگی (اور بچے کی دو تہائی ورثہ میں تقسیم ہوگی)، اور صاحبینؒ کے نزدیک ماں اور بچے دونوں کی دو تہائی موصی لہ کے لئے ہوگی (اور ایک ایک تہائی ورثہ کے لئے ہوگی)

رَجُلٌ لَهُ سِتُّ مِائَةِ دَرَاهِمَ وَاَمَةٌ تُسَاوِیْ ثَلَاثَ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَأَوْصٰی بِالْجَارِيَةِ لِرَجُلٍ ثُمَّ مَاتَ فَوَلَدَتْ وَلَدًا يُسَاوِیْ ثَلَاثَ مِائَةِ دِرْهَمٍ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَلِلْمُوْصٰی لَهُ الْأُمُّ وَثُلُثُ الْوَلَدِ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا لَهُ ثُلُثَا كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا. ۳ لَهُمَا مَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْوَلَدَ دَخَلَ فِی الْوَصِيَّةِ تَبْعًا حَالَةَ الْاِتِّصَالِ فَلَا يَخْرُجُ عَنْهَا

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر ماں اور بچے دونوں کی قیمت تہائی سے زیادہ ہے تو پہلے ماں سے تہائی پوری کی جائے گی، اور اس سے بچ جائے تو اب بچے سے پوری کی جائے گی، مثلا میت کے پاس چھ 600 سو درہم نقد ہے، اور ماں کی قیمت 300 درہم، اور بچے کی قیمت 300 درہم، ماں اور بچے کی قیمت 600 درہم ہوئے، اور کل ترکہ 1200 ہے، اس میں سے ایک تہائی 400 درہم وصیت کی ہے، اس لئے پہلے پوری ماں وصیت میں جائے گی، اور اس کے بعد بچے کی ایک تہائی، یعنی ایک سو وصیت میں جائے گا، اور بچے کی دو تہائی یعنی دو سو وراثت میں تقسیم ہوگا۔

اور صاحبین کے یہاں ماں اور بچے دونوں میں ایک ساتھ وصیت جاری ہوگی، تقدم و تاخر نہیں ہوگا، اس لئے اگر ماں اور بچے کی قیمت تہائی سے زیادہ ہے تو ماں اور بچے دونوں سے پورے مال کی ایک تہائی موصی لہ کے لئے ہوگی، اور باقی حصے ورثہ میں تقسیم ہوں گے

مثلا پہلی مثال میں ۔۔ میت کے پاس چھ 600 سو درہم نقد ہے، اور ماں کی قیمت 300 درہم، اور بچے کی قیمت 300 درہم، ماں اور بچے کی قیمت 600 درہم ہوئے، اور کل ترکہ 1200 ہے، اس میں سے ایک تہائی 400 درہم وصیت کی ہے ماں کی دو تہائی 200 درہم وصیت میں جائے گی اور ایک تہائی ورثہ میں تقسیم ہوگی۔ اور بچے کی دو تہائی 200 درہم وصیت میں جائے گی، اور ایک تہائی ورثہ میں تقسیم ہوگی

ترجمہ: ۳ صاحبینؒ کی دلیل ہم نے ذکر کی ہے کہ بچہ اتصال کے وقت میں تابع کے طور پر وصیت میں داخل ہوا ہے، اس لئے اب پیدا ہونے کے بعد بھی وصیت سے جدا نہیں ہوگا، جیسے بیچنے اور آزاد کرنے سے بھی جدا نہیں ہوتا ہے، اس لئے ماں اور بچہ دونوں میں برابر طور پر وصیت نافذ ہوگی، ماں کو مقدم کئے بغیر

تشریح: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب میت وصیت کر رہا تھا تو بچہ ماں کے پیٹ میں تھا، اور متصل تھا، اس لئے ماں کے تابع ہو کر دونوں میں وصیت ہوگی، اور اب بچہ پیدا ہونے کے بعد بھی مقدم، یا موخر نہیں ہوگا بلکہ ماں اور بچہ دونوں میں ایک ساتھ وصیت نافذ ہوگی، اس لئے ان دونوں کی قیمت میں سے کچھ ورثہ کو دینا ہوگا تو دونوں کی قیمت سے دینا ہوگا، ماں سے پہلے اور بچے سے بعد میں ایسا نہیں ہوگا

اس کی دو مثالیں دیتے ہیں ۔ ا۔ پہلی مثال باندی حاملہ تھی اس وقت بیچا، ابھی مشتری نے باندی پر قبضہ بھی نہیں کیا تھا کہ بچہ جن دیا تو یہ بچہ بھی بیع میں شامل ہوگا اور مشتری کا ہوگا، اور گویا کہ ماں اور بچہ دونوں ایک ساتھ بیع میں داخل ہے، تقدم و تاخر نہیں ہے

بِالْاِنْفِصَالِ كَمَا فِي الْبَيْعِ وَالْعِتْقِ فَتَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ فِيْهِمَا عَلَى السَّوَاءِ مِنْ غَيْرِ تَقْدِيْمِ الْأُمِّ ۴ وَلَهُ أَنَّ الْأُمَّ أَصْلٌ وَالْوَلَدُ تَبَعٌ فِيْهِ، وَالتَّبَعُ لَا يُزَاحِمُ الْأَصْلَ فَلَوْ نَفَّذْنَا الْوَصِيَّةَ فِيْهِمَا جَمِيْعًا تَنْتَقِضُ الْوَصِيَّةُ فِيْ بَعْضِ الْأَصْلِ وَذٰلِكَ لَا يَجُوْزُ، ۵ بِخِلَافِ الْبَيْعِ، لِأَنَّ تَنْفِيْذَ الْبَيْعِ فِي التَّبَعِ لَا يُؤَدِّيْ إِلٰى نَقْضِهٖ فِي الْأَصْلِ، بَلْ يَبْقٰى تَامًّا صَحِيْحًا فِيْهِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يُقَابِلُهُ بَعْضُ الثَّمَنِ ضَرُوْرَةَ مُقَابَلَتِهٖ بِالْوَلَدِ إِذَا اتَّصَلَ بِهِ الْقَبْضُ وَلٰكِنَّ الثَّمَنَ تَابِعٌ فِي الْبَيْعِ حَتّٰى يَنْعَقِدَ الْبَيْعُ بِدُوْنِ ذِكْرِهٖ وَإِنْ كَانَ فَاسِدًا، ۶ هٰذَا إِذَا

،اسی طرح وصیت میں بھی ایک ساتھ ہی رہیں گے ۔۲۔دوسری مثال میت حاملہ باندی کی آزاد ہونے کی وصیت کی موصی کی موت کے بعد اور بٹوارہ سے پہلے باندی نے بچہ جنا تو دونوں ایک ساتھ آزادگی میں شامل ہوں گے، تقدم وتاخر نہیں ہوگا، اسی طرح وصیت میں تقدم وتاخر نہیں ہوگا، دونوں ایک ساتھ ہوں گے اور دونوں میں ورثہ کا حق ہوگا۔

ترجمہ: ۴ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ماں وصیت میں اصل ہے، اور بچہ تابع ہے اور تابع اصل کے مزاحم نہیں ہوتا ہے ،پس اگر دونوں میں ایک ساتھ وصیت نافذ کر دیں تو اصل کے بعض حصے میں وصیت نافذ نہیں ہوگی، اور یہ جائز نہیں ہے

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کہ میت نے ماں کے پورے حصے کی وصیت کی ہے، پس اگر ماں کے حصے کچھ ورثہ میں چلے، اور کچھ حصے وصیت میں تو پورے حصے وصیت میں نہیں گئے اور میت کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ اس لئے یہی صورت بہتر ہے کہ پہلے ماں کو وصیت میں دیں، اور تہائی پوری کرنے میں کچھ بچ جائے تو اب اس کو بچے کے حصے سے پوری کریں، اس سے میت کا مقصد صحیح طور پر پورا ہوگا۔

ترجمہ: ۵ بخلاف بیع کے (اس میں باندی کو بیچنے سے بچہ بھی بک جائے گا) اس لئے کہ تابع میں بیع کو نافذ کرنے سے اصل میں بیع کو توڑنا نہیں ہوگا بلکہ اصل کی بیع باقی رہے گی، اور تام ہوگی اور صحیح بھی ہوگی، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ کچھ ثمن بچے کے مقابلے پر ہونے کی وجہ سے اصل کے مقابلے میں نہیں ہوگا، اگر بچے کے ساتھ ماں پر قبضہ کیا ہو تو، لیکن بیع میں ثمن تابع ہے یہی وجہ ہے کہ ثمن کے ذکر کئے بغیر بھی بیع ہو جاتی ہے، البتہ بیع فاسد ہوتی ہے

تشریح: یہ امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے صاحبینؒ کو جواب ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ حاملہ باندی کو بیچنے سے بچے کی بھی بیع ہوتی ہے اور ماں کے برابر ہوتی ہے تقدم وتاخر نہیں ہوتی، اسی طرح وصیت میں برابر ہونی چاہئے۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ بیع میں ماں سے ساتھ بچے کی بھی بیع ہو جائے تو اس سے اصل ماں میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، دونوں کی بیع ہو جائے گی، صرف اتنا اثر پڑے گا کہ ماں کی جو پوری قیمت تھی اس میں سے کچھ حصہ بچے کے مقابلے میں ہو جائے گی، لیکن یہ کوئی نقص کی چیز نہیں ہے، کیونکہ بیع میں مبیع اصل ہے اور قیمت تابع ہے، یہی وجہ ہے کہ بیع میں قیمت کا ذکر نہ کرے تب بھی بیع ہو جائے گی، البتہ بیع فاسد ہوگی

ترجمہ: ۶ (یہ ساری بحث کہ وصیت پہلے ماں کے لئے ہوگی، اس کے بعد بچے سے تہائی پوری کی جائے گی)، اس وقت

وَلَدَتْ قَبْلَ الْقِسْمَةِ، فَإِنْ وَلَدَتْ بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لِلْمُوْصٰى لَهُ لِأَنَّهُ نَمَاءُ خَالِصْ مَلَكَهُ لِتَقَرُّرِ مِلْكِهِ فِيْهِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ.

فَصْلٌ فِیْ اِعْتِبَارِ حَالَةِ الْوَصِيَّةِ

(۱۰۰۳) قَالَ وَإِذَا أَقَرَّ الْمَرِيْضُ لِإِمْرَأَةٍ بِدَيْنٍ أَوْ أَوْصٰى لَهَا بِشَيْءٍ أَوْ وَهَبَ لَهَا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا ثُمَّ مَاتَ جَازَ الْإِقْرَارُ وَبَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ وَالْهِبَةُ ۱ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ مُلْزِمٌ بِنَفْسِهِ وَهِيَ أَجْنَبِيَّةٌ عِنْدَ صُدُوْرِهِ وَلِهٰذَا يُعْتَبَرُ

ہے جبکہ وراثت تقسیم کرنے سے پہلے باندی نے بچہ دیا ہو، لیکن اگر تقسیم کے بعد اور باندی موصی لہ کی ملکیت میں جانے کے بعد بچہ دیا ہو تو یہ بچہ موصی لہ کا ہے، اس لئے کہ اس کی ملکیت کی باندی کی پیداوار ہے، اس لئے کہ تقسیم کے بعد باندی میں اس کی ملکیت ثابت ہو چکی ہے۔

تشریح: اگر وراثت تقسیم کردی گئی، اور گویا کہ باندی بھی موصی لہ کی ملکیت میں آ گئی، اس کے بعد باندی نے بچہ دیا ہے تو یہ بچہ موصی لہ کی باندی کا بچہ ہے اس لئے یہ پورا بچہ موصی لہ کا ہوگا، اس میں ایسا نہیں ہوگا کہ پہلے باندی سے تہائی پوری کی جائے اور اس سے پوری نہ ہو تب بچے سے پوری کی جائے۔

فصل فی اعتبار حالۃ الوصیۃ

نوٹ: اس فصل میں یہ بیان کیا جائے گا کہ، موت کے وقت کوئی وارث ہو تو اس کے لئے نہ اقرار کرنا جائز ہے، اور نہ وصیت کرنا اور نہ ہبہ کرنا جائز ہے

وجہ: (۱) یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ البَاهِلِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الوَدَاعِ: »إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَعْطَى لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ ،(ترمذی شریف، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث، نمبر ۲۱۲۰) (۲)۔ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ وَلَا إِقْرَارَ بِدَيْنٍ (دار قطنی، باب کتاب الوصایا، نمبر ۴۲۹۸) ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ وارث کے لئے وصیت اور اقرار جائز نہیں ہے

ترجمہ: (۱۰۰۳) بیمار آدمی نے ایک عورت کے لئے قرض کا اقرار کیا، یا اس کے لئے وصیت کی، یا اس کے لئے کسی چیز کا ہبہ کیا، پھر اس عورت سے نکاح کر لیا پھر وہ بیمار مر گیا تو اقرار جائز ہوگا، اور وصیت اور ہبہ باطل ہوگی

ترجمہ: ۱ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض کا اقرار ہر حال میں لازم ہے، اور جس وقت بیمار اقرار کر رہا تھا اس وقت عورت اجنبیہ تھی، یہی وجہ ہے کہ اقرار کا مال پورے مال سے دیا جاتا ہے، اور صحت کی حالت میں اقرار کیا ہو، یا مرض کی حالت میں قرض ہونے کے باوجود اقرار باطل نہیں ہوتا، اتنی بات ضرور ہے کہ مرض کی حالت کا اقرار صحت کی حالت کے اقرار کے بعد ادا کیا

مِنْ جَمِیْعِ الْمَالِ وَلَا یَبْطُلُ بِالدَّیْنِ إِذَا کَانَ فِیْ حَالَةِ الصِّحَةِ أَوْ فِیْ حَالَةِ الْمَرَضِ إِلَّا أَنَّ الثَّانِیَ یُؤَخَّرُ عَنْهُ، ۲ بِخِلَافِ الْوَصِیَّةِ لِأَنَّهَا إِیْجَابٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَهِیَ وَارِثَةٌ عِنْدَ ذٰلِکَ وَلَا وَصِیَّةَ لِلْوَارِثِ، ۳ وَالْهِبَةُ وَإِنْ کَانَتْ مُنَجَّزَةً صُوْرَةً فَهِیَ کَالْمُضَافِ إِلٰی مَا بَعْدَ الْمَوْتِ حُکْمًا، لِأَنَّ حُکْمَهَا یَتَقَرَّرُ

جائے گا

تشریح: اس عبارت میں تین باتوں میں فرق بیان کیا جارہا ہے۔ا۔قرض کا اقرار۔۲۔وصیت۔۳۔اورمرض کی حالت میں ہبہ، کے درمیان فرق بیان کیا جارہا ہے۔

۔ا۔قرض کا اقرار ہر حال میں لازم ہے چاہے میت پر قرض ہو یا نہ ہو، مصنف نے اس کو ملزم بنفسہ، کہا ہے، البتہ اتنی بات ہے کہ جو اقرار صحت کی حالت میں کیا ہے اس کو پہلے ادا کیا جائے گا، اور جو اقرار بیماری کی حالت میں کیا ہے اس کو اس کے بعد ادا کیا جائے گا۔۲۔وصیت کا اعتبار میت کی موت کے وقت کیا جاتا ہے۔اور موت کے وقت اجنبیہ عورت بیوی بن چکی ہے اور بیوی کو وراثت میں حق ملے گا اس لئے اس کے لئے وصیت جائز نہیں ہے، اس لئے اس عورت کے لئے وصیت باطل ہے۔۳۔ ہبہ بھی وصیت کی طرح ہے، کیونکہ بیمار کا ہبہ اس وقت ادا کیا جائے گا جب قرض سے فارغ ہو، اور دوسری بات یہ ہے کہ وصیت کی طرح تہائی مال سے ادا کیا جائے گا، اور جب ہبہ وصیت کی طرح ہوا تو یہ عورت موت کے وقت بیوی ہے اس لئے اس کے لئے ہبہ بھی باطل ہو جائے گا۔تینوں جملوں میں یہ فرق ہے۔

لغت: الاقرار ملزم بنفسه :اقرار کے ثابت ہونے کا مدار موت پر نہیں ہے، بلکہ یہ خود بخود ثابت ہوتا ہے، اور میت پر قرض ہو تب بھی یہ ثابت ہوتا ہے اور چونکہ اقرار کیا ہے اس لئے وراثت کے تقسیم کرنے سے پہلے اس کا ادا کرنا لازم ہے۔
عند صدوره: اقرار کرتے وقت عورت اجنبیہ تھی۔

ترجمه: ۲ بخلاف وصیت کے (وہ باطل ہو جائے گی) اس لئے کہ وہ موت کے وقت واجب ہوتی ہے اور موت کے وقت عورت وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت نہیں ہے

تشریح: میت کا قرض کا اقرار صحیح ہے لیکن وصیت باطل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عورت وصیت کے وقت اجنبیہ تھی، لیکن وصیت کا اعتبار موصی کی موت کے وقت ہوتا ہے اور موت کے وقت یہ عورت موصی کی بیوی ہے، کیونکہ موصی نے وصیت کے بعد اس سے نکاح کیا ہے، اور یہ موصی کا وارث ہے، اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے، اس لئے موصی کی وصیت ختم ہو جائے گی

ترجمه: ۳ اور ہبہ میں صورت کے اعتبار سے اگر چہ تنجیز ہے، یعنی ابھی ہبہ کرنا ہے، لیکن حکم کے اعتبار سے موت کے بعد کی طرف منسوب ہے، اس لئے کہ موت کے وقت اس کا حکم ثابت ہوتا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ اگر قرض میت کے سارے مال کو گھیر لے تو ہبہ باطل ہو جاتا ہے، اور قرض نہ ہو تو ہبہ تہائی مال میں نافذ ہوتا ہے (تو مرض الموت والے کا ہبہ

عِنْدَ الْمَوْتِ، أَلا تَرٰى أَنَّهَا تَبْطُلُ بِالدَّيْنِ الْمُسْتَغْرِقِ وَعِنْدَ عَدَمِ الدَّيْنِ تُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ.

(۱۰۰۴) قَالَ وَإِذَا أَقَرَّ الْمَرِيْضُ لِإِبْنِهٖ بِدَيْنٍ وَابْنُهٗ نَصْرَانِيٌّ أَوْ وَهَبَ لَهٗ أَوْ أَوْصٰى لَهٗ فَأَسْلَمَ الْإِبْنُ قَبْلَ مَوْتِهٖ بَطَلَ ذٰلِکَ كُلُّهٗ، لِ أَمَّا الْهِبَةُ وَالْوَصِيَّةُ فَلِمَا قُلْنَا إِنَّهٗ وَارِثٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَهُمَا إِيْجَابَانِ عِنْدَهٗ أَوْ بَعْدَهٗ، وَالْإِقْرَارُ وَإِنْ كَانَ مُلْزِمًا بِنَفْسِهٖ وَلٰكِنَّ سَبَبَ الْإِرْثِ وَهُوَ الْبُنُوَّةُ قَائِمٌ وَقْتَ الْإِقْرَارِ فَيُعْتَبَرُ

وصیت کی طرح ہو گیا)

تشریح: ہبہ کی دو قسمیں ہیں۔ا۔ایک صحت کے زمانے کا ہبہ، یہ تو صحت میں قبضہ دینے کے بعد نافذ ہو جائے گا، یہاں اس کی بات نہیں ہے۔۲۔ دوسرا ہے کہ مرض الموت میں ہبہ کیا اور ابھی اس پر موہوب لہ کو قبضہ نہیں دیا، تو یہ ہبہ من وجہ وصیت کی طرح ہے

وجہ: (۱) ایک تو یہ اس وقت نافذ نہیں کیا جائے گا بلکہ میت کی موت کے وقت دیکھا جائے گا کہ اس کے مال کی کیا صورت ہے۔ (۲) دوسرا۔اگر میت پر اتنا قرض ہو کہ اس میں سارا مال ختم ہو جائے تو ہبہ ختم ہو جائے، ہبہ ادا نہیں کیا جائے گا۔(۳) تیسری بات یہ ہے کہ اگر میت پر قرض نہ ہو تب بھی مرض الموت کا ہبہ پورے مال سے ادا نہیں کیا جائے گا، بلکہ تہائی مال سے ادا کیا جائے گا، ان تین اعتبار سے مرض الموت کا ہبہ وصیت کی طرح ہے، اس لئے یہ عورت جس سے نکاح کیا ہے، اور موت کے وقت میت کی بیوی بن چکی ہے اس کے لئے ہبہ باطل ہے۔۔اقرار، وصیت، اور ہبہ میں یہ فرق ہے۔

ترجمہ: (۱۰۰۴) بیمار آدمی نے اپنے عیسائی بیٹے کے لئے قرض کا اقرار کیا، یا اس کو ہبہ کیا، یا اس کے لئے وصیت کی، پھر وہ باپ کی موت سے پہلے اسلام لے آیا تو یہ سب باطل ہو جائے گا

ترجمہ: لِ ہبہ اور وصیت اس وجہ سے باطل ہوگا جس کو ہم نے پہلے بیان کیا کہ وصیت اور ہبہ موت کے وقت، یا موت کے بعد نافذ کیا جائے گا اور موت کے وقت بیٹا وارث ہے، اور اقرار اگر چہ خود لازم ہوتا ہے لیکن اقرار کے وقت وارثت کا سبب یعنی بیٹا ہونا قائم ہے، اس لئے اس بات کی تہمت ہے کہ بیٹے کے لئے اقرار کر کے اس کو دوسرے وارث پر ترجیح دینا چاہتا ہے،

اصول: مرض الموت میں بیٹے کے لئے اقرار نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ دوسرے وارث پر ترجیح دینا لازم ہوگا

تشریح: اس عبارت میں مرض الموت میں اجنبیہ کے لئے اقرار کرنا جائز ہے، اور بیٹے کے لئے جائز نہیں ہے اس فرق کو بیان کرنا ہے۔۔بیٹا مرض الموت میں عیسائی تھا، اب اس کے لئے قرض کا اقرار کیا، یا وصیت کی، یا ہبہ کیا، بعد میں بیٹا مسلمان ہو گیا، اور وارث ہو گیا تو اس کے لئے نہ اقرار نافذ ہوگا، نہ وصیت نافذ ہوگی، اور نہ ہبہ نافذ ہوگا

وجہ: (۱) وصیت اور ہبہ تو موت کے وقت نافذ ہوتے ہیں اور موت کے وقت بیٹا وارث ہے اس لئے یہ دونوں تو باطل ہو جائیں گے۔لیکن اقرار اس لئے باطل ہوگا کہ اقرار کے وقت وہ بیٹا ہے اور وارث ہے، البتہ عیسائی ہونے کی وجہ سے وراثت

فِیْ إِیْرَاثٍ تُھْمَةُ الْإِیْثَارِ، ۲؎ بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ، لِأَنَّ سَبَبَ الْإِرْثِ الزَّوْجِیَّةَ وَھِیَ طَارِئَةٌ حَتّٰی لَوْ کَانَتِ الزَّوْجِیَّةُ قَائِمَةً وَقْتَ الْإِقْرَارِ وَھِیَ نَصْرَانِیَّةٌ ثُمَّ أَسْلَمَتْ قَبْلَ مَوْتِهٖ لَا یَصِحُّ الْإِقْرَارُ لِقِیَامِ السَّبَبِ حَالَ صُدُوْرِهٖ (۱۰۰۵) وَکَذَا لَوْ کَانَ الْاِبْنُ عَبْدًا أَوْ مُکَاتَبًا فَأُعْتِقَ ۱؎ لِمَا ذَکَرْنَا. ۲؎ وَذَکَرَ فِیْ کِتَابِ الْإِقْرَارِ إِنْ لَمْ یَکُنْ عَلَیْهِ دَیْنٌ یَصِحُّ، لِأَنَّهٗ أَقَرَّ لِمَوْلَاهُ وَھُوَ أَجْنَبِیٌّ، وَإِنْ کَانَ عَلَیْهِ دَیْنٌ لَا یَصِحُّ، لِأَنَّهٗ

سے محروم تھا لیکن جیسے ہی مسلمان ہوا وہ اقرار کے وقت ہی سے وارث شمار ہو گیا اس لئے اس کے لئے اقرار کرنا بھی باطل ہوگا۔ اور اجنبیہ کا حال یہ تھا کہ اقرار کے وقت وہ اجنبیہ تھی، بیوی نہیں تھی، اور نہ وارث تھی، نکاح کے بعد وارث بنی ہے اس لئے اس کے لئے اقرار کرنا نافذ ہوگا۔ بیوی اور بیٹے میں یہ فرق ہے۔ (۲) اس حدیث میں ہے کہ وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔عَنْ أَبِی أُمَامَةَ الْبَاھِلِیِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِی خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: »إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَکَ وَتَعَالَی قَدْ أَعْطَی لِکُلِّ ذِی حَقٍّ حَقَّهٗ، فَلَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ، (ترمذی شریف، باب ماجاء لاوصیۃ لوارث، نمبر ۲۱۲۰) (۳)۔عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِیهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: »لَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ وَلَا إِقْرَارَ بِدَیْنٍ (دارقطنی، باب کتاب الوصایا، نمبر ۴۲۹۸)

ترجمه: ۲؎ بخلاف پہلے جو اجنبیہ عورت کا مسئلہ گزرا اس میں وراثت کا سبب طاری ہے (اس لئے بیوی کے لئے اقرار کرنا جائز ہوا) یہی وجہ ہے کہ اگر اقرار کے وقت زوجیت قائم ہو، اگرچہ نصرانیہ ہو بعد میں موت سے پہلے اسلام لے آئی ہو تو اس کے لئے اقرار کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اقرار کے صادر کرتے وقت نافذ نہ ہونے کا سبب قائم ہے۔

تشریح: پہلے مسئلے میں یہ تھا کہ میت کے اقرار کرتے وقت بیوی اجنبیہ تھی بعد میں بیوی بنی ہے، اس لئے میت کا اقرار صحیح ہے۔ چنانچہ اگر اقرار کرتے وقت بیوی تھی، لیکن نصرانی تھی جس کی وجہ سے وراثت سے محروم تھی اور موت سے پہلے مسلمان ہو گئی تو اس بیوی کے لئے بھی اقرار کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اقرار کر کے بیوی کو دوسرے وارث پر ترجیح دینا چاہتے ہیں۔

ترجمه: (۱۰۰۵) اور ایسے ہی بیٹا غلام ہے، یا مکاتب ہے پس اس کو آزاد کیا (اور اس کے لئے اقرار کیا، یا وصیت کی یا ہبہ کیا تو جائز نہیں ہے)

ترجمه: ۱؎ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے ذکر کیا

تشریح: اوپر کے مسئلے اور اس مسئلے میں فرق یہ ہے کہ اوپر کے مسئلے میں بیٹا غیر مسلم ہونے کی وجہ سے پہلے وارث نہیں تھا، اور اس مسئلے میں غلام، یا مکاتب ہونے کی وجہ سے بیٹا وارث نہیں تھا، بعد میں موت کے وقت آزاد کر دیا گیا اس لئے اب وارث ہے، اور وارث کے لئے مرض الموت میں اقرار کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے یہاں بھی نہ اقرار جائز ہوگا، نہ وصیت اور نہ ہبہ جائز ہوگا

ترجمه: ۲؎ مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ اگر غلام بیٹے پر قرض نہ ہو تو مرض الموت کی حالت میں اس کے لئے اقرار کرنا صحیح ہے اس لئے کہ اس صورت میں اس کے آقا کے لئے اقرار کرنا ہے اور آقا اجنبی ہے، اور اگر اس غلام پر قرض ہو تو اس کے لئے

إِقْـرَارٌ لَهُ وَهُوَ ابْنُهُ، ٣ وَالْـوَصِيَّةُ بَـاطِـلَةٌ لِـمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِيْهَا وَقْتُ الْمَوْتِ، ٤ وَأَمَّا الْهِبَةُ فَيُـرْوٰى أَنَّهَـا تَـصِـحُّ لِأَنَّهَا تَمْلِيْكٌ فِي الْحَالِ وَهُوَ رَقِيْقٌ، وَفِيْ عَامَّةِ الرِّوَايَاتِ هِيَ فِيْ مَرَضِ الْمَوْتِ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ فَلا تَصِحُّ.

(١٠٠٦) قَالَ وَالْـمَـقْـعَـدُ وَالْـمَفْلُوْجُ وَالْأَشَلُّ وَالْمَسْلُوْلُ إِذَا تَطَاوَلَ ذٰلِكَ وَلَمْ يُخَفْ مِنْهُ الْمَوْتُ فَهِبَتُـهُ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ، ١ لِأَنَّـهُ إِذَا تَـقَـادَمَ الْعَهْدُ صَارَ طَبْعًا مِنْ طِبَاعِهِ وَلِهٰذَا لَا يَشْتَغِلُ بِالتَّدَاوِيْ،

اقرار کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے اس صورت میں بیٹا کے لئے اقرار ہو جائے گا

تشریح: حضرت امام محمدؒ کے کتاب الاصل میں ایک جزئیہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر اس غلام بیٹا پر قرض نہ ہو تو اس کے لئے اقرار کرنا درست ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اقرار کا یہ مال اس کے آقا کے پاس چلا جائے گا، اور آقا میت سے اجنبی ہے اس لئے اقرار کرنا درست ہے۔ اور اگر بیٹے پر قرض ہے تو قرض ادا کرنے کے لئے یہ مال بیٹے کے پاس جائے گا، تو گویا کہ بیٹے کے لئے اقرار کیا اس لئے جائز نہیں ہوگا

ترجمہ: ٣ غلام بیٹے کے لئے وصیت کرنا باطل ہے اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے ذکر کیا، کہ وصیت میں موت کے وقت کا اعتبار ہے (اور موت کے وقت بیٹا آزاد ہونے کی وجہ سے وارث ہے، اس لئے بیٹے کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے)

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٤ بہر حال ہبہ تو ایک روایت یہ ہے کہ غلام بیٹے کے لئے ہبہ صحیح ہے اس لئے اس وقت مالک بنانا ہے، اور اس وقت غلام ہے، اور غلام ہونے کی وجہ سے باپ کا وارث نہیں ہے، لیکن عام روایات میں یہی ہے کہ ہبہ مرض الموت میں وصیت کے درجے میں ہے اس لئے غلام بیٹے کو ہبہ کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

تشریح: بیٹا غلام ہے، یا مکاتب ہے، اس کو مرض الموت میں ہبہ کرے، بعد میں موت کے وقت وہ آزاد ہو جائے اور وارث بن جائے تو اس بارے میں دو روایت ہے۔ ا۔ ایک روایت ہے کہ جس وقت ہبہ کر رہا ہے اس وقت یہ بیٹا غلامیت کی وجہ سے وارث نہیں ہے اس لئے ہبہ کے وقت کا اعتبار کرتے ہوئے یہ ہبہ جائز ہے۔ اور دوسری عام روایت یہ ہے کہ ہبہ میں موت کے وقت کا اعتبار ہے، اور وہ وصیت کے درجے میں ہے، اور باپ کے موت کے وقت وہ بیٹا آزاد ہو چکا ہے، اور باپ کا وارث ہے اس لئے اس کے لئے ہبہ کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: (١٠٠٦) کوئی اپاہج ہو گیا، یا فالج والا ہو گیا، یا ہاتھ پاؤں سل ہو گیا، یا سل کی بیماری، یعنی پھیپھڑا خراب ہو گیا، اور یہ بیماریاں لمبی ہو گئیں جس سے ابھی موت کا خوف نہیں ہے تو یہ ہبہ کرے تو پورے مال سے ہبہ ہوگا (تہائی مال سے نہیں ہوگا)

ترجمہ: ١ اس لئے کہ جب بیماری لمبی ہو جائے تو یہ اس کی ایک طبیعت ہو گئی، اسی لئے اس کی دوائی نہیں کرتے ہیں

وَلَوْ صَارَ صَاحِبَ فِرَاشٍ بَعْدَ ذٰلِکَ فَهُوَ کَمَرَضٍ حَادِثٍ.

(۱۰۰۷) وَإِنْ وَهَبَ عِنْدَ مَا أَصَابَهُ ذٰلِکَ وَمَاتَ مِنْ أَيَّامِهِ فَهُوَ مِنَ الثُّلُثِ إِذَا صَارَ صَاحِبَ فِرَاشٍ، ‌ا لِأَنَّهُ يُخَافُ مِنْهُ الْمَوْتُ، وَلِهٰذَا يَتَدَاوٰى فَيَكُوْنُ مَرَضَ الْمَوْتِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

لغت: المقعد: اپاہج۔المفلوج: فالج زدہ۔اشل: جس کے ہاتھ پاوں شل ہو گئے ہوں۔المسلول: سل کی بیماری، جس کو پھیپھڑے کی بیماری ہو

تشریح: بیماری کی چار قسمیں ہیں۔ا۔سردی، زکام، وغیرہ جس میں آدمی مرے نہیں، یہ مرض الموت نہیں ہے، اس میں ہبہ کرے تو پورے مال سے ہبہ ہوگا۔۲۔ایسی لمبی بیماری جس میں آدمی جلدی مرتا نہیں ہے، اور موت کا بھی خوف نہیں ہوتا، اور اس کی دوائی وغیرہ بھی نہیں کرواتا وہ بھی مرض الموت نہیں ہے، اس کا حکم صحت کا حکم ہے،، جیسے اپاہج ہو گیا، یا فالج والا ہو گیا، یا ہاتھ پاوں شل ہو گئے، یا سل کی بیماری، یہ بیماری مرض الموت نہیں ہے، اس میں ہبہ کرے تو پورے مال سے ہبہ ہوگا ۔۳۔ ایسی خطرناک بیماری جس میں مرنے کا خوف ہوتا ہے، اس کی دوائی وغیرہ کرتا ہے، اور اسی میں وہ صاحب فراش ہو کر مر جائے تو یہ بیماری مرض الموت ہے، اس میں ہبہ کرے گا تو یہ ہبہ وصیت کے درجے میں ہے اس میں تہائی مال سے ہبہ نافذ ہوگا۔۴۔ اپاہج وغیرہ بیماری تھی جو مرض الموت نہیں تھی، لیکن اب یہ سریس ہو گئی اور موت کا خوف ہونے لگا تو اب یہ بیماری مرض الموت ہے، اس میں ہبہ کرے گا تو یہ ہبہ وصیت کے درجے میں ہے اس میں تہائی مال سے ہبہ نافذ ہوگا

ترجمہ: (۱۰۰۷) اگر ہبہ کیا ایسی حالت میں کہ اس کو مرض الموت لاحق ہو گیا ہو، اور اسی زمانے میں مر گیا ہو تو یہ ہبہ تہائی مال سے نافذ ہوگا، جبکہ وہ صاحب فراش ہو گیا ہو

ترجمہ: ‌ا اس لئے کہ اس حال میں وہ موت سے ڈرتا ہے، اسی لئے وہ دوائی کرواتا ہے، اس لئے یہ مرض الموت ہے۔ واللہ اعلم

تشریح: اپاہج وغیرہ لمبی بیماری تھی، یا مختصر بیماری تھی لیکن وہ سریس ہو گئی اور موت کا خوف ہونے لگا، جس کی وجہ سے دوائی وغیرہ کروانے لگا اور اسی بیماری میں مر گیا تو یہ بیماری مرض الموت ہے، اس میں ہبہ وغیرہ کرے گا تو تہائی مال سے نافذ ہوگا، واللہ اعلم۔

بَابُ الْعِتْقِ فِیْ مَرَضِ الْمَوْتِ

(۱۰۰۸) قَالَ وَمَنْ أَعْتَقَ فِیْ مَرَضِهٖ عَبْدًا أَوْ بَاعَ وَحَابٰی أَوْ وَهَبَ فَذٰلِکَ كُلُّهٗ جَائِزٌ وَهُوَ مُعْتَبَرٌ مِنَ

باب العتق فی مرض الموت

	سب سے مقدم کون ہے اور موخر کون ہے اس کی یہ ترتیب ہے، اسی پر مسئلے متفرع ہیں
1	سب سے مقدم امانت کا مال
2	پھر قرض کا اقرار
3	پھر عتق
4	پھر محابات
5	پھر وصیت

اصول: اس باب میں اصول یہ ہے کہ میت نے مرض الموت میں ایسا کام کیا جو حاجت اصلیہ میں نہیں تھا، اور اس سے ورثہ کے مال کا نقصان تھا تو وہ عقد صرف تہائی مال میں نافذ ہوگا، اور دو تہائی مال ورثہ کا ہوگا

ترجمہ: (۱۰۰۸) کسی نے اپنے مرض موت میں غلام آزاد کیا، یا محابات کے ساتھ بیچا، یا ہبہ کیا تو یہ تمام جائز ہیں اور وہ تہائی میں معتبر ہیں۔ اور ان کو اصحاب وصایا کے ساتھ شریک کیا جائے گا۔

تشریح: یہاں سے پانچ کام بتائے جا رہے ہیں جو مرض الموت میں کرے گا تو چونکہ اس مال میں ورثہ کا حق بھی ہے اس لئے ان پانچوں عقد کو صرف تہائی مال میں نافذ کیا جائے گا، اور اگر دوسرے لوگوں کو بھی وصیت کی ہے تو وہ بھی اسی تہائی میں شریک ہوں گے، اور باقی دو تہائی مال ورثہ میں تقسیم ہوگا۔ وہ پانچ کام یہ ہیں

۔ا پہلا کام۔ اپنے مرض الموت میں غلام آزاد کیا تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ لیکن مرض الموت میں آزاد کیا ہے اس لئے تہائی مال سے آزاد ہوگا، اس سے زائد سے آزاد نہیں ہوگا

۔۲۔ دوسرا کام۔ محابات کی، یعنی دو ہزار کے غلام کو چھ سو میں بیچ دیا۔

۔۳۔ ہبہ کر دیا۔ ۔۴۔ کسی کا ضمان لے لیا۔ ۔۵۔ کسی کا کفیل بن گیا۔ ۔۶۔ کسی کو وصیت کر دی

تو یہ چھ کام مرض الموت میں کئے تو چونکہ اس وقت ورثہ کا حق متعلق ہو چکا ہے اس لئے صرف تہائی مال میں یہ کام جاری ہوں گے، باقی مال ورثہ میں تقسیم ہوگا

وجہ: (ا) حدیث میں ہے چھ غلام کو آزاد کیا تو حضورؐ نے دو کو آزاد ہونے دیا، جو تہائی مال ہے، باقی چار کو ورثہ میں تقسیم کروایا،

الثُّلُثِ، وَيُضْرَبُ بِهِ مَعَ أَصْحَابِ الْوَصَايَا، ۱؎ وَفِيْ بَعْضِ النُّسَخِ فَهُوَ وَصِيَّةٌ مَكَانَ قَوْلِهِ جَائِزٌ، وَالْمُرَادُ الْإِعْتِبَارُ مِنَ الثُّلُثِ، ۲؎ وَالضَّرْبُ مَعَ أَصْحَابِ الْوَصَايَا لَا حَقِيْقَةَ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهَا إِيْجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ وَهٰذَا مُنَجَّزٌ غَيْرُ مُضَافٍ، وَاعْتِبَارُهُ مِنَ الثُّلُثِ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْوَرَثَةِ.

جو دو تہائی ہے۔اور سبھی کام میں یہی حدیث متدل ہے۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ رَجُلًا، أَعْتَقَ سِتَّةَ أَعْبُدٍ عِنْدَ مَوْتِهِ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ، فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، »فَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا «، ثُمَّ دَعَاهُمْ فَجَزَّأَهُمْ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ، فَأَقْرَعَ بَيْنَهُمْ: فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ، وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً۔(ابوداؤد شریف، باب فیمن اعتق عبیدا لہ لم یبلغھم الثلث ،ص ۱۹۵،نمبر ۳۹۵۸ رمسلم شریف، باب من اعتق شرکا لہ فی عبد،ص ،نمبر ۱۶۶۸)(۲)اس قول تابعی میں ہے کہ محابات کی ہوتو یہ بھی تہائی مال سے ادا کی جائے گی عَنْ الْحَارِثِ الْعُكْلِيِّ، قَالَ: »مَا حَابَى بِهِ الْمَرِيضُ فِي مَرَضِهِ مِنْ بَيْعٍ أَوْ شِرَاءٍ، فَهُوَ فِي ثُلُثِهِ قِيمَةُ عَدْلٍ (دارمی، باب وصیۃ المریض،نمبر ۳۲۶۱)

لغت : باع وحابی : حابی:محبۃ سے مشتق ہے محبۃ میں زیادہ قیمت کی چیز کو کم قیمت میں بیچ دینا۔اس کی صورت یہ ہے کہ مثلا غلام کی قیمت دو ہزار تھی اس کو محبۃ میں محبۃ والے سے ایک سو میں بیچ دیا یہ بیچنا جائز تو ہے لیکن مرض الموت میں ہونے کی وجہ سے اس کی حیثیت وصیت کی طرح ہو جائے گی۔او وھب :مرض الموت میں غلام ہبہ کر دیا تو یہ جائز ہے۔لیکن اس کی حیثیت بھی وصیت کی طرح ہو جائے گی۔ویضرب بہ مع اصحاب الوصایا ۔وصیت والوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔اور لوگوں کو وصیت کی اور یہ کام بھی کئے تو سب وصیت اور یہ لوگ تہائی میں شریک ہوں گے، سب کو حساب کر کے میت کی تہائی مال میں سے دیا جائے گا

ترجمہ:۱؎ بعض نسخے میں جائز کی جگہ، فھو وصیۃ، کا لفظ ہے لیکن دونوں لفظوں کی مراد یہ ہے کہ ان سب میں وصیت کا اعتبار ہوگا

تشریح: قدوری کے کئے نسخے ہیں، کسی میں کلمہ جائز، کا لفظ ہے اور کسی میں فھو وصیۃ، کا لفظ ہے، لیکن دونوں عبارتوں کا حاصل یہی ہے کہ یہ سب کام وصیت کے درجے میں ہیں، اور تہائی مال میں ہی نافذ ہوں گے، زیادہ میں نہیں۔

ترجمہ: ۲؎ یہ لوگ وصیت والوں کے ساتھ شریک ہوں گے، البتہ حقیقت میں وصیت نہیں ہے، اس لئے کہ وصیت میں موت کے بعد کی طرف عقد کی نسبت ہوتی ہے، اور اوپر کا یہ عقد منجز ہے، موت کی طرف اس کی نسبت نہیں ہے، البتہ ورثہ کے حق متعلق ہونے کی وجہ سے تہائی مال میں اس کا اعتبار ہے

لغت: الضرب مع اصحاب الوصایا: وصیت والوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔منجز: نجز سے مشتق ہے، وعدہ پورا کرنے میں جلدی کرنا، ایسا عقد جس کی نسبت موت کی طرف نہ ہو، بلکہ ابھی پورا کرنے کی طرف اشارہ ہو۔

تشریح: آزاد کرنا، محابات، اور ہبہ وصیت نہیں ہیں، کیوں کہ وصیت میں موت کے وقت کی طرف نسبت کی جاتی ہے، اور ان تینوں میں فوری نفوذ چاہتا ہے، منجز ہے البتہ ورثہ کے حق کی وجہ سے اس کا حکم وصیت جیسا ہے کہ تہائی مال میں نافذ ہوگا زیادہ میں نہیں۔

۳؎ وَكَذٰلِكَ مَا ابْتَدَأَ الْمَرِيْضُ إِيْجَابَهُ عَلٰى نَفْسِهِ كَالضَّمَانِ وَالْكَفَالَةِ فِيْ حَكْمِ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهُ يَتَّهِمُ فِيْهِ كَمَا فِي الْهِبَةِ، ۴؎ وَكُلُّ مَا أَوْجَبَهُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَهُوَ مِنَ الثُّلُثِ، وَإِنْ أَوْجَبَهُ فِيْ حَالِ صِحَّتِهِ اِعْتِبَارًا بِحَالِ الْإِضَافَةِ دُوْنَ حَالِ الْعَقْدِ وَمَا نَفَّذَهُ مِنَ التَّصَرُّفِ فَالْمُعْتَبَرُ فِيْهِ حَالَةُ الْعَقْدِ، فَإِنْ كَانَ صَحِيْحًا فَهُوَ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ وَإِنْ كَانَ مَرِيْضًا فَمِنَ الثُّلُثِ، وَكُلُّ مَرَضٍ صَحَّ مِنْهُ فَهُوَ كَحَالِ الصِّحَّةِ، لِأَنَّ بِالْبُرْءِ تَبَيَّنَ أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ فِيْ مَالِهِ.

ترجمہ: ۳؎ ایسے ہی ہر وہ کام جو مریض اپنے اوپر لازم کرنے کی ابتداء کرے، وہ وصیت کے حکم میں ہے، جیسے کسی کا ضامن بننا، یا کسی کا کفیل بننا۔ اس لئے کہ ہبہ کی طرح وہ متہم ہے (کہ خواہ مخواہ ورثہ کو نقصان دینا چاہتا ہے

تشریح: ضامن بننا اور کفیل بننا یہ چوتھا اور پانچواں کام ہیں۔ جو مرض الموت کی حالت میں کرے تو اس کا حکم وصیت کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اس بات کی تہمت ہے کہ ایسا کام کر کے وارث کو نقصان دینا چاہتا ہے، اس لئے تہائی ہی میں نافذ ہوگا، باقی میں نہیں

ترجمہ: ۴؎ ہر وہ عقد جو موت کے بعد واجب ہوتا ہے تو وہ تہائی میں نافذ ہوگا چاہے اس کو صحت کی حالت میں واجب کیا ہو اس میں عقد کے وقت کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ منسوب کی حالت کا اعتبار ہوگا، اور جو تصرف ابھی نافذ ہو سکتا ہو، اس میں عقد کی حالت کا اعتبار ہوگا، پس اگر صحت کی حالت میں عقد کیا ہو تو پورے مال سے نافذ ہوگا، اور اگر بیماری کی حالت میں عقد کیا ہو تو تہائی مال میں نافذ ہوگا، اور جو جس مرض سے صحت یاب ہو گیا ہو، وہ صحت کی ہی حالت ہے اس لئے کہ تندرست ہونے سے ظاہر ہو گیا کہ اس کے مال میں کسی کا حق متعلق نہیں ہوا تھا۔

تشریح: یہاں صاحب ہدایہ تین اصول بیان کر رہے ہیں۔

۔۱۔ پہلا اصول۔ آدمی چاہے بیماری کی حالت میں ہو یا صحت کی حالت میں ہو، ایسا عقد کرے جو موت کے بعد ہی نافذ کیا جا سکتا ہو، جیسے وصیت کرنا، یا غلام کو مدبر بنانا۔ یہ وصیت ہی کے درجے میں ہے اور یہ تہائی مال ہی میں نافذ کیا جائے گا

۔۲۔ دوسرا اصول۔ ایسا عقد جو صحت میں بھی کر سکتا ہے، اور مرض میں بھی نافذ کر سکتا ہے، جیسے غلام آزاد کرنا، ہبہ کرنا، محابات میں بیچنا، تو اگر اس کو صحت کی حالت میں کیا ہے تو یہ منجز ہے، پورے مال میں ان کو نافذ کیا جائے گا۔ اور اگر مرض الموت کی حالت میں یہ عقد کئے تو یہ وصیت کے درجے میں ہیں، تہائی مال سے ان کو نافذ کیا جائے گا۔

۔۳۔ تیسرا اصول۔ اگر مرض کی حالت میں ایسا عقد کیا جو صحت کی حالت میں بھی کیا جاتا ہو، جیسے آزاد کرنا، تو اگر مرض کی حالت میں اس کو کیا، لیکن وہ اس مرض میں مرا نہیں صحت یاب ہو گیا تو یہ عقد صحت کی حالت مانا جائے گا، اور پورے مال میں نافذ ہوگا۔

یہاں یہ تین اصول مصنف نے بیان کیے ہیں

(۱۰۰۹) قَالَ وَإِنْ حَابٰی ثُمَّ أَعْتَقَ وَضَاقَ الثُّلُثُ عَنْهُمَا فَالْمُحَابَاةُ أَوْلٰی عِنْدَ أَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ

ترجمہ: (۱۰۰۹) اگر محابات کی پھر آزاد کیا، اور دونوں مل کر تہائی سے زیادہ ہو گیا، تو محابات اولی ہو گی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔ اور اگر پہلے آزاد کیا پھر محابات کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں کا درجہ برابر ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں آزاد کرنا پہلے ہو گا

اصول : امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پہلے محابات ادا کی جائے گی، اس سے بچے گا تب آزاد کو ادا کیا جائے گا، اور اس سے بھی بچے گا تب وصیتیں ادا کی جائیں گی۔ البتہ تمام وصیتیں برابر درجے میں ہیں، سب وصیت والوں کو اس کے حساب سے دیا جائے گا

اصول: صاحبینؒ کے نزدیک، پہلے آزاد کو ادا کیا جائے گا، اس سے بچے گا تب محابات کو ادا کیا جائے گا۔ اور اس سے بھی بچے گا تب وصیتیں ادا کی جائیں گی

محابات، عتق، اور وصیتوں میں کون پہلے اور کون بعد میں ہے اس کے لئے یہ نقشہ دیکھیں

	امام ابو حنیفہ	صاحبین
۱	پہلے محابات	پہلے اعتاق
۲	پھر اعتاق	پھر محابات
۳	پھر وصیت	پھر وصیتیں
۴	سب وصیتیں برابر ہیں، سب کو اس کے حساب سے دیا جائے گا	

تشریح: یہاں تین مسئلے ہیں ہر ایک کو سمجھیں

۱۔ میت نے مرض الموت میں پہلے غلام کو محابات کیا، یعنی ڈھائی ہزار کے غلام کو پانچ سو میں بیچ دیا۔ اس کے بعد دوسرے غلام کو آزاد کر دیا وہ دو ہزار کا تھا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پہلے محابات ادا کیا جائے گا، کیوں کہ انکے نزدیک محابات عتق سے مقدم ہے، اس سے بچے گا تب آزاد میں ادا کیا جائے گا، مثلا میت کی کل ملکیت چھ ہزار ہو، جس کی تہائی دو ہزار نکلتی ہے، تو پہلے محابات دو ہزار ادا کیا جائے گا، کیونکہ پانچ سو تو غلام کی قیمت آچکی ہے، اب محابات کا دو ہزار ادا کیا تو تہائی میں سے کچھ نہیں بچا، اس لئے آزدی والے کو کچھ نہیں ملے گا، اور غلام کو اپنی پوری قیمت سعی کر کے ورثہ کو دینا ہو گا

اور صاحبینؒ کے نزدیک پہلے دو ہزار میں غلام آزاد ہو گا، کیونکہ ان کے یہاں عتق محابات سے مقدم ہے، اب ایک تہائی میں سے محابات کے لئے کچھ نہیں بچا، اس لئے محابات کے خریدار کو کہا جائے گا کہ غلام کی پوری قیمت ڈھائی ہزار دو اور غلام لے جاو، اور پوری قیمت نہیں دیتے ہو تو بیع توڑ دو۔

۲۔ دوسرا مسئلہ۔ میت نے پہلے ایک غلام کو آزاد کیا جو دو ہزار کا تھا، اس کے بعد دوسرے غلام کو محابات میں بیچ دیا، یعنی ڈھائی

عَلَيْهِ، وَإِنْ أَعْتَقَ ثُمَّ حَابٰى فَهُمَا سَوَاءٌ، وَقَالَا الْعِتْقُ أَوْلٰى فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ، ل وَالْأَصْلُ فِيْهِ أَنَّ الْوَصَايَا إِذَا لَمْ يَكُنْ فِيْهَا مَا جَاوَزَ الثُّلُثَ فَكُلٌّ مِنْ أَصْحَابِهَا يَضْرِبُ بِجَمِيْعِ وَصِيَّتِهٖ فِي الثُّلُثِ لَا يُقَدَّمُ الْبَعْضُ عَلَى الْبَعْضِ إِلَّا الْعِتْقَ الْمُوْقَعَ فِي الْمَرَضِ وَالْعِتْقُ الْمُعَلَّقُ بِمَوْتِ الْمُوْصِيْ كَالتَّدْبِيْرِ

ہزار کے غلام کو پانچ سو میں بیچ دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک محابات اصل ہے اور عتق فرع ہے، اس لئے عتق چاہے پہلے آیا ہو پھر بھی وہ محابات کو ختم نہیں کرے گا بلکہ ساتھ ساتھ ہو جائے گا، یعنی حساب کر کے عتق اور محابات دونوں ادا کئے جائیں گے۔ مثال مذکور میں محابات میں غلام ڈھائی ہزار کا تھا اس لئے اس میں سے پانچ سو آیا ہے، اور دو ہزار مفت گیا ہے، اور عتق میں سے بھی دو ہزار مفت گیا ہے، یہ سب مل کر چار ہزار ہوئے، اور میت کی ملکیت چھ ہزار کی تہائی دو ہزار بنتی ہے، اس لئے عتق کا ایک ہزار آزاد ہوگا، اور ایک ہزار سعی کر کے ورثہ کو دینا ہوگا، اور محابات میں سے بھی ایک ہزار مفت ادا ہوگا اور ایک ہزار مشتری کو دینا ہوگا اور صاحبینؒ کے یہاں عتق مقدم ہے اور یہاں آزاد بھی پہلے کیا ہے اس لئے دو ہزار عتق کا ادا ہوگا، اور اب محابات والے کے لئے کچھ نہیں بچا ہے اس لئے اس کو کچھ نہیں ملے گا، مشتری سے کہا جائے گا کہ غلام کی پوری قیمت ڈھائی ہزار دیں اور غلام لے جائیں، اور نہیں دیتے تو بیع توڑ دیں۔

۳۔ تیسرا مسئلہ۔ محابات، اور عتق کے بعد وصیت کا درجہ ہے جو آگے آرہا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ کسی کے لئے زیادہ وصیت کی ہو، اور کسی کے لئے کم تو یہ سب ایک درجے میں ہوں گے، ان میں ایسا نہیں ہوگا کہ کسی کو پہلے دیا جائے گا، اس سے بچے گا تب دوسرے کو دیا جائے گا، ایسا نہیں ہوگا، بلکہ تہائی میں سے سب کو حساب کر کے دیا جائے گا۔

ترجمہ: ل اصل قاعدہ یہ ہے کہ تمام وصیت تہائی مال سے زیادہ نہ ہوں تو تہائی مال میں سب وصیت والے شریک ہوں گے، کسی کو پہلے دیا جائے اس سے بچے گا تو دوسرے کو دیا جائے ایسا نہیں ہوگا۔ ہاں یہ تین چیزیں وصیت سے پہلے ادا کی جائیں گی۔ ۱۔ مرض الموت میں غلام آزاد کیا ہو۔ ۲۔ میت کے مرنے پر آزادگی معلق کی ہو، جیسے مدبر صحیح بنانے میں کرتے ہیں۔ ۳۔ یا مرض الموت میں محابات کے طور پر بیچا ہو، (یہ تین چیزیں وصیت سے پہلے ادا کی جائیں گی) اس کی وجہ یہ ہے کہ ساری وصیتیں برابر درجے کی ہیں، کیونکہ مستحق ہونے سے سبب میں سب برابر ہیں اس لئے نفس مستحق میں بھی برابر ہوں گے

تشریح: یہاں ایک قاعدہ کلیہ بیان کر رہے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ۔ تین چیزیں پہلے ادا کی جائیں گی۔ ۱۔ مرض الموت میں غلام آزاد کیا ہو۔ ۲۔ دوسرا مرض الموت میں، یا صحت کے زمانے میں مدبر بنایا ہو، کیونکہ مدبر آقا کے مرنے کے بعد بنتا ہے۔ ۳۔ مرض الموت میں محابات میں کم قیمت میں بیچا ہو تو۔ تو یہ تینوں پہلے ادا کئے جائیں گے، ان سے بچے گا تو تمام وصیت والوں کو ایک ساتھ تہائی میں دئے جائیں گے، کسی کو پہلے اس سے بچے گا تب دوسرے کو دے ایسا نہیں کیا جائے گا۔ البتہ فیصد کے حساب سے ملے گا، کیونکہ سب کے لئے وصیتیں کی ہیں، اس لئے سب کے لینے کا حق برابر درجے کا ہے

الصَّحِيحِ وَالْمُحَابَاةِ فِي الْبَيْعِ إِذَا وَقَعَتْ فِي الْمَرَضِ، لِأَنَّ الْوَصَايَا قَدْ تَسَاوَتْ، وَالتَّسَاوِيْ فِيْ سَبَبِ الْإِسْتِحْقَاقِ يُوْجِبُ التَّسَاوِيَ فِيْ نَفْسِ الْإِسْتِحْقَاقِ. ۲ وَإِنَّمَا قُدِّمَ الْعِتْقُ الَّذِيْ ذَكَرْنَاهُ انِفًا، لِأَنَّهُ أَقْوٰى فَإِنَّهُ لَا يَلْحَقُهُ الْفَسْخُ مِنْ جِهَةِ الْمُوْصِيْ وَغَيْرُهُ يَلْحَقُهُ، وَكَذٰلِكَ الْمُحَابَاةُ لَا يَلْحَقُهُ الْفَسْخُ مِنْ جِهَةِ الْمُوْصِيْ، ۳ وَإِذَا قُدِّمَ ذٰلِكَ فَمَا بَقِيَ مِنَ الثُّلُثِ بَعْدَ ذٰلِكَ يَسْتَوِيْ فِيْهِ مَنْ سِوَاهُمَا مِنْ أَهْلِ الْوَصَايَا وَلَا يُقَدَّمُ الْبَعْضُ عَلَى الْبَعْضِ.

مثال۔میت نے زید کے لئے دو ہزار کی وصیت کی ہے۔۔عمر کے لئے ایک ہزار کی وصیت کی۔۔بکر کے لئے پانچ سو کی وصیت کی،۔۔اور خالد کے لئے پانچ سو کی وصیت کی، سب ملا کر چار ہزار کی وصیت ہوگئی۔اور میت کے پاس کل ترکہ چھ ہزار ہے، اور اس کی تہائی دو ہزار بنتی ہے۔اب وصیت ہے چار ہزار، اور تہائی ہے دو ہزار، اس لئے سب کو وصیت کی آدھی آدھی ملے گی، یعنی زید کو ایک ہزار۔۔عمر کو پانچ سو۔۔بکر کو ڈھائی سو۔۔اور خالد کو ڈھائی سو ملے گا، اور سب کا مجموعہ دو ہزار وصیت کی ہوگی۔

لغت: العتق المعلق بموت الموصی: آقا کی موت پر غلام مدبر بنتا ہے، اور آقا کی موت پر مدبر بنانا معلق ہوتا ہے، اس لئے کوئی اور مال نہ ہو تو مدبر تہائی مال سے آزاد ہوگا، اور دو تہائی ورثہ کو کما کر دے گا۔چاہے صحت کے زمانے میں مدبر بنایا ہو یا مرض الموت میں دونوں کا مسئلہ ایک ہی ہے کیونکہ یہ وصیت کی طرح موت پر معلق ہوتا ہے

ترجمہ: ۲ عتق کو وصیت پر مقدم کیا جس کا ذکر ابھی گزرا، یہ ہے کہ عتق کو وصیت کرنے والا اب توڑ نہیں سکتا ہے، اور اس کے علاوہ فسخ لاحق ہوتا ہے (یہ ممکن ہے کہ وصیت کرنے والا وصیت واپس لے لے) ایسے ہی محابات کو بھی وصیت کرنے والا توڑ نہیں سکتا ہے

تشریح: عتق، اور محابات وصیت پر اس لئے مقدم ہے کہ ایک مرتبہ آزاد کر دیا تو اب آزاد کرنے والا بھی اس کو توڑ نہیں سکتا ہے، اور خود غلام بھی اس کو نہیں توڑ سکتا ہے، اسی طرح محابات کر دیا تو میت اب اس بیع کو توڑ نہیں سکتا ہے، ہاں تہائی مال سے زیادہ ہو تو خود مشتری اس کو توڑنا چاہے تو توڑ سکتا ہے۔تو نہ توڑنے کے اعتبار سے یہ مضبوط ہے۔اور وصیت کا حال یہ ہے کہ وصیت کرنے والا موت سے پہلے اپنی وصیت کو ختم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اس لئے وصیت عتق اور محابات سے کمزور ہے

ترجمہ: ۳ جب ان تینوں (عتق، محابات، مدبر) کو پہلے دے دیا گیا، اس کے بعد بھی تہائی مال باقی ہے تو اس میں سب وصیت والے برابر ہوں گے، کسی کو کسی پر مقدم نہیں کیا جائے گا

تشریح: عتق، محابات، اور مدبر والوں کو پہلے دے دیا گیا، اس کے بعد بھی تہائی مال میں سے باقی رہ گیا، تو اس مال میں تمام وصیت والے برابر ہوں گے، ایسا نہیں ہوگا کہ کسی وصیت والے کو پہلے دیا جائے، اس سے بچے گا تب دوسرے وصیت والوں کو دیا جائے، کیونکہ سب کا سبب وصیت ہی ہے

۴؎ لَهُمَا فِي الْخِلَافِيَةِ أَنَّ الْعِتْقَ أَقْوٰى، لِأَنَّهُ لَا يَلْحَقُهُ الْفَسْخُ وَالْمُحَابَاةُ يَلْحَقُهَا، ۵؎ وَلَا مُعْتَبَرَ بِالتَّقْدِيمِ فِي الذِّكْرِ لِأَنَّهُ لَا يُوجِبُ التَّقَدُّمَ فِي الثُّبُوتِ، ۶؎ وَلَهُ أَنَّ الْمُحَابَاةَ أَقْوٰى لِأَنَّهَا تَثْبُتُ فِيْ ضِمْنِ عَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ فَكَانَ تَبَرُّعًا بِمَعْنَاهُ لَا بِصِيغَتِهِ، وَالْإِعْتَاقُ تَبَرُّعٌ صِيغَةً وَمَعْنًى ۷؎ فَإِذَا وُجِدَتِ

ترجمہ: ۴؎ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان جو اختلافی مسئلہ ہے (عتق کو محابات پر مقدم کرنا) اس بارے میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عتق زیادہ قوی ہے کیونکہ اس کو اب کوئی توڑ نہیں سکتا ہے، اور محابات کو مشتری توڑ سکتا ہے

تشریح: صاحبین فرماتے ہیں کہ عتق محابات سے زیادہ قوی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ عتق کو نہ آقا توڑ سکتا ہے، اور نہ خود غلام توڑ سکتا ہے، وہ آزاد ہو کر رہے گا، اور محابات کا حال یہ ہے کہ موصی تو نہیں توڑ سکتا ہے، لیکن کم میں خریدنے والے مشتری اس بیع کو توڑ سکتا ہے اس لئے محابات عتق سے کمزور ہے

وجہ: (۲) قول تابعی میں ہے۔ عن عطاء قال يغير الرجل من وصيته ماشاء الا العتاق (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۵ الرجل یوصی بالوصیۃ ثم یرید ان یغیر ھا، ج سادس، ص ۲۱۸، نمبر ۳۰۷۹۷) اس قول تابعی میں ہے کہ آزاد کیا ہو تو اس کو نہیں بدل سکتا۔ اس لئے وہ ہر حال میں محابات سے افضل ہے۔

ترجمہ: ۵؎ اور محابات کا ذکر میت نے پہلے کر دیا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، کیونکہ یہ ثبوت میں مقدم ہونے کو واجب نہیں کرتا ہے۔

تشریح: اوپر گزرا کہ محابات کو مقدم کر دے تو امام ابوحنیفہؒ نے اس کو عتق پر ترجیح دے دی تھی، صاحبینؒ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اصل اعتبار معنی کا ہوتا ہے، معنوی اعتبار سے عتق محابات سے مقدم اور اولی ہے تو ذکر کرنے کے اعتبار سے وہ بعد میں آجائے تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، وہ محابات پر مقدم ہی رہے گا۔

ترجمہ: ۶؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ محابات عتق سے قوی ہے اس لئے کہ محابات معاوضہ کے عقد کے ضمن میں ثابت ہوتی ہے، اس لئے محابات لفظ کے اعتبار سے تبرع نہیں ہے، صرف معنی کے اعتبار سے تبرع ہے، اور عتق لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے تبرع ہے

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک محابات افضل اس لئے ہے کہ محابات میں معاوضہ دیکر بیع ہوتی ہے، البتہ قیمت کم رکھی جاتی ہے، اس لئے محابات لفظی طور پر تبرع اور احسان نہیں ہے، البتہ معنوی طور پر تبرع ہے۔ اور عتق میں لفظی طور پر بھی تبرع ہے اور معنوی طور پر بھی تبرع اور احسان ہے کہ مفت آزاد کیا جا رہا ہے، اس لئے یہ محابات سے نیچے ہے اس لئے پہلے محابات ادا کیا جائے گا اس سے بچے گا تب عتق کا ادا کیا جائے گا

ترجمہ: ۷؎ اس لئے اگر پہلے محابات کیا تو اس سے جو کمزور ہے عتق اس کو دفع کر دے گا (اور محابات سے بچے گا تب عتق

الْمُحَابَاةُ أَوَّلًا دَفَعَ الْأَضْعَفَ، وَإِذَا وُجِدَ الْعِتْقُ أَوَّلًا وَثَبَتَ وَهُوَ لَا يَحْتَمِلُ الدَّفْعَ كَانَ مِنْ ضَرُوْرَتِهِ الْمُزَاحَمَةُ. ٨ وَعَلٰى هٰذَا قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِذَا حَابٰى ثُمَّ أَعْتَقَ ثُمَّ حَابٰى قُسِّمَ الثُّلُثُ بَيْنَ الْمُحَابَتَيْنِ نِصْفَيْنِ لِتَسَاوِيْهِمَا ثُمَّ مَا أَصَابَ الْمُحَابَاةَ الْأَخِيْرَةَ قُسِّمَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِتْقِ، لِأَنَّ الْعِتْقَ مُقَدَّمٌ عَلَيْهَا فَيَسْتَوِيَانِ، ٩ وَلَوْ أَعْتَقَ ثُمَّ حَابٰى ثُمَّ أَعْتَقَ قُسِّمَ الثُّلُثُ بَيْنَ الْعِتْقِ الْأَوَّلِ

والے کو دیا جائے گا)، اور اگر پہلے عتق کر دیا تو وہ ثابت ہو گیا اب وہ دفع نہیں ہو سکتا ہے تو اس کی ضرورت میں سے ہے کہ مزاحمت ہو جائے (یعنی محابات اور عتق کو ایک ساتھ ادا کیا جائے)

تشریح: اگر پہلے محابات کر دیا، اور بعد میں عتق کیا تو محابات امام ابو حنیفہ کے نزدیک مضبوط ہے، اور عتق کمزور ہے اس لئے وہ ثابت ہو جائے گا، اور عتق کو چھوڑ دیا جائے گا، یا محابات سے بچے گا تو عتق کو ادا کیا جائے گا، اور نہیں بچا تو اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر عتق کو پہلے کیا تو اب وہ ثابت ہو گیا، وہ ٹوٹے گا بھی نہیں، اس لئے وہ محابات کے ساتھ شریک ہوگا، اور دونوں کو ساتھ ساتھ دیا جائے گا۔

لغت: المزاحمة: یہاں مزاحمت کا معنی ہے دونوں کو ایک ساتھ دیا جائے گا، دونوں شریک ہوں گے

ترجمہ: ٨ اسی قاعدے پر امام ابو حنیفہؒ کے فرمایا کہ اگر پہلے محابات کی، پھر آزاد کیا اور پھر دوبارہ محابات کی، تو ایک تہائی کو دونوں محابات میں آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا، کیوں دونوں محابات برابر درجے کے ہیں، پھر جتنا دوسرے محابات کو ملا اس کو اس محابات اور عتق کے درمیان تقسیم کیا جائے گا، اس لئے کہ عتق دوسرے محابات سے مقدم ہے اس لئے ان دونوں کا حق برابر ہو گیا

تشریح: اوپر قاعدہ گزرا کہ محابات پہلے ہو تو اس کو پہلے دیا جائے گا، اس سے بچے گا تب عتق کو دیا جائے گا، اور یہ بھی قاعدہ گزرا کہ اگر عتق پہلے آجائے اور اس کے بعد محابات آئے تو اب عتق اور محابات میں شرکت ہوگی،

اس قاعدے سے دیکھیں، تو یہاں دو محابات ہیں، پہلی اور دوسری، اور یہ دونوں برابر درجے کے ہیں، اس لئے تہائی مال ان دونوں محابات میں تقسیم ہوگا، اور جو آدھی تہائی دوسرے محابات کو ملی وہ عتق اور دوسرے محابات میں آدھی آدھی تقسیم ہوں گی۔ مثلا تہائی مال چار ہزار تھا تو دونوں محابات میں تقسیم ہو گیا، اور دونوں کو دو دو ہزار ملے۔ پھر دوسری محابات کا دو ہزار عتق اور محابات میں تقسیم ہو کر، عتق کو بھی ایک ہزار ملا اور دوسری محابات کو بھی ایک ہزار ملے گا۔۔ یہ حساب ہوگا۔

ترجمہ: ٩ اور اگر پہلے آزاد کیا، پھر محابات کی، پھر دوبارہ آزاد کیا، تو تہائی مال کو عتق اول اور محابات کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کی جائے گی، پھر جو عتق اول کو ملی وہ مال عتق اول اور عتق ثانی کے درمیاں آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا

تشریح: یہاں عتق اول محابات سے پہلے ہے اس لئے پچھلے اصول کی بنیاد پر دونوں شریک ہوں گے، اس لئے میت کا تہائی مال محابات اور عتق اول کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا، اور آدھا محابات کو دیا جائے گا۔ اور عتق اول کو جو آدھا

وَالْمُحَابَاةِ، وَمَا أَصَابَ الْعِتْقَ قُسِّمَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْعِتْقِ الثَّانِيْ، وَعِنْدَهُمَا الْعِتْقُ أَوْلَى بِكُلِّ حَالٍ.

(۱۰۱۰) قَالَ وَمَنْ أَوْصَى بِأَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ بِهٰذِهِ الْمِائَةِ عَبْدٌ فَهَلَكَ مِنْهَا دِرْهَمٌ لَمْ يُعْتَقْ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَإِنْ كَانَتْ وَصِيَّتُهُ بِحَجَّةٍ يُحَجُّ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ مِنْ حَيْثُ يَبْلُغُ وَإِنْ لَمْ يَهْلِكْ مِنْهَا وَبَقِيَ شَيْءٌ مِنَ الْحَجَّةِ يُرَدُّ عَلَى الْوَرَثَةِ، وَقَالَا يُعْتَقُ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ، ل لِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ

ملا،اب اس کوعتق اول اور عتق ثانی کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا

مثلا میت کا تہائی مال چار ہزار تھا، تو اس میں آدھا یعنی دو ہزار محابات کو ملے گا، اور آدھا یعنی دو ہزار عتق اول کو ملے گا، پھر یہ دو ہزار عتق اول اور عتق ثانی میں تقسیم ہوگا، اور دونوں عتقوں کو ایک ایک ہزار ملے گا۔۔ یہ حساب ہوگا

ترجمه: (۱۰۱۰) کسی نے وصیت کی کہ اس کی جانب سے اس ایک سو درہم میں غلام آزاد کیا جائے، اب اس میں سے کچھ درہم ہلاک ہو گئے تو جو درہم باقی رہے اس سے غلام آزاد نہیں کیا جائے گا، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور اگر ایسا ہی ایک سو درہم میں حج کی وصیت کی ہو، اور کچھ درہم ہلاک ہو گئے ہوں تب بھی حج کروایا جائے گا (جہاں سے حج ہو سکتا ہو) اور اگر درہم میں سے کچھ ہلاک نہ ہوا ہو اور حج کر کے بھی کچھ درہم بچ گئے تو یہ رقم ورثہ پر واپس کر دئے جائیں گے۔ اور صاحبینؒ کے یہاں جتنا درہم باقی رہ گیا ہو اس سے غلام آزاد کیا جائے گا

ترجمه: ل اس لئے کہ غلام آزاد کرنے کی وصیت بھی ایک قسم کی عبادت ہے اس لئے حج پر قیاس کرتے ہوئے جتنا ہو سکے اس کو نافذ کرنا ضروری ہوگا

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ عبادت محضہ (مثلا حج) کی وصیت کی ہو تو اس میں اصل مقصد عبادت کرنا ہے چاہے جتنے پیسے میں عبادت ہو جائے، اس لئے کچھ پیسے ہلاک ہو گئے ہوں تب بھی عبادت کرنا واجب ہوگا

اصول: امام ابو حنیفہ کا دوسرا اصول یہ ہے کہ غلام آزاد کرنا عبادت محضہ نہیں ہے بلکہ حقوق العباد کے درجے میں ہے، اس لئے اس کی وصیت کی ہو تو یہاں اصل مقصد پوری رقم خرچ کر کے اس حقوق العباد کو ادا کرنا ہے، اس لئے کچھ رقم ہلاک ہو جائے تو ما بقی رقم سے غلام آزاد نہیں کیا جائے گا، کیونکہ پوری رقم خرچ نہیں ہوئی ہے

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ غلام آزاد کرنا بھی حج کی طرح عبادت محضہ ہے اس لئے کچھ رقم ہلاک ہو جائے تب بھی غلام آزاد کرنا جائز ہوگا۔

تشریح: یہاں دو قسم کی وصیتیں ہیں، ان دونوں میں کیا فرق ہے اس کو بیان کر رہے ہیں۔ا۔ پہلا۔۔ کسی نے ایک سو درہم کی وصیت کی کہ اس رقم سے غلام خرید کر کے میری جانب سے آزاد کر دیں، اب اس میں سے کچھ درہم ہلاک ہو گئے تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس باقی رقم سے غلام آزاد نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اسی طرح سو درہم دیکر اس کی جانب سے حج کرنے کی

بِنَوْعِ قُرْبَةٍ فَيَجِبُ تَنْفِيْذُهَا مَا أَمْكَنَ اِعْتِبَارًا بِالْوَصِيَّةِ بِالْحَجِّ. ۲ وَلَهُ أَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِالْعِتْقِ لِعَبْدٍ يُشْتَرٰى بِمِائَةٍ، وَتَنْفِيْذُهَا فِيْمَنْ يُشْتَرٰى بِأَقَلَّ مِنْهُ تَنْفِيْذٌ لِغَيْرِ الْمُوْصٰى لَهُ وَذٰلِكَ لَا يَجُوْزُ، بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ بِالْحَجِّ، لِأَنَّهَا قُرْبَةٌ مَحْضَةٌ هِيَ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَالْمُسْتَحَقُّ لَمْ يَتَبَدَّلْ وَصَارَ كَمَا إِذَا أَوْصٰى لِرَجُلٍ بِمِائَةٍ فَهَلَكَ بَعْضُهَا يُدْفَعُ الْبَاقِيْ إِلَيْهِ،

وصیت کی ہو اور کچھ رقم ہلاک ہو جائے تو جہاں سے حج ہوسکتا ہو وہاں سے حج کرایا جائے گا، چھوڑا نہیں جائے گا

وجہ: دونوں میں فرق یہ ہے کہ حج عبادت محضہ ہے اس کی وصیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح حج کرایا جائے، اس لئے رقم ہلاک بھی ہوئی تب بھی حج کرانا واجب ہوگا۔ اصل مقصود حج ہے اسی لئے اگر حج کر کے رقم بچ جائے تو اس کو ورثہ کو واپس دینا ضروری ہے، کیونکہ مقصد حاصل ہو چکا ہے۔۔ اور غلام آزاد کرنا عبادت محضہ نہیں ہے بلکہ یہ حقوق العباد ہے، اس وصیت کا مطلب ہے کہ اتنی رقم ضرور خرچ کی جائے، اور یہاں رقم کم ہو چکی ہے اس لئے اب غلام خرید کر آزاد کرنا واجب نہیں رہے گا۔ حج اور غلام آزاد کرانے میں یہ فرق ہے

صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ غلام آزاد کرنا بھی حج کی طرح عبادت محضہ ہے اس لئے کچھ رقم ہلاک ہو جائے تب بھی باقی رقم سے غلام آزاد کرنا ضروری ہوگا۔

ترجمہ: ۲ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ میت نے ایک سو میں غلام خرید کر آزاد کرنے کی وصیت کی ہے، اور ایک سو سے کم میں خرید کر نافذ کرنا جس کے لئے وصیت کی ہے اس کے علاوہ کے لئے نافذ کرنا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے، بخلاف حج کی وصیت کے، (وہ جائز ہو جائے گا) اس لئے کہ حج خالص قربت ہے اور وہ اللہ کا حق ہے، اس لئے کم رقم میں بھی حج ادا کیا تو موصی لہ نہیں بدلا، اور ایسا ہو گیا کہ کسی خاص آدمی کے لئے سو درہم کی وصیت کی پھر اس میں کچھ ہلاک ہو گیا تو تب بھی وہی رقم اس کو دے دی جائے گی

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ حج میں موصی لہ اللہ ہے، اس لئے پورے سو درہم میں حج کرتا تب بھی اللہ کے لئے ہوتا، اور کم میں حج کیا تب بھی اللہ کے لئے ہی ہوا، اس لئے موصی لہ نہیں بدلا، اس لئے کم رقم میں بھی حج ادا کرنا واجب ہوگا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ زید نے عمر کے لئے ایک سو درہم کی وصیت کی، لیکن اس میں کچھ درہم ہلاک ہو گئے تب بھی جتنا باقی ہے اتنا عمر کو دینا واجب ہے، کیونکہ کم میں اور پورے سو میں موصی لہ عمر ایک ہی ہے اس لئے یہ وصیت نافذ ہو جائے گی۔ اسی طرح حج میں بھی پوری رقم اور کم رقم میں موصی لہ اللہ ہے اس لئے حج کی ادائیگی واجب ہوگی۔۔ اور غلام آزاد کرنے کی صورت میں پورے سو کا غلام اور ہے اور کم رقم میں گویا کہ دوسرا غلام ہوا اور موصی لہ بدل گیا اس لئے یہ وصیت درست نہیں ہوگی۔

٣ وَقِيلَ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةُ بِنَاءٌ عَلٰى أَصْلٍ اٰخَرَ مُخْتَلَفٍ فِيْهِ وَهُوَ أَنَّ الْعِتْقَ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى عِنْدَهُمَا حَتّٰى تُقْبَلَ الشَّهَادَةُ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ دَعْوٰى فَلَمْ يَتَبَدَّلِ الْمُسْتَحِقُّ، وَعِنْدَهُ حَقُّ الْعَبْدِ حَتّٰى لَا تُقْبَلَ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ دَعْوٰى فَاخْتَلَفَ الْمُسْتَحَقُّ، وَهٰذَا أَشْبَهُ.

(۱۰۱۱) قَالَ وَمَنْ تَرَكَ ابْنَيْنِ وَمِائَةَ دِرْهَمٍ وَعَبْدًا قِيْمَتُهُ مِائَةٌ وَقَدْ كَانَ أَعْتَقَهُ فِيْ مَرَضِهٖ فَأَجَازَ الْوَارِثَانِ ذٰلِكَ لَمْ يَسْعَ فِيْ شَيْءٍ، ١ لِأَنَّ الْعِتْقَ فِيْ مَرَضِ الْمَوْتِ وَإِنْ كَانَ فِيْ حُكْمِ الْوَصِيَّةِ وَقَدْ

ترجمه: ٣ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ مسئلہ ایک مختلف فیہ اصول پر متفرع ہے، اور وہ یہ ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک عتق حق اللہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں بغیر دعوی کئے ہوئے اس پر گواہی قبول کی جاتی ہے، اس لئے عتق میں بھی موصی لہ نہیں بدلا، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عتق بندے کا حق ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک بغیر دعوی کے عتق پر گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اس لئے انکے یہاں عتق میں موصی لہ بدل گیا، اس لئے کم رقم میں آزاد کی تو وصیت پوری نہیں ہوئی۔ عتق میں اختلاف کی بنیاد کے لئے یہ اصول زیادہ مشابہ ہے

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ عتق کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک اختلاف کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک عتق حقوق اللہ ہے حج کی طرح، اس لئے کم رقم میں بھی خرید کر غلام آزاد کر دیا تو گویا کہ موصی لہ ایک ہی اللہ ہے اس لئے وصیت صحیح ہو جائے گی، چنانچہ ان کے یہاں عتق پر دعوی کئے بغیر بھی گواہی قبول کی جائے گی، جیسے اور حقوق اللہ میں دعوی کئے بغیر بھی گواہی قبول کی جاتی ہے۔۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عتق حقوق العباد ہے، اس لئے پورے رقم میں غلام خریدا تو وہ اور غلام ہے، اور کم رقم میں غلام خریدا تو وہ دوسرا غلام ہو گیا، اور گویا کہ موصی لہ بدل گیا، اس لئے وصیت صحیح نہیں ہوگی، چنانچہ ان کے یہاں بغیر دعوی کے عتق پر گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے، جیسے اور حقوق العباد میں بغیر دعوی کے گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے۔ صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ عتق کے بارے میں دونوں حضرات کے یہ اصول زیادہ صحیح ہے۔

ترجمه: (۱۰۱۱) کسی نے دو بیٹے چھوڑے، اور سو درہم اور ایک غلام جس کی قیمت ایک سو درہم تھی، اور اس آدمی نے اپنی مرض الموت میں غلام آزاد کر دیا، پھر ورثہ نے اس کی اجازت دے دی تو (پورا غلام آزاد ہو گیا) وہ کچھ بھی کما کر ورثہ کو نہیں دے گا

ترجمه: ١ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرض الموت میں آزاد کرنا وصیت کے درجے میں ہے، اور یہاں تہائی مال سے زیادہ آزاد کر چکا ہے، لیکن یہ ورثہ کی اجازت سے جائز ہوگی، اس لئے کہ ورثہ کے حق کی وجہ سے ممنوع تھا، اور ورثہ نے اپنا حق ساقط کر دیا ہے (اس لئے یہ پوری آزادگی جائز ہو جائے گی، اور غلام کو کچھ کما کر نہیں دینا ہوگا)

تشریح: میت کے پاس نقد سو درہم، اور غلام کی قیمت سو درہم ملا کر دو سو درہم ہے، اس کی تہائی، 66.66 درہم ہوتی ہے، اور میت نے ایک سو درہم کی وصیت کر دی ہے جو تہائی مال سے زیادہ ہے، لیکن ورثہ نے اس کی اجازت دے دی ہے اس لئے

وَقَعَتْ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ إِلَّا أَنَّهَا تَجُوزُ بِإِجَازَةِ الْوَرَثَةِ، لِأَنَّ الِامْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ وَقَدْ أَسْقَطُوهُ.
(۱۰۱۲) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِعِتْقِ عَبْدِهِ ثُمَّ مَاتَ فَجَنٰى جِنَايَةً وَدُفِعَ بِهَا بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ، ۱؎ لِأَنَّ الدَّفْعَ قَدْ صَحَّ لِمَا أَنَّ حَقَّ وَلِيِّ الْجِنَايَةِ مُقَدَّمٌ عَلٰى حَقِّ الْمُوْصِيْ فَكَذٰلِكَ عَلٰى حَقِّ الْمُوْصٰى لَهُ، لِأَنَّهُ يَتَلَقَّى الْمِلْكَ مِنْ جِهَتِهِ ۲؎ إِلَّا أَنَّ مِلْكَهُ فِيهِ بَاقٍ وَإِنَّمَا يَزُولُ بِالدَّفْعِ، فَإِذَا خَرَجَ بِهِ عَنْ مِلْكِهِ بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ كَمَا إِذَا بَاعَهُ الْمُوْصِيْ أَوْ وَارِثُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ،

جائز ہو جائے گی، اور غلام کو کچھ کما کر نہیں دینا ہوگا

وجه: ورثہ کی اجازت سے تہائی سے زیادہ وصیت نافذ ہوگی اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ خَارِجَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يُجِيزَ الْوَرَثَةُ (دار قطنی، باب کتاب الوصایا، نمبر ۴۲۹۶)

ترجمه: (۱۰۱۲) کسی نے اپنے غلام کے آزاد کرنے کی وصیت کی، پھر موصی مر گیا، اس درمیان غلام نے جنایت کی اور جنایت کی وجہ سے غلام کو ولی جنایت کو حوالہ کر دیا گیا تو اب وصیت ختم ہو جائے گی

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ ولی جنایت کو حوالہ کرنا صحیح تھا، اس لئے کہ ولی جنایت کا حق وصیت کرنے والے سے بھی پہلے ہے، اس لئے موصی لہ کے حق سے بھی پہلے ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ موصی لہ کو موصی کی جانب سے ملکیت ملتی ہے (اور جب موصی کی ملکیت ہی نہیں رہی تو موصی لہ کو کیسے ملے گا، (اس لئے وصیت باطل ہو جائے گی)

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وصیت کرنے کے بعد وہ چیز موصی کے ہاتھ سے نکل جائے تو وصیت ختم ہو جاتی ہے

تشریح: موصی نے آزاد کرنے کی وصیت کی تھی۔ اور غلام کی قیمت تہائی مال سے کم تھی اس لئے آزاد بھی ہو جاتا، لیکن اس نے جنایت کی اور وہ جنایت میں چلا گیا تو اب غلام ہی نہیں رہا اس لئے وصیت ختم ہو جائے گی، کیونکہ ولی جنایت کا حق موصی کے حق سے بھی زیادہ ہے، اور جب موصی ہی کو نہیں ملا تو موصی لہ کو کیا ملے گا، کیونکہ موصی لہ کو تو موصی کی جانب سے ملتا ہے

لغت: یتلقی: لقی سے مشتق ہے، پانا

ترجمه: ۲؎ مگر غلام کو حوالہ کرنے سے پہلے پہلے تک موصی کی ملکیت باقی ہے، لیکن جب حوالہ کر دیا تو اب موصی کی ملکیت زائل ہو جائے گی، پس جب موصی کی ملکیت سے غلام نکل گیا تو اب وصیت باطل ہوگئی، جیسے موصی اس غلام کو بیچ دے تو وصیت باطل ہو جاتی ہے (کیوں کہ موصی کی ملکیت سے نکل گیا) یا وارث موصی کے قرض کی وجہ سے بیچ دے تو بھی وصیت باطل ہو جائے گی

تشریح: غلام کے جنایت کرنے کے بعد بھی غلام پر موصی کی ملکیت باقی رہتی ہے، لیکن جس وقت غلام کو ولی جنایت کے حوالہ کر دیا تو اب موصی کی ملکیت ختم ہو جائے گی، جیسے خود موصی نے اس غلام کو بیچ دیا تو وصیت ختم ہو جاتی ہے، یا موصی پر قرض تھا اس قرض کی ادائیگی میں وارث نے غلام کو بیچ دیا تو بھی چونکہ موصی کی ملکیت سے غلام نکل گیا اس لئے وصیت ختم ہو جائے گی

۳؎ فَإِنَّ فَدَاهُ الْوَرَثَةُ كَانَ الْفِدَاءُ فِيْ مَالِهِمْ، لِأَنَّهُمْ هُمُ الَّذِيْنَ الْتَزَمُوْهُ، وَجَازَتِ الْوَصِيَّةُ، لِأَنَّ الْعَبْدَ طَهُرَ عَنِ الْجِنَايَةِ بِالْفِدَاءِ كَأَنَّهُ لَمْ يَجْنِ فَتَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ.

(۱۰۱۳) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِثُلُثِ مَالِهِ لِآخَرَ فَأَقَرَّ الْمُوْصٰى لَهُ وَالْوَارِثُ أَنَّ الْمَيِّتَ أَعْتَقَ هٰذَا الْعَبْدَ فَقَالَ الْمُوْصٰى لَهُ أَعْتَقَهُ فِي الصِّحَّةِ وَقَالَ الْوَارِثُ أَعْتَقَهُ فِي الْمَرَضِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْوَارِثِ وَلَا شَيْءَ

ترجمہ: ۳؎ لیکن اگر ورثہ نے غلام کی جنایت کا فدیہ ادا کر دیا (اور غلام کو اپنے پیسے سے چھڑا لیا) اور یہ فدیہ ورثہ کے مال سے ہوگا اس لئے کہ خود ورثہ نے اپنے اوپر لازم کیا ہے، تو اب وصیت بحال ہو جائے گی، اس لئے کہ فدیہ دینے کی وجہ سے غلام اب جنایت سے پاک ہو گیا، گویا کہ اس نے جنایت کی ہی نہیں ہے، اس لئے وصیت نافذ ہو جائے گی

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ فدیہ دیکر غلام کو جنایت سے آزاد کر لیا جائے تو اب وصیت جائز ہو جائے گی، کیونکہ غلام جنایت میں نہیں گیا

تشریح: غلام جنایت میں جا چکا تھا لیکن ورثہ نے فدیہ دیکر غلام کو چھڑا لیا تو اب وصیت دوبارہ بحال ہو جائے گی، اس لئے کہ گویا کہ غلام نے جنایت کی ہی نہیں تھی

ترجمہ: (۱۰۱۳) کسی نے دوسرے آدمی کے لئے اپنا تہائی مال کی وصیت کی، اب موصی لہ، اور وارث دونوں نے اقرار کیا کہ میت نے اس غلام کو آزاد کیا ہے، لیکن پھر موصی لہ دعوی کرتا ہے کہ میت نے اپنی صحت کے زمانے میں آزاد کیا تھا (اس لئے ابھی میت کا جو ترکہ ہے اس میں سے مجھے تہائی ملنی چاہئے) اور وارث کہتا کہ غلام کو مرض کے زمانے میں آزاد کیا تھا (اس لئے پہلے وصیت میں غلام آزاد کیا جائے گا، اس سے بچے گا تب موصی لہ کو ملے گا ورنہ نہیں)، ایسی صورت میں وارث کے قول کا اعتبار ہوگا، اور موصی لہ کو تہائی مال میں سے بچے گا تو ملے گا، اور نہیں بچے گا تو کچھ نہیں ملے گا، یا پھر موصی لہ اس بات پر گواہی پیش کرے کہ صحت کے زمانے میں میت نے غلام آزاد کیا تھا

نوٹ: یہاں دو باتیں یاد رکھیں۔ا۔ پہلی بات۔ غلام مرض الموت میں آزاد ہو تو یہ وصیت میں آزاد ہوگا، اور اس سے بچے گا تب موصی لہ کو ملے گا اور اگر نہیں بچا تو موصی لہ کو کچھ نہیں ملے گا

۲۔ اگر غلام صحت کے زمانے میں آزاد ہو تو اب وہ وصیت میں آزاد نہیں ہوگا، اس صورت میں میت کی تہائی مال موصی لہ کو مل جائے گا، موصی لہ اسی چکر میں ہے کہ غلام صحت کے زمانے میں آزاد ہو جائے، اور مجھے میت کے تہائی مال پورا مل جائے

تشریح: ایک آدمی نے مثلا عمر کے لئے مال کی وصیت کی، بعد میں موصی لہ اور ورثہ نے اقرار کیا کہ میت نے اپنا غلام کو آزاد کیا ہے، لیکن بعد میں موصی لہ کہہ رہا ہے کہ صحت کے زمانے میں آزاد کیا ہے، اور ورثہ کہہ رہے ہیں کہ مرض کے زمانے میں آزاد کیا ہے

موصی لہ کے کہنے کا مطلب۔۔ موصی لہ جب یہ کہہ رہا ہے کہ غلام کو صحت کے زمانے میں آزاد کیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ

لِلْمُوْصٰى لَهُ إِلَّا أَنْ يَّفْضُلَ مِنَ الثُّلُثِ شَيْءٌ أَوْ تَقُوْمَ لَهُ الْبَيِّنَةُ أَنَّ الْعِتقَ فِى الصِّحَّةِ، ۱؎ لِأَنَّ الْمُوْصٰى لَهُ يَدَّعِيْ اِسْتِحْقَاقَ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنَ التَّرِكَةِ بَعْدَ الْعِتقِ، لِأَنَّ الْعِتقَ فِى الصِّحَّةِ لَيْسَ بِوَصِيَّةٍ وَلِهٰذَا يَنْفُذُ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ وَالْوَارِثُ يُنْكِرُ، لِأَنَّ مُدَّعَاهُ الْعِتقُ فِى الْمَرضِ وَهُوَ وَصِيَّةٌ، وَالْعِتقُ فِى الْمَرَضِ مُقَدَّمٌ عَلَى الْوَصِيَّةِ بِثُلُثِ الْمَالِ فَكَانَ مُنْكِرًا، وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ مَعَ الْيَمِيْنِ، ۲؎ وَلِأَنَّ الْعِتقَ حَادِثٌ وَالْحَوَادِثُ تُضَافُ إِلٰى أَقْرَبِ الْأَوْقَاتِ لِلتَّيَقُّنِ بِهَا فَكَانَ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لِلْوَارِثِ فَيَكُوْنُ الْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ الْيَمِيْنِ

مرض کے زمانے میں اس کو آزاد نہیں کیا ہے، اس لئے وصیت کی تہائی مال مجھے پورا ملے۔

ورثہ کے کہنے کا مطلب۔۔ ورثہ یہ کہہ رہے ہیں کہ غلام مرض کی حالت میں آزاد کیا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ وصیت میں آزاد ہوا ہے، اس لئے اس کے آزاد ہونے کے بعد تہائی مال میں سے بچے گا تب موصی لہ کو ملے گا، اور نہیں بچا تو کچھ نہیں ملے گا یہاں موصی لہ وصیت کے مال لینے کا مدعی ہے، اور ورثہ منکر ہیں اس لئے موصی لہ صحت کے زمانے میں آزاد کرنے پر گواہ پیش کرے گا تو مانی جائے گی، اور گواہ پیش نہ کر سکا تو ورثہ کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی، کیونکہ وہ منکر ہیں

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ موصی لہ غلام آزاد ہونے کے بعد ترکہ میں سے تہائی سے جو باقی رہ گیا اس کے لینے کا دعوی کر رہا ہے، اس لئے کہ صحت کے زمانے کا عتق وصیت نہیں ہے، اسی لئے تمام مال سے عتق نافذ ہوگا، اور وارث اس کا انکار کر رہا ہے اس لئے کہ ان کا دعوی ہے کہ عتق مرض میں ہے اور وہ وصیت ہے، اور مرض میں عتق ہو تو وہ تہائی مال میں دوسری وصیت پر مقدم ہوتا ہے،، اس لئے ورثہ منکر ہوئے، اور قسم کے ساتھ منکر کے قول کا اعتبار ہوتا ہے

تشریح: موصی لہ یہ دعوی کر رہا ہے کہ عتق صحت میں ہے اس لئے مرض کی حالت میں میت نے جو مال چھوڑا ہے اس میں سے تہائی مال میرا ہے، یہ اس کا دعوی ہے۔۔ اور ورثہ یہ کہہ رہے ہیں کہ مرض کی حالت میں غلام آزاد کیا ہے، اس لئے یہ وصیت ہے، اور عتق کی وصیت پہلے ادا کی جاتی ہے اس لئے عتق سے مال بچے گا تب موصی لہ کو ملے گا اور نہیں بچا تو کچھ نہیں ملے گا، اس لئے ورثہ منکر ہے، اس لئے اگر موصی لہ کے پاس صحت کے زمانے میں آزاد کرنے پر گواہی نہیں ہے تو ورثہ کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی

ترجمہ: ۲؎ اور ورثہ کی بات اس لئے مانی جائے گی کہ عتق حادث ہے اور حوادث قریب اوقات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس پر یقین ہونے کی وجہ سے، اس لئے ظاہر وارث کا گواہ ہے اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی

تشریح: یہ ورثہ کی بات مانے جانے کی دوسری دلیل ہے، کہ آزاد ہونا ایک حادث ہے، اور حادث میں یقین یہ ہے کہ قریب کے زمانے میں پیش آیا ہوگا اس لئے مرض الموت میں مانا جانا قرین قیاس ہے، اس لئے بھی ورثہ کی بات مانی جائے گی کہ مرض الموت میں غلام آزاد کیا تھا

۳؎ إِلَّا أَنْ يَفْضُلَ شَيْءٌ مِنَ الثُّلُثِ عَلٰى قِيْمَةِ الْعَبْدِ، لِأَنَّهُ لا مُزَاحِمَ لَهُ فِيْهِ ۴؎ أَوْ تَقُوْمَ لَهُ الْبَيِّنَةُ أَنَّ الْعِتْقَ فِي الصِّحَّةِ، لِأَنَّ الثَّابِتَ بِالْبَيِّنَةِ كَالثَّابِتِ مُعَايَنَةً وَهُوَ خَصْمٌ فِيْ إِقَامَتِهَا لِإِثْبَاتِ حَقِّهِ.

(۱۰۱۴) قَالَ وَمَنْ تَرَكَ عَبْدًا فَقَالَ لِلْوَارِثِ أَعْتَقَنِي أَبُوْكَ فِي الصِّحَّةِ وَقَالَ رَجُلٌ لِيْ عَلٰى أَبِيْكَ أَلْفُ دِرْهَمٍ فَقَالَ صَدَقْتُمَا فَإِنَّ الْعَبْدَ يَسْعٰى فِيْ قِيْمَتِهِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَقَالَا يُعْتَقُ وَلَا يُسْعٰى فِيْ شَيْءٍ، ۱؎ لِأَنَّ الدَّيْنَ وَالْعِتْقَ فِي الصِّحَّةِ ظَهَرَا مَعًا بِتَصْدِيْقِ الْوَارِثِ فِيْ كَلَامٍ وَاحِدٍ

ترجمہ: ۳؎ مگر غلام کی قیمت سے تہائی مال سے بچ جائے تو موصی لہ کو دیا جائے گا، کیونکہ اس میں کوئی مزاحم نہیں ہے

تشریح: مثلا غلام کی قیمت دو ہزار تھی اور میت کی تہائی مال ڈھائی ہزار ہے تو غلام کی قیمت دو ہزار منہا کرنے کے بعد یہ پانچ سو درہم غلام کی قیمت سے زیادہ ہے تو یہ پانچ سو درہم موصی لہ کو ملے گا، اس لئے کہ اس میں غلام شریک نہیں ہے

ترجمہ: ۴؎ یا موصی لہ اس بات پر گواہ قائم کرے کہ میت نے صحت کے زمانے میں آزاد کیا تھا (تو موصی لہ کی بات مانی جائے گی) اس لئے کہ گواہ کے ذریعہ جو ثابت ہوتا ہے وہ معاینہ کی طرح ہوتا ہے، اور موصی لہ اس کے قائم کرنے کا مدعی ہے اپنے حق کو ثابت کرنے کے لئے

تشریح: اگر موصی لہ نے اس بات پر گواہ پیش کر دیا کہ میت نے صحت کے زمانے میں غلام کو آزاد کیا تھا تو اب اس کی بات مانی جائے گی، کیونکہ گواہ سے ثابت کرنا معاینہ کی طرح ہے، اس صورت میں غلام صحت کے زمانے میں آزاد ہوگا، اور موت کے وقت جتنا مال چھوڑا ہے اس کی تہائی مال موصی لہ کو مل جائے گا، کیونکہ اس کے لئے میت نے تہائی مال کی وصیت کی تھی

ترجمہ: (۱۰۱۴) کسی نے ایک ہی غلام چھوڑا، اب غلام وارث سے کہتا ہے کہ تمہارے والد نے مجھے اپنی صحت کی حالت میں آزاد کر دیا تھا (اس لئے مجھ پر کما کر اپنی قیمت دینا واجب نہیں ہے)، ایک دوسرا آدمی کہتا ہے کہ میرا تمہارے والد پر ایک ہزار درہم قرض تھا، اور وارث نے غلام اور قرض دار دونوں کی تصدیق کر دی، پھر بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلام آزاد تو ہو جائے گا لیکن اپنی قیمت کما کر دیگا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ غلام آزاد ہو جائے گا، اور اس پر کوئی سعی نہیں ہوگی

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ قرض اور آزاد کرنا صحت میں ہے اور ایک ہی کلام میں وارث کی تصدیق کی وجہ سے دونوں ایک ساتھ ظاہر ہوئے ہیں، اس لئے دونوں ساتھ ہوں گے، اور صحت میں آزاد کیا ہو تو غلام کو کما کر دینا نہیں ہوتا ہے، چاہے آزاد کرنے والے پر قرض ہی کیوں نہ ہو (اس لئے غلام پر سعایت نہیں ہوگی)

اصول: امام ابو حنیفہ کا اصول یہ ہے کہ میت پر قرض بھی ہو اور آزاد بھی کیا ہو تو قرض مقدم ہوگا، اور غلام آزاد تو ہو جائے گا، کیونکہ وہ نہیں رکتا ہے، لیکن اپنی قیمت کما کر ورثہ کو دینا ہوگا

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ قرض اور آزاد کرنا صحت میں ہو تو دونوں ایک درجے میں ہوں گے، اور غلام آزاد ہوگا اور

فَصَارَا كَأَنَّهُمَا كَانَا مَعًا، وَالْعِتْقُ فِي الصِّحَّةِ لَا يُوجِبُ السِّعَايَةَ وَإِنْ كَانَ عَلَى الْمُعْتِقِ دَيْنٌ، ۲ وَلَهُ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِالدَّيْنِ أَقْوٰى، لِأَنَّهُ يُعْتَبَرُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ، وَالْإِقْرَارُ بِالْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ يُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ وَالْأَقْوٰى يَدْفَعُ الْأَدْنٰى فَقَضِيَّتُهُ أَنْ يَبْطُلَ الْعِتْقُ أَصْلًا، إِلَّا أَنَّهُ بَعْدَ وُقُوعِهِ لَا يَحْتَمِلُ الْبُطْلَانَ فَيُدْفَعُ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى بِإِيجَابِ السِّعَايَةِ،

اس کو کما کر اپنی قیمت نہیں دینی ہے

تشریح: مرنے والے نے ترکہ میں صرف غلام چھوڑا، اب غلام دعوی کرتا ہے کہ مجھے صحت کے زمانے میں آزاد کیا تھا، اس لئے مجھ پر سعایت نہیں ہے، اور ایک دوسرا آدمی دعوی کرتا ہے کہ مرنے والے پر میرا ایک ہزار درہم قرض ہے، اور وارث نے دونوں کی تصدیق کر دی۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں قرض کو مقدم رکھا جائے گا اور آزاد کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ مرض کی حالت میں آزاد کیا تھا، اور قاعدہ یہ ہے کہ مرض کی حالت میں آزاد کیا ہو اور میت پر قرض بھی ہو تو غلام آزاد تو ہو جائے گا اس لئے کہ آزادگی نہیں رکتی ہے، لیکن اپنی قیمت کما کر ورثہ کو دینا ہوگا، تا کہ قرض ادا ہو جائے۔۔ اور صاحبینؒ کے یہاں قرض اور آزاد کرنا دونوں صحت کے زمانے میں مانا جائے گا، اور صحت کے زمانے میں آزاد کیا ہو تو آدمی پر قرض ہو تب بھی غلام آزاد ہوتا ہے اور اس پر کما کر دینا نہیں ہوتا ہے، ایسا ہی یہاں ہوگا

وجہ: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وارث نے قرض اور عتق دونوں کی تصدیق کی ہے اور دونوں صحت کے زمانے کے ہیں اس لئے عتق بھی صحت کے زمانے میں ہوگی اور سعایت نہیں کرنی پڑے گی، کیونکہ صحت کے زمانے کی عتق میں قرض ہو تب بھی سعایت نہیں کرنی پڑتی ہے

ترجمہ: ۲ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرض کا اقرار کرنا زیادہ قوی ہے اس لئے کہ وہ مرض کی حالت میں بھی پورے مال سے ادا کیا جاتا ہے، اور آزادگی کا اقرار قرض سے کمزور ہے، اس لئے کہ مرض کی حالت میں آزادگی کا اقرار تہائی مال میں معتبر ہے، اور قوی ادنی کو دھکا دے دیتا ہے، اس لئے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ آزادگی بالکل باطل ہو جائے، لیکن آزادگی واقع ہو جانے کے بعد باطل نہیں ہوتی، اس لئے معنی کے اعتبار سے عتق کو دفع کیا جائے گا سعایت واجب کر کے

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرض کی حالت میں بھی قرض کا اقرار کرے تب بھی پورے مال سے ادا کرنا واجب ہوتا ہے، اس لئے وہ قوی ہے، اور عتق کا حال یہ ہے کہ مرض کی حالت میں عتق کا اقرار کرے تو تہائی مال سے ہی سے ہی ادا کیا جائے گا، اس لئے وہ اقرار سے کمزور ہے، اور یہاں قرض ہے اور غلام کے علاوہ کوئی مال نہیں چھوڑا ہے اس لئے آزادگی ہونی ہی نہیں چاہئے، لیکن قاعدہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آزاد ہو جائے تو وہ ختم نہیں ہوتی ہے اس لئے آزاد تو ہوگا، لیکن معنوی اعتبار سے اس کو اس طرح روکا کہ غلام پر اپنی قیمت کما کر دینا واجب کیا، تا کہ قرض ادا ہو جائے اور آزاد بھی ہو جائے۔

۳؎ وَلِأَنَّ الدَّيْنَ أَسْبَقُ لِأَنَّهُ لا مَانِعَ لَهُ مِنَ الْإِسْنَادِ فَيَسْتَنِدُ إِلٰى حَالَةِ الصِّحَّةِ وَلَا يُمْكِنُ إِسْنَادُ الْعِتْقِ إِلٰى تِلْكَ الْحَالَةِ، لِأَنَّ الدَّيْنَ يَمْنَعُ الْعِتْقَ فِيْ حَالَةِ الْمَرَضِ مَجَّانًا فَتَجِبُ السِّعَايَةُ. ۴؎ وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ وَتَرَكَ أَلْفَ دِرْهَمٍ فَقَالَ رَجُلٌ لِيْ عَلَى الْمَيِّتِ أَلْفُ دِرْهَمٍ دَيْنٌ، وَقَالَ الْاٰخَرُ كَانَ لِيْ عِنْدَهُ أَلْفُ دِرْهَمٍ وَدِيْعَةٌ فَعِنْدَهُ الْوَدِيْعَةُ أَقْوٰى وَعِنْدَهُمَا هُمَا سَوَاءٌ.

ترجمه: ۳؎ اور قرض پہلے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض کو مرض کی طرف منسوب کرو یا صحت کی طرف اس میں کوئی مانع نہیں ہے (دونوں حالتوں میں پورا قرض ادا کرنا پڑتا ہے) اس لئے قرض صحت کی طرف منسوب ہوگا، اور عتق کو صحت کی طرف منسوب کرنا ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ عتق مرض کی حالت میں ہو تو مفت آزاد ہونا روکتا ہے اس لئے کمائی کرنا واجب ہوتی ہے

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ قرض کا اقرار مرض کی حالت میں ہو یا صحت کی حالت میں دونوں میں پورا ادا کرنا پڑتا ہے، اس لئے اس کو مرض، یا صحت کی طرف منسوب کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ اور عتق کا حال یہ ہے کہ مرض کی حالت میں ثابت ہوا اور میت پر قرض ہو تو غلام کو کمائی کرنی پڑتی ہے، اس لئے بغیر دلیل کے صحت کی طرف منسوب کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ عتق قرض کے ساتھ ثابت ہو رہی ہے، اس لئے عتق کو مرض کی طرف منسوب کیا جائے گا، اور غلام پر سعایت واجب ہوگی

ترجمه: ۴؎ اور اسی اختلاف پر ہے اگر کوئی مرا اور ہزار درہم چھوڑا، پھر ایک آدمی نے کہا کہ میت پر میرا ایک ہزار قرض ہے، اور دوسرے نے کہا کہ میرا میت کے پاس ایک ہزار امانت تھا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امانت زیادہ قوی ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں برابر ہیں (ایک ہزار میں دونوں شریک ہوں گے)

اصول: امام ابو حنیفہ کا اصول یہ ہے۔ کہ امانت قرض کے اقرار سے مقدم ہے

اصول: صاحبینؒ کا اصول۔ امانت اور قرض کا اقرار دونوں ایک درجے کے ہیں، اس لئے دونوں شریک ہوں گے

تشریح: میت نے صرف ایک ہزار چھوڑا تھا، اب ایک آدمی کہتا ہے کہ میرا ایک ہزار میت کے پاس امانت کے طور پر تھا، اور دوسرا آدمی کہتا ہے کہ میرا ایک ہزار میت پر قرض تھا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ ایک ہزار امانت والے کو دیا جائے گا۔

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ امانت کی رقم کا مطلب یہ ہے کہ بعینہ یہ ہزار درہم میرا ہی ہے، اس لئے عین چیز پر اس کا حق ہوگا۔ اور قرض کا مطلب یہ ہے کہ یہ عین ہزار تو میرا نہیں ہے، البتہ اس قسم کا ہزار میں نے میت کو دیا تھا، مثل ہونے کی وجہ سے قرض والے کا حق بعد میں ہوگا

فَصْلٌ

(۱۰۱۵) قال وَمَنْ أَوْصٰی بِوَصَایَا مِنْ حُقُوقِ اللّٰهِ تَعَالٰی قُدِّمَتِ الْفَرَائِضُ مِنْهَا قَدَّمَهَا الْمُوصِیُ أَوْ أَخَّرَهَا، مِثْلُ الْحَجِّ وَالزَّكَاةِ وَالْكَفَّارَاتِ، ۱؎ لِأَنَّ الْفَرِيضَةَ أَهَمُّ مِنَ النَّافِلَةِ، وَالظَّاهِرُ مِنْهُ الْبِدَايَةُ بِمَا هُوَ الْأَهَمُّ.

فصل فی وصية الفرائض

اصول: جوفرض ہے وہ اہم ہے، اس کے بعد نوافل، اوراس کے بعد کفارات، اوراس کے بعد باقی وصیتیں ادا کی جائیں گی

ترجمہ: (۱۰۱۵) کسی نے حقوق اللہ کی چند وصیتیں کیں تو ان میں سے فرائض کو دوسروں پر مقدم کیا جائے گا، وصیت کرنے والے نے چاہے اس کی وصیت پہلے کیا ہو یا بعد میں۔ جیسے حج، زکوۃ، کفارات،

ترجمہ: ۱؎ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرض نوافل سے اہم ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ وصیت کرنے والا جو اہم عبادت ہے اس کو پہلے کرنے کی نیت ہوگی

تشریح: اللہ کے حقوق کے لئے چند وصیتیں کیں۔ ان میں سے بعض میت پر واجب تھیں بعض مستحب تھیں تو قاعدہ یہ ہوگا کہ پہلے فرائض پورے کئے جائیں گے پھر مستحبات کو، چاہے وصیت کرنے میں مستحب کو پہلے بیان کیا ہو اور فرائض کی وصیت بعد میں کی ہو۔

وجہ: (۱) فرائض ذمے میں ہیں ان کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اور سنت اور مستحبات ذمے میں نہیں ہیں اس لئے فرائض کو پہلے ادا کیا جائے گا۔ اور سنت اور مستحبات کو بعد میں (۲) اس کی اتنی اہمیت ہے کہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ پورے مال سے ادا کئے جائیں گے۔ قول تابعی یہ ہے۔ عن الزهری قال اذا كان على الرجل شیء واجب فهو من جميع المال (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۹ الرجل یوصی بالحج والزکوۃ تکون قد وجبت علیہ قبل موتہ تکون من الثلث او من جمیع المال، ج سادس، ص ۲۲۰، نمبر ۳۰۸۱۹) (۳) دوسری روایت میں ہے۔ عن الحسن وطاؤس فی الرجل عليه حجة الاسلام وتكون عليه الزكوة فی ماله؟ قالا يكونان هذه بمنزلة الدين (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۹ الرجل یوصی بالحج والزکوۃ تکون قد وجبت علیہ قبل موتہ تکون من الثلث او من جمیع المال، ج سادس، ص ۲۲۰، نمبر ۳۰۸۱۷) دوسرے قول تابعی سے معلوم ہوا کہ فرائض کی ادائیگی دین کی طرح ہے۔ اور دین وصیت سے پہلے ادا کیا جاتا ہے اس لئے اس کا حق مستحبات سے پہلے ہوگا۔ البتہ بہت سے فرائض ہیں تو وصی کو اختیار ہے جس کو چاہے پہلے ادا کرے جس کو چاہے بعد میں ادا کرے۔ کیونکہ سبھی واجب ہونے کی وجہ سے سب کا درجہ برابر ہے۔

(۱۰۱۶) فَإِنْ تَسَاوَتْ فِي الْقُوَّةِ بُدِئَ بِمَا قَدَّمَهُ الْمُوْصِيْ إِذَا ضَاقَ عَنْهَا الثُّلُثُ، ١ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ يَبْتَدِئُ بِالْأَهَمِّ، ٢ وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّهُ يَبْتَدِئُ بِالزَّكٰوةِ وَيُقَدِّمُهَا عَلَى الْحَجِّ وَهُوَ إِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْهُ أَنَّهُ يُقَدِّمُ الْحَجَّ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ. وَجْهُ الْأَوْلٰى أَنَّهُمَا وَإِنِ اسْتَوَيَا فِي الْفَرْضِيَّةِ فَالزَّكٰوةُ تَعَلَّقَ بِهَا حَقُّ الْعِبَادِ فَكَانَ أَوْلٰى. ٣ وَجْهُ الْأُخْرٰى أَنَّ الْحَجَّ يُقَامُ بِالْمَالِ وَالنَّفْسِ، وَالزَّكٰوةُ بِالْمَالِ قَصْرًا عَلَيْهِ فَكَانَ الْحَجُّ أَقْوٰى، ٤ ثُمَّ تَقَدَّمُ الزَّكٰوةُ وَالْحَجُّ عَلَى الْكَفَّارَاتِ لِمَزِيَّتِهِمَا عَلَيْهَا فِي الْقُوَّةِ إِذْ قَدْ جَاءَ فِيْهِمَا مِنَ

ترجمه: (۱۰۱۶) اور اگر سبھی وصیتیں فرض ہی ہیں تو اگر تہائی میں سبھی ادا نہیں ہو سکتی ہوں تو موصی نے جسکو پہلے کہا ہو اس کو پہلے، اور جس کو بعد میں کہا ہو اس کو بعد میں ادا کی جائے گی

ترجمه: ١ اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ موصی کے نزدیک جو اہم ہے اسی کو پہلے ذکر کیا ہوگا

تشریح: جتنی وصیتیں کی ہیں سبھی فرض ہیں اور تہائی مال میں سے سب ادا نہیں ہو سکتی ہیں، تو چونکہ سب کا درجہ برابر ہے اس لئے اب وصیت کرنے والے نے پہلے جس کی وصیت کی ہے اسی کو پہلے ادا کی جائے گی، اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ موصی کی نظر میں جو اہم تھی اسی کو پہلے ذکر کیا ہوگا، اس لئے موصی نے جس کو پہلے ذکر کیا ہے اسی کو ادا کیا جائے گا، اور اس سے نہیں بچا تو باقی کو چھوڑ دیا جائے گا

ترجمه: ٢ امام طحاوی نے یہ ذکر کیا ہے کہ پہلے زکوۃ ادا کی جائے گی (اس سے بچے گا تب دوسرے فرائض ادا کئے جائیں گے) اور زکوۃ کو حج پر مقدم کیا جائے گا، حضرت امام ابو یوسفؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے، اور امام طحاوی ہی کی دوسری روایت یہ ہے کہ حج کو زکوۃ پر مقدم کیا جائے گا، اور امام محمدؒ کا قول بھی یہی ہے،

پہلی روایت (زکوۃ کو حج پر مقدم کیا جائے گا) کی وجہ یہ ہے کہ اگر چہ حج اور زکوۃ فرض ہونے میں برابر ہیں، لیکن زکوۃ میں بندوں کا فائدہ ہے اس لئے زکوۃ حج سے اولی ہوگی

تشریح: زکوۃ کو حج پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ میں دو فائدے ہیں، فرض کی ادائیگی، اور بندوں کی ضرورت کو پوری کرنا، اس لئے میت کی تہائی مال سے پہلے زکوۃ ادا کریں، اور اس سے بچے گا تب حج کیا جائے گا اور نہ بچے تو حج کو چھوڑ دیا جائے گا

ترجمه: ٣ دوسری روایت (پہلے حج ادا کرے اس سے بچے گا تب زکوۃ ادا کی جائے گی) کی وجہ یہ ہے کہ حج مال اور جان دونوں سے ادا کیا جاتا ہے، اور زکوۃ صرف مال سے ادا کیا جاتا ہے اس لئے حج زیادہ قوی ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمه: ٤ پھر زکوۃ اور حج کفارات سے پہلے ادا کئے جائیں گے، کیونکہ قوت میں دونوں کی اہمیت کفارات سے زیادہ ہے،

الْوَعِيْدِ مَالَمْ يَأْتِ فِی الْكَفَّارَةِ، ۵ وَالْكَفَّارَةُ فِی الْقَتْلِ وَالظِّهَارِ وَالْيَمِيْنِ مُقَدَّمَةٌ عَلٰى صَدَقَةِ الْفِطْرِ، لِأَنَّهُ عُرِفَ وُجُوْبُهَا بِالْقُرْاٰنِ دُوْنَ صَدَقَةِ الْفِطْرِ، ٦ وَصَدَقَةُ الْفِطْرِ مُقَدَّمَةٌ عَلَى الْأُضْحِيَةِ لِلْاِتِّفَاقِ عَلٰى وُجُوْبِهَا وَالْاِخْتِلَافِ فِی الْأُضْحِيَةِ، وَعَلٰى هٰذَا الْقِيَاسِ يُقَدَّمُ بَعْضُ الْوَاجِبَاتِ عَلَى الْبَعْضِ،

(۱۰۱۷) قَالَ وَمَا لَيْسَ بِوَاجِبٍ قُدِّمَ مِنْهُ مَا قَدَّمَهُ الْمُوْصِیْ لِمَا بَيَّنَّا وَصَارَ كَمَا إِذَا صَرَّحَ بِذٰلِكَ. ۱ قَالُوْا إِنَّ الثُّلُثَ يُقَسَّمُ عَلٰى جَمِيْعِ الْوَصَايَا مَا كَانَ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَمَا كَانَ لِلْعَبْدِ فَمَا أَصَابَ الْقُرَبَ

اس لئے کہ زکوۃ اور حج کے بارے میں جتنی سخت وعید آئی ہے اتنی وعید کفارہ کے بارے میں نہیں آئی ہے

اصول: زکوۃ اور حج کفارات سے اہم ہیں اس لئے زکوۃ اور حج سے مال بچے گا تب کفارہ ادا کیا جائے گا ورنہ نہیں

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ۵ کفارہ قتل، کفارہ ظہار، اور کفارہ قسم صدقۃ الفطر پر مقدم ہوں گے، اس لئے کہ ان کفاروں کا وجوب قرآن سے ثابت ہے، صدقۃ الفطر کا وجوب قرآن سے ثابت نہیں ہے، صرف حدیث سے ثابت ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٦ صدقہ فطر قربانی پر مقدم ہوگا، کیونکہ صدقہ فطرہ کا وجوب بالاتفاق ہے، اور قربانی کے وجوب کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، اسی اختلاف پر قیاس کرتے ہوئے بعض واجبات کو بعض پر مقدم کیا جائے گا

تشریح: صدقہ فطرہ سب اماموں کے نزدیک واجب ہے، اور قربانی کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ سنت ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ واجب ہے، چونکہ قربانی کے وجوب کے بارے میں اختلاف ہے اس لئے صدقۃ الفطر قربانی سے مقدم ہوگا، یعنی اگر قربانی اور صدقۃ الفطر دونوں کی وصیت کی ہو تو پہلے صدقہ فطرہ ادا کیا جائے گا، اور اس سے بچے گا تب قربانی ادا کی جائے گی ورنہ نہیں۔ اور اسی اصول پر باقی وجوب اور فرائض میں ترتیب ہوگی۔

ترجمہ: (۱۰۱۷) اور ایسی وصیت کی جو واجب نہیں ہے تو اس کو مقدم کرے جس کو موصی نے مقدم کیا ہے۔

ترجمہ: ۱ اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے پہلے بیان کی (کہ ظاہر یہی ہے کہ موصی کے نزدیک یہی اہم ہوگی) اور ایسا ہو گیا کہ موصی نے تصریح کی تھی کہ یہ عبادت پہلے ادا کرنا اور یہ دوسری عبادت بعد میں ادا کرنا

تشریح: عبادت کی کئی وصیتیں کیں ہیں لیکن سب وصیتیں مستحبات میں سے ہیں تو جس کو وصیت کرنے والے نے پہلے بیان کیا ہے اس کو پہلے ادا کرے اور جس کو بعد میں بیان کیا اس کو بعد میں ادا کرے۔

وجہ: سبھی مستحب ہیں تو وصیت کرنے والا جس کی زیادہ اہمیت سمجھا اس کو پہلے بیان کیا اور جس کی کم اہمیت سمجھا اس کو بعد میں بیان کیا۔ اس لئے اس کی مرضی کی رعایت کی جائے گی۔

ترجمہ: ۲ علماء نے فرمایا کہ تہائی مال کو تمام وصیتوں پر تقسیم کیا جائے گا، چاہے وہ اللہ کے لئے وصیت ہو چاہے بندے

صُرِفَ إِلَيْهَا عَلَى التَّرْتِيْبِ الَّذِيْ ذَكَرْنَاهُ، وَيُقَسَّمُ عَلٰى عَدَدِ الْقُرَبِ وَلَا يُجْعَلُ الْجَمِيْعُ كَوَصِيَّةٍ وَاحِدَةٍ، لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ الْمَقْصُوْدُ بِجَمِيْعِهَا رِضَا اللّٰهِ تَعَالٰى فَكُلٌّ وَاحِدٍ فِيْ نَفْسِهَا مَقْصُوْدٌ فَيَنْفَرِدُ كَمَا يَنْفَرِدُ وَصَايَا الْاٰدَمِيِّيْنَ.

(۱۰۱۸) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِحَجَّةِ الْإِسْلَامِ أَحَجُّوْا عَنْهُ رَجُلًا مِنْ بَلَدِهٖ يَحُجُّ رَاكِبًا، ۱؎ لِأَنَّ الْوَاجِبَ لِلّٰهِ تَعَالٰى اَلْحَجُّ مِنْ بَلَدِهٖ وَلِهٰذَا يُعْتَبَرُ فِيْهِ مِنَ الْمَالِ وَمَا يَكْفِيْهِ مِنْ بَلَدِهٖ، وَالْوَصِيَّةُ لِأَدَاءِ مَا هُوَ

کے لئے ہو، پھر جو قربت پر پڑے، جو ترتیب ہم نے ذکر کی ہے ان قربتوں پر خرچ کرے، اور تمام قربتوں پر تقسیم کیا جائے گا، تمام قربتوں کو ایک وصیت قرار نہیں دی جائے گی، اس لئے کہ تمام سے مقصود اللہ کی رضامندی ہے، پس ہر قربت بذات خود مقصود ہے، پس ہر قربت الگ الگ ہوگی، جیسے چند آدمیوں کی وصیتیں الگ الگ ہوتی ہیں

تشریح: یہاں سے وصیت پر عمل کرنے کی ایک الگ ترتیب بتا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مثلا، زکوۃ کی، اور حج کی، اور کفارات کی، اور زید کے لئے وصیتیں کی، تو سب وصیتوں پر عمل کرنے کی ترتیب یہ ہوگی کہ میت کی تہائی مال کو چار حصوں پر تقسیم کردیا جائے، پھر بندے کے حصے یعنی زید کے حصے میں جو آئے اس کو زید پر خرچ کرے، اور عبادات کے حصے میں جو تین حصے میں آئے ہیں اس میں دیکھے کہ اہم عبات کون سی ہے پہلے اس میں خرچ کرے، اس سے بچ جائے تو پھر ترتیب کے ساتھ دوسرے میں خرچ کرے، اور بعد والی عبادت کے لئے نہ بچے تو اس کو چھوڑ دے، مثلا تین حصے عبادت کے لئے تھے تو سب سے پہلے اہم عبادت زکوۃ ہے اس میں خرچ کرے، اس سے بچے تو اب حج میں خرچ کرے، اور اس سے بھی بچ جائے تو اب کفارات ادا کرے۔۔ ایسا نہ کرے کہ تمام عبادات اور بندے کے لئے آدھا آدھا کردے، اور آدھا بندے کی وصیت پر خرچ کرے اور باقی آدھے میں عبادات پر بالترتیب خرچ کرے ایسا نہ کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بندے کے لئے وصیت، اور عبادات کے لئے وصیت سب سے مقصود ہے اللہ کی رضامندی، اور ہر وصیت میں اللہ کی رضامندی مقصود ہے اس لئے ہر وصیت کے لئے الگ الگ حصہ متعین کرے، تاکہ سب کو برابر حصہ مل جائے۔

ترجمہ: (۱۰۱۸) کسی نے وصیت کی حج کرنے کی تو اس کے شہر سے ایک آدمی کو حج کرائے جو اس کی جانب سے کرے سوار ہو کر

ترجمہ: ۱؎ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے لئے شہر سے حج کرنا واجب ہے، اسی لئے اتنے مال کا اعتبار ہوگا جو شہر سے کافی ہو، اور جتنا موصی پر ادا کرنا واجب ہے اس کی وصیت کی ہے۔ (اس لئے شہر سے حج کرنے کی وصیت ہوگی)

تشریح: کسی نے حج کروانے کی وصیت کی تو اصل یہ ہے کہ جس شہر میں موصی رہتا تھا اس شہر سے کسی آدمی کو حج بدل کے لئے بھیجے جو اس کی جانب سے سوار ہو کر حج کرے۔ اور اگر تہائی مال اتنا نہیں ہے کہ اس کے شہر سے حج کروا سکے تو جہاں سے اس کا مال نفقہ کے لئے کافی ہوتا ہو وہاں سے کسی آدمی کو حج کے لئے بھیجے اور وہاں سے کم از کم حج کروائے۔

الْوَاجِبُ عَلَيْهِ، ۲؎ وَإِنَّمَا قَالَ رَاكِبًا لِأَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ أَنْ يَّحُجَّ مَاشِيًا فَانْصَرَفَ إِلَيْهِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِیْ وَجَبَ عَلَيْهِ.

(۱۰۱۹) قَالَ فَإِنْ لَمْ تَبْلُغِ الْوَصِيَّةُ النَّفَقَةَ أَحَجُّوْا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ، ۱؎ وَفِی الْقِيَاسِ لَا يَحُجُّ عَنْهُ، لِأَنَّهُ أَمَرَ بِالْحَجِّ عَلٰی صِفَةٍ عُدِمْنَاهَا فِيْهِ غَيْرَ أَنَا جَوَّزْنَاهُ، لِأَنَّا نَعْلَمُ أَنَّ الْمُوْصِیْ قَصَدَ تَنْفِيْذَ الْوَصِيَّةِ

وجه: (۱) حج تو گھر سے ہی کرتے ہیں۔اس لئے موصی کی مراد بھی یہی ہے کہ گھر سے حج کروائے۔اس لئے نفقے میں گنجائش ہوتو گھر سے حج کروائے۔پھر یہ بھی ہے کہ پیدل چل کر کوئی جلدی حج نہیں کرے گا خصوصا جب شہر مکہ مکرمہ سے دور ہو۔اس لئے سوار کر کے حج کروانے کی ضرورت ہوگی۔لیکن اگر تہائی مال اتنا نہیں ہے کہ گھر سے سوار ہو کر حج کروا سکے تو کم از کم اتنا ضرور کرے کہ جہاں سے نفقہ میں گنجائش ہو وہاں سے حج کروادے۔تاکہ موصی کی وصیت کم سے کم درجے میں پوری ہو جائے۔(۲) اس لئے کہ حج کروانے کی اہمیت اس حدیث میں ہے۔عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ، جَاءَتْ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: إِنَّ أُمِّی نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتّٰی مَاتَتْ، أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ: »نَعَمْ حُجِّی عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلٰی أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَةً؟ اقْضُوا اللّٰهَ فَاللّٰهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ (بخاری شریف، باب الحج والنذر عن المیت والرجل یحج عن المرأۃ،ص ۲۴۹،نمبر ۱۸۵۲/مسلم شریف،باب الحج عن العاجز لزمانۃ وھرم ونحوھما اوللموت،ص ۴۳۱،نمبر ۱۳۳۴) اس حدیث میں ہے کہ حج قرض کی طرح ہے۔جس طرح قرض حتی الامکان ادا کرتے ہیں اسی طرح حج فرض ہو یا حج کی نذر مانی ہوتو اس کو حتی الامکان ادا کرے۔اس لئے جس شہر سے نفقہ ہو وہاں سے حج کرائے۔

ترجمہ: ۲؎ اور متن میں سوار ہو کر حج کروانے کے لئے اس لئے کہا کہ موصی پر چل کر حج کرنا لازم نہیں تھا،تو جس طرز پر موصی پر حج تھا اسی کی طرف پھیرا جائے گا

تشریح: قدوری کے متن میں یہ کہا کہ سوار ہو کر حج کرانا واجب ہوگا،اس کی وجہ یہ ہے کہ خود وصیت کرنے والے پر سوار ہو کر حج کرنا واجب تھا پیدل حج کرنا واجب نہیں تھا،تو جس طرز پر موصی پر حج تھا اسی طرز پر حج بدل کرنے والے پر بھی لازم ہوگا، یعنی سوار ہو کر۔

ترجمہ: (۱۰۱۹) حج کرنے کی وصیت کے مطابق نفقہ نہیں ہے تو جہاں سے حج کرایا جا سکتا ہو وہاں سے حج کرائے

ترجمہ: ۱؎ قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ موصی کی جانب سے حج ہی نہ کرائیں،اس لئے کہ جس صفت پر حج کرانے کے لئے کہا ہے نفقہ کے کم ہونے کی وجہ سے وہ ہم کرا ہی نہیں سکتے ہیں،پھر بھی ہم نے اس کو جائز قرار دیا،اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ موصی کا مقصد وصیت کو نافذ کرانا ہے اس لئے جتنا ہو سکے اس کو نافذ کرنا واجب ہوگا،اور اتنا ممکن ہے جتنا ہم نے ذکر کیا (کہ جہاں

فَيَجِبُ تَنْفِيْذُهَا مَا أَمْكَنَ، وَالْمُمْكِنُ فِيْهِ مَا ذَكَرْنَاهُ وَهُوَ أَوْلٰى مِنْ إِبْطَالِهَا رَأْسًا ٢ وَقَدْ فَرَقْنَا بَيْنَ هٰذَا وَبَيْنَ الْوَصِيَّةِ بِالْعِتْقِ مِنْ قَبْلُ.

(۱۰۲۰) قَالَ وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهٖ حَاجًّا فَمَاتَ فِي الطَّرِيْقِ وَأَوْصٰى أَنْ يُّحَجَّ عَنْهُ، يُحَجَّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهٖ ١ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ

سے کرایا جاسکتا ہو اس شہر سے حج کرائے)، اور حج کو مکمل باطل کرنے سے وہ بہتر ہے جس کو ہم نے ذکر کیا

تشریح: میت کے تہائی مال اتنا نہیں ہے کہ موصی کے شہر سے حج کرائے، تو جہاں سے حج کرایا جاسکتا ہو وہاں سے حج کرائے

وجہ: (۱) اس حدیث میں حج کرانے کی تاکید ہے کہ بوڑھا آدمی اونٹ پر نہیں بیٹھ سکتا ہے، تب بھی عورت کو کہا کہ اس کی جانب سے حج کرائے، اس تاکید کی وجہ سے ہر حال میں حج کرانا واجب ہوگا۔ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ امْرَأَةً مِنْ خَثْعَمٍ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أَبِي أَدْرَكَتْهُ فَرِيضَةُ اللَّهِ فِي الحَجِّ وَهُوَ شَيْخٌ كَبِيرٌ لا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى ظَهْرِ البَعِيرِ، قَالَ: »حُجِّي عَنْهُ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الحج عن الشیخ، نمبر ۹۲۸) (۲) اس کی وجہ یہ ہے کہ موصی کا مقصد یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح میرا حج ہو جائے، اور یہ اسی صورت میں ہوگا کہ جتنا ممکن ہو اتنا حج کرا دے، اور یہ مکمل باطل کرنے سے بہتر ہے

ترجمہ: ٢ حج اور عتق کی وصیت کے درمیان ہم نے پہلے فرق بیان کیا ہے

تشریح: مسئلہ نمبر ۱۰۱۰ میں یہ بات آئی تھی کہ کسی نے ایک سو درہم میں غلام آزاد کرنے کی وصیت کی ہو، لیکن اس میں سے کچھ درہم ہلاک ہو گئے تو اب کم درہم میں آزاد کرنا واجب نہیں رہے گا۔۔ لیکن ایک سو درہم میں حج کرنے کی وصیت کی ہو اور اس میں سے کچھ درہم ہلاک ہو گئے ہو تب بھی جس شہر سے حج ہو سکتا ہو وہاں سے حج کرانا واجب ہوگا، حج کا معاملہ اتنا اہم ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہاں بھی ہوگا کہ جس شہر سے حج ہو سکے وہاں سے حج کرانا واجب ہوگا، عتق اور حج میں یہ فرق ہے

ترجمہ: (۱۰۲۰) کوئی اپنے شہر سے حج کیلئے نکلا۔ پس راستے میں مر گیا اور وصیت کی کہ اس کی جانب سے حج کرائے تو حج کرایا جائے اس کے شہر سے

ترجمہ: ١ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور امام زفرؒ کا قول بھی یہی ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حج کرائے جہاں سے مرا ہے، استحسان کے طور پر۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ حج پورا نہ ہوا تو جو سفر کیا وہ حج میں شمار نہیں ہوگا، اس لئے دوبارہ میت کے شہر سے حج کرائے

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ حج کی نیت سے جو سفر کر چکا ہے وہ حج میں شمار ہوگا، اب باقی مسافت سے حج کرانا واجب ہوگا

وَمُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ بَلَغَ اِسْتِحْسَانًا، ۲؎ وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ إِذَا مَاتَ الْحَاجُّ عَنْ غَيْرِهٖ فِي الطَّرِيْقِ، ۳؎ لَهُمَا أَنَّ السَّفَرَ بِنِيَّةِ الْحَجِّ وَقَعَ قُرْبَةً وَسَقَطَ فَرْضُ قَطْعِ الْمَسَافَةِ

تشریح: ایک آدمی حج کے ارادے سے گھر سے نکلا اور راستے میں مرگیا اور اپنی جانب سے حج کرانے کی وصیت کی۔ تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دوبارہ گھر سے حج کرائے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جہاں مرا ہے وہاں سے حج کرائے۔

وجہ: (۱) امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انتقال کرنے کی وجہ سے جتنا راستہ طے کیا تھا وہ ساقط ہوگیا اور وصیت کرنے والے کی مراد گھر سے حج کروانا ہے اس لئے گھر سے حج کروائے۔ لیکن اگر نفقے میں گنجائش نہ ہو تو وہیں سے حج کروائے گا جہاں مرا ہے (۲) مرنے سے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة اشياء ،من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له** (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الصدقة عن المیت، ص۴۲، نمبر ۲۸۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرنے سے عمل منقطع ہوجاتا ہے۔ اس لئے حج نہیں کیا تو وہ بھی منقطع ہوگیا۔ اور اس کے لئے جو سفر کیا تھا وہ بھی منقطع ہوگیا اس لئے گھر سے دوبارہ حج کروائے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جہاں مرا ہے وہاں سے حج کروائے۔

وجہ: (۱) وہاں تک سفر کر چکا ہے اور اس کا اجر بھی مل چکا ہے اس لئے آگے کا سفر کروا کر حج کروائے (۲) آیت میں ہے۔ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (آیت ۱۰۰، سورة النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ ہجرت کے لئے نکلا ہوا اور راستے میں انتقال کر گیا تو اس کو اس کا اجر مل گیا۔ اس لئے جہاں مرا ہے وہیں سے حج کروائے۔

ترجمہ: ۲؎ اسی اختلاف پر ہے اگر کوئی حج بدل کر رہا ہو اور راستے میں انتقال ہوجائے

تشریح: ایک آدمی زید کی جانب سے حج بدل کر رہا تھا کچھ دور جانے کے بعد اس کا انتقال ہوگیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوبارہ موصی کے گھر سے حج بدل کرائے، اور صاحبینؒ کے نزدیک جہاں انتقال ہوا ہے وہیں سے دوبارہ حج بدل کرائے،

ترجمہ: ۳؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حج کی نیت سے سفر کرنے سے قربت ہوگئی ہے، اور اتنی مقدار مسافت کو طے کرنا جو فرض تھا وہ ساقط ہوگیا، اور اللہ کے یہاں اتنا ثواب واقع ہو چکا ہے، اس لئے اسی جگہ سے حج شروع کرے اور گویا کہ میت اسی جگہ کا باشندہ ہوگیا ہے

تشریح: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جہاں تک حج کا سفر کیا ہے اس کا ثواب مل چکا ہے، اس لئے اتنا سفر کرنا جو فرض تھا وہ

بِقَدْرِهِ وَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ فَيَبْتَدَأُ مِنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ كَأَنَّهُ مِنْ أَهْلِهِ، ۴ بِخِلَافِ سَفَرِ التِّجَارَةِ، لِأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ قُرْبَةً فَيُحَجُّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهِ، ۵ وَلَهُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ تَنْصَرِفُ إِلَى الْحَجِّ مِنْ بَلَدِهِ عَلٰى مَا قَرَّرْنَاهُ أَدَاءً لِلْوَاجِبِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِيْ وَجَبَ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

بَابُ الْوَصِيَّةِ لِلْأَقَارِبِ وَغَيْرِهِمْ

(۱۰۲۱) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِجِيْرَانِهِ فَهُمُ الْمُلَاصِقُوْنَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَالَا هُمُ الْمُلَاصِقُوْنَ وَغَيْرُهُمْ مِمَّنْ يَسْكُنُ مَحَلَّةَ الْمُوْصِيْ وَيَجْمَعُهُمْ مَسْجِدُ الْمَحَلَّةِ،

ساقط ہو چکا ہے، اس لئے اس کے علاوہ سے حج کرائے، اور ایسا ہو گیا کہ میت اس مکان کا باشندہ ہو گیا، جہاں تک جا چکا تھا، اگر وہ اسی جگہ کا باشندہ ہوتا تو اسی جگہ سے حج بدل کرواتا، اسی طرح یہاں بھی اسی جگہ سے حج کروائے گا،

ترجمہ: ۴ بخلاف تجارت کے سفر میں انتقال ہو جائے، اس لئے کہ تجارت کا سفر قربت نہیں ہوا اس لئے میت کے شہر سے حج بدل کروایا جائے گا

تشریح: زید کوفہ کا باشندہ تھا وہ تجارت کے لیے بصرہ گیا، اور وہیں انتقال ہو گیا، اور انتقال کے وقت وصیت کی کہ میرا حج بدل کروایا جائے، تو یہاں صاحبینؒ کے یہاں بھی میت کے گھر کوفہ سے حج کروایا جائے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے یہ سفر حج کے لئے تھا ہی نہیں، اس لئے حج کی قربت نہیں ہوئی اور نہ اتنا فرض سفر میت سے ساقط ہوا، اس لئے یہاں گھر سے ہی حج کروانا واجب ہوگا۔ اور پہلی صورت میں حج کی نیت سے نکلا تھا، اس لئے انتقال کی جگہ تک کی قربت ہو چکی تھی۔ اس لئے اتنا سفر ساقط ہوگا

ترجمہ: ۵ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میت کے شہر سے حج کی طرف پھیری جائے گی، جیسا کہ ہم نے ثابت کیا ہے، جس انداز میں میت پر واجب ہوا ہے اسی انداز میں ادا کرنے کے لئے، واللہ اعلم

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ میت پر اپنے شہر سے حج کرنا واجب ہوا ہے، اس لئے وصیت میں بھی وہی واجب ہوگا جو میت پر تھا، اس لئے اس کے شہر ہی سے دوبارہ حج کرانا واجب ہوگا، اور پہلے جو سفر کیا تھا چونکہ اس سے حج نہیں ہوا ہے اس لئے وہ سفر بیکار جائے گا۔ واللہ اعلم

باب الوصیة للاقارب وغیرھم

نوٹ: اس باب میں یہ دیکھا جائے گا کہ محاورے میں اس لفظ میں کون لوگ شامل ہیں ان کے لئے وصیت کا مال ہوگا

ترجمہ: (۱۰۲۱) جس نے وصیت کی اپنے پڑوسیوں کے لئے تو وہ ملے ہوئے پڑوسی ہوں گے امام ابو حنیفہؒ کے

۱ وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ، ۲ وَقَوْلُهُ قِيَاسٌ، لِأَنَّ الْجَارَ مِنَ الْمُجَاوَرَةِ وَهِيَ الْمُلَاصَقَةُ حَقِيْقَةً وَلِهٰذَا يَسْتَحِقُّ الشُّفْعَةَ بِهٰذَا الْجِوَارِ، وَلِأَنَّهُ لَمَّا تَعَذَّرَ صَرْفُهُ إِلَى الْجَمِيْعِ يُصْرَفُ إِلٰى أَخَصِّ الْخُصُوْصِ وَهُوَ

نزدیک۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ملے ہوئے بھی مراد ہیں اوراس کے علاوہ وصیت کرنے والے کے محلے میں رہتے ہیں، اور محلے کی مسجد اس کو جمع کرتی ہو (وہ بھی مراد ہے)

ترجمہ: ۱ صاحبین کا یہ قول استحسان کا تقاضہ ہے

تشریح: پڑوسیوں کی تین قسمیں ہیں۔۱۔دروازے سے ملے ہوئے پڑوسی، امام ابوحنیفہؒ نے اسی کو لیا۔۲۔محلے کی مسجد کے ساتھ شریک ہونے والے پڑوسی، صاحبینؒ نے اس کو لیا۔۳۔چاروں ملا کر چالیس گھر تک پڑوسی، امام شافعیؒ نے اس کو لیا ہے، ہر ایک کے دلائل دیکھیں

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وصیت میں پڑوسی سے وہ پڑوسی حقدار ہوں گے جو موصی کے گھر سے ملے ہوئے ہوں۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے۔۔قَالَ: سَمِعْتُ طَلْحَةَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ لِي جَارَيْنِ فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي؟ قَالَ: »إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا (بخاری شریف، باب ای الجوار اقرب، ص ۳۰۰، نمبر ۲۲۵۹) اس حدیث میں ہے کہ جس کا دروازہ قریب ہو وہ ہدیہ کے مستحق ہیں (۲) محاورے میں بھی انہیں لوگوں کو پڑوسی کہتے ہیں جنکا گھر ملا ہوا ہو۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ اس محلے کی مسجد سے جتنے لوگ متعلق ہیں سب پڑوسی ہیں اور سب کے لئے وصیت کی چیز ہوگی۔اس کی تفصیل آگے آرہی ہے

لغت: جیران: جار کی جمع ہے پڑوسی، الملاصق: ملا ہوا، متصل۔

ترجمہ: ۲ امام ابوحنیفہؒ کا قول قیاس پر ہے، اس لئے کہ جار کا لفظ مجاورۃ سے مشتق ہے، اوراس کا حقیقی ترجمہ ملاصق، ملا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ صرف وہ لوگ شفعہ کا حقدار ہوتے ہیں جو یہ جوار میں ہو، یعنی ملاصق پڑوسی ہو، اوراس لئے کہ جب تمام پڑوسیوں کی طرف پھیرنا متعذر ہو تو اخص الخصوص کی طرف پھیرا جائے گا، اور وہ ملاصق پڑوسی ہی ہوگا

تشریح: یہ پڑوسی سے ملاصق پڑوسی، یعنی دروازے کے ساتھ ملے ہوئے پڑوسی مراد ہیں، اس کے لئے تین دلیلیں دے رہے ہیں۔۱۔پہلی دلیل یہ ہے کہ جوار مجاورۃ سے مشتق ہے، اور مجاورۃ کا ترجمہ ہے ملاصقۃ، یعنی ملا ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ وصیت میں بھی جیران سے وہی پڑوسی مراد ہوگا جس کا گھر ملا ہوا ہو۔۲۔دوسری دلیل۔گھر بک رہا ہو تو شفعہ کا حق تمام پڑوسیوں کو نہیں ملتا ہے، صرف اس پڑوسی کو ملتا ہے جس کا گھر ملا ہوا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ وصیت میں بھی جیران سے وہی پڑوسی مراد ہوگا جس کا گھر ملا ہوا ہو۔۳۔تیسری دلیل یہ ہے کہ پورے گاوں کے پڑوسی مراد لینا ناممکن ہے، کیونکہ سب کو تہائی مال میں سے

الْمُلَاصِقُ. ۳؎ وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ أَنَّ هٰؤُلَاءِ كُلُّهُمْ يُسَمُّوْنَ جِيْرَانًا عُرْفًا، وَقَدْ تَأَيَّدَ بِقَوْلِهِ ﷺ "لَا صَلَاةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ" وَفَسَّرَهُ بِكُلِّ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ، ۴؎ وَلِأَنَّ الْمَقْصَدَ بِرُّ الْجِيْرَانِ وَاسْتِحْبَابُهُ يَنْتَظِمُ الْمُلَاصِقَ وَغَيْرَهُ إِلَّا أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْإِخْتِلَاطِ وَذٰلِكَ عِنْدَ اِتِّحَادِ الْمَسْجِدِ. ۵؎ وَمَا قَالَهُ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَلْجِوَارُ إِلٰى أَرْبَعِيْنَ دَارًا بَعِيْدٌ وَمَا يُرْوٰى فِيْهِ ضَعِيْفٌ،

کیسے دیا جائے گا، جب یہ متعذر ہے تو اس سے خاص ہی مراد لیا جا سکتا ہے، اور وہ خاص ہے جو گھر کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

ترجمہ: ۳؎ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ عرف میں مسجد کے ساتھ سبھی کو پڑوس کہتے ہیں، اور حضور ﷺ کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے، کہ مسجد کے پڑوس کے لئے نماز نہیں ہوتی ہے مگر مسجد میں، اور (حضرت علیؓ نے) اس کی تفسیر کی ہے کہ جو آذان کی آواز سنے وہ مسجد کے پڑوسی ہیں

تشریح: استحسان کی دلیل یہ ہے، جو صاحبینؒ کی رائے ہے، کہ عرف میں مسجد کے ساتھ جتنے لوگ متعلق ہیں وہ سب پڑوس ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مسجد کی اذان کی آواز جہاں تک جاتی ہو وہاں تک کے لوگ پڑوس میں داخل ہیں

وجہ: (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا صَلَاةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ (دار قطنی نمبر ۱۵۵۲) اور اس کی تفسیر میں یہ ہے۔عن علی قال من كان جار المسجد فسمع المنادى ينادى فلم يجبه من غير عذر فلا صلوة له (دار قطنی، باب الحث لجار المسجد علی الصلوۃ فیہ الا من عذر، ج اول، ص ۳۹۹، نمبر ۱۵۵۳/۱۵۵۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد والے سارے ہی پڑوس ہیں۔اس لئے سب کو وصیت میں سے حصہ ملے گا۔

ترجمہ: ۴؎ اور اس لئے کہ وصیت کا مقصد پڑوس کے ساتھ نیکی کرنا ہے اور اس کا استحباب ملاصق کو بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ کو بھی شامل ہے، مگر اختلاط ضروری ہے اور یہ مسجد کے ساتھ اتحاد کی صورت میں ہوگی

تشریح: صاحبینؒ کی یہ دوسری دلیل ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ وصیت کا مقصد نیکی کرنا ہے اور نیکی کا استحبابی طریقہ یہ ہے کہ ملاصق کو بھی شامل ہو اور غیر ملاصق کو بھی شامل ہو، لیکن اس کی ایک حد متعین کی ہے کہ جو مسجد کے ساتھ متصل ہو وہ پڑوس میں شامل ہوگا

ترجمہ: ۵؎ اور امام شافعیؒ نے جو فرمایا کہ چالیس گھر تک پڑوسی ہیں وہ بات بعید ہے اور اس بارے میں جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ چالیس گھر تک پڑوسی میں شامل ہوں گے، لیکن صاحب ھدایہ فرماتے ہیں یہ بات بعید از قیاس ہے، اور اس بارے میں جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ ضعیف روایت ہے

۶ وَقَالُوْا وَيَسْتَوِىْ فِيْهِ السَّاكِنُ وَالْمَالِكُ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثٰى وَالْمُسْلِمُ وَالذِّمِّيُّ، لِأَنَّ اسْمَ الْجَارِيَّةِ يَتَنَاوَلُهُمْ، ۷ وَيَدْخُلُ فِيْهِ الْعَبْدُ السَّاكِنُ عِنْدَهُ لِإِطْلَاقِهِ، وَلَا يَدْخُلُ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لَهُ وَصِيَّةٌ لِمَوْلَاهُ وَهُوَ غَيْرُ سَاكِنٍ.

(۱۰۲۲) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِأَصْهَارِهِ فَالْوَصِيَّةُ لِكُلِّ ذِىْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْ اِمْرَأَتِهِ ۱ لِمَا رُوِىَ أَنَّ النَّبِىَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا تَزَوَّجَ صَفِيَّةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ أَعْتَقَ كُلَّ مَنْ مَلَكَ مِنْ ذِىْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْهَا إِكْرَامًا

وجه: امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت یہ ہے۔عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " أَوْصَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْجَارِ إِلَى أَرْبَعِينَ دَارًا، عَشَرَةً مِنْ هَا هُنَا، وَعَشَرَةً مِنْ هَا هُنَا، وَعَشَرَةً مِنْ هَا هُنَا، وَعَشَرَةً مِنْ هَا هُنَا،قال اسمعیل عن یمینه وعن یساره وقباله وخلفه (سنن للبیہقی، باب الرجل یقول ثلث مالی الی فلان الخ، ج سادس، ص ۴۵۱، نمبر ۱۲۶۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چالیس گھر تک پڑوسی ہے سب کو وصیت میں حصہ ملے گا۔

ترجمہ: ۶ علماء فرماتے ہیں کہ پڑوس میں کرایہ پر رہتا ہو، یا ملکیت کے مکان میں رہتا ہو، مرد ہو، یا عورت ہو، مسلمان ہو، یا ذمی رہتا ہو، اس لئے کہ جار کا لفظ ان سب کو شامل ہے

تشریح: گھر کے قریب جو بھی رہتا ہو جار کا لفظ سب کو شامل ہے، چاہے وہ اپنی ملکیت کے مکان میں رہتا ہو، یا کرایہ کے مکان میں رہتا ہو، مرد ہو، یا عورت، مسلمان ہو یا ذمی ہو سب کو شامل ہے، کیونکہ سب پڑوس میں شامل ہیں۔

ترجمہ: ۷ جو گھر کے پڑوس میں غلام رہتا ہو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وصیت میں وہ بھی شامل ہوگا، جار کے لفظ کے مطلق ہونے کی وجہ سے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ غلام داخل نہیں ہوگا اس لئے کہ غلام کے لئے وصیت کا مال اس کے آقا کے لئے ہو جائے گا، حال آنکہ آقا وہاں نہیں رہتا ہے

تشریح: گھر کے پڑوس میں غلام رہتا ہو تو جار کا لفظ مطلق ہونے کی وجہ سے اس غلام کو بھی شامل ہے اور وصیت کا مال غلام کو بھی مل جائے گا۔۔لیکن صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ وصیت کا مال غلام کو نہیں ملے گا، کیونکہ غلام کو جو مال ملے گا وہ اس کے آقا کا ہو جائے گا، اور آقا پڑوس میں نہیں رہتا ہے، اس لئے غلام کو بھی وہ مال نہیں ملنا چاہئے

ترجمہ: (۱۰۲۲) جس نے وصیت کی اپنے سسرال والوں کے لئے تو بیوی کے ہر ذی رحم محرم کے لئے ہوگی۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ، روایت ہے کہ حضور ﷺ نے جب حضرت جویریہ سے نکاح کیا تو انکے ذی رحم محرم کے جو مالک ہوئے تھے سب کو آزاد کر دیا تھا اس کی تعظیم میں، اور حضرات اصھار نبی نام رکھتے تھے، یہی تفسیر امام محمدؒ اور حضرت ابو عبیدہ کی ہے

تشریح: وصیت کرنے والے نے وصیت کی کہ میرے سسرال والوں کے لئے وصیت کرتا ہوں تو بیوی کے تمام ذی رحم محرم

لَهَا، وَكَانُوا يُسَمُّوْنَ أَصْهَارَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهٰذَا التَّفْسِيرُ اِخْتِيَارُ مُحَمَّدٍ وَأَبِيْ عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا. ۲؎ وَكَذَا يَدْخُلُ فِيْهِ كُلُّ ذِيْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْ زَوْجَةِ أَبِيْهِ وَزَوْجَةِ ابْنِهٖ وَزَوْجَةِ كُلِّ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ، لِأَنَّ الْكُلَّ أَصْهَارٌ. ۳؎ وَلَوْ مَاتَ الْمُوْصِيْ وَالْمَرْأَةُ فِيْ نِكَاحِهٖ أَوْ فِيْ عِدَّتِهٖ مِنْ طَلَاقٍ

مثلاماں، باپ، دادا، دادی، بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، خالو، چچا، ماموں وغیرہ شامل ہوں گے۔

وجہ: حضرت جوریہؓ کی حدیث میں ان تمام کواصھار کہا گیا ہے اور تقریبا ایک سوآدمی ان کے اصھار میں شامل ہوکر آزاد ہوئے، حدیث کاٹکڑا یہ ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: وَقَعَتْ جُوَيْرِيَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ بْنِ الْمُصْطَلِقِ فِي سَهْمِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاس..... أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ تَزَوَّجَ جُوَيْرِيَةَ، فَأَرْسَلُوا مَا فِي أَيْدِيهِمْ مِنَ السَّبْيِ، فَأَعْتَقُوهُمْ، وَقَالُوا: أَصْهَارُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَا رَأَيْنَا امْرَأَةً كَانَتْ أَعْظَمَ بَرَكَةً عَلَى قَوْمِهَا مِنْهَا، أُعْتِقَ فِي سَبَبِهَا مِائَةُ أَهْلِ بَيْتٍ مِنْ بَنِي الْمُصْطَلِقِ (ابوداؤد شریف، باب فی بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبۃ، ص۱۹۲، نمبر ۳۹۳۱) اس حدیث میں حضرت جوریہ کے تمام ذی رحم محرم کواصھار یعنی سسرالی رشتہ قرار دیا گیا جو سوآدمی تھے۔ اس لئے ذی رحم محرم داخل ہوں گے۔

لغت: اصھار: صھر کی جمع ہے اس کا معنی داماد، یا بہنوئی ہے۔ لیکن آگے ختن کے مقابلے میں یہاں اس کا ترجمہ بیوی کے جو خاندان ہیں وہ مراد ہیں۔ جُوَيْرِيَة: شعبان ۶ ہجری میں مریسع کے مقام پر جنگ بنی مصطلق ہوئی تھی، اس جنگ میں حضرت جوریہؓ قید ہوکر آئی تھیں، اور وہ مکاتب بنی تھیں، حضور ﷺ نے انکی مال کتابت ادا کی اور آزاد کر کے شادی کی تھی، شادی ہونے کے بعد ان کے خاندان کے لوگ حضور ﷺ کے سسرالی رشتہ دار بن گئے تھے، اس لئے تمام صحابہ نے جو انکے قبضے میں بنی مصطلق کے لوگ آئے تھے صحابہ نے سب کو یہ کہہ کر آزاد کیا تھا کہ یہ لوگ حضور ﷺ کے اصھار ہیں، یعنی سسرالی رشتہ دار ہیں

ترجمہ: ۲؎ اور ایسے ہی باپ کی بیوی کے ذی رحم محرم۔ بیٹے کی بیوی کے ذی رحم محرم۔ موصی کے ہر ذی رحم محرم کی بیوی کے ذی رحم محرم وصیت میں داخل ہوں گے، اس لئے کہ یہ سب اصھار ہیں

تشریح: یہ اصھار کی دوسری تفسیر ہے، یہ بہت وسیع، اس میں چار قسم کے اصھار داخل ہیں۔ ا۔ پہلا اپنی بیوی کے ذی رحم محرم ۲۔ دوسرا، باپ کی بیوی کے ذی رحم محرم۔ ۳۔ تیسرا، بیٹے کی بیوی کے ذی رحم محرم۔ ۴۔ چوتھا، موصی کے ہر ذی رحم محرم کی بیوی کے ذی رحم محرم وصیت میں داخل ہوں گے، اس لئے کہ یہ سب اصھار ہیں

ترجمہ: ۳؎ اگر وصیت کرنے والا مرا اور بیوی اس کے نکاح میں ہے، یا اس کی طلاق رجعی کی عدت میں ہے تو صھر وصیت کے مال کے مستحق ہوں گے، اور اگر بیوی طلاق بائن کی عدت میں ہے تو وصیت کے مال کا مستحق نہیں ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ موت کے وقت نکاح باقی ہوگا تب ہی صھر یت باقی رہے گی، کیونکہ موت کے وقت نکاح باقی رہنا شرط ہے

رَجْعِيّ فَالصِّهْرُ يَسْتَحِقُّ الْوَصِيَّةَ، وَإِنْ كَانَتْ فِيْ عِدَّةٍ مِنْ طَلَاقٍ بَائِنٍ لَا يَسْتَحِقُّهَا، لِأَنَّ بَقَاءَ الصِّهْرِيَّةِ بِبَقَاءِ النِّكَاحِ وَهُوَ شَرْطٌ عِنْدَ الْمَوْتِ.

(۱۰۲۳) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِأَخْتَانِهٖ فَالْوَصِيَّةُ لِزَوْجِ كُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ ۱؎ وَكَذَا مَحَارِمُ الْأَزْوَاجِ، لِأَنَّ الْكُلَّ يُسَمّٰى خَتَنًا، ۲؎ قِيْلَ هٰذَا فِيْ عُرْفِهِمْ، وَفِيْ عُرْفِنَا لَا يَتَنَاوَلُ إِلَّا أَزْوَاجَ الْمَحَارِمِ، ۳؎ وَيَسْتَوِيْ فِيْهِ الْحُرُّ وَالْعَبْدُ وَالْأَقْرَبُ وَالْأَبْعَدُ، لِأَنَّ اللَّفْظَ يَتَنَاوَلُ الْكُلَّ.

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ موصی کی موت کے وقت بیوی سے نکاح باقی ہو تب ہی صھر کی رشتہ داری رہے گی اور وصیت کا مال ملے گا، اور موت سے پہلے موصی کا نکاح ختم ہو چکا تھا تو نہ صھر باقی رہے گا اور نہ وصیت کا مال ملے گا

تشریح: نکاح باقی رہنے کی دو صورتیں ہیں۔ا۔پہلی یہ کہ نکاح باقی رہے۔۲۔دوسری، یہ کہ بیوی طلاق رجعی کی عدت گزار رہی ہو۔۳۔اور اگر موت سے پہلے طلاق بائن پڑ چکی ہو اور بیوی طلاق بائن کی عدت گزار رہی ہو تو چونکہ طلاق بائن سے موصی سے نکاح ٹوٹ چکا ہے اس لئے صھر کی بنیاد پر کسی کو وصیت کا مال نہیں ملے گا

ترجمہ: (۱۰۲۳) کسی نے وصیت کی (ختن) دامادوں کے لئے تو ہر ذی رحم محرم عورت کا شوہر ختن میں داخل ہے۔

تشریح: ختن کا ترجمہ داماد ہے اس لئے تمام ذی رحم محرم عورت مثلا بیٹی کا شوہر، بہن کا شوہر، پھوپھی کا شوہر اور خالہ کا شوہر یہ سب ختن میں داخل ہوں گے۔اور ہر ایک کو وصیت میں حصہ ملے گا۔

وجہ: کوفے کے محاورے میں ان تمام لوگوں کو ختن یعنی داماد کہتے ہیں (۲) اوپر حضرت جوریہؓ کی حدیث میں حضرت جویریہؓ کے تمام ذی رحم محرم شامل ہوئے۔اسی پر قیاس کر کے ختن میں اپنی ذی رحم محرم کے تمام عورتوں کے شوہر داماد میں داخل ہوں گے۔

لغت: اختان: ختن کی جمع ہے عورت کی طرف سے رشتے جیسے سسر، سالہ، داماد، یہاں بیٹی کا شوہر مراد ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسی طرح بیوی کے جو ذی رحم محرم ہیں وہ بھی ختن میں داخل ہوں گے اس لئے کہ سب کو ختن، کہتے ہیں

تشریح: ختن کی یہ تفسیر عام ہے۔بیوی کے ذی رحم محرم، بیوی کے بھائی، باپ، چچا، خالو، ماموں، پہلے شوہر سے بیٹا، یہ سب ختن میں شامل ہوں گے اور وصیت کے مال میں سب کو حصہ ملے گا

ترجمہ: ۲؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ اہل کوفہ کے محاورے میں ہے، ہمارے عرف، یعنی اہل فرغانہ کے عرف میں صرف ذی رحم محرم عورتوں کے شوہر ختن میں داخل ہوں گے

تشریح: صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ کوفہ کے محاورے میں ختن سے مراد سب ذی رحم محرم عورتوں کے شوہر مراد ہیں، لیکن اہل فرغانہ کے محاروے میں محرم عورتوں کے جو شوہر ہیں وہ مراد ہوں گے

ترجمہ: ۳؎ یہ داماد آزاد ہو، یا غلام، قریب کے داماد ہوں یا دور کے داماد ہوں لفظ ختن سب کو شامل ہے

(۱۰۲۴) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِأَقَارِبِهٖ فَهِيَ لِلْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبُ مِنْ كُلِّ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ، وَلَا يَدْخُلُ فِيْهِ الْوَالِدَانِ وَالْوَلَدُ وَيَكُوْنُ ذٰلِكَ لِلْاِثْنَيْنِ فَصَاعِدًا وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَقَالَ صَاحِبَاهُ الْوَصِيَّةُ لِكُلِّ مَنْ يُّنْسَبُ إِلٰى أَقْصٰى أَبٍ لَهٗ فِي الْإِسْلَامِ

تشریح: ختن کے لئے وصیت کی تو اس میں غلام داماد ہو، یا آزاد داماد ہوں، قریب کے داماد ہو یا دور کے داماد ہوں سب کو شامل ہے، اور سب کو وصیت کا مال ملے گا

ترجمہ: (۱۰۲۴) جس نے وصیت کی قرابت داروں کے لئے تو ذی رحم محرم میں سے اقرب فالاقرب کے لئے وصیت ہوگی۔اور ان میں والدین اور اولاد داخل نہیں ہوں گے۔اور دو یا اس سے زیادہ کے لئے ہوگی۔اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اسلام میں جو آخری باپ ہے وہاں تک جو منسوب ہو سب وصیت میں داخل ہوں گے

تشریح: اس مسئلے میں اقارب کا مفہوم متعین کیا ہے۔اور چار باتیں کہی ہیں۔ا۔پہلی بات یہ ہے کہ اقارب کے لئے وصیت کی تو ذی رحم محرم رشتہ دار کے لئے وصیت ہوگی۔دامادگی کے رشتے والے داخل نہیں ہوں گے۔۲۔دوسری بات۔اور اس میں بھی جو قریب کے رشتہ دار ہوں گے ان کو پہلے ملے گا۔وہ نہ ہوں تو ان کے بعد کے رشتہ داروں کو وصیت ملے گی۔۳۔تیسری بات یہ کہی کہ اقارب میں والدین اور اولاد داخل نہیں ہیں۔۴۔اور چوتھی بات یہ کہی کہ، اقارب، جمع کا صیغہ ہے اس لئے ہر قسم کے دو دو آدمی وصیت میں داخل ہوں گے

وجہ: (۱) کیونکہ محاورے میں اقارب اس کو کہتے ہیں جو بالواسطہ رشتہ دار ہوں۔اور والدین اور بچے بالواسطہ رشتہ دار نہیں ہیں بلکہ براہ راست رشتہ دار ہیں۔اس لئے وہ اقارب کی وصیت میں داخل نہیں ہوں گے (۲) آیت میں بھی والدین کو الگ بیان کیا ہے اور اقربہ کو اس پر عطف کر کے الگ بیان کیا جس سے معلوم ہوا کہ والدین اقربہ میں داخل نہیں۔اس کی اہمیت اس سے بھی زیادہ ہے۔اور اسی پر اولاد کو قیاس کیا جائے گا۔آیت یہ ہے۔كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (آیت ۱۸۰، سورۃ البقرۃ ۲) دوسری آیت میں ہے۔يَسْأَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (آیت ۲۱۵، سورۃ البقرۃ ۲) ان دونوں آیتوں میں والدین کو خرچ کرنے کے لئے الگ ذکر کیا اور اقربین کو الگ ذکر کیا جس سے معلوم ہوا کہ والدین اقربین میں داخل نہیں ہیں۔

اور تیسری بات یہ کہی کہ اقارب جمع ہے اقرب کی اس لئے میراث کے قاعدے سے کم سے کم دو دو کے لئے وصیت ہوگی ایک کے لئے نہیں۔

وجہ: قاعدہ تو یہی ہے کہ جمع کا صیغہ تین کے لئے آتا ہے لیکن میراث میں جمع کا صیغہ دو کے لئے آتا ہے۔اور وصیت میراث

لے وَهُوَ أَوَّلُ أَبٍ أَسْلَمَ أَوْ أَوَّلَ أَبٍ أَدْرَكَ الْإِسْلَامَ وَإِنْ لَمْ يُسْلِمْ عَلٰى حَسْبِ مَا اخْتَلَفَ فِيهِ الْمَشَائِخُ. وَفَائِدَةُ الْإِخْتِلَافِ تَظْهَرُ فِيْ أَوْلَادِ أَبِيْ طَالِبٍ فَإِنَّهُ أَدْرَكَ الْإِسْلَامَ وَلَمْ يُسْلِمْ،

کی بہن ہے۔اس لئے کم از کم دوکوشامل ہوگی۔اور جس طرح میراث میں اقرب کو دیا جاتا ہے وہ نہ ہوتب اس کے بعدوالوں کو دیا جاتا ہے۔اسی طرح وصیت میں اقرب کو دی جائے گی۔وہ نہ ہوں تب اس کے بعدوالوں کو دی جائے گی۔**عن ابن طاؤس عن ابیہ قال کان لایری الوصیة الا لذوی الارحام اھل الفقر،فان اوصی بھا لغیرھم نزعت منھم فردت الیھم** (مصنف ابن ابی شیبۃ،۱۶من قال یردعلی ذی القرابۃ،ج سادس،ص ۲۱۵،نمبر۳۰۷۷۴)اس اثر میں ہے کہ دوروالوں کے لئے وصیت کی ہوتب بھی اس کو ساقط کر کے قریب والوں کو دی جائے گی۔اسی طرح قریب کے ہوتے ہوئے دوروالوں کو نہیں دی جائے گی۔اشارہ اس آیت میں بھی ہے۔یَسْأَلُونَکَ مَاذَا یُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْأَقْرَبِیْنَ وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَیْرٍ فَإِنَّ اللّٰہَ بِہِ عَلِیْمٌ (آیت۲۱۵،سورۃ البقرۃ۲)اس آیت میں والاقربین اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا ہے جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ زیادہ قریب والوں کو پہلے وصیت کا مال دے۔

صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ اسلام میں موصی کا جو پہلا باپ ہے وہاں تک جو بھی ذی رحم محرم ہوں گے وہ اقرباء میں شامل ہوں گےاور سب کووصیت کے مال میں سے ملے گا۔باقی تفصیل آگے آرہی ہے

لغت: صاعد:صعد سے مشتق ہے،اس کا لفظی ترجمہ ہے چڑھنا،یہاں مراد ہے اس سے زیادہ،یعنی دو یا اس سے زیادہ تین،چار۔

ترجمہ: لے اسلام میں جو پہلا باپ ہے،دوسری تفسیر یہ ہے کہ پہلا باپ جس نے اسلام پایا ہو چاہے وہ اسلام نہ لایا ہو، مشائخ کے اختلاف کے مطابق،اس اختلاف کا فائدہ ظاہر ہوگا،جناب ابوطالب کی اولاد کے بارے میں (کہ اس کی اولاد کو وصیت کا مال ملے گا یا نہیں)اس لئے کہ اس نے اسلام کا زمانہ تو پایا لیکن اسلام نہیں لایا

تشریح: اقصی اب لہ فی الاسلام،کی تفسیر میں مشائخ میں اختلاف ہے،کچھ حضرات نے فرمایا کہ پہلا باپ جس نے اسلام لایا ہو وہاں تک قریب میں داخل ہوگا۔اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اسلام کا زمانہ پایا ہو چاہے اسلام نہ لایا ہو وہاں تک قرابت میں داخل ہوگا۔یہ دو تفسیر ہیں

تبصرہ: اس تفصیل کی بنیاد پر جناب ابوطالب،جو حضرت علیؓ کے والد ہیں ان کی اولاد کے بارے میں فرق ہوگا۔۔مثلا حضرت علیؓ کی کسی اولاد نے اپنے اقرباء کے لئے وصیت کی تو جن حضرات نے کہا کہ اسلام کا زمانہ پایا ہو چاہے اسلام نہ لایا ہو، اس تفسیر کے اعتبار سے جناب ابوطالب کی اولاد حضرت جعفرؓ وغیرہ وصیت میں داخل ہوگی،اوران کو وصیت کا مال مل جائے گا۔ اور جن حضرات کہا کہ پہلا باپ جو اسلام بھی لایا ہو اس کی اولاد داخل ہوگی،تو اس تفسیر کے اعتبار سے جناب ابوطالب کی اولاد

۲؎ لَهُمَا أَنَّ الْقَرِيْبَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْقَرَابَةِ فَيَكُوْنُ اِسْمًا لِمَنْ قَامَتْ بِهٖ فَيَنْتَظِمُ بِحَقِيْقَتِهٖ مَوَاضِعَ الْخِلَافِ، ۳؎ وَلَهٗ أَنَّ الْوَصِيَّةَ أُخْتُ الْمِيْرَاثِ، وَفِي الْمِيْرَاثِ يُعْتَبَرُ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ، وَالْمُرَادُ بِالْجَمْعِ الْمَذْكُوْرِ فِيْهِ اِثْنَانِ فَكَذَا فِي الْوَصِيَّةِ. ۴؎ وَالْمَقْصَدُ مِنْ هٰذِهِ الْوَصِيَّةِ تَلَافِيْ مَا فَرَطَ فِيْ إِقَامَةِ وَاجِبِ الصِّلَةِ وَهُوَ يَخْتَصُّ بِذِي الرَّحِمِ الْمَحْرَمِ مِنْهُ ۵؎ وَلَا يَدْخُلُ فِيْهِ قَرَابَةُ الْوَلَادِ فَإِنَّهُمْ لَا يُسَمُّوْنَ أَقْرِبَاءَ، وَمَنْ سَمّٰى وَالِدَهٗ قَرِيْبًا كَانَ مِنْهُ عُقُوْقًا، وَهٰذَا لِأَنَّ الْقَرِيْبَ فِيْ عُرْفِ اللِّسَانِ مَنْ

حضرت جعفرؓ وغیرہ وصیت میں دخل نہیں ہوں گے، کیونکہ ابو طالب نے اسلام نہیں لایا تھا، ہاں حضرت علیؓ نے اسلام لایا تھا اس لئے حضرت علیؓ کی اولاد تک داخل ہوگی اور ان تک کو وصیت کا مال ملے گا

ترجمہ: ۲؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قریب قرابت سے مشتق ہے اس لئے قریب ہر اس شخص کا نام ہوگا جس کے ساتھ قرابت قائم ہو، اس لئے قریب اپنی حقیقت کے اعتبار سے اختلاف کی جگہ کو شامل ہوگا

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرابت کا لفظ قریب سے مشتق ہے اس لئے دور کے ذی رحم محرم ہوں یا قریب کے ذی رحم محرم ہوں سب کو شامل ہوں گے، اور قرابت کی وصیت میں سب شامل ہوں گے

ترجمہ: ۳؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث میں اقرب فالاقرب کا اعتبار رہوتا ہے، اور میراث میں جمع کا صیغہ دو کے معنی میں ہوتا ہے ایسے ہی وصیت میں بھی ہوگا (کہ دو دو رشتہ دار ہوں گے)

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے، کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث میں پہلے قریب کو دیا جاتا ہے وہ نہ تب اس سے دور کو دیا جاتا ہے، ویسے ہی وصیت میں ہوگا، کہ پہلے قریب کے ذی رحم محرم کو دیا جائے گا وہ نہیں ہوگا تب جا کر اس سے دور والے کو ملے گا، دوسری بات یہ بتا رہے ہیں کہ میراث میں جمع کے صیغے سے تین عدد مراد نہیں ہوتا ہے بلکہ دو عدد مراد ہوتا ہے اسی طرح وصیت میں بھی اقرباء، جمع کے لفظ سے دو دو ہی قریب مراد ہوں گے

ترجمہ: ۴؎ صلہ رحمی ادا کرنے کے واجب میں جو کمی کوتاہی ہوئی اس وصیت کا مقصد اس کی تلافی ہے، اس لئے وصیت ذی رحم محرم کے ساتھ خاص ہوگی

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اقرباء میں ذی رحم محرم داخل ہیں اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ وصیت کا مقصد یہ ہے کہ صلہ رحمی ادا کرنے میں جو کوتاہی واقع ہوئی ہے اس کو پورا کرنا ہے اس لئے ذی رحم محرم کے ساتھ خاص ہوگا، اور اقرب فالاقرب کا قاعدہ چلے گا

ترجمہ: ۵؎ ولادت کی قرابت (جیسے باپ اور بیٹا) اقرباء میں داخل نہیں ہوگا اس لئے کہ لوگ ان لوگوں کو اقرباء نہیں کہتے ہیں، چنانچہ اپنے والد کو قریب کا رشتہ دار کہے تو یہ اس سے نافرمانی شمار کی جاتی ہے، اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عرف میں

يَتَقَرَّبُ إِلٰى غَيْرِهٖ بِوَسِيْلَةِ غَيْرِهٖ، وَتَقَرُّبُ الْوَالِدِ وَالْوَلَدِ بِنَفْسِهٖ لَا بِغَيْرِهٖ، ۶ وَلَا مُعْتَبَرَ بِظَاهِرِ اللَّفْظِ بَعْدَ انْعِقَادِ الْإِجْمَاعِ عَلٰى تَرْكِهٖ فَعِنْدَهٗ يُقَيَّدُ بِمَا ذَكَرْنَاهُ، وَعِنْدَهُمَا بِأَقْصَى الْأَبِ فِي الْإِسْلَامِ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ بِالْأَبِ الْأَدْنٰى.

(۱۰۲۵) قَالَ وَإِذَا أَوْصٰى لِأَقَارِبِهٖ وَلَهٗ عَمَّانِ وَخَالَانِ فَالْوَصِيَّةُ لِعَمَّيْهِ ۱ عِنْدَهٗ اِعْتِبَارًا لِلْأَقْرَبِ كَمَا

قریب اس کو کہتے ہیں جو دوسرے کے وسیلے اور واسطے سے قربت حاصل کی جائے، اور والد اور لڑکے کی قرابت بذات خود ہوتی ہے، غیر کے واسطے سے نہیں ہوتی ہے

تشریح: اقرباء میں باپ اور لڑکا داخل نہیں ہوگا، ان کے علاوہ داخل ہوں گے، اس کی تین دلیل دے رہے ہیں۔ا۔ پہلی دلیل والد کو کوئی قریب کہے تو یہ والد کی توہین شمار کی جاتی ہے، اس لئے اقرباء کے لفظ میں والد داخل نہیں ہوں گے۔۲۔عرف میں قریب اس کو کہتے ہیں کہ جو غیر کے واسطے سے قربت حاصل کرے، یعنی اس کے درمیان پیدائش کی نسبت نہ ہو، اور والد اور بیٹا ایسے رشتے ہیں جو بذات خود قریب ہیں، دوسرے کے واسطے سے نہیں ہیں اس لئے بھی یہ اقرباء میں داخل نہیں ہوں گے۔

لغت: الولاد: ولد سے مشتق ہے، پیدائش کے ساتھ رشتہ جڑا ہوا ہے، جیسے والد، جس نے پیدا کیا، اور بیٹا، بیٹی، جو پیدا ہوئے۔

ترجمہ: ۶ اور معتبر نہیں ہے اجماع کے انعقاد کے بعد ظاہر لفظ کے چھوڑنے کا، اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سے مقید کیا جو ہم نے ذکر کیا (کہ ذی رحم محرم مراد ہے) اور صاحبینؒ کے نزدیم اسلام میں آخری باپ مراد ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک قریب کے باپ، مراد ہے

تشریح: اقرباء کا لفظی معنی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر اب تک کے تمام رشتہ دار، لیکن اس بات پر اجماع ہو گیا کہ یہ معنی مراد نہیں ہے، اس لئے امام ابو حنیفہؒ نے اقرباء کے لفظ کو مقید کیا کہ اس سے ذی رحم محرم مراد ہے، اور اس میں بھی اقرب فالاقرب مراد ہے، اور صاحبین نے مقید کیا کہ اس سے اسلام میں سب سے پہلا باپ کی اولاد، اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قریب کا باپ، یعنی اپنا باپ اور اس کی اولاد مراد ہے۔

ترجمہ: (۱۰۲۵) اگر وصیت کی اقارب کے لئے اور اس کے لئے دو چچے اور دو ماموں ہیں تو وصیت اس کے دو چچاؤں کے لئے ہوگی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

ترجمہ: ۱ اقرب کا اعتبار کرتے ہوئے جیسا کہ وراثت میں ہوتا ہے

تشریح: اوپر قاعدہ گزرا کہ وصیت پہلے اقرب کو دی جائے گی وہ نہ ہو تب اس کے بعد والے کو دی جائے گی۔اب کسی نے اقارب کے لئے وصیت کی اور اس کے لئے دو چچے ہیں اور دو ماموں ہیں۔تو وصیت چچاؤں کے لئے ہوگی۔

وجہ: (۱) اقرب کے قاعدے کے اعتبار سے چچا اقرب ہیں اور عصبہ بھی ہیں۔اور ماموں کا درجہ بعد کا ہے۔اس لئے چچاؤں

فِي الْإِرْثِ ۲؎ وَعِنْدَهُمَا بَيْنَهُمْ أَرْبَاعًا إِذْ هُمَا لَا يَعْتَبِرَانِ الْأَقْرَبَ.
(۱۰۲۶) وَلَوْ تَرَكَ عَمًّا وَخَالَيْنِ فَلِلْعَمِّ نِصْفُ الْوَصِيَّةِ، وَالنِّصْفُ لِلْخَالَيْنِ، ۱؎ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ اعْتِبَارِ مَعْنَى الْجَمْعِ وَهُوَ الِاثْنَانِ فِي الْوَصِيَّةِ كَمَا فِي الْمِيرَاثِ، ۲؎ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصَى لِذِي قَرَابَتِهِ حَيْثُ يَكُونُ لِلْعَمِّ كُلُّ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّ اللَّفْظَ لِلْفَرْدِ فَيَحْرُزُ الْوَاحِدُ كُلَّهَا إِذْ هُوَ الْأَقْرَبُ،

کووصیت ملے گی (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »أَلْحِقُوا الفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ (بخاری شریف، باب میراث ابن الابن اذا لم یکن ابن، ص ۱۹۹۷، نمبر ۶۷۳۵) اس حدیث میں ہے اہل حصہ کو میراث تقسیم کرنے کے بعد مذکر عصبہ کو دو۔ اور ماموں کے درمیان واسطہ ماں کا ہے۔ کیونکہ وہ ماں کا بھائی ہے اس لئے مؤنث کا واسطہ ہو گیا۔ اس لئے ان کا درجہ چچا کے بعد ہو گیا۔ اس لئے چچا کو پہلے ملے گا (۳) ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »الْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی میراث الخال، نمبر ۲۱۰۴) اس حدیث میں ہے کہ کوئی وارث نہ ہو تب ماموں وارث بنیں گے۔ اور چچا عصبہ کے اعتبار سے وارث ہیں اس لئے ماموں کو وصیت نہیں ملے گی۔

ترجمہ: ۲؎ صاحبینؒ کے نزدیک وصیت کی رقم ان لوگوں کے درمیان چار حصوں پر تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ یہ اقرب کا اعتبار نہیں کرتے ہیں

تشریح: صاحبینؒ کے یہاں اقرب کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے دونوں چچا اور دونوں ماموں وصیت میں شامل ہوں گے، اور چاروں کو ایک ایک حصہ ملے گا

ترجمہ: (۱۰۲۶) اور اگر اس کے لئے ایک چچا ہو اور دو ماموں ہوں تو چچا کے لئے آدھا اور دونوں ماموں کے لئے آدھا ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ جمع کے معنی کا اعتبار ہے اور وصیت میں کم سے کم دو جمع ہیں جیسا کہ میراث میں ہوتا ہے

اصول: یہ مسئلہ اسی اصول پر متفرع ہے کہ پہلے قریب والے کو اس کے بعد جو قریب ہو اس کو ملے گا۔

اصول: دوسرا اصول یہ ہے کہ جمع کے صیغے کا اعتبار کیا جائے گا، اور وہ کم سے کم دو ہوں

تشریح: وصیت میں اقارب جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے جس کا اطلاق میراث اور وصیت میں کم سے کم دو پر ہے۔ اور یہاں ایک ہی چچا موجود ہے اس لئے ایک چچا کو وصیت کا آدھا ملے گا باقی آدھا اس کے بعد والے کو ملے گا۔ اور بعد والے میں دو ماموں ہیں تو دو ماموں کو آدھا ملے گا۔

ترجمہ: ۲؎ بخلاف اگر اپنے ایک قریب کے لئے وصیت کی تو پوری وصیت چچا کے لئے ہو جائے گی، اس لئے کہ لفظ مفرد کا ہے اس لئے جائز ہے کہ سب ایک ہی کے لئے ہو جائے، اس لئے کہ چچا ہی اقرب ہے

تشریح: اقرباء جمع کا صیغہ نہیں بولا، بلکہ قریب، واحد کا صیغہ بولا، تو چونکہ واحد کا صیغہ ہے اس لئے ماموں سے زیادہ قریب

۳؎ وَلَوْ كَانَ لَهُ عَمٌّ وَاحِدٌ فَلَهُ نِصْفُ الثُّلُثِ لِمَا بَيَّنَّاهُ. ۴؎ وَلَوْ تَرَكَ عَمًّا وَعَمَّةً وَخَالًا وَخَالَةً فَالْوَصِيَّةُ لِلْعَمِّ وَالْعَمَّةِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ لِاسْتِوَاءِ قَرَابَتِهِمَا وَهِيَ أَقْوٰى، وَالْعَمَّةُ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ وَارِثَةً فَهِيَ مُسْتَحِقَّةٌ لِلْوَصِيَّةِ كَمَا لَوْ كَانَ الْقَرِيْبُ رَقِيْقًا أَوْ كَافِرًا، ۵؎ وَكَذَا إِذَا أَوْصٰى لِذَوِيْ قَرَابَتِهِ أَوْ لِأَقْرِبَائِهِ أَوْ لِأَنْسَابِهِ فِيْ جَمِيْعِ مَا ذَكَرْنَا، لِأَنَّ كُلَّ ذٰلِكَ لَفْظُ جَمْعٍ،

چچا ہے اس لئے پوری وصیت ایک چچا کے لئے ہو جائے گی

ترجمہ: ۳؎ اور اگر (اقرباء، جمع کا صیغہ بولا) اور یہاں ایک ہی چچا تھا تو تہائی کا آدھا ملے گا، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے پہلے ذکر کیا

تشریح: اقرباء، جمع کے صیغے کے ساتھ وصیت کی تھی تو دو چچا کے لئے وصیت ہوگی، لیکن ہے ایک ہی چچا اس لئے ایک چچا کو تہائی کی آدھی ملے گی۔

ترجمہ: ۴؎ موصی نے اقرباء، جمع کا صیغہ بولا تھا اور موصی نے ایک چچا اور ایک پھوپھی چھوڑی اور ماموں اور ایک خالہ چھوڑی، تو وصیت کا مال چچا اور پھوپھی کے لئے آدھا آدھا ہوگا، دونوں کی قرابت برابر ہونے کی وجہ سے، اور یہ ماموں اور خالہ سے قوی ہیں، پھوپھی اگر چہ وارث نہیں ہے لیکن وہ وصیت کی مستحق ہے، جیسے قرابت میں کافر اور غلام ہوں (تو اگر چہ یہ وارث نہیں ہوتے لیکن قرابت کی وجہ سے وصیت کا مال ملے گا، ایسے ہی پھوپھی کے لئے ہوگا)

تشریح: موصی نے اقرباء کا لفظ جمع کے صیغے کے ساتھ بولا، اور اس کے پاس ایک چچا ہے، پھوپھی ہے، ماموں ہے اور خالہ ہے، تو یہاں دو باتیں ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اقرب فالاقرب کے قاعدے کے مطابق ماموں اور خالہ کی بنسبت چچا اور پھوپھی زیادہ قریب ہیں اس لئے ان دونوں کو ملے گا، اور جمع کا صیغہ ہے اس لئے جمع کا صیغہ پورا کرنے کے لئے چچا اور پھوپھی دونوں کو ملے گا، دوسری بات یہ فرماتے ہیں کہ پھوپھی اگر چہ وارث نہیں ہے، لیکن اقرباء کے لفظ میں شامل ہے اس لئے اس کو وصیت کا مال مل جائے گا، اس کی مثال دیتے ہیں کہ کافر، یا غلام اقرباء ہو تو ان کو وراثت کا مال نہیں ملتا ہے، لیکن اقرباء کے لئے وصیت کی ہو تو ان کو وصیت ملے گی، اسی طرح پھوپھی اگر چہ وارث نہیں ہے لیکن ان کو وصیت ملے گی

ترجمہ: ۵؎ ایسے ہی اگر اپنے قرابت کے لئے وصیت کی، یا اقرباء کے لئے وصیت کی، یا انسباء کے لئے وصیت کی تو ان الفاظ میں بھی یہی تفصیل ہوگی، جو اوپر گزری، اس لئے کہ یہ سب بھی جمع کے صیغے ہیں۔

تشریح: قریب کے لئے جمع کے چند الفاظ استعمال ہوتے ہیں، اگر وصیت میں وہ سب الفاظ بھی استعمال کئے تو اس کا بھی حکم وہی ہوگا، یعنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اقرب فالاقرب ہوگا اور صاحبینؒ کے یہاں اسلام میں پہلے باپ تک شریک ہو جائیں گے، اور جمع کا صیغہ ہے اس لئے کم سے کم دو کو دینا ہوگا، وہ الفاظ یہ ہے کہ اقرباۃ، قرابتہ، انسباۃ،

۶ وَلَوْ انْعَدَمَ الْمَحْرَمُ بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ لِأَنَّهَا مُقَيَّدَةٌ بِهٰذَا الْوَصْفِ.
(۱۰۲۷) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِأَهْلِ فُلَانٍ فَهِيَ عَلٰى زَوْجَتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۱ وَقَالَا يَتَنَاوَلُ كُلُّ مَنْ يَعُوْلُهُمْ وَتَضُمُّهُمْ نَفَقَتُهُ اِعْتِبَارًا لِلْعُرْفِ وَهُوَ مُؤَيَّدٌ بِالنَّصِّ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى "وَأْتُوْنِيْ بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِيْنَ" ۲ وَلَهُ أَنَّ اِسْمَ الْأَهْلِ حَقِيْقَةٌ فِي الْزَوْجَةِ يَشْهَدُ بِذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى "وَسَارَ

ترجمہ: ۶ اور اگر موصی کا ذی رحم محرم نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ وصیت اسی قید کے ساتھ مقید ہے

تشریح: اقرباء کے لئے وصیت کی تھی اور اقرباء میں ذی رحم محرم پہلے ہے، لیکن موصی کا کوئی ذی رحم محرم نہیں ہے تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ لینے والا نہیں رہا۔

ترجمہ: (۱۰۲۷) کسی نے فلاں کے اہل کے لئے وصیت کی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ فلاں کی بیوی پر ہوگی

ترجمہ: ۱ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ فلاں جس کی کفالت کرتا ہے ان سب کو شامل ہوگا اور جن کو فلاں کا نفقہ ملتا ہے، عرف کا اعتبار کرتے ہوئے، اللہ تعالی کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ ہے و اتونی باهلکم اجمعین

تشریح: یہاں چار الفاظ کی تفسیر کر رہے ہیں۔ا۔فلاں کے اہل کے لئے وصیت کی۔۲۔فلاں کے آل کے لئے وصیت کی ۔۳۔فلاں کے اہل بیت کے لئے وصیت کی۔۴۔فلاں کے اہل نسب کے لئے وصیت کی، تو ان الفاظ میں کون کون سے لوگ وصیت میں شامل ہوں گے۔

۔ا۔ پہلا لفظ، فلاں کے اہل کے لئے وصیت کی، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے فلاں کی بیوی مراد ہوگی، اور صاحبینؒ کے نزدیک اس سے وہ سارے لوگ مراد ہوں گے، فلاں جنکی کفالت کرتا ہے اور فلاں کی جانب سے ان لوگوں کو نفقہ ملتا ہے

وجہ: صاحبینؒ کی دو دلیلیں۔ا۔پہلی دلیل یہ ہے قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ اپنے اہل کو مصر لے آو، اور اس سے پورا خاندان مراد لیا گیا ہے، آیت یہ ہے ۔اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ (سورت یوسف ۱۲، آیت ۹۳)۔(۲) عرف میں اہل سے وہ سارے لوگ مراد ہوتے ہیں جو انکی کفالت میں ہوتے ہیں، اس لئے اہل کی وصیت میں سارے لوگ داخل ہوں گے

لغت: یتناول: ناول سے مشتق ہے، شامل ہونا۔ یعول: معاش کی کفالت کرنا تضم: شریک کرنا، ملانا۔

ترجمہ: ۲ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اہل حقیقت میں بیوی کے لئے بولا جاتا ہے، قرآن اس کی گواہی دیتا ہے، چنانچہ ہے، سار باهله، (اور اس سے حضرت موسی علیہ السلام کی بیوی مراد ہے)، اور اسی سے اہل عرب بولتے ہیں تاہل ببلده، (یعنی اس نے اس شہر میں نکاح کر لیا)، اور ایسے ہی اہل مطلق بولا جائے تو حقیقت کی طرف پھیرا جاتا ہے (اور وہ بیوی ہے)

تشریح: حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں کئی جگہ اہل بولا گیا ہے، اور اس سے حضرت موسی علیہ السلام کی

بِـأَهْلِهِ'' وَمِنْهُ قَوْلُهُمْ تَأَهَّلَ بِبَلَدَةِ كَذَا وَالْمُطْلَقُ يَنْصَرِفُ إِلَى الْحَقِيقَةِ. ۳ وَلَوْ أَوْصَى لِآلِ فُلَانٍ فَهُوَ لِأَهْلِ بَيْتِهِ، لِأَنَّ الْآلَ الْقَبِيلَةُ الَّتِي يُنْسَبُ إِلَيْهَا، ۴ وَلَوْ أَوْصَى لِأَهْلِ بَيْتِ فُلَانٍ يَدْخُلُ فِيهِ أَبُوهُ وَجَدُّهُ، لِأَنَّ الْأَبَ أَصْلُ الْبَيْتِ. ۵ وَلَوْ أَوْصَى لِأَهْلِ نَسَبِهِ أَوْ لِجِنْسِهِ فَالنَّسَبُ عِبَارَةٌ عَمَّنْ يُنْسَبُ

بیوی مراد لی گئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اہل عرب عرف میں بولتے ہیں تاہل ببلدہ، اوراس سے مراد لیتے ہیں کہ اس نے اس شہر میں نکاح کرلیا، اوراس سے صرف بیوی مراد لیتے ہیں۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اہل کے دو معنی ہیں ایک ہے مجازی معنی، کوئی قرینہ موجود ہو تو مجازی معنی مراد لیا جاتا ہے، جیسے اوپر حضرت یوسفؑ کے قول میں قرینہ تھا، وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ،تو یہاں اجمعین قرینہ تھا کہ اس سے پورا خاندان مراد ہے، لیکن اگر مجازی معنی کا قرینہ نہ ہو تو پھر حقیقی معنی بیوی مراد لی جاتی ہے

وجہ: (۱) یہاں دو آیتیں ہیں جن میں اہل سے حضرت موسی علیہ السلام کی بیوی مراد لی گئی ہے۔فَلَمَّا قَضَى مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ (سورت القصص ۲۸، آیت ۲۹) (۲)۔وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى، إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى (سورت طہ ۲۰، آیت ۱۰)

ترجمہ: ۳ اور اگر آل فلاں کے لئے وصیت کی تو اس سے مراد پورا گھرانا ہوگا، اس لئے کہ آل وہ قبیلہ ہے جس کی طرف آدمی منسوب ہوتا ہے

تشریح: آل سے پورا گھرانا مراد لیا جاتا ہے، اس لئے اگر فلاں کے آل کے لئے وصیت کی تو پورے گھرانے کے لئے وصیت ہوگی

وجہ: اس آیت میں آل سے مراد فرعون کے پورے خاندان مراد تھے۔وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ (سورت البقرۃ ۲، آیت ۵۰)

ترجمہ: ۴ اگر فلاں کے اہل بیت کے لئے وصیت کی تو اس میں فلاں کے باپ اور دادا بھی داخل ہوں گے اس لئے کہ باپ گھر کا اصل ہوتا ہیں

تشریح: اہل بیت میں گھر میں رہنے والے سارے افراد وصیت میں داخل ہوں گے، لیکن صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ اس میں باپ اور دادا بھی داخل ہوں، کیونکہ وہ گھر بسانے میں اصل ہیں

وجہ: اس آیت میں اہل بیت میں حضرت ابراہیم کے گھر کے سارے افراد مراد ہیں۔قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ (سورت هود ۱۱، آیت ۷۳)

ترجمہ: ۵ اگر اپنے نسب والوں کے لئے، یا اپنی جنس والوں کے لئے وصیت کی، تو نسب سے مراد ہے جس کی طرف

إِلَيْهِ، وَالنَّسَبُ يَكُوْنُ مِنْ جِهَةِ الْآبَاءِ، وَجِنْسُهُ أَهْلُ بَيْتِ أَبِيْهِ دُوْنَ أُمِّهِ، لِأَنَّ الْإِنْسَانَ يَتَجَنَّسُ بِأَبِيْهِ، بِخِلَافِ قَرَابَتِهِ حَيْثُ يَكُوْنُ مِنْ جَانِبِ الْأُمِّ وَالْأَبِ. ٦ وَلَوْ أَوْصٰى لِأَيْتَامِ بَنِيْ فُلَانٍ أَوْ لِعُمْيَانِهِمْ أَوْ لِزَمْنَاهُمْ أَوْ لِأَرَامِلِهِمْ إِنْ كَانُوْا قَوْمًا يُحْصَوْنَ دَخَلَ فِي الْوَصِيَّةِ فُقَرَاؤُهُمْ وَأَغْنِيَاؤُهُمْ ذُكُوْرُهُمْ وَأُنَاثُهُمْ، لِأَنَّهُ أَمْكَنَ تَحْقِيْقُ التَّمْلِيْكِ فِيْ حَقِّهِمْ، وَالْوَصِيَّةُ تَمْلِيْكٌ وَإِنْ كَانُوْا لَا يُحْصَوْنَ

آدمی منسوب ہوتا ہے، اور نسب باپ کی جانب سے ہوتا ہے، اور جنس باپ کے گھرانے کے لوگ ہیں، ماں کی جانب سے نہیں، اس لئے کہ آدمی اپنے باپ کی جنس سے ہوتا ہے، بخلاف قرابت کے، قرابت ماں اور باپ دونوں سے ہوتی ہے

تشریح: یہ چوتھا اور پانچواں لفظ ہے، نسب کا ترجمہ ہے، لوگ جس کی طرف منسوب ہوتے ہیں، کسی نے اپنے نسب کے لوگوں کے لئے وصیت کی، تو باپ کے نسب کے جو لوگ ہیں وصیت میں وہ مراد ہوں گے، ماں کے نسب والے مراد نہیں ہوں گے، کیونکہ لوگ باپ کے نسب سے منسوب ہوتے ہیں ماں کے نسب سے نہیں۔ دوسرا لفظ ہے کسی نے اپنی جنس کے لئے وصیت کی تو یہ لفظ بھی نسب کی طرح ہے، آدمی کی جنس باپ کے خاندان اور گھر والے ہوتے ہیں ماں کی جنس والے نہیں ہوتے، اس لئے باپ کی جنس والے کو وصیت کا مال ملے گا ، بخلاف اگر کہا کہ قرابت والوں کے لئے وصیت ہے تو قرابت میں ماں اور باپ دونوں کے رشتہ دار شامل ہوں گے، کیونکہ قرابت دونوں کی طرف سے ہوتی ہے

ترجمہ: ٦ اگر بنو فلاں کے یتیموں کے لئے، یا ان کے اندھوں کے لئے، یا ان کے اپاہجوں کے لئے، یا ان کی بیوہ عورتوں کے لئے وصیت کی، تو اگر یہ اتنے کم لوگ ہیں کہ گنے جا سکتے ہیں، تو ان کے فقراء، اور ان کے مالدار، انکے مرد اور ان کے عورتیں سب وصیت میں داخل ہوں گے، اس لئے کہ سب کو ان کے حق کا مالک بنانا ممکن ہے، اور وصیت کا مطلب ہے مالک بنانا، اور اگر اتنے آدمی ہوں کہ گنے نہیں جا سکتے ہوں تو ان کے فقیروں کے لئے وصیت ہوگی اس لئے کہ وصیت کا مقصود ہے ثواب حاصل کرنا، اور یہ ضرورت پوری کرنے میں ہوگا، اور بھوک دور کرنے میں ہوگا، اور یہ چاروں الفاظ حاجت مندوں کی خبر دیتے ہیں، اس لئے ان الفاظ کو فقراء پر محمول کرنا جائز ہے

تشریح: یہاں چار الفاظ کی تحقیق ہے، کسی نے بنی فلاں کے یتیم، بنی فلاں کے اندھے، بنی فلاں کے اپاہج، بنی فلاں کے بیوہ کے لئے وصیت کی، پس اگر اس قوم کے یہ لوگ اتنے کم ہیں کہ ان کو گنا جا سکتا ہے تو انہیں لوگوں کے لئے وصیت ہوگی اور ان میں مرد، عورتیں، اور غریب اور مالدار سب داخل ہوں گے یعنی یتیم مالدار ہے تب بھی اس کے لئے وصیت ہو جائے گی، کیونکہ اس وصیت کا مقصد ہے ان حضرات کو ان کے حق کا مالک بنانا، اس لئے مالک بنا کر وصیت پوری ہوگی۔ اور اگر اتنے زیادہ ہیں کہ سب کا گننا مشکل ہے اور سب کو وصیت کا مال دینا مشکل ہے تو اس صورت میں ان کے فقیر مراد ہوں گے، یعنی اس قوم کے فقیر کو دے دینا کافی ہوگا

فَالْوَصِيَّةُ فِي الْفُقَرَاءِ مِنْهُمْ، لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنَ الْوَصِيَّةِ الْقُرْبَةُ وَهِيَ فِيْ سَدِّ الْخُلَّةِ وَرَدِّ الْجُوْعَةِ وَهٰذِهِ الْأَسَامِيُّ تُشْعِرُ بِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ فَجَازَ حَمْلُهُ عَلَى الْفُقَرَاءِ. ۷ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى لِشُبَّانِ بَنِيْ فُلَانٍ وَهُمْ لَا يُحْصَوْنَ أَوْ لِأَيَامٰى بَنِيْ فُلَانٍ وَهُمْ لَا يُحْصَوْنَ حَيْثُ تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي اللَّفْظِ مَا يُنْبِئُ عَنِ الْحَاجَةِ فَلَا يُمْكِنُ صَرْفُهُ إِلَى الْفُقَرَاءِ وَلَا يُمْكِنُ تَصْحِيْحُهُ تَمْلِيْكًا فِيْ حَقِّ الْكُلِّ لِلْجَهَالَةِ الْمُتَفَاحِشَةِ وَتَعَذَّرَ الصَّرْفُ إِلَيْهِمْ، ۸ وَفِي الْوَصِيَّةِ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ يَجِبُ الصَّرْفُ إِلٰى اِثْنَيْنِ مِنْهُمْ اِعْتِبَارًا لِمَعْنَى الْجَمْعِ، وَأَقَلُّهُ إِثْنَانِ فِي الْوَصَايَا عَلٰى مَا مَرَّ.

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ان الفاظ میں حاجت اور ضرورت کا معنی مترشح ہے، اس لئے ضرورت اور حاجت پر محمول کر کے فقراء کے لئے وصیت ہو جائے گی

لغت: زمن: اپاہج لنجا ہونا۔ارامل: ارملۃ سے مشتق ہے، بیوہ عورتیں۔سد الخلۃ: ضرورت پوری کرنا۔الخلۃ: ضرورت۔ الجوعۃ: بھوک۔تشعر: شعور سے مشتق ہے، خبر دینا۔

ترجمہ: ۷ بخلاف اگر بنوفلاں کے جوانوں کے لئے وصیت کی ہو، اور وہ اتنے زیادہ ہیں کہ گنے نہیں جا سکتے ہیں۔ یا بنو فلاں کے جوان عورتوں کے لئے وصیت کی ہو، اور وہ اتنے زیادہ ہیں کہ گنی نہیں جا سکتی ہیں، تو وصیت باطل ہو جائے گی اس لئے کہ لفظ میں کوئی ایسا اشارہ نہیں ہے کہ ضرورت اور حاجت مراد لی جا سکے (اور فقراء پر محمول کیا جا سکے) اس لئے فقراء کی طرف پھیرنا ممکن نہیں ہے، اور بہت جہالت ہونے کی وجہ سے سب کو مال کا مالک بنانا ناممکن ہے، اور سب پر خرچ کرنا بھی ناممکن ہے

تشریح: پہلے مسئلے اور اس مسئلے میں فرق یہ ہے کہ پہلے کے چاروں الفاظ میں حاجت اور ضرورت کا معنی ٹپکتا تھا اس لئے ان سے فقراء مراد لے لئے گئے، اور بنوفلاں کے جوان مرد اور بنوفلاں کی جوان عورتیں، ایسے الفاظ ہیں کہ ان سے ضرورت اور حاجت کا معنی نہیں ٹپکتا ہے اس لئے ان سے فقراء مراد نہیں لئے جا سکتے ہیں، اور یہ لوگ اتنے زیادہ ہیں کہ سب کو وصیت کے مال کا مالک بنانا بھی ناممکن ہے، اس جہالت فاحشہ کی وجہ سے وصیت باطل ہو جائے گی، اور یہ مال ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا

لغت: شبان: شاب کی جمع ہے، جوان لڑکے۔ایامی: ایم کی جمع ہے بن بیاہی عورتیں۔یحصون: گنے جانا

ترجمہ: ۸ اور فقراء، اور مساکین (جمع کے صیغے میں) دو کی طرف پھیرنا واجب ہوگا جمع کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے، اور وصیت میں جمع کا اطلاق کم سے کم دو پر ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے

تشریح: موصی نے فقراء، جمع کا صیغہ بولا، یا مساکین، جمع کا صیغہ بولا تو کم سے کم دو فقیر، یا دو مسکین پر خرچ کرنا ضروری ہو گا، کیونکہ یہ جمع کا صیغہ ہے اور وصیت اور میراث میں کم سے کم دو ہیں تین نہیں ہیں۔

۹ وَلَوْ أَوْصَى لِبَنِي فُلَانٍ يَدْخُلُ فِيهِ الْإِنَاثُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَوَّلُ قَوْلِهِ وَهُوَ قَوْلُهُمَا، لِأَنَّ جَمْعَ الذُّكُورِ يَتَنَاوَلُ الْإِنَاثَ ثُمَّ رَجَعَ وَقَالَ يَتَنَاوَلُ الذُّكُورَ خَاصَةً، لِأَنَّ حَقِيقَةَ الْإِسْمِ لِلذُّكُورِ وَانْتِظَامُهُ لِلْأُنَاثِ تَجَوُّزٌ وَالْكَلَامُ لِحَقِيقَتِهِ، ۱۰ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ بَنُو فُلَانٍ اسْمَ قَبِيلَةٍ أَوْ فَخِذٍ حَيْثُ يَتَنَاوَلُ الذُّكُورَ وَالْإِنَاثَ، لِأَنَّهُ لَيْسَ يُرَادُ بِهَا أَعْيَانُهُمْ إِذْ هُوَ مُجَرَّدُ الْاِنْتِسَابِ كَبَنِي آدَمَ

ترجمه: ۹ اگر بنی فلاں کے لئے وصیت کی تو امام ابو حنیفہؒ کے پہلے قول میں یہ ہے کہ اس لفظ میں عورتیں بھی داخل ہوں گی، اور صاحبینؒ کی رائے بھی یہی ہے، اس لئے کہ جمع مذکر میں عورتیں بھی داخل ہوتی ہیں، پھر اس قول سے رجوع کر گئے اور فرمایا کہ اس میں خاص کر مذکر ہی شامل رہیں گے اس لئے کہ بنی (بیٹا) کا لفظ حقیقت میں مذکر کے لئے ہے اور عورتوں کو شامل ہونا مجازا ہے، اور کلام حقیقت کے لئے ہوتا ہے،

تشریح: بنی فلاں کی دو صورتیں ہیں۔ا۔ بنی آدم، یا بنی ہاشم کی طرح قبیلے کا نام ہے، تب تو اس سے قبیلہ مراد ہوگا، اور اس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہوں گے۔۲۔ اور اگر کسی قبیلے کا نام نہیں ہے تب بنی کی حقیقی معنی پر عمل کیا جائے گا اور صرف مذکر شامل ہوں گے

اگر موصی نے بنی فلاں وصیت کی تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی پہلی رائے یہ تھی کہ بنی، بیٹے، مذکر کے لئے ہے، لیکن اس میں عورتیں بھی داخل ہوں گی، اس لئے کہ مذکر کے لفظ میں عام طور پر عورتیں داخل ہوتی ہیں، لیکن بعد میں اس سے رجوع کر گئے، اور فرمایا کہ اس میں عورت داخل نہیں ہوں گی، کیونکہ حقیقت میں بنی کا لفظ مذکر کے لئے بولا جاتا ہے، اور عورت اس میں مجازا داخل ہوتی ہیں، اس لئے حقیقت پر عمل کرتے ہوئے اس میں عورت داخل نہیں ہونی چاہئے، صرف فلاں کے مردوں کے لئے وصیت ہوگی۔

ترجمه: ۱۰ بخلاف اگر بنو فلاں کسی قبیلے کا نام ہو، یا کسی فخذ کا نام ہو تو اس میں مذکر اور مونث دونوں شامل ہوں گے اس لئے اس صورت میں بنی کے لفظ سے مذکر مراد نہیں لیتے ہیں، اس لئے کہ یہ بنی محض انتساب کے لئے ہے، جیسے بنی آدم، کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس بنی میں آزاد شدہ غلام اور موالات والے، اور حلیف بھی داخل ہوں گے۔

تشریح: اگر موصی نے مثلا بنو عباس بولا، جو کسی قبیلے کا نام تھا تو اب بنی سے مراد اس آدمی کے بیٹے نہیں ہوں گے، بلکہ قبیلے کے سارے لوگ مراد ہوں گے، یہاں تک اس میں مرد، عورتیں، آزاد شدہ غلام، موالات والے، اور حلیف والے بھی شامل ہوں گے اور وصیت کا مال ان سب کو ملے گا، کیونکہ یہاں بنی بول کر خاندان کے سارے لوگ مراد ہیں، صرف بیٹا مراد نہیں ہے

لغت: مولی العتاقہ: عتاقہ، کا ترجمہ ہے آزاد کرنا۔ کسی آدمی نے اپنے غلام کو آزاد کیا تو یہ آزاد شدہ غلام اس آدمی کا مولی العتاقہ ہے۔ مولی الموالات: کا ترجمہ ہے عہد و پیمان، ایک اجنبی آدمی نے کسی قبیلے میں قیام کیا، اور اس قبیلے سے قسم کھا کر یہ

وَلِهٰذَا يَدْخُلُ فِيْهِ مَوْلَى الْعِتَاقَةِ وَالْمَوَالَاتِ وَحُلَفَاؤُهُمْ.

(۱۰۲۸) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِوَلَدِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثٰى فِيْهِ سَوَاءٌ، ۱؎ لِأَنَّ اِسْمَ الْوَلَدِ يَنْتَظِمُ الْكُلَّ اِنْتِظَامًا وَاحِدًا،

(۱۰۲۹) وَمَنْ أَوْصٰى لِوَرَثَةِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ،

عہد کیا کہ دکھ سکھ میں ہم آپ کی مدد کریں گے، اور آپ میری مدد کریں گے، تو یہ اجنبی آدمی اس قبیلے والے کے لئے مولی الموالات ہوا۔ حلفاء: حلف کا معنی ہے قسم کھانا، ایک قبیلہ والے دوسرے قبیلے والے سے قسم کھا کر یہ عہد کرے کہ جنگوں میں ہم آپ کا ساتھ دیں گے، اور آپ لوگ ہمارا ساتھ دینا، اس عہد و پیان کی وجہ سے یہ قبیلہ والے حلیف بن گئے۔۔ بنو فلاں اگر قبیلے کا نام ہے تو مثلا بنو عباس کے لئے وصیت کی تو یہ لفظ اتنا وسیع ہے کہ اس میں مولی العتاقہ، مولی الموالات، اور حلیف سب بنو میں داخل ہوں گے

شعب، عمارہ، بطون، فخذ کی تفصیل کے لئے یہ دیکھیں

1	اوپر شعب ہے	اس میں کئی قبائل ہوتے ہیں
2	اس کے نیچے عمارۃ ہے	قریش عمارہ ہے
3	اس کے نیچے بطون ہے	قصی بطن ہے
4	اس کے نیچے فخذ ہے	ہاشم فخذ ہے
5	اس کے نیچے فصیل ہے	بنو عباس فصیل ہے

ترجمہ: (۱۰۲۸) اگر وصیت کی فلاں کی اولاد کے لئے تو وصیت ان کے درمیان ہوگی اور مذکر اور مؤنث برابر ہوں گے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ ولد کا نام سب کو شامل ہے ایک انتظام سے

تشریح: وصیت کی فلاں کی اولاد کے لئے تو اولاد میں مذکر بھی ہوتی ہے اور مؤنث بھی۔ اس لئے دونوں کو برابر وصیت کا مال ملے گا۔ اور آدھا آدھا ملے گا مذکر کو دو گنا اور مونث کو ایک گنا نہیں ہوگا، کیونکہ اولاد ہونے میں دونوں برابر درجے کے ہیں

وجہ: (۱) اولاد ہونے میں بیٹا اور بیٹی دونوں کے درجے برابر ہیں (۲) قول تابعی میں ہے۔ عن الحسن فی الرجل یقول لبنی فلان کذا و کذا قال ہو لغنیھم وفقیرھم و ذکرھم و انثاھم (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۸ فی رجل قال لبنی فلان یعطی الاغنیاء، ج سادس، ص ۲۱۲، نمبر ۳۰۷۴۵) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ مذکر و مؤنث دونوں کو برابر ملے گا۔

ترجمہ: (۱۰۲۹) اگر وصیت کی فلاں کے ورثہ کے لئے تو وصیت ان کے درمیان مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگی۔

۱ لِأَنَّهُ لَمَّا نَصَّ عَلٰى لَفْظِ الْوَرَثَةِ اٰذَنَ ذٰلِكَ بِأَنَّ قَصْدَهُ التَّفْضِيْلُ كَمَا فِي الْمِيْرَاثِ. ۲ وَمَنْ أَوْصٰى لِمَوَالِيْهِ وَلَهُ مَوَالٍ أَعْتَقَهُمْ وَمَوَالٍ أَعْتَقُوْهُ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ، ۳ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فِيْ بَعْضِ كُتُبِهٖ أَنَّ الْوَصِيَّةَ لَهُمْ جَمِيْعًا وَذَكَرَ فِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ أَنَّهُ يُوْقَفُ حَتّٰى تَصَالَحُوْا، لَهُ أَنَّ

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ جب ورثہ کے لفظ کی تصریح کی ہے تو اس بات کی خبر دے دی کہ وراثت میں جو تفضیل ہے اس کا ارادہ ہے

تشریح: اس میں اولاد کا لفظ نہیں بولا بلکہ ورثہ کا لفظ بولا ہے۔اور وراثت للذکر مثل حظ الانثیین ہے۔یعنی عورت کو ایک گنا اور مرد کو دوگنا، اس لئے اس وصیت کا مال مرد کو دوگنا ملے گا۔اور عورت کو اس کا آدھا یعنی ایک گنا ملے گا۔

وجہ: قول تابعی میں اس کا اشارہ ہے۔عن الحسن فی رجل اوصی لبنی عمہ رجال ونساء قالوا للذکر مثل حظ الانثیٰ الا ان یکون.یُوصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَیَیْنِ (آیت ۱۱، سورۃ النساء ۴) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۷ فی رجل اوصی لبنی عمہ وھم رجال ونساء، ج سادس، ص ۲۱۲، نمبر ۳۰۷۴۳) اس قول تابعی میں ہے کہ اگر للذکر مثل حظ الانثیین بولا ہو تو مذکر کے لئے مؤنث کا دوگنا ملے گا۔اور یہاں ورثہ کا لفظ بولا ہے اس لئے ورثہ کا قاعدہ جاری ہوگا۔اور ورثہ میں مرد کو عورت کا دوگنا ملتا ہے۔اس لئے یہاں بھی مرد کو عورت کا دوگنا دیا جائیگا۔

ترجمہ: ۲ کسی نے اپنے مولی کے لئے وصیت کی، اور اس کا آقا ہے جس نے اس کو آزاد کیا ہے، اور اس کا غلام بھی جس کو اس نے آزاد کیا ہے تو وصیت باطل ہے

تشریح: یہاں مولی کے مختلف قسموں کا حکم بیان کر رہے ہیں۔مولی کا لفظ مشترک ہے، یہ تین معنی میں استعمال ہوتا ہے۔۱۔پہلا ہے۔آزاد کرنے والا آقا کو بھی مولی، کہتے ہیں، اس کو مولی النعمۃ، بھی کہتے ہیں ۲۔دوسرا ہے۔آزاد کیا ہوا غلام کو بھی مولی کہتے ہیں۔اس کو مولی منعم علیہ، بھی کہتے ہیں۔۳۔تیسرا ہے، مولی موالات۔

اب موصی نے اپنے مولی کے لئے وصیت کی اور اس کے پاس آقا والا مولی بھی ہے، اور غلام والا مولی بھی ہے، اور کوئی قرینہ نہیں ہے کہ کون سا آقا مراد ہے، اس لئے مبہم ہونے کی وجہ سے وصیت باطل ہو جائے گی

ترجمہ: ۳ امام شافعیؒ کی بعض کتابوں میں ہے کہ دونوں مولی کے لئے وصیت ہوگی، اور بعض دوسری جگہ ہے کہ ابھی موقوف رکھو جب تک کہ وہ صلح نہ کرلیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ مولی کا لفظ دونوں مولی کو شامل ہے، کیونکہ دونوں کا نام مولی ہے، اس لئے اخوۃ کی طرح ہوگیا

تشریح: مولی کے لئے وصیت کی تو امام شافعی کی اس بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ مولی آقا کو بھی شامل ہے، اور مولی غلام کو بھی شامل ہے، اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ مولی کا لفظ دونوں مولی کو شامل ہے اس لئے دونوں کو

الْإِسْمَ يَتَنَاوَلُهُمْ لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمْ يُسَمّٰى مَوْلٰى فَصَارَ كَالْإِخْوَةِ، ۴ وَلَنَا أَنَّ الْجِهَةَ مُخْتَلِفَةٌ، لِأَنَّ أَحَدَهُمَا يُسَمّٰى مَوْلَى النِّعْمَةِ وَالْآخَرُ مُنْعَمٌ عَلَيْهِ فَصَارَ مُشْتَرَكًا فَلَا يَنْتَظِمُهُمَا لَفْظٌ وَاحِدٌ فِي مَوْضِعِ الْإِثْبَاتِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ مَوَالِيَ فُلَانٍ حَيْثُ يَتَنَاوَلُ الْأَعْلٰى وَالْأَسْفَلَ، لِأَنَّهُ

وصیت مل جائے گی۔

اس کی مثال دی کہ کسی نے اخوۃ کے لئے وصیت کی، اخوۃ ماں باپ شریک بھائی ہے ،صرف باپ شریک بھائی بھی ہے، اور صرف ماں شرک بھائی بھی ہے، تینوں کو اخوۃ، کہتے ہیں پھر بھی وصیت باطل نہیں ہوگی، بلکہ تینوں کو وصیت کا مال ملے گا، اسی طرح یہاں مولی دو معنی میں ہے اس لئے دونوں کو وصیت کا مال ملے گا۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ مولی لفظ مبہم ہے اس لئے دونوں قسم کے مولی صلح کر لیں کہ دونوں کے درمیاں آدھا آدھا مال ہوگا تب دونوں کو دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۴ ہماری دلیل یہ ہے کہ مولی کی جہت مختلف ہے اس لئے کہ ایک کو مولی النعمۃ، کہتے ہیں، اور دوسرے کو مولی منعم علیہ، کہتے ہیں اس لئے یہ لفظ مشترک ہے، اس لئے اثبات کی جگہ میں ایک لفظ دونوں کو شامل نہیں ہوگا، بخلاف اگر قسم کھائے کہ فلاں کے مولی سے بات نہیں کرے گا، تو مولی اعلی اور مولی اسفل دونوں کو شامل ہوگا، اس لئے کہ یہ نفی کا مقام ہے (اور نفی کے مقام میں مشترک لفظ دونوں کو شامل ہوتا ہے)

لغت: مولی النعمۃ: آقا، جس نے آزاد کیا ہے، اسی کو مولی اعلی، کہتے ہیں۔ مولی منعم علیہ: آزاد شدہ غلام، اس کو مولی اسفل بھی کہتے ہیں

لغت: مشترک: مشترک لفظ کا ترجمہ ہے۔ ایک لفظ کے دو معنی ہو، اور دونوں معنی کے جہت الگ الگ ہوں، اس کا حکم یہ ہے کہ اثبات میں دونوں معنی ایک وقت میں نہیں لے سکتے ہیں، قرینہ ہو تو ایک معنی مراد لیا جاتا ہے، البتہ دونوں معنی نفی میں ایک ساتھ لیا جا سکتا ہے۔۔ اس کے قریب دوسرا لفظ عام ہے اس کا مطلب ہے کہ ایک لفظ کے کئی معنی ہیں، اور سبھی معنی ایک ہی جہت سے ہیں، اس لئے ایک وقت میں سبھی معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔

تشریح: یہاں ابو حنیفہؒ کا جواب منطقی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ مشترک لفظ ہو تو اثبات کے موقع پر دونوں معنوں کو ایک ساتھ شامل نہیں ہوگا، ہاں نفی کے موقع پر دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ اب مولی کا لفظ مشترک ہے، مولی آقا (مولی النعمۃ) کو بھی شامل ہے، اور مولی غلام (مولی منعم علیہ) کو بھی شامل ہے، اور وصیت میں قرینہ نہیں ہے کہ کون سا معنی مراد ہے اس لئے یہ وصیت فاسد ہو جائے گی۔ ہاں نفی کا موقع ہو، مثلا کوئی قسم کھائے کہ فلاں کے مولی سے بات نہیں کروں گا، تو یہاں مولی اعلی اور مولی اسفل دونوں کو شامل ہوگا، اور عبارت صحیح ہوگی، اور فلاں کے کسی مولی اسفل یا اعلی سے بات کرے گا تو حانث ہو جائے گا، کیونکہ

مَقَامُ النَّفْيِ، وَلَا تُنَافِيْ فِيْهِ. ۵ وَيَدْخُلُ فِيْ هٰذِهِ الْوَصِيَّةِ مَنْ أَعْتَقَهُ فِي الصِّحَّةِ وَالْمَرَضِ، ۶ وَلَا يُدْخَلُ مُدَبَّرُوْهُ وَأُمَّهَاتُ أَوْلَادِهِ، لِأَنَّ عِتْقَ هٰؤُلَاءِ يَثْبُتُ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْوَصِيَّةُ تُضَافُ إِلٰى حَالَةِ الْمَوْتِ فَلَابُدَّ مِنْ تَحَقُّقِ الْإِسْمِ قَبْلَهُ، ۷ وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّهُمْ يَدْخُلُوْنَ، لِأَنَّ سَبَبَ الْإِسْتِحْقَاقِ لَازِمٌ، ۸ وَيَدْخُلُ فِيْهِ عَبْدٌ قَالَ لَهُ مَوْلَاهُ إِنْ لَمْ أَضْرِبْكَ فَأَنْتَ حُرٌّ، لِأَنَّ الْعِتْقَ

یہ نفی کا موقع ہے، اور نفی کے موقع پر دونوں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اور امام شافعیؒ نے جو اخوۃ کے لفظ سے استدلال کیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اخوۃ کا لفظ مشترک نہیں ہے بلکہ عام ہے، اس لئے تمام اخوۃ کو شامل ہوگا، اور سب کو وصیت کا مال ملے گا، اور عبارت فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۵ اس وصیت میں صحت اور مرض کی حالت میں آزاد کیا ہوا دونوں داخل ہوں گے

تشریح: مولی، یعنی آزاد شدہ غلام کے لئے وصیت کی تو مرض الموت میں آزاد کیا ہو یا صحت کی حالت میں آزاد کیا ہوا اور مولی بنا ہو دونوں کے لئے وصیت ہوگی، کیونکہ دونوں صورتوں میں وہ غلام مولی، ازاد شدہ غلام ہے

ترجمہ: ۶ ، اور مدبر اور ام ولد داخل نہیں ہوں گے، اس لئے کہ ان دونوں کی آزادگی آقا کے مرنے کے بعد ہوگی، اور مولی میں موت کے وقت آزادگی منسوب ہے اس لئے موت سے پہلے مولی کا تحقق ضروری ہے

اصول: یہاں اصول یہ ہے کہ موت سے پہلے آزاد ہوا ہو تو وصیت میں داخل ہوگا، اور موت کے بعد آزاد ہوا ہو تو وصیت میں داخل نہیں ہوگا

تشریح: مولی میں قاعدہ یہ ہے کہ موصی کی موت سے پہلے مولی بنا ہوا اور آزاد ہوا ہو وہ وصیت میں داخل ہوگا، اور مدبر، اور ام ولد آقا کی موت کے بعد آزاد ہوتے ہیں، اس لئے یہ دونوں موصی کی وصیت میں داخل نہیں ہوگے

ترجمہ: ۷ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ مدبر اور ام ولد مولی کی وصیت میں داخل ہوں گے آزادگی کے استحقاق کے لازمی سبب ہونے کی وجہ سے

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ مدبر اور ام ولد آقا کی موت سے پہلے آزاد تو نہیں ہوئے ہیں وہ بعد میں آزاد ہوں گے، لیکن مدبر اور ام ولد ہونے ی وجہ سے ان کا آزاد ہونا لازمی ہے، اب آقا انکار بھی کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا ہے، اس لئے یہ دونوں بھی مولی کی وصیت میں داخل ہوں گے

ترجمہ: ۸ وصیت میں داخل ہوگا ایسا غلام جس کو اس کے آقا نے کہا ہو کہ اگر تم کو نہ ماروں تو تم آزاد ہو، اس لئے کہ موت سے ایک سیکنڈ پہلے آزادگی ثابت ہوگی، موت سے تھوڑی دیر پہلے مارنے سے عاجزی ثابت ہونے کی وجہ سے

تشریح: آقا نے کہا کہ اگر تم کو نہ ماروں تو تم آزاد ہو، اور اس غلام کو موت تک نہیں مارا، تو موت سے تھوڑی دیر پہلے وہ آزاد

يَثْبُتُ قُبَيْلَ الْمَوْتِ عِنْدَ تَحَقُّقِ عِجْزِهِ. ۹ وَلَوْ كَانَ لَهُ مَوَالٍ وَأَوْلَادُ مَوَالٍ وَمَوَالِي مَوَالَاتٍ يَدْخُلُ فِيهَا مُعْتَقُوهُ وَأَوْلَادُهُمْ دُونَ مَوَالِي الْمَوَالَاتِ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّهُمْ يَدْخُلُونَ أَيْضًا، وَالْكُلُّ شُرَكَاءُ، لِأَنَّ الْإِسْمَ يَتَنَاوَلُهُمْ عَلَى السَّوَاءِ، ۱۰ وَمُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَقُولُ الْجِهَةُ مُخْتَلِفَةٌ فِي الْمُعْتَقِ الْإِنْعَامُ وَفِي الْمَوَالِي عَقْدُ الْإِلْتِزَامِ، وَالْإِعْتَاقُ لَازِمٌ فَكَانَ الْإِسْمُ لَهُ أَحَقُّ،

ہوا، اور مولی بنا، اس لئے یہ غلام مولی کی وصیت میں داخل ہوگا، کیونکہ موصی کی موت سے پہلے وہ آزاد ہے

ترجمہ: ۹ اگر اپنا آزاد کردہ غلام ہو، اور آزاد کردہ غلام کی اولاد ہو، اور مولی موالات ہو، تو اپنا آزاد کردہ غلام وصیت میں داخل ہوگا، اور آزاد کردہ غلام کی اولاد وصیت میں داخل ہوگی، لیکن مولی موالات وصیت میں داخل نہیں ہوگا، لیکن امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ تینوں قسم کے مولی وصیت میں شریک ہوں گے، اس لئے کہ تینوں پر برابر درجے میں مولی بولا جاتا ہے

تشریح: یہاں چار قسم کے مولی ہیں۔ ۱۔ اپنا آزاد کردہ غلام ۔ ۲۔ اپنا آزاد کردہ غلام کی اولاد ۔ ۳۔ اپنا آزاد کردہ غلام کا بھی آزاد کردہ غلام ۔ ۴۔ مولی الموالات ۔ ان چاروں کے احکام یہ ہیں

حضرت امام ابو یوسفؒ ان چاروں قسم کے مولی کو وصیت میں داخل مانتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ان سب پر مولی بولا جاتا ہے، چاہے وہ مولی موالات، یعنی عہد و پیمان کرنے کی وجہ سے مولی ہوا ہو، اس کو بھی مولی کہا جاتا ہے اس لئے یہ بھی مولی کی وصیت میں داخل ہوگا

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ۔ ۱۔ اپنا آزاد کردہ غلام وصیت میں داخل ہوگا ، ۔ ۲۔ اور آزاد کردہ غلام کی اولاد وصیت میں داخل ہو گی ، کیونکہ ان کی اولاد اپنا آزاد کردہ غلام کی طرف منسوب ہے ۔ ۔ ۳۔ لیکن اپنا آزاد کردہ غلام کا بھی آزاد کردہ غلام وصیت میں داخل نہیں ہوگا ، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حقیقت میں آقا کا آزاد کردہ نہیں ہے ، بلکہ دوسرے کا آزاد کردہ غلام ہے اس لئے یہ داخل نہیں ہوگا ۔ ۔ ۴۔ اور مولی موالات بھی مولی کی وصیت میں داخل نہیں ہوگا ، کیونکہ یہ مجازا مولی ہے یہ عہد و پیمان والا مولی ہے ، حقیقت میں آزاد کردہ مولی نہیں ہے اس لئے مولی کی وصیت میں مولی موالات داخل نہیں ہوگا

ترجمہ: ۱۰ امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دونوں مولی میں جہت مختلف ہے آزاد شدہ غلام میں آقا نے آزاد کر کے انعام کیا ہے ، اور مولی موالات میں عہد و پیمان کا التزام ہے ، اس لئے اس میں عتق لازم ہے اس لئے اس کے لئے مولی کا نام زیادہ حقدار ہے ،

تشریح: امام ابو یوسفؒ نے سب کو مولی کہہ کر سب کو وصیت میں شامل کیا تھا ، اس لئے امام محمدؒ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ مولی عتاقہ میں آقا نے اس کو آزاد کر کے انعام کیا ہے ، اور اب آقا اس آزادگی کو توڑ بھی نہیں سکتا ہے ، یہ آزادگی لازم ہے ، اس لئے مولی عتاقہ کو مولی کہنا زیادہ بہتر ہے ، اور مولی موالات کو دونوں فریق توڑ سکتے ہیں اس لئے یہ لازم نہیں ہے اس لئے مولی موالات کو مولی کہنا مجازا ہے ، اور قاعدہ یہ ہے کہ حقیقت اور مجاز دونوں کے معنی ایک ساتھ لینا جائز نہیں ہے ، اس لئے

۱۱ وَلَا يَدْخُلُ فِيهِمْ مَوَالِي الْمَوَالِي، لِأَنَّهُمْ مَوَالِي غَيْرِهِ حَقِيقَةً، ۱۲ بِخِلَافِ مَوَالِيهِ وَأَوْلَادِهِمْ لِأَنَّهُمْ يَنْسِبُونَ إِلَيْهِ بِإِعْتَاقٍ وُجِدَ مِنْهُ، ۱۳ وَبِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ مَوَالٍ وَلَا أَوْلَادُ الْمَوَالِي، لِأَنَّ اللَّفْظَ لَهُمْ مَجَازٌ فَيُصْرَفُ إِلَيْهِ عِنْدَ تَعَذُّرِ اعْتِبَارِ الْحَقِيقَةِ. ۱۴ وَلَوْ كَانَ لَهُ مُعْتَقٌ وَاحِدٌ وَمَوَالِي الْمَوَالِي

دونوں کو وصیت میں شامل کرنا صحیح نہیں ہے

ترجمہ: ۱۱ آزاد کردہ غلام کا آزاد کردہ غلام مولی کی وصیت میں داخل نہیں ہوگا اس لئے کہ حقیقت میں یہ دوسرے کا آزاد کردہ غلام ہے

تشریح: آزاد کردہ غلام کا آزاد کردہ غلام چونکہ وصیت کرنے والے کا آزاد کردہ نہیں ہے اس لئے مولی کی وصیت میں وہ داخل نہیں ہوگا

ترجمہ: ۱۲ بخلاف خود موصی کا آزاد کردہ غلام، اور اس غلام کی اولاد (وہ وصیت میں داخل ہوں گے) اس لئے کہ یہ اولاد موصی کی طرف منسوب ہوتے ہیں اس اعتاق کی وجہ سے جو موصی کی جانب سے پایا گیا ہے

تشریح: مولی کی وصیت میں خود کا آزاد کردہ غلام اور اس کی اولاد داخل ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ موصی کے آزاد کرنے کی وجہ سے یہ دونوں آقا کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

ترجمہ: ۱۳ بخلاف اگر موصی کے پاس اپنا آزاد کردہ غلام نہیں ہو، اور اس غلام کی اولاد بھی نہیں ہو (تو اب مجازا مولی موالات کو وصیت کا مال ملے گا) اس لئے کہ مولی کا لفظ مجازا مولی موالات کو بھی شامل ہے، اس لئے حقیقت کے متعذر رہوتے وقت مجاز کی طرف پھیرا جائے گا

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حقیقت پر عمل کرنا مشکل ہو تو مجاز پر عمل کیا جائے گا

تشریح: موصی نے مولی کے لئے وصیت کی، لیکن اس کے پاس اپنا آزاد کردہ غلام بھی نہیں ہے، اور اس کی اولاد بھی نہیں ہے جو حقیقت میں مولی ہے تو اب مجبورا مجاز کی طرف پھیرا جائے گا، اور مولی موالات کو وصیت کا مال ملے گا

ترجمہ: ۱۴ (جمع کے صیغے کے ساتھ) موالی کے لئے وصیت کی، اور موصی کے پاس ایک آزاد کردہ غلام ہے، اور مولی موالات بھی ہے تو آدھا مال آزاد کردہ غلام کے لئے ہوگا، اور باقی آدھا ورثہ کو مل جائے گا، کیونکہ حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا متعذر رہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حقیقی معنی اور مجازی معنی ایک ساتھ نہیں لیا جا سکتا ہے، یا تو صرف حقیقی معنی لیں، یا پھر صرف مجازی معنی لیں، دونوں کو جمع کرنا صحیح نہیں ہے

تشریح: موصی نے جمع کے صیغے کے ساتھ موالی کے لئے وصیت کی، اور اس آدمی کے پاس ایک اپنا آزاد کردہ غلام ہے، اور دوسرا مولی موالات ہے، اب جمع کے صیغے میں کم سے کم دو ہونے چاہئے، لیکن یہاں اپنا آزاد کردہ غلام حقیقت ہے جو ایک

فَالنِّصْفُ لِمُعْتَقِهِ وَالْبَاقِيْ لِلْوَرَثَةِ لِتَعَذُّرِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَقِيْقَةِ وَالْمَجَازِ. ۱۵ وَلَا يَدْخُلُ فِيْهِ مَوَالٍ أَعْتَقَهُمْ اِبْنُهُ أَوْ أَبُوْهُ، لِأَنَّهُمْ لَيْسُوْا بِمَوَالِيْهِ لَا حَقِيْقَةً وَلَا مَجَازًا، وَإِنَّمَا يَحْرُزُ مِيْرَاثَهُمْ بِالْعُصُوْبَةِ، بِخِلَافِ مُعْتَقِ الْبَعْضِ لِأَنَّهُ يُنْسَبُ إِلَيْهِ بِالْوَلَاءِ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ہے، اور مولا موالات مجاز ہے، اب اگر دونوں کو آدھا آدھا مال دیتے ہیں تو حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا لازم آئے گا، اور ایک ہی لفظ میں حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے مولی موالات کی وصیت باطل ہو جائے گی، اور اس کا مال جو وصیت کا آدھا تھا واپس ورثہ کو مل جائے گا۔

ترجمہ: ۱۵ مولی کی وصیت میں اپنے بیٹے کا آزاد کردہ غلام، یا باپ کا آزاد کردہ غلام داخل نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ نہ حقیقت میں موصی کا مولی ہے اور نہ مجازا موصی کا مولی ہے (یہ تو غیر کا مولی ہے)، البتہ بیٹے کا یا باپ کا کوئی وارث نہ ہو تو یہ موصی عصبہ کے طور پر بیٹے، یا باپ کا وارث ہوتا ہے، بخلاف بعض غلام کو آزاد کیا ہو تو اس کی ولاء موصی کو ملتا ہے اس لئے وہ وصیت میں داخل ہوگا۔

تشریح: کسی نے مولی کے لئے وصیت کی تو اس کے بیٹے کا آزاد کردہ غلام، یا باپ کا آزاد کردہ غلام اس وصیت میں داخل نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹے کا آزاد کردہ غلام، یا باپ کا آزاد کردہ غلام خود موصی کا آزاد کردہ غلام نہیں ہے، نہ حقیقت میں ہے اور نہ مجازا ہے، یہ تو دوسرے کا آزاد کردہ غلام ہے، ۔البتہ یہ اور بات ہے کہ بیٹے کا کوئی وارث نہ ہو، یا باپ کا کوئی وارث نہ ہو تو عصبہ ہونے کی وجہ سے اس کی وراثت اس کو ملتی ہے، تاہم وہ لوگ غیر ہیں، اس لئے ان کے آزاد کردہ غلام کو وصیت کا مال نہیں ملے گا۔ ۔لیکن اگر موصی کا آدھا آزاد کردہ غلام ہے تو اگر پورا آزاد کردہ غلام نہ ہو تو وصیت کا مال اس کو ملے گا، کیونکہ آدھا ہی ہے لیکن ہے تو موصی کا آزاد کردہ غلام، اس لئے اس کو وصیت کا مال مل جائے گا۔

قدوری کے بعض نسخے میں معتق البعض نہیں ہے بلکہ معتق المعتق ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر موصی کے پاس اپنا آزاد کردہ غلام نہیں ہے، بلکہ آزاد کردہ غلام کا آزاد کردہ غلام ہے، اور بیٹے کا، یا باپ کا آزاد کردہ غلام ہے تو اس صورت میں آزاد کردہ غلام کا آزاد کردہ غلام کو وصیت کا مال مل جائے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹے کا اور باپ کا آزاد کردہ غلام نہ حقیقت میں مولی ہے، اور نہ مجازا مولی ہے، اس لئے اس کو نہیں ملے گا۔ اور اپنا آزاد کردہ غلام کا آزاد کردہ غلام مجازا آزاد کردہ غلام ہے، اس لئے حقیقت پر عمل نہ کرنے کی صورت میں اس کو مل جائے گا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالسُّكْنٰى وَالْخِدْمَةِ وَالثَّمَرَةِ

(۱۰۳۰) قَالَ وَتَجُوزُ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهِ وَسُكْنٰى دَارِهِ سِنِينَ مَعْلُومَةً وَتَجُوزُ بِذٰلِكَ أَبَدًا، ا لِأَنَّ الْمَنَافِعَ يَصِحُّ تَمْلِيكُهَا فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ بِبَدَلٍ وَغَيْرِ بَدَلٍ فَكَذَا بَعْدَ الْمَمَاتِ لِحَاجَتِهِ كَمَا فِي

﴿باب الوصية بالسكنى والخدمة والثمرة﴾

نوٹ: ایک ہے عین چیز کی وصیت کرنا، اس میں موصی لہ موصی کے مرنے کے بعد اس چیز کا مالک ہو جاتا ہے۔ دوسرا ہے اس کے نفع کی وصیت کرنا، اس میں عین چیز کا مالک تو ورثہ ہوتے ہیں، لیکن اس سے نفع اٹھانے کا مالک موصی لہ بن جاتا ہے۔ نفع نظر نہیں آتا لیکن منافع کو ضرورت کی بنا پر موجود مانا گیا ہے

ترجمہ: (۱۰۳۰) وصیت جائز ہے اپنے غلام کی خدمت کی اور مکان کی رہائش کی معین سالوں تک اور جائز ہے یہ ہمیشہ کے لئے۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ زندگی میں منافع کا مالک بنایا جا سکتا ہے، بدل کے ذریعہ (جیسے کرایہ میں ہوتا ہے) اور بغیر بدلے کے (جیسے عاریت میں ہوتا ہے)، ایسے ہی موصی کی ضرورت کی وجہ سے مرنے کے بعد بھی منافع کا مالک بنایا جا سکتا ہے، جیسے عین چیز کا مالک بنایا جاتا ہے

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ کسی چیز کا نفع وصیت میں اصل کی طرح ہے۔

تشریح: اوپر کے مسئلوں میں تھا کہ عین چیز کو ہبہ کرے یہاں یہ ہے کہ عین چیز کی وصیت نہ کرے بلکہ اس کے نفع کی وصیت کرے۔ مثلا یوں وصیت کرے کہ میرے غلام کی خدمت فلاں کو تین سالوں کے لئے وصیت کرتا ہوں یا ہمیشہ کے لئے وصیت کرتا ہوں۔ یا میرے گھر میں جو رہائش ہے وہ فلاں کے لئے تین سالوں تک کی وصیت کرتا ہوں یا ہمیشہ کے لئے وصیت کرتا ہوں تو یہ جائز ہے۔

وجہ: (۱) جس طرح عین شیء کی قیمت ہوتی ہے اسی طرح نفع کی بھی قیمت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی بھی وصیت کر سکتا ہے (۲) وقف کے بارے میں یہ حدیث ہے اس کا اشارہ ہے کہ منافع کا بھی مالک بنایا جا سکتا ہے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: أَصَابَ عُمَرُ بِخَيْبَرَ أَرْضًا، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَصَبْتُ أَرْضًا لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ مِنْهُ، فَكَيْفَ تَأْمُرُنِي بِهِ؟ قَالَ: »إِنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا «، فَتَصَدَّقَ عُمَرُ أَنَّهُ لَا يُبَاعُ أَصْلُهَا وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ فِي الْفُقَرَاءِ، وَالْقُرْبَى وَالرِّقَابِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالضَّيْفِ وَابْنِ السَّبِيلِ، لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ، أَوْ يُطْعِمَ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيهِ (بخاری شریف،

الْأَعْيَانِ ۲؎ وَيَكُوْنُ مَحْبُوْسًا عَلٰى مِلْكِهٖ فِيْ حَقِّ الْمَنْفَعَةِ حَتّٰى يَتَمَلَّكَهَا الْمُوْصٰى لَهٗ عَلٰى مِلْكِهٖ كَمَا يَسْتَوْفِي الْمَوْقُوْفُ عَلَيْهِ مَنَافِعَ الْوَقْفِ عَلٰى حُكْمِ مِلْكِ الْوَاقِفِ. ۳؎ وَتَجُوْزُ مُوَقَّتًا وَمُؤَبَّدًا كَمَا فِي الْعَارِيَةِ فَإِنَّهَا تَمْلِيْكٌ عَلٰى أَصْلِنَا، بِخِلَافِ الْمِيْرَاثِ، لِأَنَّهٗ خِلَافَةٌ فِيْمَا يَتَمَلَّكُهُ الْمُوْرِثُ وَذٰلِكَ

باب الوقف کیف یکتب ،ص ۳۸۸، نمبر ۲۷۷۲) اس حدیث میں اصل زمین وقف نہیں کی بلکہ اس کا نفع وقف کیا جس سے معلوم ہوا کہ نفع کی بھی وصیت کی جاسکتی ہے (۳) اس قول صحابی میں ہے ۔عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ عُمَرَ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ لَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَعْطَاهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا رَجُلًا، فَأُخْبِرَ عُمَرُ أَنَّهُ قَدْ وَقَفَهَا يَبِيعُهَا، فَسَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَبْتَاعَهَا، فَقَالَ: »لا تَبْتَعْهَا، وَلا تَرْجِعَنَّ فِي صَدَقَتِكَ (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ،ص ۳۸۹ ،نمبر ۲۷۷۵) (۴) ۔وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: فِيمَنْ جَعَلَ أَلْفَ دِينَارٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَدَفَعَهَا إِلَى غُلَامٍ لَهُ تَاجِرٍ يَتْجِرُ بِهَا، وَجَعَلَ رِبْحَهُ صَدَقَةً لِلْمَسَاكِينِ وَالْأَقْرَبِينَ، هَلْ لِلرَّجُلِ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ رِبْحِ ذَلِكَ الْأَلْفِ شَيْئًا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ جَعَلَ رِبْحَهَا صَدَقَةً فِي الْمَسَاكِينِ، قَالَ: »لَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا ۔(بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ،ص ۳۸۹ ،نمبر ۲۷۷۵) اس قول تابعی میں بھی اصل دینار وقف نہیں کیا بلکہ اس کا نفع وقف کیا۔ اسی پر قیاس کر کے نفع یعنی غلام کی خدمت یا مکان کی رہائش کی وصیت کچھ سالوں کے لئے بھی کر سکتا ہے اور ہمیشہ کے لئے بھی کر سکتا ہے۔

لغت : سکنی : رہائش۔ سنین : سنۃ کی جمع ہے سال۔

ترجمہ : ۲؎ وصیت کی ہوئی چیز موصی کی ملکیت پر محبوس ہوگی منفعت کے حق میں، یہاں تک کہ موصی کی ملکیت پر موصی لہ نفع کا مالک ہوگا، جیسے جس پر وقف کیا ہے وقف کی چیز کے نفع کو وصول کرتا ہے وقف کرنے والے کی ملکیت کے حکم پر

تشریح : اس عبارت میں یہ بتا رہے ہیں میت کے مرنے کے بعد عین چیز کا مالک تو وارث ہو گیا ہے، لیکن موصی لہ کو اس سے نفع اٹھانے کا حق ہوگا ، اور یہ حق میت کی ملکیت سے ملے گا، اور اس کی مثال دیتے ہیں کہ منفعت وقف کرنے والے کا انتقال ہو جائے تو چیز کا وارث اس کا وارث ہوتا ہے، لیکن جس پر وقف کیا ہے وہ وقف کرنے والے سے نفع اٹھانے کا حق لیتا ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر وارث سے نفع اٹھانے کا حق لے تو وہ کبھی بھی اس حق کو واپس لے سکتا ہے، لیکن اگر میت سے نفع اٹھانے کا حق لے تو ورثہ اس کو واپس نہیں لے سکتے ہیں۔

ترجمہ : ۳؎ نفع کی وصیت کچھ وقت کے لئے بھی جائز ہے اور ہمیشہ کے لئے بھی جائز ہے، جیسے عاریت میں ہوتا ہے (کہ کچھ وقت کے لئے عاریت پر دیتے ، اور ہمیشہ کے لئے عاریت پر دے)، اس لئے کہ ہمارا اصول یہ ہے کہ یہ نفع کا مالک بنانا ہے، بخلاف میراث کے کہ اس میں میت جس چیز کا مالک تھا اس کا خلیفہ بنانا ہے، اور خلیفہ بنانا ایسی چیز میں ہوگا جو عین چیز دیر

فِيْ عَيْنٍ تَبْقٰى، وَالْمَنْفَعَةُ عَرْضٌ لَا يَبْقٰى، ۴ وَكَذَا الْوَصِيَّةُ بِغَلَّةِ الْعَبْدِ وَالدَّارِ، لِأَنَّهُ بَدَلُ الْمَنْفَعَةِ فَأَخَذَ حُكْمَهَا وَالْمَعْنٰى يَشْمِلُهُمَا.

(۱۰۳۱) قَالَ فَإِنْ خَرَجَتْ رَقَبَةُ الْعَبْدِ مِنَ الثُّلُث يُسَلَّمُ إِلَيْهِ لِيَخْدِمَهُ،

تک باقی رہتی ہو، اور نفع تو عرض ہے دیر تک باقی نہیں رہتا ہے

لغت: تملیک اور خلافة: میں فرق یہ ہے کہ، جن جن چیزوں کا میت مالک تھا وارث کو ان چیزوں کا مالک بنانا خلیفہ بنانا ہے۔ اور نفع کا مالک بنانا یہ خلیفہ بنانا نہیں ہے، بلکہ صرف نفع کا مالک بنانا ہے۔ عرض: منطقی محارے میں جو چیز ہوئی اور ختم ہوگئی اس کو عرض، کہتے ہیں، جیسے گھر میں رہ کر نفع اٹھایا، یہ ہوتا گیا اور ختم ہوتا گیا، دیر تک باقی نہیں رہتا ہے، اس کو، عرض، کہتے ہیں اور جو چیز دیر تاک باقی رہتی ہو اس کو منطق میں، جوہر، کہتے ہیں۔ عاریت: مفت میں مانگ کر کوئی چیز لائے اور اس سے فائدہ اٹھا کر چیز واپس کر دے، اس کو عاریت، کہتے ہیں۔

تشریح: نفع اٹھانے کی وصیت دونوں طرح کر سکتا ہے، ہمیشہ کے لئے نفع اٹھانے کی وصیت کرے، یہ بھی جائز ہے۔ اور دو ماہ تین ماہ کے لئے نفع اٹھانے کی وصیت کرنا یہ بھی جائز ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ وصیت ہمارے یہاں نفع کا مالک بنانا ہے۔ جیسے عاریت میں نفع کا مالک بنانا ہوتا ہے۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک نفع کی وصیت میں مالک بنانا نہیں ہے، بلکہ نفع اٹھانے کو مباح کرنا ہے، جیسے کھانے کو مباح کر دے۔

میراث میں چیز تقسیم نہ ہو بلکہ صرف نفع تقسیم ہو ایسا نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ میت چیز کا بھی مالک تھا، اور خلافت میں یہ ہوتا ہے کہ میت جتنی چیزوں کا مالک تھا ان سب کا خلیفہ بنانا ہوگا، اور وہ چیز کا بھی مالک تھا اس لئے چیز کا بھی مالک بنانا ہوگا، صرف نفع کا مالک بنانا کافی نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۴ ایسے ہی غلام کی آمدنی، اور گھر کی آمدنی کی وصیت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ نفع کا بدل ہے، تو جو حکم نفع کا ہوگا وہی حکم اس کے بدل کا ہوگا، اور دونوں کو معنی (یعنی ضرورت اور نفع کا مالک بنانا) کو شامل ہے

تشریح: یہاں غلام کے نفع کی وصیت نہیں کی یا گھر کے نفع کی وصیت نہیں کی، بلکہ اس کے نفع کی جو قیمت یا کرایہ آئے گا اس کی وصیت کی تو یہ بھی جائز ہے، مثلا غلام کو اجرت پر رکھا، یا گھر میں رہنے کے لئے کرایہ پر دیا، اور میت نے اس کرائے کے بارے میں وصیت کی کہ فلاں کو دیتے رہیں تو یہ بھی جائز ہے

وجہ: اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ نفع کا بدل ہے، تو جس طرح نفع کی وصیت کر سکتا ہے، تو اس کے بدل کی بھی وصیت کر سکتا ہے، (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کو اس کی بھی ضرورت ہے اس لئے یہ بھی کر سکتا ہے

ترجمہ: (۱۰۳۱) پس اگر غلام نکل سکے تہائی مال سے تو موصی لہ کے حوالہ کر دیا جائے گا خدمت کے لئے۔

ل (لِأَنَّ حَقَّ الْمُوْصٰى لَهُ فِي الثُّلُثِ لَاتُزَاحِمُهُ الْوَرَثَةُ)

(۱۰۳۲)وَإِنْ كَانَ لَا مَالَ لَهُ غَيْرُهُ خَدِمَ الْوَرَثَةَ يَوْمَيْنِ وَالْمُوْصٰى لَهُ يَوْمًا، ل لِأَنَّ حَقَّهُ فِي الثُّلُثِ وَحَقُّهُمْ فِي الثُّلُثَيْنِ كَمَا فِي الْوَصِيَّةِ فِي الْعَيْنِ وَلَا تُمْكِنُ قِسْمَةُ الْعَبْدِ أَجْزَاءً لِأَنَّهُ لَا يَتَجَزّٰى فَصِرْنَا إِلَى الْمُهَايَاةِ إِيْفَاءً لِلْحَقَّيْنِ، ٢ بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ بِسُكْنَى الدَّارِ إِذَا كَانَتْ لَا تَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ حَيْثُ تُقْسَمُ عَيْنُ الدَّارِ أَثْلَاثًا لِلْاِنْتِفَاعِ، لِأَنَّهُ يُمْكِنُ الْقِسْمَةُ بِالْأَجْزَاءِ وَهُوَ أَعْدَلُ لِلتَّسْوِيَةِ بَيْنَهُمَا زَمَانًا وَذَاتًا، وَفِي

ترجمہ: ل اس لئے کہ موصی لہ کا حق ایک تہائی میں ہے، اور ورثہ کے مزاحم نہیں ہے

تشریح: مثلا غلام کی قیمت تین ہزار ہے اور چھ ہزار مالیت ہے، کل ملا کر نو ہزار ہے۔ اس صورت میں غلام پورے مال کی تہائی ہے اس لئے غلام کی پوری خدمت موصیٰ لہ کے لئے ہوگی۔ اور پورا غلام وصیت کی مدت تک کے لئے موصی لہ کے حوالے کر دیا جائے گا تا کہ اس کی خدمت کرے۔

وجہ: غلام پورے مال کی تہائی ہے اس لئے غلام کی پوری خدمت موصی لہ کے لئے ہوگی۔

ترجمہ: (۱۰۳۲) اور اگر اس کے علاوہ مال نہ ہو تو ورثہ کی خدمت کرے گا دو دن اور موصی لہ کی ایک دن۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ موصی کا حق ایک تہائی میں ہے اور ورثہ کا حق دو تہائی میں ہے، جیسے عین چیز کی وصیت کی ہو تو اس میں بھی یہ ہوتا ہے، اور غلام کو ٹکڑا کر کے تقسیم کرنا ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ غلام کا ٹکڑا نہیں ہو سکتا ہے اس لئے ہم باری باری کی طرف چلے گئے دونوں کے حق کو پورا کرنے کے لئے

تشریح: اور اگر صرف یہی غلام موصی کی ملکیت ہے تب تو غلام کی دو تہائی خدمت ورثہ کے لئے ہے اور ایک تہائی خدمت موصی لہ کے لئے ہے۔ اس لئے دو دن ورثہ کی خدمت کرے گا اور ایک دن موصی لہ کی خدمت کرے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ غلام کو ٹکڑا نہیں کر سکتے ہیں، اس لئے یہی صورت ہے کہ باری باری کر کے خدمت کرے

لغت: مہایات: باری باری تقسیم کرنا۔

ترجمہ: ٢ بخلاف گھر میں رہنے کی وصیت کی ہو، اور تہائی سے گھر نہ نکلتا ہو تو عین گھر کو نفع اٹھانے کے لئے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، اس لئے کہ ٹکڑا کر کے تقسیم کرنا ممکن ہے، اور یہ تقسیم زمانے کے اعتبار سے اور ذات کے اعتبار بہتر ہے، اور باری باری تقسیم میں ایک آدمی کو زمانے کے اعتبار سے پہلے دینا ہوگا (اور ٹکڑا کر کے تقسیم کرنے میں دونوں کو ایک زمانے میں اپنا اپنا حصہ مل جائے گا)

تشریح: گھر کا مسئلہ غلام سے الگ ہے۔ اس لئے کہ گھر کو تین حصوں میں ٹکڑا ٹکڑا کر کے تقسیم کیا جا سکتا ہے، اور اس سے دونوں فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اس لئے گھر کو ٹکڑا کر کے تقسیم کر دیا جائے گا اور ہر فریق اپنے اپنے حصے میں رہ کر فائدہ اٹھائیں گے،

الْـمُهَـايَـاتِ تَقْدِيمُ أَحَدِهِمَا زَمَانًا. ۳؎ وَلَـوِ اقْتَسَـمُـوْا الـدَّارَ مُهَايَاةً مِنْ حَيْثُ الزَّمَانِ تَجُوْزُ أَيْضًا، لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُمْ إِلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ وَهُوَ الْأَعْدَلُ أَوْلٰى ۴؎ وَلَيْـسَ لِـلْوَرَثَةِ أَنْ يَبِيْعُوْا مَا فِيْ أَيْدِيْهِمْ مِنْ ثُلُثَيِ الدَّارِ، وَعَـنْ أَبِـيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ لَهُمْ ذٰلِكَ، لِأَنَّهُ خَالِصُ مِلْكِهِمْ، وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ حَقَّ الْمُوْصٰى لَـهُ ثَـابِـتٌ فِـيْ سُـكْـنٰـى جَمِيْعِ الدَّارِ بِأَنْ ظَهَرَ لِلْمَيِّتِ مَالٌ اٰخَرُ وَتَخْرُجُ الدَّارُ مِنَ الثُّلُثِ وَكَذَا لَهُ حَقُّ الْمُزَاحَمَةِ فِيْمَا فِيْ أَيْدِيْهِمْ إِذَا خَرَبَ مَا فِيْ أَيْدِيْهِمْ وَالْبَيْعُ يَتَضَمَّنُ إِبْطَالَ ذٰلِكَ فَمُنِعُوْا عَنْهُ.

اس میں زمانے کے اعتبار سے بیک وقت دونوں فائدہ اٹھائیں گے، اور باری باری میں ایک فریق پہلے فائدہ اٹھائے گا، اور دوسرا بعد میں۔

ترجمه: ۳؎ اور اگر گھر کو زمانے کے اعتبار سے باری باری تقسیم کیا تب بھی جائز ہے، اس لئے کہ یہ دونوں فریق کا حق ہے، مگر پہلی صورت (ٹکڑا کر کے تقسیم کرنا) زیادہ بہتر ہے

تشریح: گھر کو باری باری تقسیم کیا تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ یہ دونوں کا حق ہے اور دونوں نے مناسب سمجھا کہ باری باری تقسیم کر کے گھر سے فائدہ اٹھائیں تو اس کی بھی گنجائش ہے

ترجمه: ۴؎ ورثہ کو یہ حق نہیں ہے کہ گھر میں سے اپنا دو تہائی حصہ بیچ دے، لیکن امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ ورثہ کو بیچنے کا حق ہے، اس لئے کہ ان کی خالص ملکیت ہے، اور ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ موصی لہ کو پورے گھر میں رہنے کا حق ہوگا اگر میت کے پاس اور مال ظاہر ہو جائے، اور یہ گھر تہائی سے نکل جائے، اور ایسے ہی ورثہ کے قبضے میں جو حصہ ہے اس میں رہنے کے لئے موصی لہ مزاحمت کر سکتا ہے اگر گھر میں کوئی خرابی ہو جائے، اور گھر بیچ دینے میں یہ حق باطل کرنا ہے اس لئے گھر بیچنے سے روکا جائے گا

تشریح: موصی لہ کو تو صرف گھر کی ایک تہائی میں رہنے کا حق ہے، اور باقی دو تہائی پر ورثہ کی ملکیت ہے، تو کیا اس دو حصے کو ورثہ بیچ سکتے ہیں۔ تو امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ ورثہ اپنے حصے کو بیچ سکتے ہیں، کیونکہ یہ ان کی اپنی ملکیت ہے، اس لئے ان کو بیچنے کا حق ہوگا۔ لیکن ظاہر روایت یہ ہے کہ نہیں بیچ سکتے ہیں،

وجه: اس کی دو وجہ ہیں۔ (۱) ایک وجہ یہ ہے کہ مستقبل میں یہ ظاہر ہو جائے کہ میت کے پاس اور اتنی ملکیت ہے جس سے یہ گھر تہائی میں نکل سکتا ہے تو موصی لہ کا حق اس پورے گھر پر ہو جائے گا، لیکن اگر ورثہ اپنا حصہ ابھی بیچ دے تو مستقبل میں موصی لہ کا حق ضائع ہو جائے گا، اس لئے ورثہ کو اپنا حصہ نہیں بیچنے دیا جائے گا۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ جس حصے میں موصی لہ رہ رہا ہے اس کی مرمت کی ذمہ داری ورثہ پر ہے، کیونکہ یہ حصہ بھی ورثہ کا ہے، اب اگر یہ حصہ خراب ہو جائے تو موصی لہ کو یہ حق ہوگا کہ مرمت ہونے تک ورثہ کے حصے میں رہے، لیکن اگر ورثہ نے اپنا حصہ بیچ دیا تو موصی لہ ورثہ کے حصے میں کیسے رہے گا، اس لئے ان فائدوں کی وجہ سے ورثہ کو اپنا حصہ بھی بیچنے سے روکا جائے گا، ظاہری روایت کی وجہ یہ ہے۔

(۱۰۳۳) قَالَ فَإِنْ كَانَ مَاتَ الْمُوْصٰى لَهٗ عَادَ إِلَى الْوَرَثَةِ، ۱؎ لِأَنَّ الْمُوْصِيْ أَوْجَبَ الْحَقَّ لِلْمُوْصٰى لَهٗ يَسْتَوْفِي الْمَنَافِعَ عَلٰى حُكْمِ مِلْكِهٖ فَلَوِ انْتَقَلَ إِلٰى وَارِثِ الْمُوْصٰى لَهٗ اِسْتَحَقَّهَا اِبْتِدَاءً مِنْ ذٰلِكَ الْمُوْصِيْ مِنْ غَيْرِ مَرْضَاتِهٖ وَذٰلِكَ لَا يَجُوْزُ،

(۱۰۳۴) وَلَوْ مَاتَ الْمُوْصٰى لَهٗ فِيْ حَيَاةِ الْمُوْصِي بَطَلَتْ، ۱؎ لِأَنَّ إِيْجَابَهَا تَعَلَّقَ بِالْمَوْتِ عَلٰى مَا

ترجمہ: (۱۰۳۳) پس اگر موصی لہ مر گیا تو غلام لوٹ آئے گا ورثہ کی طرف۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ وصیت کرنے والے نے موصی لہ کے لئے وصیت کی تھی کہ موصی کی ملکیت پر نفع حاصل کرے، اب اگر موصی لہ کے ورثہ کی طرف حق منتقل ہو جائے تو موصی کی جانب سے بغیر اس کی مرضی کے ابتداء نفع حاصل کرنے کا حق منتقل ہوگا، اور یہ جائز نہیں ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ عین کی وراثت نہیں ہے تو اس کے نفع کی بھی وراثت نہیں ہوگی۔

تشریح: مثلا تین سال کی خدمت کے لئے وصیت کی تھی اور موصی لہ دو سال میں انتقال کر گیا تو غلام وصیت کرنے والے کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا۔

وجہ: (۱) وصیت کرنے والے نے صرف موصی لہ کے لئے نفع اٹھانے کی وصیت کی تھی، اس کے ورثہ کے لئے نہیں، اب اگر ورثہ نفع اٹھانے کا حقدار ہو تو موصی کی جانب سے اس کی اجازت ہونی چاہئے، اور وہ مر چکے ہیں اس لئے ورثہ کو نفع اٹھانے کا حق نہیں ہوگا، نفع اٹھانے کا حق موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا

ترجمہ: (۱۰۳۴) اور اگر موصی لہ موصی کی زندگی میں مر گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ وصیت کو قبول کرنا موصی کی موت کے بعد ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا

وجہ: (۱) پہلے قاعدہ گزرا ہے کہ موصی کے مرنے کے بعد موصی لہ وصیت قبول کرے گا تب وصیت صحیح ہوگی۔ یہاں وصیت کرنے والے سے پہلے ہی موصی لہ مر گیا تو وصیت قبول کون کرے گا؟ اس لئے وصیت باطل ہو جائے گی (۲) جس کے لئے وصیت کی تھی وہی نہیں رہا تو وصیت کس کے لئے ہوگی؟ (۳) عَنْ حَفْصٍ، عَنْ مَكْحُولٍ، فِي الرَّجُلِ يُوصِي لِلرَّجُلِ بِدَنَانِيرَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَيَمُوتُ الْمُوصَى لَهُ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ بِهَا مِنْ أَهْلِهِ .قَالَ: »هِيَ إِلَى أَوْلِيَاءِ الْمُتَوَفَّى الْمُوصِي يُنْفِذُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (دارمی، باب اذا مات الموصی لہ قبل الموصی، نمبر ۳۳۴۴) اس حدیث میں ہے کہ موصی کا انتقال موصی لہ سے پہلے ہو جائے تو چیز موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گی (۴) حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور نے چیز ورثہ کی طرف لوٹا دی۔ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ سَأَلَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ مَعْرُورٍ، فَقَالُوا: تُوُفِّيَ وَأَوْصَى بِثُلُثِهِ لَكَ، قَالَ: " قَدْ رَدَدْتُ ثُلُثَهُ عَلَى وَلَدِهِ

بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ. ۲؎ وَلَوْ أَوْصٰى بِغَلَّةِ عَبْدِهٖ أَوْ دَارِهٖ فَاسْتَخْدَمَهُ بِنَفْسِهٖ أَوْ سَكَنَهَا بِنَفْسِهٖ قِيْلَ يَجُوْزُ ذٰلِكَ، لِأَنَّ قِيْمَةَ الْمَنَافِعِ كَعَيْنِهَا فِيْ تَحْصِيْلِ الْمَقْصُوْدِ، ۳؎ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لا يَجُوْزُ، لِأَنَّ الْغَلَّةَ دَرَاهِمُ أَوْ دَنَانِيْرُ وَقَدْ وَجَبَتِ الْوَصِيَّةُ بِهَا، وَهٰذَا اِسْتِيْفَاءُ الْمَنَافِعِ وَهُمَا مُتَغَايِرَانِ وَمُتَفَاوِتَانِ فِيْ حَقِّ الْوَرَثَةِ، فَإِنَّهُ لَوْ ظَهَرَ دَيْنٌ يُمْكِنُهُمْ أَدَاؤُهُ مِنَ الْغَلَّةِ بِالْاِسْتِرْدَادِ مِنْهُ بَعْدَ اِسْتِغْلَالِهَا وَلَا يُمْكِنُهُمْ مِنَ

(سنن للبیہقی ، باب الوصیۃ للرجل وقبولہ وردہ ، ج سادس ،ص۴۵۲ ،نمبر۱۲۶۱۳ رمستدرک للحاکم ، کتاب الجنائز ،نمبر۱۳۰۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد وصیت قبول کرنے یا رد کرنے کا حق ہوتا ہے۔اور یہاں قبول کرنے والا ہی پہلے مر گیا تو کون قبول کرے گا اس لئے یہ وصیت باطل ہو جائے گی ۔(۵)اس قول تابعی میں اس کا اشارہ ہے۔عن الشعبی قال لا وصیۃ لمیت (مصنف ابن ابی شیبۃ ،الرجل یوصی لرجل بوصیۃ فیموت الموصی لہ قبل اموصی ، ج سادس ،ص۲۱۱ ،نمبر۳۰۷۳۲) اس قول تابعی میں ہے کہ جو مر چکا ہے اس کے لئے وصیت کرنا صحیح نہیں ہے ،اب یہ موصی لہ مر چکا ہے اس لئے اس کے لئے وصیت باطل ہو جائے گی

ترجمہ: ۲؎ اور اگر غلام کی آمدنی کی وصیت کی ، یا گھر کے کرائے کی وصیت کی ،لیکن موصی لہ غلام سے خود خدمت لینے لگ گئے ، یا خود گھر میں رہنے لگ گئے ،تو بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ جائز ہے اس لئے کہ نفع کی قیمت خود نفع کی طرح ہے مقصد کے حاصل کرنے میں

تشریح: وصیت کرنے والے نے یہ وصیت کی تھی کہ غلام کو مزدوری پر رکھ کر اس سے جو آمدنی آئے اس کی وصیت کرتا ہوں ، یا گھر کو کرایہ پر رکھ کر اس سے جو کرایہ آئے اس کی وصیت کرتا ہوں ،لیکن موصی لہ نے خود غلام سے خدمت لینا شروع کر دیا ، یا خود گھر میں رہنا شروع کر دیا ،تو بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ جائز ہے ،

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ غلام کی آمدنی ،اور خود غلام کا نفع دونوں ایک ہی چیز ہے اس لئے موصی لہ کو خود غلام سے نفع اٹھانا جائز ہے

ترجمہ: ۳؎ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ خود غلام سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے ،اس لئے کہ غلام کی آمدنی درہم ،اور دینار کی شکل میں ہے ،اور اس کی وصیت واجب ہوئی ہے ،اور یہاں نفع حاصل کرنا ہے ،اور دونوں الگ الگ ہیں ،اور ورثہ کے حق میں تو دونوں متفاوت ہیں ،اس لئے کہ اگر موصی پر قرض کا پتہ لگ جائے تو موصی لہ سے آمدنی کا درہم واپس لیکر قرض ادا کیا جا سکتا ہے ،اس سے آمدنی حاصل کر لینے کے بعد ،اور خود نفع کو حاصل کر لینے کے بعد اس کو قرض ادا کرنے میں صرف کرنا ممکن نہیں ہے

تشریح: صحیح بات یہ ہے کہ غلام کی آمدنی لینے کی وصیت کی ہو تو خود غلام سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے

وجہ: اس کی دو وجہ ہیں ۔ا۔ایک وجہ یہ ہے کہ آمدنی اور نفع میں فرق ہے ،آمدنی درہم اور دینار ہے ،اور نفع ایک تصور کی چیز

الْـمَنَافِعِ بَعْدَ اِسْتِيْفَائِهَا بِعَيْنِهَا. ۴ وَلَيْـسَ لِـلْمُوْصٰى لَهٗ بِالْخِدْمَةِ وَالسُّكْنٰى أَنْ يُّوَاجِرَ الْعَبْدَ وَالدَّارَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَهٗ ذٰلِكَ لِأَنَّهٗ بِالْوَصِيَّةِ مَلَكَ الْمَنْفَعَةَ فَيَمْلِكُ تَمْلِيْكَهَا مِنْ غَيْرِهٖ بِبَدَلٍ أَوْ غَيْرِ بَدَلٍ، لِأَنَّهَا كَالْأَعْيَانِ عِنْدَهٗ بِخِلَافِ الْعَادِيَةِ، لِأَنَّهَا إِبَاحَةٌ عَلٰى أَصْلِهٖ وَلَيْسَ بِتَمْلِيْكٍ.

ہے، اس لئے دونوں الگ الگ چیز ہے اس لئے موصی نے ایک چیز کی وصیت کی ہو تو دوسرے کو حاصل کرنے کی گنجائش نہیں ہو گی ۔۲۔ دوسری وجہ یہ ورثہ کے حق میں بھی فرق ہے، اگر مان لیا جائے کہ وصیت کرنے والے پر بعد میں کوئی قرض ثابت ہو جائے تو موصی لہ نے آمدنی کے درہم اور دینار کو استعمال کیا ہو تو موصی لہ سے وہ درہم اور دینار واپس لیکر قرض ادا کر سکتا ہے، لیکن اگر موصی لہ نے خود نفع کو استعمال کر لیا، مثلا غلام سے خدمت لے لی، یا گھر میں رہ لیا تو یہ نفع غیر متصور ہے، یہ نفع فنا ہو چکا ہے، اس لئے اس کو کیسے موصی لہ سے واپس لیں گے، اور کیسے اس سے قرض ادا کریں گے، اس صورت میں موصی کا قرض رہ جائے گا اور موصی کو نقصان ہوگا، اس لئے اس نے آمدنی کی وصیت کی ہو تو موصی لہ کو غلام سے خدمت لینا، یا گھر میں رہنا جائز نہیں ہوگا، صحیح روایت یہی ہے،

لغت: الغلۃ: آمدنی، اسی سے ہے استغلال: آمدنی حاصل کرنا۔ استیفاء: وفی سے مشتق ہے، منافع وصول کرنا۔

ترجمہ: ۴ جس کو غلام سے خدمت لینے، یا گھر میں رہنے کی وصیت کی ہو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ غلام کو یا گھر کو اجرت پر رکھے، اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ موصی لہ کو یہ حق ہے (کہ غلام کو اور گھر کو اجرت پر رکھے) اس لئے کہ وصیت کی وجہ سے وہ نفع کا مالک بن چکا ہے ہیں اس لئے بدلہ لیکر، یا بغیر بدلہ لئے ہوئے وہ دوسرے کو بھی مالک بنا سکتا ہے، اس لئے کہ انکے یہاں نفع عین چیز کی طرح ہے، بخلاف عاریت کے (اس میں مستعیر اجرت پر نہیں رکھ سکتا ہے) اس لئے کہ ان کے قاعدے کے اعتبار سے مباح کرنا ہے، مالک بنانا نہیں ہے

تشریح: موصی نے کسی کے لئے وصیت کی کہ غلام خدمت کرے گا یا موصی لہ اس گھر میں رہے گا، تو کیا موصی لہ کو یہ حق ہے کہ غلام کو اجرت پر رکھ کر آمدنی کمائے، یا گھر کو کرایہ پر دیکر آمدنی کمائے؟ تو امام شافعیؒ نے فرمایا کہ موصی لہ کو یہ ہے حق ہے کہ غلام کو اجرت پر رکھ کر آمدنی کمائے۔ اور آگے امام ابو حنیفہؒ کی رائے آرہی ہے کہ موصی لہ غلام کو کرائے پر نہیں رکھ سکتا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ وصیت کر کے موصی لہ کو نفع کا مالک بنا دیا ہے، اس لئے اب موصی لہ کو یہ حق ہے کہ بدلہ لیکر، یعنی اجرت پر رکھ کر کسی اور کو نفع کا مالک بنا دے، اور یہ بھی حق ہے کہ بغیر بدلہ لئے عاریت کے طور پر غلام سے نفع اٹھانے کے لئے کسی کو دے دے،

آگے فرماتے ہیں کہ اس کے برخلاف عاریت ہے، کہ غلام کو عاریت پر لیا ہے تو اس کو کسی اور کو عاریت پر نہیں دے سکتا ہے، کیونکہ امام شافعیؒ کے قاعدے پر عاریت میں نفع کا مالک بنانا نہیں ہے، بلکہ مباح کرنا ہے، مباح کا مطلب ہے کہ آپ خود اس کو استعمال کر سکتے ہیں لیکن کسی کو نہیں دے سکتے ہیں، نہ بدلہ لیکر اور نہ بغیر بدلہ کے

۵ وَلَنَا أَنَّ الْوَصِيَّةَ تَمْلِيْكٌ بِغَيْرِ بَدَلٍ مُضَافٌ إِلٰى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَلَا يَمْلِكُ تَمْلِيْكَهُ بِبَدَلٍ اِعْتِبَارًا بِالْإِعَارَةِ فَإِنَّهَا تَمْلِيْكٌ بِغَيْرِ بَدَلٍ فِيْ حَالَةِ الْحَيَاةِ عَلٰى أَصْلِنَا وَلَا يَمْلِكُ الْمُسْتَعِيْرُ الْإِجَارَةَ لِأَنَّهَا تَمْلِيْكٌ بِبَدَلٍ كَذَا هٰذَا ۶ وَتَحْقِيْقُهُ أَنَّ التَّمْلِيْكَ بِبَدَلٍ لَازِمٌ وَبِغَيْرِ بَدَلٍ غَيْرُ لَازِمٍ، وَلَا يُمَلَّكُ الْأَقْوٰى بِالْأَضْعَفِ وَالْأَكْثَرُ بِالْأَقَلِّ، وَالْوَصِيَّةُ تَبَرُّعٌ غَيْرُ لَازِمٍ، إِلَّا أَنَّ الرُّجُوْعَ لِلْمُتَبَرِّعِ لَا لِغَيْرِهٖ، وَالْمُتَبَرِّعُ بَعْدَ الْمَوْتِ لَا يُمْكِنُهُ الرُّجُوْعُ فَلِهٰذَا انْقَطَعَ، أَمَّا هُوَ فِيْ وَضْعِهٖ فَغَيْرُ لَازِمٌ.

ترجمہ: ۵ ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت بغیر بدلہ کے مالک بنانا ہے، لیکن موت کی طرف منسوب ہے اس لئے موصی لہ بدلہ لیکر کسی کو مالک نہیں بنا سکتا ہے، عاریت پر قیاس کرتے ہوئے، اس لئے کہ عاریت میں زندگی میں بغیر بدلہ لئے مالک بنانا ہے، ہمارے قاعدے کے اعتبار سے، اور عاریت پر لینے والا اجرت پر رکھنے کا بھی مالک نہیں ہے، اس لئے یہ بدلہ لیکر مالک بنانا ہے، ایسے ہی وصیت کا بھی حال ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چیز کا مالک ہو، یا اجرت پر لیا ہو تب ہی اس کو اجرت پر دے سکتا ہے۔ اور اگر نفع عاریت پر ملا ہو یا وصیت سے ملا ہو تو اس نفع کو اجرت پر نہیں رکھ سکتے

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ موصی لہ اس غلام کو نہ اجرت پر رکھ سکتا ہے اور نہ کسی کو عاریت پر دے سکتا ہے، صرف اس سے خود خدمت لے سکتا ہے۔ یہاں اس کی تین دلیل دے رہے ہیں۔

وجہ: (۱) اس کی دلیل دے رہے ہیں کہ، وصیت میں بغیر بدلہ کے نفع کا مالک بنانا ہے، البتہ یہ نفع موت کے بعد اٹھائے گا، اور عاریت میں یہ ہوتا ہے کہ زندگی میں بغیر بدلہ کے نفع اٹھانے کا مالک بناتا ہے، اس لئے وصیت عاریت کی طرح ہے، اور عاریت میں مستعیر نفع کو اجرت پر نہیں دے سکتا ہے، اسی طرح وصیت میں بھی نفع کو اجرت پر نہیں دے سکتا ہے

ترجمہ: ۶ اس کی تحقیق یہ ہے کہ بدلہ لیکر نفع کا مالک بنانے میں عقد لازم ہو جاتا ہے، اور بغیر بدلہ کے مالک بنانے میں عقد لازم نہیں ہوتا، اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ ضعیف کا مالک بنا ہو تو اس کی وجہ سے اس سے قوی کا مالک نہیں بنا سکتا، اور اقل کا مالک بنا ہو تو اس کی وجہ سے اکثر کا مالک نہیں بنا سکتا ہے، اور وصیت ایسی تبرع ہے جو لازم نہیں ہے (اس کو واپس لے سکتا ہے) لیکن تبرع کرنے والا ہی نفع واپس لے سکتا ہے دوسرا نہیں، اور تبرع کرنے والے کی موت کے بعد نفع واپس لینا ممکن نہیں ہے، اس لئے واپس لینا منقطع ہو گیا، لیکن وصیت اپنی وضع کے اعتبار سے لازم عقد نہیں ہے

تشریح: وصیت کے غلام کو حنفیہ کے یہاں اجرت پر نہیں رکھ سکتا ہے، اس کی یہ دوسری وجہ بیان کر رہے ہیں۔ کہ اجرت میں جو عقد ہوتا ہے وہ بدلہ لیکر ہوتا ہے اس لئے وہ لازم ہوتا ہے، بغیر عذر کے اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے، اور وصیت کا جو نفع ہے وہ تبرع ہے، مفت ہے اس لئے وہ لازم نہیں ہے۔ اب موصی لہ غیر لازم عقد کا مالک بنا ہے، اس لئے وہ اجرت جیسا لازم عقد نہیں کر سکتا ہے، اور اسی وجہ سے غلام کو اجرت پر نہیں دے سکتا ہے۔ اس لئے کہ وصیت میں جو ملکیت حاصل ہوئی ہے وہ غیر لازم ملکیت ہے

۷ وَلِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ لَيْسَتْ بِمَالٍ عَلٰى أَصْلِنَا وَفِيْ تَمْلِيْكِهَا بِمَالٍ إِحْدَاثُ صِفَةِ الْمَالِيَةِ فِيْهَا تَحْقِيْقًا لِلْمُسَاوَاةِ فِيْ عَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ فَإِنَّمَا تَثْبُتُ هٰذِهِ الْوِلَايَةُ لِمَنْ يَمْلِكُهَا تَبْعًا لِمِلْكِ الرَّقَبَةِ أَوْ لِمَنْ يَمْلِكُهَا بِعَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ حَتّٰى يَكُوْنَ مُمَلِّكًا لَهَا بِالصِّفَةِ الَّتِيْ تَمَلَّكَهَا، أَمَّا إِذَا تَمَلَّكَهَا مَقْصُوْدَةً بِغَيْرِ عِوَضٍ ثُمَّ مَلَّكَهَا بِعِوَضٍ كَانَ مُمَلِّكًا أَكْثَرَ مِمَّا تَمَلَّكَهُ مَعْنًى وَهٰذَا لَا يَجُوْزُ. ۸ وَلَيْسَ لِلْمُوْصٰى لَهُ أَنْ يُخْرِجَ الْعَبْدَ مِنَ الْكُوْفَةِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ الْمُوْصٰى لَهُ وَأَهْلُهُ فِيْ غَيْرِ الْكُوْفَةِ فَيُخْرِجُهُ إِلٰى أَهْلِهِ لِلْخِدْمَةِ هُنَالِكَ إِذَا كَانَ يَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ إِنَّمَا تَنْفُذُ عَلٰى مَا يُعْرَفُ مِنْ مَقْصُوْدِ

ترجمہ: ۷ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ۔ ہمارے اصول کے اعتبار سے نفع مال نہیں ہے، اور مال کے بدلے میں اس کو مالک بنانے میں، نفع میں مال کی صفت پیدا کرنی ہے، عقد معاوضہ میں برابری پیدا کرنے کے لئے، اور جو چیز کا مالک ہو نفع میں مال کی صفت پیدا کرنے کا حق اس کو ہوتا ہے، ملک رقبہ کے تابع بنا کر، یا جو عقد معاوضہ کی وجہ سے نفع کا مالک ہوا ہو (اس کو حق ہے کہ نفع میں مال کی صفت پیدا کردے) یہاں تک کہ جس صفت کا وہ مالک ہے اسی صفت کا دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے، لیکن بغیر عوض کے جس چیز کا مالک مقصد بنا کر ہوا، پھر وہ عوض کے بدلے دوسرے کو مالک بنائے تو یہ ایسا ہوا کہ جس چیز کا وہ خود مالک نہیں ہے وہ دوسرے کو اس کا مالک بنا رہا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ نفع مال نہیں ہے، لیکن اس میں مال کی صفت پیدا کرنے کا حق تین آدمیوں کو ہے۔ ا۔ چیز کا مالک ہو تو اس کو حق ہے کہ اس کے نفع میں مال کی صفت پیدا کردے اور اس کو اجرت پر بیچ دے۔ ۲۔ نفع کو اجرت پر لیا ہو، تو یہ نفع پہلے سے اجرت دے کر لیا ہے اور اس میں مال کی صفت ہے، اس لئے اس کو حق ہے کہ اس نفع کو دوسرے کے ہاتھ اجرت پر رکھ دے۔ ۳۔ وارث چیز کا مالک بنا ہے تو اس کو بھی حق ہے چیز کے نفع میں مال کی صفت پیدا کردے اور اس کو اجرت پر بیچ دے۔ لیکن نفع کی وصیت جس کے لئے کی ہے وہ بغیر عوض کے نفع کا مالک بنا ہے اس لئے وہ اس نفع میں مال کی صفت پیدا نہیں کر سکتا ہے اور اس کو اجرت پر نہیں بیچ سکتا ہے، کیونکہ نفع میں مال کی صفت پیدا کرنا بڑی چیز ہے اور موصی لہ اس کا مالک نہیں ہے، اس لئے موصی لہ غلام کو اجرت پر نہیں رکھ سکتا ہے۔ یہ تیسری وجہ بیان کی۔

لغت: احداث صفۃ المالیۃ: نفع میں مالیت کی صفت پیدا کرنا ہے۔ اولمن یملکہا بعقد المعاوضہ: جو نفع کا مالک معاوضہ دیکر بنا ہو، جیسے مستاجر، تو اس کو حق ہے کہ نفع کو اجرت پر دے۔ مملکا: مالک بنائے۔

ترجمہ: ۸ موصی لہ کو یہ حق نہیں ہے کہ غلام کو کوفہ سے نکالے، مگر یہ کہ موصی لہ کوفہ میں ہو یا اس کا اہل وعیال کوفہ میں ہو تو وہاں خدمت کے لئے کوفہ لیجا سکتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ غلام تہائی سے نکلتا ہو، اس لئے کہ وصیت نافذ ہوتی ہے اس پر جو وصیت کرنے والے کا مقصود ہو، پس اگر موصی لہ کا اہل شہر ہی میں ہو تو موصی کا مقصود یہ ہے کہ شہر ہی میں خدمت کرنے پر

الْمُوْصِیْ فَإِذَا كَانُوْا فِیْ مِصْرِهٖ فَمَقْصُوْدُهٗ أَنْ يُّمَكِّنَهٗ مِنْ خِدْمَتِهٖ فِيْهِ بِدُوْنِ أَنْ يُلْزِمَهٗ مَشَقَّةَ السَّفَرِ، وَإِذَا كَانُوْا فِیْ غَيْرِهٖ فَمَقْصُوْدُهٗ أَنْ يَّحْمِلَ الْعَبْدَ إِلٰى أَهْلِهٖ لِيَخْدِمَهُمْ. ۹ وَلَوْ أَوْصٰى بِغَلَّةِ عَبْدِهٖ أَوْ بِغَلَّةِ دَارِهٖ يَجُوْزُ أَيْضًا، لِأَنَّهٗ بَدَلُ الْمَنْفَعَةِ فَأَخَذَ حُكْمَ الْمَنْفَعَةِ فِیْ جَوَازِ الْوَصِيَّةِ بِهٖ كَيْفَ وَأَنَّهٗ عَيْنٌ حَقِيْقَةٌ، لِأَنَّهٗ دَرَاهِمُ أَوْ دَنَانِيْرُ فَكَانَ بِالْجَوَازِ أَوْلٰى، ۱۰ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ مَالٌ غَيْرُهٗ كَانَ لَهٗ ثُلُثُ غَلَّةِ تِلْكَ السَّنَةِ، لِأَنَّهٗ مَالُ عَيْنٍ يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ بِالْأَجْزَاءِ.

قدرت دے رہا ہے، بغیر یہ کہ اس کو سفر کی مشقت لازم ہو، اور اگر اہل شہر سے باہر ہو تو موصی کا مقصود یہ ہے کہ غلام اس کے اہل تک لیجائے تو اس کی خدمت کرے

تشریح: جس وقت موصی وصیت کر رہا ہے اس وقت موصی لہ کے اہل وعیال، یا خود موصی لہ شہر سے باہر قیام پذیر ہے، تو وصیت کرنے والے کا مقصد یہی ہے کہ غلام موصی لہ کے شہر میں جائے گا، اور وہاں موصی لہ اور اس کے اہل وعیال کی خدمت کرے گا، اس لئے اس صورت میں موصی لہ کو حق ہوگا کہ غلام کو کوفہ سے باہر خدمت کے لئے اپنا شہر لے جائے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ غلام میت کی تہائی مال سے نکلتا ہو، کیونکہ اگر میت کی تہائی مال سے نہیں نکلتا ہے تو اس میں ورثہ کا بھی حق ہے اس لئے موصی لہ اس کو اپنا شہر نہیں لیجا سکتا ہے، ہاں ورثہ کوفہ سے باہر لیجانے کی اجازت دے دے تو اب لیجا سکتا ہے، کیونکہ ورثہ نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے۔

اور اگر وصیت کرتے وقت موصی لہ خود، یا اس کا اہل وعیال اسی شہر میں ہے تو اب موصی کا مقصد یہ ہے کہ غلام اسی شہر میں رہ کر موصی لہ کی خدمت کرے گا اس لئے اس صورت میں موصی بلا وجہ غلام کو اپنے شہر سے باہر نہیں لیجا سکتا ہے۔

ترجمہ: ۹ اگر اپنے غلام کی آمدنی، یا گھر کی آمدنی کی وصیت کی تو بھی جائز ہے، اس لئے کہ یہ نفع کا بدل ہے، اس لئے اس کی وصیت کے جائز ہونے میں نفع کا حکم لیگا، اور کیسے جائز نہیں ہوگی جبکہ یہ عین حقیقت ہے اس لئے کہ یہ درہم اور دینار ہے (اور نفع تو صرف عرض ہے) اس لئے اس کا جائز ہونا زیادہ بہتر ہے،

تشریح: یہ مسئلہ پہلے بھی آچکا ہے، لیکن آگے ایک مسئلہ متفرع کرنے کے لئے دوبارہ لا رہے ہیں۔ کہ غلام کی آمدنی کی وصیت کی تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ نفع کی وصیت جب جائز ہے، جبکہ وہ عرض ہو اور وہمی ہے تو آمدنی تو جوہر ہے، عین چیز ہے، اور درہم اور دینار ہے اس لئے اس کی وصیت جائز ہونا اور بہتر ہے

ترجمہ: ۱۰ پس اگر اس غلام کے علاوہ میت کا کوئی مال نہ ہو تو موصی لہ کو ہر سال آمدنی کی تہائی ملے گی، اس لئے کہ یہ عین مال ہے، اس میں ٹکڑا کر کے تقسیم کرنا ممکن ہے

تشریح: غلام کی آمدنی کی وصیت کی اور اس غلام کے علاوہ میت نے کوئی مال نہیں چھوڑا ہے تو موصی لہ کو ہر سال آمدنی کی تہائی ملے گی، اور اگر ماہانہ آمدنی آتی ہو تو ہر ماہ میں آمدنی کی تہائی ملے گی۔ کیونکہ نفع نہیں ہے، بلکہ عین مال ہے اس کو ٹکڑے کے طور پر تقسیم کرنا ممکن ہے

١١ فَلَوْ أَرَادَ الْمُوْصٰى لَهُ قِسْمَةَ الدَّارِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْوَرَثَةِ لِيَكُوْنَ هُوَ الَّذِيْ يَسْتَغِلُّ ثُلُثَهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ إِلَّا فِيْ رِوَايَةٍ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يَقُوْلُ الْمُوْصٰى لَهُ شَرِيْكُ الْوَارِثِ وَلِلشَّرِيْكِ ذٰلِكَ فَكَذٰلِكَ لِلْمُوْصٰى لَهُ ١٢ إِلَّا أَنَّا نَقُوْلُ الْمُطَالَبَةُ بِالْقِسْمَةِ تَبْتَنِيْ عَلٰى ثُبُوْتِ الْحَقِّ لِلْمُوْصٰى لَهُ فِيْمَا يُلَاقِيْهِ الْقِسْمَةَ، إِذْ هُوَ الْمُطَالِبُ، وَلَاحَقَّ لَه، فِيْ عَيْنِ الدَّارِ وَإِنَّمَا حَقُّهُ فِي الْغَلَّةِ فَلَا يَمْلِكُ الْمُطَالَبَةَ بِقِسْمَةِ الدَّارِ. ١٣ وَلَوْ أَوْصٰى لَهُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهِ وَلِاٰخَرَ بِرَقَبَتِهِ وَهُوَ يَخْرُجُ

ترجمہ: ١١ پس اگر موصی لہ اپنے اور ورثہ کے درمیان گھر کو تقسیم کرنا چاہے، تا کہ وہ خود ہی اپنی تہائی سے آمدنی وصول کرے تو اس کے لئے یہ اجازت نہیں ہے۔لیکن امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ موصی لہ وارث کا شریک ہے، اور وارث کو یہ حق ہے تو موصی لہ کو بھی یہ حق ہوگا

تشریح: موصی نے گھر کی آمدنی کی وصیت کی تھی، اور موصی لہ کو اس کی تہائی آمدنی ملتی تھی، اب موصی لہ یہ چاہتا ہے کہ گھر کا حصہ کر لیں اور اپنے حصے کے گھر کو کرایہ پر رکھ دیں اور اس کی آمدنی خود ہی وصول کر لیں، تو امام ابو یوسفؒ سے امام ابوحنیفہ کی ایک روایت ہے کہ موصی لہ تقسیم کر سکتا ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ آمدنی میں ورثہ اور موصی لہ شریک ہے، اور ورثہ کو تقسیم کرنے کا حق ہے تو موصی لہ کو بھی تقسیم کروانے کا حق ہوگا

ترجمہ: ١٢ مگر ہم کہتے ہیں کہ گھر کے بٹوارہ کا مطالبہ موصی لہ کے لئے حق کے ثبوت پر مبنی ہے، اس چیز میں جس کا بٹوارہ کیا جا رہا ہے، اس لئے کہ وہی مطالبہ کر رہا ہے، اور عین گھر میں موصی لہ کا کوئی حق نہیں ہے، اور اس کا حق تو صرف آمدنی میں ہے، اس لئے موصی لہ گھر کے بٹوارہ کا مالک نہیں ہوگا

تشریح: موصی لہ کے لئے گھر کے بٹوارے کا حق نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ موصی لہ گھر کا بٹوارہ کرنا چاہتا ہے، اور گھر کے بٹوارے کے لئے ضروری ہے کہ گھر کا مالک ہو، اور موصی لہ یہاں گھر کا مالک نہیں ہے، صرف نفع کا مالک ہے، اس لئے وہ گھر کے بٹوارے کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے، اور ورثہ بٹوارے کا مطالبہ اس لئے کر سکتا ہے کہ وہ پورے گھر کا مالک ہے۔ ورثہ اور موصی لہ میں یہ فرق ہے۔

ترجمہ: ١٣ اگر ایک آدمی کے لئے غلام کی خدمت کی وصیت کی، اور دوسرے کے لئے اس کی ذات کی وصیت کی، اور غلام میت کے مال کی تہائی میں نکل سکتا ہو، تو غلام کی گردن والے کا ہوگا، اور غلام کی خدمت خدمت والے کی ہوگی، اس لئے کہ ایک دوسرے پر عطف کر کے دونوں کے لئے الگ الگ وصیت کی ہے (اس میں شرکت نہیں کی ہے) اس لئے الگ الگ حالت کا اعتبار کیا جائے گا، پھر جب خدمت والے کے لئے وصیت صحیح ہوگئی

مِنَ الثُّلُثِ فَالرَّقَبَةُ لِصَاحِبِ الرَّقَبَةِ، وَالْخِدْمَةُ عَلَيْهَا لِصَاحِبِ الْخِدْمَةِ، لِأَنَّهُ أَوْجَبَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا شَيْئًا مَعْلُومًا عَطْفًا مِنْهُ لِأَحَدِهِمَا عَلَى الْآخَرِ فَتُعْتَبَرُ هٰذِهِ الْحَالَةُ بِحَالَةِ الْإِنْفِرَادِ. ثُمَّ لَمَّا صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ لِصَاحِبِ الْخِدْمَةِ ۱۴؎ فَلَوْ لَمْ يُوْصِ فِي الرَّقَبَةِ بِشَيْءٍ لَصَارَتِ الرَّقَبَةُ مِيْرَاثًا لِلْوَرَثَةِ مَعَ كَوْنِ الْخِدْمَةِ لِلْمُوْصٰى لَهُ فَكَذَا إِذَا أَوْصٰى بِالرَّقَبَةِ لِإِنْسَانٍ اٰخَر اذ الوصية اخت الميراث من حيث ان الملک يَثْبُتُ فيهما بعد الموت ، ۱۵؎ و لها نظائر ، وهو ما اذا اوصى بامة لرجل و بما

تشریح: موصی نے ایک آدمی کے لئے پورے غلام کی ذات کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے اس کی خدمت کی وصیت کی ،اور غلام تہائی مال سے نکلتا ہو،تو غلام کی ذات غلام کی وصیت والے کے لئے ہوگی ،اوراس کی خدمت خدمت والے کے لئے ہوگی ،خدمت میں مالک کی شرکت نہیں ہوگی ،اور جس دن اس کی خدمت کرے گا اس دن کا نفقہ خدمت والے پر ہوگا ،اور جس دن خدمت نہیں کرے گا اس دن کا نفقہ غلام والے پر ہوگا ،اس لئے کہ اصل میں غلام کا مالک وہی ہے

وجہ: یہاں ایک دوسرے پر عطف کے ساتھ وصیت کی ہے اس لئے خدمت میں غلام والے کی شرکت نہیں ہوگی ۔

لغت: عطفا منه لاحدهما على الآخر :ایک دوسرے پر عطف کر کے وصیت کی ہو،تو خدمت میں غلام والے کی شرکت نہیں ہوگی ،یعنی آدھا دن غلام والے کی خدمت کرے اور آدھا دن خدمت والے کی خدمت کرے ایسا نہیں ہوگا ۔لیکن اگر عطف کر کے وصیت نہ کرتا تو خدمت میں غلام کی ذات اور غلام کی خدمت والے کی شرکت ہو جاتی ،جیسا کہ آگے بحث آرہی ہے

ترجمہ: ۱۴؎ اور اگر غلام کی ذات کے لئے کسی کی وصیت نہیں ہوتی تو رقبہ ورثہ کے لئے میراث ہوتی اور اس کے ساتھ خدمت موصی لہ کے لئے ہوتی ،اسی طرح رقبہ کسی دوسرے انسان کے لئے وصیت کی ہو(تو رقبہ دوسرے انسان کے لئے ہوگی ، اور خدمت موصی لہ کے لئے ہوگی)اس لئے کہ وصیت میراث کی بہن ہے ،اس لئے کہ میراث اور وصیت دونوں میں موت کے بعد ملکیت ظاہر ہوتی ہے

تشریح: یہاں ایک مثال دے رہے ہیں ۔اگر میت نے غلام کا رقبہ کسی کی وصیت میں نہیں دی ،صرف خدمت کی وصیت کسی کے لئے کی ،تو اس صورت میں خدمت موصی لہ کے لئے ہوگی ،اس میں کسی کی شرکت نہیں ہوگی ،اور رقبہ وراثت میں تقسیم ہو جائے گی ۔اسی طرح اگر رقبہ کسے کی وصیت میں دے ،اور اس پر عطف کر کے خدمت کسی کے لئے وصیت کی تو غلام کی ذات غلام والے کی ملکیت ہوگی ،اور اس کی خدمت خدمت والے کو ملے گی ،اس میں کسی کی شرکت نہیں ہوگی

ترجمہ: ۱۵؎ اس مسئلے کے لئے بہت سے نظائر ہیں ۔۱۔باندی کی وصیت ایک آدمی کے لئے کی ،اور اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے (اس کی وصیت دوسرے آدمی کے لئے کی)اور باندی میت کے تہائی مال میں سے نکلتی ہے ۔۲۔انگوٹھی کی وصیت ایک آدمی کے لئے کی اور اس کے نگینے کی وصیت دوسرے آدمی کے لئے کی ۔۳۔یا کہا کہ ٹوکری فلاں کے لئے ہے ،اور اس ٹوکری

فـی بطنها لآخر وَهِيَ تَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ أَوْ أَوْصٰى لِرَجُلٍ بِخَاتَمٍ وَلِاٰخَرَ بِفَصِّهٖ أَوْ قَالَ هٰذِهِ الْقَوْصَرَةُ لِفُلَانٍ وَمَا فِيْهَا مِنَ التَّمَرَةِ لِفُلَانٍ كَانَ كَمَا أَوْصٰى، وَلَا شَيْءَ لِصَاحِبِ الظَّرْفِ فِي الْمَظْرُوْفِ فِيْ هٰذِهِ الْمَسَائِلِ كُلِّهَا.

میں جو کھجور ہے وہ فلاں کے لئے ہے، تو جیسی وصیت کی ویسے ہی ملے گی (یعنی ٹوکری ایک کے لئے اور پھل دوسرے کے لئے) اور ان تینوں مسئلوں میں ظرف والوں کو مظروف میں سے کچھ نہیں ملے گا

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ کل ایک کے لئے وصیت کی، اور کلام میں اتصال کے ساتھ جز کی دوسرے کے لئے وصیت کی، تو کل ایک کے لئے ہوگا، اور پورا جز دوسرے کے لئے ہوگا، اس میں شرکت نہیں ہوگی

تشریح: یہاں تین مثالیں پیش کررہے ہیں۔ جن میں ہیں کہ پوری چیز ایک کے لئے وصیت کی اور اس میں ایک جز دوسرے کے لئے وصیت کی تو چونکہ کلام میں اتصال کے ساتھ وصیت کی ہے اس لئے پوری چیز پورے والے کے لئے ہوگی، اور جز دوسرے کے لئے ہوگا، اس میں شرکت نہیں ہوگی۔ اور آگے دوسری صورت آرہی ہے جس میں انفصال کے ساتھ جز کی وصیت کی ہے، یعنی پہلے کلام کے بعد موصی ایک منٹ کے لئے چپ رہا ہے اس کے بعد جز کی وصیت کی ہے تو کل تو ایک کے لئے ہوگیا، لیکن جز میں شرکت ہوگی یا نہیں اس کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہوگیا ہے

۔ا۔ پہلی مثال۔ مثلا باندی کی وصیت زید کے لئے کی، اور کلام میں اتصال کے ساتھ ہی، اس کے حمل میں جو بچہ ہے اس کی وصیت دوسرے کے لئے کی۔ تو باندی زید کے لئے ہوگی۔ اور اس کے حمل کا بچہ دوسرے کے لئے ہوگا۔ اس میں زید کی شرکت نہیں ہوگی

۔۲۔ دوسری مثال۔ انگوٹھی مثلا زید کے لئے وصیت کی، اور اس انگوٹھی میں جو نگینہ ہے اس کو کلام میں اتصال کے ساتھ دوسرے کے لئے وصیت کی، تو انگوٹھی زید کی ہوگی، اور نگینہ دوسرے کے لئے ہوگا، اس میں زید کی شرکت نہیں ہوگی۔

۔۳۔ تیسری مثال۔ ٹوکری کی وصیت زید کے لئے کی، اور کلام میں اتصال کے ساتھ ہی اس میں کھجور ہیں ان کو کسی اور کے لئے وصیت کی تو ٹوکری زید کے لئے ہوگی، اور پوری کھجور دوسرے کے لئے ہوگی، اس میں زید کی شرکت نہیں ہوگی

لیکن اگر باندی کی وصیت کے بعد موصی چپ ہو جاتا، اور ایک منٹ کے بعد، یعنی کلام میں انفصال کے بعد بچے کے لئے دوسرے کو وصیت کرتا تو، انفصال کی وجہ سے امام محمدؒ کے نزدیک باندی زید کے لئے ہوگی، اور بچے میں زید کو آدھا ملے گا اور دوسرے کو آدھا ملے گا۔ دلائل آگے آرہی ہیں

لغت: نظائر: نظیر کی جمع ہے، مثال۔ خاتم: انگوٹھی۔ فص: نگینہ۔ القوصرۃ: ٹوکری۔ التمر: کھجور۔ مظروف: ظرف میں اور ٹوکری میں جو چیز ہو۔

۱۶؎ أَمَّا إِذَا فَصَّلَ أَحَدَ الْإِيْجَابَيْنِ عَنِ الْآخَرِ فِيْهَا فَكَذٰلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَعَلٰى قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَلْأَمَةُ لِلْمُوْصٰى لَهُ بِهَا، وَالْوَلَدُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَكَذٰلِكَ فِيْ أَخَوَاتِهَا ۱۷؎ لِأَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ بِإِيْجَابِهِ فِي الْكَلَامِ الثَّانِيْ تَبَيَّنَ أَنَّ مُرَادَهُ مِنَ

ترجمہ: ۱۶؎ لیکن اگر ایک وصیت کو دوسری وصیت سے الگ کر کے بولا تب بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہی جواب ہے (یعنی کل ایک کے لئے اور اس کا جز دوسرے کے لئے، اور اس میں کوئی شرکت نہیں ہوگی) اور امام محمدؒ کے قول پر باندی موصی لہ کے لئے ہوگی، اور بچہ دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا، اور باقی چار مسئلوں میں بھی یہی حال ہوگا۔

اصول: امام محمد کا اصول۔ اگر پہلی وصیت کے بعد تھوڑی دیر چپ رہا پھر جز کی وصیت کی، تو کل ایک کے لئے ہوگا۔ اور جز میں دونوں کا آدھا آدھا ہوگا

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول۔ اگر پہلی وصیت کے بعد تھوڑی دیر چپ رہا پھر جز کی وصیت کی۔ تو کل ایک کا ہوگا، اور پورا جز دوسرے کا ہوگا۔ جز میں کل والے کی شرکت نہیں ہوگی

تشریح: یہ دوسری صورت ہے۔ اس میں موصی نے پہلے کل کی وصیت مثلا زید کے لئے کی، پھر چپ رہا، اس کے بعد جز کی وصیت دوسرے کے لئے کی تو کل سب کے نزدیک زید کے لئے ہوگا، لیکن جز میں پہلے اور دوسرے دونوں کی شرکت ہوگی اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس میں بھی وصیت میں اتصال کی طرح حکم ہوگا، یعنی باندی ایک کے لئے اور پورا بچہ دوسرے کے لئے ہوگا

وجہ: ان کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میں حکم لگے گا میت کے مرنے کے بعد اس لئے اس سے پہلے کلام میں اتصال ہویا انفصال دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا۔ یعنی باندی ایک کے لئے اور پورا بچہ جو باندی کا جز ہے، دوسرے کے لئے

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ جز کی وصیت کل کے بہت بعد میں کی ہے اس لئے کل کی وصیت کے وقت جز بھی زید کا ہوگیا ہے، لیکن بہت بعد میں جز کی وصیت دوسرے کے لئے کی ہے اس لئے اب جز دونوں میں آدھا آدھا ہوجائے گا۔

لغت: فصل احد الایجابین عن الآخر: یہاں ایجاب سے مراد ہے وصیت، دونوں وصیتوں میں فصل کیا، یعنی کل کی وصیت پہلے کی اور بہت بعد میں جز کی وصیت کی۔

ترجمہ: ۱۷؎ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کلام میں جب وصیت کی تو ظاہر ہوگیا کہ پہلے کلام کی مراد یہ ہے کہ صرف باندی کو پہلے موصی لہ کے لئے واجب کرنا ہے، نہ کہ اس کے بچے کو، اور موصی کا یہ بیان صحیح ہے اگر چہ فصل کے ساتھ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ موصی کی زندگی میں وصیت سے کچھ لازم نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے جانب سے فصل کے ساتھ بیان ہو یا ملا کر دونوں کا حکم ایک ہی ہے، جیسے غلام کا رقبہ اور اس کی خدمت کی وصیت کرے (تو کلام میں فصل کے ساتھ کرے یا وصل

الْكَلَامِ الْأَوَّلِ إِيْجَابُ الْأَمَةِ لِلْمُوْصٰى لَهُ بِهَا دُوْنَ الْوَلَدِ، وَهٰذَا الْبَيَانُ مِنْهُ صَحِيْحٌ وَإِنْ كَانَ مَفْصُوْلًا، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لَا تُلْزِمُ شَيْئًا فِيْ حَالِ حَيَاةِ الْمُوْصِيْ فَكَانَ الْبَيَانُ الْمَفْصُوْلُ فِيْهِ وَالْمَوْصُوْلُ سَوَاءً كَمَا فِيْ وَصِيَّةِ الرَّقَبَةِ وَالْخِدْمَةِ، ١٨ وَلِمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ اِسْمَ الْخَاتِمِ يَتَنَاوَلُ الْحَلْقَةَ وَالْفَصَّ وَكَذٰلِكَ اِسْمَ الْجَارِيَةِ يَتَنَاوَلُهَا وَمَا فِيْ بَطْنِهَا، وَاِسْمَ الْقَوْصَرَةِ كَذٰلِكَ وَمِنْ

کے ساتھ دونوں کا حکم ایک ہی ہے)

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے جب دوسری وصیت کی کہ بچہ دوسرے کے لئے ہے تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ پہلے کے لئے صرف باندی کی وصیت کی ہے، بچے کی وصیت نہیں کی ہے، اس لئے پورا بچہ دوسرے موصی لہ کو ملے گا۔

وجہ: اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کی زندگی میں کچھ لازم نہیں ہوگا، اس کے مرنے کے بعد وصیت کا حکم آئے گا، اس لئے موصی کی زندگی میں وصل کے ساتھ وصیت کرے، یا فصل کے ساتھ دونوں کا حکم ایک ہی ہے کہ، باندی رقبہ والے کے لئے ہو گی، اور بچہ حمل کی وصیت والے کے لئے ہوگا، اس کی مثال یہ ہے کہ غلام کے رقبہ کی وصیت ایک کے لئے ہوا اور اس کی خدمت کی وصیت دوسرے کے لئے ہو تو چاہے وصل کے ساتھ وصیت کرے، یا فصل کے ساتھ دونوں صورتوں میں رقبہ پہلے کے لئے اور پوری خدمت دوسرے کے لئے ہوگی، ویسے ہی یہاں باندی پہلے کے لئے اور اس کا بچہ دوسرے کے لئے ہوگا۔

ترجمہ: ١٨ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ، انگوٹھی کا نام حلقہ اور نگینہ دونوں کو شامل ہے، اسی طرح باندی کا نام باندی کو بھی شامل ہے اور اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کو بھی شامل ہے۔ ٹوکری کا نام ٹوکری کو بھی شامل ہے اور اس ٹوکری میں جو پھل ہے اس کو بھی شامل ہے، اور ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ، ایسا عام لفظ جو کل اور جز دونوں کو گھیر لے وہ خاص جز کے درجے میں ہوتا ہے، اس لئے نگینہ کی وصیت جب دوبارہ کی تو نگینہ میں دو وصیتیں جمع ہو گئیں، اور دونوں وصیتیں الگ الگ ایجاب سے ہے، اس لئے نگینہ کو دونوں کے درمیان آدھا آدھا کر دیا جائے گا

اصول: امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ عام لفظ کے ساتھ وصیت کی تو اس کے اندر کا جو جز ہے پہلا موصی لہ اس کا بھی مالک بن گیا ہے، پھر خاص لفظ کے ساتھ جز کی وصیت کی تو جز میں دو وصیتیں جمع ہو گئیں اس لئے جز، یعنی بچے کو دونوں موصی لہ کے درمیان آدھا آدھا کر دیا جائے گا۔

تشریح: یہ امام محمدؒ کی دلیل ہے اور تھوڑی منطقی ہے۔ ا۔ خاتم کا لفظ عام ہے اس میں حلقہ اور نگینہ دونوں شامل ہیں۔ پس جب پہلے موصی لہ کے لئے خاتم کی وصیت کی تو حلقہ کے ساتھ نگینہ کی بھی وصیت کی، اور نگینہ اگر چہ خاص لفظ ہے لیکن پہلا موصی لہ اس کا بھی مالک بنا،۔ پھر الگ کلام کے ساتھ دوسرے آدمی کے لئے صرف نگینہ کی وصیت کی، تو اب نگینہ میں دو وصیتیں جمع ہو گئیں اس لئے نگینہ کو دونوں موصی لہ کے درمیان آدھا آدھا کر دیا، اور حلقہ میں کوئی تنازع نہیں تھا اس لئے حلقہ صرف پہلے

أَصْلِنَا أَنَّ الْعَامَّ الَّذِیْ مَوْجِبُهُ ثُبُوْتُ الْحُكْمِ عَلٰى سَبِيْلِ الْإِحَاطَةِ بِمَنْزِلَةِ الْخَاصِّ. فَقَدْ اِجْتَمَعَ فِی الْفَصِّ وَصِيَّتَانِ وَكُلٌّ مِنْهُمَا وَصِيَّةٌ بِإِيْجَابٍ عَلٰى حِدَةٍ فَيُجْعَلُ الْفَصُّ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ، ١٩ وَلَا يَكُوْنُ إِيْجَابُ الْوَصِيَّةِ فِيْهِ لِلثَّانِیْ رُجُوْعًا عَنِ الْأَوَّلِ كَمَا إِذَا أَوْصٰى لِلثَّانِیْ بِالْخَاتَمِ، ٢٠ بِخِلَافِ الْخِدْمَةِ مَعَ الرَّقَبَةِ، لِأَنَّ اِسْمَ الرَّقَبَةِ لَا يَتَنَاوَلُ الْخِدْمَةَ وَإِنَّمَا يَسْتَخْدِمُهُ الْمُوْصٰى لَهُ بِحُكْمِ أَنَّ الْمَنْفَعَةَ

موصی لہ کے لئے باقی رہا۔

۲۔اسی طرح جاریہ (باندی) عام لفظ ہے اس میں باندی اور اس کا بچہ دونوں شامل ہیں، پس جب پہلے موصی لہ کے لئے جاریہ کی وصیت کی تو باندی اور اس کا بچہ بھی پہلے موصی لہ کی ملکیت میں چلے گئے ہیں، پھر جب بالکل الگ کلام کے ساتھ بچے کی وصیت دوسرے آدمی کے لئے کی، تو اب بچے میں دو وصیتیں جمع ہوگئیں، اس لئے بچے کو دونوں موصی لہ کے درمیان آدھا آدھا کر دیا۔

۳۔اسی طرح قوصرہ (ٹوکری) عام لفظ ہے اس میں ٹوکری اور اس کا پھل دونوں شامل ہیں، پس جب پہلے موصی لہ کے لئے ٹوکری کی وصیت کی تو ٹوکری اور اس کا پھل بھی پہلے موصی لہ کی ملکیت میں چلے گئے ہیں، پھر جب بالکل الگ کلام کے ساتھ پھل کی وصیت دوسرے آدمی کے لئے کی، تو اب پھل میں دو وصیتیں جمع ہوگئیں، اس لئے پھل کو دنوں موصی لہ کے درمیان آدھا آدھا کر دیا۔

ترجمہ: ١٩ دوسرے موصی لہ کو جو وصیت کی ہے، اس میں پہلی وصیت سے رجوع نہیں ہے، جیسے پہلے کسی کے لئے نگینے کی وصیت کرتا پھر دوسرے کے لئے انگوٹھی کی وصیت کرتا (نگینہ پہلے کے لئے ہوتا اور حلقہ میں دونوں شریک ہوں گے، اسی طرح یہاں ہوگا

تشریح: یہاں ایک عبارت کی تشریح ہے، وہ یہ ہے کہ پہلے موصی لہ کے لئے خاتم (انگوٹھی) کی وصیت کی، پھر بعد میں دوسرے موصی لہ کے لئے نگینے کی وصیت کی، تو کیا اس میں پہلی وصیت سے رجوع ہے، تو امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس میں پہلے وصیت سے رجوع نہیں ہے، بلکہ پہلی وصیت کو برقرار رکھتے ہوئے دوسری وصیت کو اس میں شامل کرنا ہے، اس لئے نگینہ دونوں میں آدھا آدھا ہوگا، اس کی مثال یہ ہے کہ، کوئی پہلے موصی لہ کے لئے نگینے کی وصیت کرے، کچھ دیر بعد دوسرے کے لئے انگوٹھی کی وصیت کرے، تو نگینہ صرف پہلے کے لئے ہوگا، اور حلقہ دونوں میں آدھا آدھا ہوگا، اسی طرح پہلے انگوٹھی کی وصیت کرے، بعد میں نگینے کی وصیت کرے تو نگینہ میں آدھا آدھا ہو جائے گا۔

ترجمہ: ٢٠ بخلاف پہلے رقبہ کی وصیت کرے، پھر بعد میں دوسرے کے لئے خدمت کی وصیت کرے (تو رقبہ ایک کے لئے اور خدمت دوسرے کے لئے ہوگی) اس لئے کہ خدمت رقبہ کا جز نہیں ہے (وہ صرف منافع ہے) اس لئے دوسرے موصی لہ کی اس حکم پر خدمت کرتے ہیں کہ منفعت پہلے موصی لہ کی ملکیت پر حاصل ہوتی ہے، پھر جب خدمت دوسرے کے لئے

حَصَلَتْ عَلٰى مِلْكِهٖ فَإِذَا أَوْجَبَ الْخِدْمَةَ لِغَيْرِهٖ لَا يَبْقٰى لِلْمُوْصٰى لَهٗ فِيْهِ حَقٌّ، ۲۱ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْكَلَامُ مَوْصُوْلًا ، لِأَنَّ ذٰلِكَ دَلِيْلُ التَّخْصِيْصِ وَالْاِسْتِثْنَاءِ فَتَبَيَّنَ أَنَّهٗ أَوْجَبَ لِصَاحِبِ الْخَاتِمِ الْحَلْقَةَ خَاصَّةً دُوْنَ الْفَصِّ.

واجب کی تو خدمت میں پہلے موصی لہ کا حق باقی نہیں رہا

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کے استدلال کا جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ پہلے رقبہ کی وصیت کرے، کچھ دیر بعد دوسرے کے لئے اسی غلام کی خدمت کی وصیت کرے تو فصل کے ساتھ وصیت کے باوجود پہلے موصی لہ کی خدمت میں شرکت کیوں نہیں ہوئی۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ نگینہ خاتم کا جز ہے، بچہ باندی کا جز ہے، پھل ٹوکری کا جز ہے اس لئے پہلی وصیت میں پہلے موصی لہ کا حق ہو گیا، لیکن خدمت غلام کا جز نہیں ہے، بلکہ یہ نفع ہے، اس لئے جب پہلے موصی لہ کے لیے غلام کی وصیت کی تو اس کے نفع کی وصیت نہیں ہوئی، اس لئے جب بعد میں دوسرے موصی لہ کے لئے نفع کی وصیت کی تو اس کو آدھا آدھا نہیں کیا بلکہ پوری خدمت دوسرے موصی لہ کے لئے ہوگی۔

ترجمہ: ۲۱ بخلاف اگر اتصال کے ساتھ دوسرے موصی لہ کے لئے نگینے کی وصیت کرتا (تو پورا نگینہ دوسرے موصی لہ کو ملے گا) اس لئے کہ اتصال کے ساتھ وصیت کرنا تخصیص اور استثناء کی دلیل ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ انگوٹھی والے کے لئے صرف حلقہ ہے نگینہ نہیں ہے۔

تشریح: پہلے موصی لہ کے لئے انگوٹھی کی وصیت کی جس میں نگینہ بھی شامل تھا، لیکن ابھی بات پوری بھی نہیں ہوئی کہ متصلا کہا کہ اس کا نگینہ دوسرے موصی لہ کے لئے ہے، تو اس صورت میں سبھی کے نزدیک پہلے موصی لہ کو صرف حلقہ ملے گا، اور پورا نگینہ، پورا بچہ، اور پورا پھل دوسرے موصی لہ کو ملے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی وصیت پوری نہیں ہوئی ہے اس لئے پہلا موصی لہ نگینہ، بچہ، اور پھل کا مالک بنا ہی نہیں، اور اس سے پہلے دوسرے موصی لہ کے لئے نگینہ، بچہ، اور پھل کی وصیت کر دی، اس لئے دوسرے موصی لہ کو پورا نگینہ، بچہ، اور پھل مل جائے گا، اس میں آدھا آدھا نہیں ہوگا

لغت: دلیل التخصیص: یہ منطقی محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے عام لفظ بولا جس میں کل، اور جز دونوں شامل تھے، لیکن ابھی بات پوری بھی نہیں ہوئی کہ اتصالا جز کو عام سے الگ کر دیا، اور اس کی وصیت دوسرے کے لئے کر دی، اس کو منطق میں، بیان تخصیص، کہتے ہیں، یہاں یہی ہوا ہے۔ استثناء: اس کا بھی مطلب یہی ہے کہ ایک عام لفظ بولا جس میں کل اور جز دونوں شامل تھے، لیکن ابھی بات پوری بھی نہیں ہوئی کہ اس سے کاٹ کر اور استثناء کر کے جز کی وصیت دوسرے کے لئے کر دی، اس کو استثناء، کہتے ہیں۔

(۱۰۳۴) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِآخَرَ بِثَمَرَةِ بُسْتَانِهِ ثُمَّ مَاتَ وَفِيْهِ ثَمَرَةٌ فَلَهُ هٰذِهِ الثَّمَرَةُ وَحْدَهَا، وَإِنْ قَالَ لَهُ ثَمَرَةُ بُسْتَانِيْ أَبَدًا فَلَهُ هٰذِهِ الثَّمَرَةُ وَثَمَرَتُهُ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ مَا عَاشَ، وَإِنْ أَوْصٰى لَهُ بِغَلَّةِ بُسْتَانِهِ فَلَهُ الْغَلَّةُ الْقَائِمَةُ وَغَلَّتُهُ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ، ١ وَالْفَرْقُ أَنَّ الثَّمَرَةَ اِسْمٌ لِلْمَوْجُوْدِ عُرْفًا فَلَا يَتَنَاوَلُ الْمَعْدُوْمَ إِلَّا بِدَلَالَةٍ زَائِدَةٍ مِثْلُ التَّنْصِيْصِ عَلَى الْأَبَدِ، لِأَنَّهُ لَا يَتَأَبَّدُ إِلَّا بِتَنَاوُلِ الْمَعْدُوْمِ، وَالْمَعْدُوْمُ مَذْكُوْرٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا، أَمَّ الْغَلَّةُ تَنْتَظِمُ الْمَوْجُوْدَ وَمَا يَكُوْنُ بِعَرْضِ الْوُجُوْدِ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرٰى عُرْفًا. يُقَالُ فُلَانٌ يَأْكُلُ مِنْ غَلَّةِ بُسْتَانِهِ وَمِنْ غَلَّةِ أَرْضِهِ وَدَارِهِ فَإِذَا أُطْلِقَتْ تَتَنَاوَلُهُمَا عُرْفًا غَيْرَ مَوْقُوْفٍ عَلٰى دَلَالَةٍ أُخْرٰى، أَمَّ الثَّمَرَةُ إِذَا أُطْلِقَتْ لَا يُرَادُ بِهَا إِلَّا الْمَوْجُوْدُ فَلِهٰذَا يَفْتَقِرُ الْاِنْصِرَافُ إِلٰى دَلِيْلٍ زَائِدَةٍ.

ترجمہ: (۱۰۳۴) کسی نے کسی کے لئے اپنے باغ کے پھل کی وصیت کی، پھر مر گیا اس وقت باغ میں پھل تھا تو صرف یہی پھل موصی لہ کے لئے ہوگا، اور اگر کہا میرے باغ کا پھل ہمیشہ کے لئے وصیت کرتا ہوں تو موصی لہ کو یہ پھل بھی ملے گا اور جب تک موصی لہ زندہ رہے گا اس وقت تک پھل ملتا رہے گا، اور اگر باغ کی آمدنی کی وصیت کی تو اس وقت کی آمدنی بھی ملے گی اور آئندہ کی آمدنی بھی ملے گی

ترجمہ: ١ پھل، اور آمدنی کے لفظ میں فرق یہ ہے کہ، پھل عرف میں موجودہ پھل کو بولا جاتا ہے، اس لئے معدوم پھل کو وصیت شامل نہیں ہوگی، مگر یہ کہ کوئی زائد تصریح ہو کہ آئندہ کے لئے بھی وصیت کر رہا ہے، اس لئے کہ پھل ہمیشہ نہیں ہوگا مگر معدوم کو شامل کرنے کے ساتھ، اور معدوم ابھی کوئی چیز نہیں ہے، لیکن اس کو ذکر کیا جا سکتا ہے، اور آمدنی کا لفظ موجود کو بھی شامل ہوتا ہے اور جو آمدنی بعد میں وجود میں آئے گی اس کو بھی شامل ہوتی ہے، عرف میں یہی ہے۔ چنانچہ لوگ کہتے ہیں، فلاں اپنی باغ کی آمدنی کھاتا ہے، زمین کی آمدنی کھاتا ہے، اور گھر کی آمدنی کھاتا ہے، اس لئے جب غلے کا لفظ مطلق بولا جائے تو عرف میں دونوں (موجود اور آئندہ پیدا ہونے والا غلہ) کو شامل ہے، کسی اور دلالت کی ضرورت نہیں ہے۔ اور پھل مطلق بولا جائے تو صرف موجودہ پھل ہی کو شامل ہوتا ہے، اس لئے ہمیشہ بنانے کے لئے کوئی زائد لفظ کی ضرورت پڑے گی

تشریح: اس لمبی عبارت میں غلہ (آمدنی) اور ثمرۃ میں فرق بیان کر رہے ہے۔ آمدنی عرف میں مودہ آمدنی کو بھی بولتے ہیں، اور جو آمدنی ابھی موجود نہیں ہے، لیکن آنے والی ہے اس کو بھی بولتے ہیں، اس لئے آمدنی کی وصیت کی تو ابھی کی آمدنی بھی موصی لہ کو ملے گی، اور آئندہ آنے والی آمدنی بھی موصی لہ کو ملے گی جب تک وہ زندہ ہے۔ اور ثمرہ، پھل عرف میں صرف ابھی جو موجود پھل ہے اسی پر بولا جاتا ہے، بعد والے پر نہیں، اس لئے پھل کی وصیت کی تو ابھی جو درخت پر موجود پھل ہے وہی موصی لہ کو ملے گا، آئندہ کا نہیں۔ ہاں اگر اس کے ساتھ، ابدا، کا لفظ لگایا یا ما، عاش، موصی نے لگایا تو اب جب تک موصی لہ زندہ رہے گا، اس کو باغ کا پھل ملتا رہے گا۔

(۱۰۳۵) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِرَجُلٍ بِصُوْفِ غَنَمِهِ أَبَدًا أَوْ بِأَوْلَادِهَا أَوْ بِلَبَنِهَا ثُمَّ مَاتَ فَلَهُ مَا فِيْ بُطُوْنِهَا مِنَ الْوَلَدِ وَمَا فِيْ ضُرُوْعِهَا مِنَ اللَّبَنِ وَمَا عَلٰى ظُهُوْرِهَا مِنَ الصُّوْفِ يَوْمَ يَمُوْتُ الْمُوْصِيْ سَوَاءٌ قَالَ

ترجمه: (۱۰۳۵) کسی نے کسی آدمی کے لئے اپنی بکری کی اون ہمیشہ کے لئے وصیت کی، یا اس کی اولاد کی ہمیشہ کے لئے وصیت کی، یا اس کے دودھ کی ہمیشہ کے لئے وصیت کی، پھر موصی کی وفات ہوگئی، تو وصیت کرنے والے کی موت کے دن جو بچہ بکری کے پیٹ میں ہے، یا جو دودھ اس کے تھن میں ہے،، یا جو اون اس کی پیٹھ پر ہے وہی ملے گی، چاہے وصیت کرنے والے نے ہمیشہ (ابدا) کی قید لگائی ہو یا نہ لگائی ہو

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بکری کی اون، اس کے پیٹ کا بچہ، اس کے تھن میں دودھ جو موجود ہے اس کو بکری کے تابع کر کے بیچ سکتا ہے، اس لئے موجود کی وصیت جائز ہوگی، لیکن جو موجود نہ ہوں، آئندہ پیدا ہونا ہے اس کو تابع کر کے بھی نہیں بیچ سکتے، اس لئے اس کی وصیت بھی نہیں ہوگی

تشریح: کسی نے کسی آدمی کے لئے بکری کی تین چیزیں، ۔۱۔ اس کی پیٹھ پر اون ۔۲۔ اس کے پیٹ میں بچہ ۔۳۔ اس کے تھن میں دودھ کی وصیت کی اور ہمیشہ کی قید لگائی، یوں کہا کہ میں ہمیشہ کے لئے موصی لہ کے لئے وصیت کرتا ہوں، پھر بھی موت کے وقت میں جو اون، جو دودھ، اور بکری کے پیٹ میں جو بچہ موجود ہیں صرف وہی ملیں گے، موصی کی موت کے بعد جو اون پیدا ہوگی، جو دودھ پیدا ہوگا، یا جو بچہ پیٹ میں آئے گا وہ موصی لہ کو نہیں ملے گا، اور ان کی وصیت صحیح نہیں ہوگی

وجه: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز ابھی معدوم ہے اس کی وصیت جائز نہ ہو، لیکن مساقات میں جو پھل ابھی موجود نہیں ہے، اس کی بھی بیع جائز ہے، اسی طرح نفع اور آمدنی میں جو نفع ابھی موجود نہیں ہے اس کو بھی اجرت پر لینا جائز ہے اور اس کے لئے حدیث موجود ہے، تو چونکہ آمدنی میں بغیر ابدا کی قید لگائے، اور پھل میں ابدا کی قید لگا کر اس کے بارے میں حدیث موجود تھی اس لئے اس کی وصیت جائز قرار دے دی۔ اور بکری کا بچہ، بکری کی اون، اور بکری کا دودھ جو موجود ہے اس کو بکری کے تابع کر کے بیچنے کی اجازت حدیث میں تھی اس لئے وصیت میں بھی اس کی اجازت ہوئی، اور جو معدوم ہیں اس کو بیچنے کی اجازت نہیں تھی اس لئے اس کی وصیت باطل ہوگی، اور ابدا کی قید لگا کر وصیت کرے گا تب بھی موصی لہ کو وہ چیز نہیں ملے گی۔

(۲) مساقات جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے جس میں حضورؐ نے اہل خیبر کو پیدا ہونے والے پھل کے بدلے میں زمین بٹائی پر دی۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، »أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ (مسلم شریف، باب المساقاۃ والمعاملۃ بجزمن الثمرۃ، نمبر ۱۵۵۱ ترمذی شریف، باب ماذکر فی المزارعۃ، نمبر ۱۳۸۳) (۳) اور پیٹھ پر اون، تھن میں دودھ کو بیچنے سے منع فرمایا اس لئے بعد میں پیدا ہونے والی اون کی وصیت بھی جائز نہیں ہے، حدیث یہ ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُبَاعَ الثَّمَرَةُ حَتّٰى

أَبَدًا أَوْ لَمْ يَقُلْ، ۱ لِأَنَّهُ إِيجَابٌ عِنْدَ الْمَوْتِ فَيُعْتَبَرُ قِيَامُ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ يَوْمَئِذٍ، وَهٰذَا بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ، وَالْفَرْقُ أَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبٰى تَمْلِيكَ الْمَعْدُومِ، لِأَنَّهُ لَا يَقْبَلُ الْمِلْكَ إِلَّا أَنَّ فِي الثَّمَرَةِ وَالْغَلَّةِ الْمَعْدُومَةِ جَاءَ الشَّرْعُ بِوُرُودِ الْعَقْدِ عَلَيْهَا كَالْمُعَامَلَةِ وَالْإِجَارَةِ فَاقْتَضٰى ذٰلِكَ جَوَازَهُ فِي الْوَصِيَّةِ بِالطَّرِيقِ الْأُولٰى، لِأَنَّ بَابَهَا أَوْسَعُ، ۲ أَمَّا الْوَلَدُ الْمَعْدُومُ وَأُخْتَاهُ فَلَا يَجُوزُ إِيرَادُ الْعَقْدِ عَلَيْهَا أَصْلًا، وَلَا تُسْتَحَقُّ بِعَقْدٍ مَّا فَكَذٰلِكَ لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْوَصِيَّةِ، بِخِلَافِ الْمَوْجُودِ مِنْهَا لِأَنَّهُ يَجُوزُ

تَبَيَّنَ صَلَاحُهَا، أَوْ يُبَاعَ صُوفٌ عَلٰى ظَهْرٍ، أَوْ لَبَنٌ فِي ضَرْعٍ، أَوْ سَمْنٌ فِي لَبَنٍ (دارقطنی، باب کتاب البیوع، نمبر ۲۸۳۵ر سنن بیہقی، باب ماجاء فی النہی عن بیع الصوف علی ظہر الغنم، نمبر ۱۰۸۵۷)

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ موت کے وقت وصیت واجب کرتی ہے، اس لئے موت کے وقت یہ چیزیں موجود ہوں اس کا ہی اعتبار ہے، اور پہلے جو گزر چکا ہے (پھل، اور آمدنی کا مسئلہ) وہ اس کے خلاف ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ جو چیز معدوم ہے اس کو مالک بنانے کا قیاس انکار کرتا ہے، اس لئے کہ معدوم ملک کو قبول نہیں کرتا ہے، لیکن معدوم پھل اور آمدنی کے بارے میں شریعت وارد ہوئی ہے، کہ اس پر عقد وارد ہوا ہے، جیسے مساقات اور اجارہ، اس لئے وصیت میں بدرجہ اولی جائز ہوگی اس لئے کہ وصیت کا معاملہ وسیع ہے

تشریح: وصیت کرنے والا اون، بچہ، اور دودھ کے بارے میں ابدا، اور ہمیشہ کی قید لگائے تب بھی موصی لہ کو وہی بچہ، دودھ، اور اون ملے گی جو موت کے وقت موجود تھی، اور پھل میں ابدا کی لگا دے تو اس بعد میں ہونے والا پھل کی بھی وصیت ہو جاتی ہے، تو دونوں میں کیا فرق ہے اس کو بتا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں معدوم ہیں اس لئے اس کا مالک بنانا جائز نہیں ہونا چاہئے، لیکن مساقات میں، مثلا تین سال تک معدوم پھل کو مالک بنانا جائز قرار دیا ہے، اور اس بارے میں اہل خیبر کی حدیث ہے، اور معدوم آمدنی کو اجرت پر دینا جائز ہے اس لئے اس میں معدوم کی وصیت بھی جائز قرار دے دی گئی، کیونکہ وصیت کا باب کچھ زیادہ ہی وسیع ہے۔ لیکن اون، پیٹ کا بچہ، اور تھن کے دودھ کے بارے صرف اتنا تھا کہ وہ موجود ہوں تو بکری کے تابع کر کے بیچنا جائز تھا، اس لئے ان کی وصیت بھی اتنی ہی جائز قرار دی گئی جو موجود تھی، اور معدوم کی وصیت باطل قرار دے دی گئی۔

لغت: المعاملۃ: عمل کرنا، کام کرنا۔ زمین کو یا درخت کو دو سال، تین سال کے لئے بٹائی پر دے، کہ جو پھل آئے گا اس میں آدھا آدھا ہوگا، اس کو معاملہ، اور مساقات، کہتے ہیں

ترجمہ: ۲ بہر حال پیٹ میں بچہ اور اس کی دونوں بہنیں (دودھ اور اون) تو معدوم ہیں، اس لئے ان پر عقد بالکل جائز نہیں ہے، اور نہ کسی عقد سے ان کا استحقاق ہوگا، اسی طرح وہ وصیت میں بھی داخل نہیں ہوں گے، بخلاف جو ان میں سے جو ابھی موجود ہیں (تو اس کا عقد جائز ہے) اس لئے کہ بیع کے عقد میں تابع ہو کر اس کا استحقاق جائز ہے، اور عقد خلع میں مقصود ہو

اِسْتِحْقَاقُهَا بِعَقْدِ الْبَيْعِ تَبْعًا وَبِعَقْدِ الْخُلْعِ مَقْصُوْدًا فَكَذَا بِالْوَصِيَّةِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

بَابُ وَصِيَّةِ الذِّمِّى

(۱۰۳۶) قَالَ وَإِذَا صَنَعَ يَهُوْدِيٌّ أَوْ نَصْرَانِيٌّ بِيْعَةً أَوْ كَنِيْسَةً فِيْ صِحَّتِهٖ ثُمَّ مَاتَ فَهُوَ مِيْرَاثٌ، ۱؎ لِأَنَّ هٰذَا بِمَنْزِلَةِ الْوَقْفِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَالْوَقْفُ عِنْدَهٗ يُوْرَثُ وَلَا يَلْزَمُ فَكَذَا هٰذَا،

کر جائز ہے، ایسے ہی وصیت میں جائز ہے ۔۔واللہ اعلم

تشریح: پیٹ میں بچہ، اور دودھ اور اون معدوم ہیں اس لئے ان پر عقد نہیں ہونا چاہئے، اور عقد کر دے تب بھی اس سے کسی کا مستحق نہیں ہونا چاہئے، اس لئے یہ تینوں وصیت میں داخل نہیں ہوں گے، اور وصیت کرنے سے بھی موصی لہ کو نہیں ملیں گے، البتہ یہ ابھی موجود ہوں تو بکری کے تابع بنا کر اس کی بیع جائز ہے، اسی طرح یہ موصی کی موت کے وقت جتنا موجود ہیں اس کی وصیت جائز ہوگی، اس کے بعد کی نہیں، چاہے ابدا کی قید لگائے یا نہ لگائے

باب وصیۃ الذمی

نـوٹ: یہودی اور نصرانی مسلمان نہیں ہیں، اس لئے مسلمان شہر میں نیا گرجا گھر، اور نیا سنا گوگ نہیں بنا سکتے، لیکن اگر پہلے سے گرجا گھر اور سنا گوگ بنا ہوا ہے تو صلح کی بنیاد پر اس کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہے، چونکہ ان کے لئے یہ دو احکام ہیں، اس لئے اس کی وصیت اور وقف میں بھی ائمہ کا اختلاف ہو گیا ہے

وجه: نیا گرجا گھر، یا سنا گوگ بنانا ممنوع ہے اس کے لئے یہ قول صحابی ہے۔عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُلُّ مِصْرٍ مَصَّرَهُ الْمُسْلِمُوْنَ لَا يُبْنَى فِيْهِ بِيْعَةٌ وَلَا كَنِيْسَةٌ، وَلَا يُضْرَبُ فِيْهِ بِنَاقُوْسٍ (سنن بیہقی، باب یشترط علیہم ان لا یحدثوا فی امصار المسلمین کنیسۃ، نمبر ۱۸۷۱۴) (۲) اور صلح کی بنیاد پر پرانے گرجا گھر سنا گوگ کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے ہیں اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ جَائَنَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ: لَا تَهْدِمْ بِيْعَةً وَلَا كَنِيْسَةً وَلَا بَيْتَ نَارٍ صُوْلِحُوْا عَلَيْهِ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی ھدم البیع والکنائس، نمبر ۳۲۹۸۳)

ترجمه: (۱۰۳۶) اگر یہودی، یا نصرانی نے اپنی صحت کے زمانے میں گرجا یا کلیسا بنایا، پھر وہ مر گیا تو وہ وراثت میں تقسیم ہوگا

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وقف کے درجے میں ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وراثت میں تقسیم ہو سکتا ہے، اس لئے کہ وہ لازم نہیں ہوتا ہے، ایسے ہی اس کا معاملہ ہے

تشریح: یہاں تین باتیں یاد رکھیں۔ ا۔ گرجا یا کلیسا کی وصیت نہیں کی تو وہ میت کی ملکیت ہوگی، اور وراثت میں تقسیم ہوگی۔
۲۔ اگر گرجا، یا کلیسا کی وصیت کی، تو اگر خاص قوم کو وصیت کی امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ دونوں کے یہاں وصیت ہو جائے گی،

٢ وَأَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّ هٰذِهِ مَعْصِيَةٌ فَلَا تَصِحُّ عِنْدَهُمَا.

(١٠٣٧) قَالَ وَلَوْ أَوْصٰى بِذٰلِكَ لِقَوْمٍ مُسَمِّيْنَ فَهُوَ مِنَ الثُّلُثِ ١ مَعْنَاهُ إِذَا أَوْصٰى أَنْ تُبْنٰى دَارُهُ بِيْعَةً أَوْ كَنِيْسَةً فَهُوَ جَائِزٌ مِنَ الثُّلُثِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ فِيْهَا مَعْنَى الْإِسْتِخْلَافِ وَمَعْنَى التَّمْلِيْكِ، وَلَهُ وِلَايَةُ ذٰلِكَ فَأَمْكَنَ تَصْحِيْحُهُ عَلٰى اِعْتِبَارِ الْمَعْنَيَيْنِ.

اور میت کے تہائی مال میں یہ وصیت نافذ کی جائے گی، اور باقی میں ورثہ میں تقسیم ہوگا۔۳۔اور اگر عام قوم میں وصیت کی، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ وصیت نافذ ہوگی، اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ وصیت باطل ہوگی۔

یہاں یہ پہلی صورت ہے کہ، یہودی یا نصرانی نے صحت کے زمانے میں اپنی زمین میں گرجا یا کلیسا بنایا، اور اس کی وصیت نہیں کی تو یہ گرجا اور کلیسا میت کی ملکیت ہے اس لئے یہ اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا

وجہ: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وصیت نہیں کی ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ اس کو وقف مانا جائے گا، اور امام ابوحنیفہؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ وراثت میں تقسیم ہوسکتا ہے، اس لئے یہودی، یا نصرانی کا یہ وقف اس کے ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے گا

ترجمہ: ٢ اور صاحبینؒ کے نزدیک اسلامی ملک میں گرجا اور کلیسا بنانا گناہ ہے اس لئے ان کے یہاں وقف کہنا بھی صحیح نہیں ہے (اس لئے ان کے یہاں بھی میت کی ملکیت ہوگی اور اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا)

تشریح: صاحبینؒ کے نزدیک اسلامی ملک میں نیا گرجا اور کلیسا بنانا گناہ ہے، اس لئے ان کے یہاں اس گرجا اور کلیسا کو وقف کہنا بھی صحیح نہیں ہے، اور اس نے وصیت بھی نہیں کی ہے اس لئے یہ میت کی ملکیت میں باقی رہا اس لئے ان کے یہاں بھی گرجا، اور کلیسا بنانے والے کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔ حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین دونوں کے یہاں یہ میت کی ملکیت ہے وہ ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۱۰۳۷) اور اگر کسی خاص قوم کو وصیت کی تو یہ تہائی میں نافذ ہوگی

ترجمہ: ١ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وصیت کی کہ اس کے گھر میں گرجا گھر، یا کلیسا بنائے تو یہ تہائی مال سے جائز ہے، اس لئے کہ وصیت میں خلیفہ بنانے کا معنی ہے، اور مالک بنانے کا معنی ہے اور ذمی کو دونوں کی ولایت ہے اس لئے دونوں معنی کے اعتبار سے تصحیح کرنا ممکن ہے

تشریح: یہ دوسری صورت ہے۔ کہ کسی خاص قوم کے لئے وصیت کی کہ میرے گھر کو کلیسا، یا گرجا گھر بنا دینا تو یہ امام ابو حنیفہ اور صاحبینؒ سب کے نزدیک یہ وصیت جائز ہے، اور تہائی مال میں وصیت نافذ ہوگی

وجہ: وصیت میں یا خلیفہ بنانے کا معنی ہے، یا مالک بنانے کا معنی ہے، اور اس ذمی کو دونوں کا اختیار ہے اس لئے دونوں طرح سے وصیت کرسکتا ہے

لغت: خلیفہ: اصل مالک جس جس طرح کا مالک ہے موصی لہ کو ان تمام کا خلیفہ بنایا جائے، اس کو خلیفہ بنانا کہتے ہیں۔

(۱۰۳۸) قَالَ وَإِنْ أَوْصٰى بِدَارِهٖ كَنِيْسَةً لِقَوْمٍ غَيْرِ مُسَمِّيْنَ جَازَتِ الْوَصِيَّةُ ۱؎ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَالَا الْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ، لِأَنَّ هٰذِهٖ مَعْصِيَةٌ حَقِيْقَةً وَإِنْ كَانَ فِيْ مُعْتَقَدِهِمْ قُرْبَةً وَالْوَصِيَّةُ بِالْمَعْصِيَةِ بَاطِلَةٌ لِمَا فِيْ تَنْفِيْذِهَا مِنْ تَقْرِيْرِ الْمَعْصِيَةِ، ۲؎ وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ هٰذِهٖ قُرْبَةٌ فِيْ مُعْتَقَدِهِمْ وَنَحْنُ أُمِرْنَا بِأَنْ نَتْرُكَهُمْ وَمَا يَدِيْنُوْنَ فَتَجُوْزُ بِنَاءً عَلٰى اِعْتِقَادِهِمْ، أَلَا يُرٰى أَنَّهٗ لَوْ

مالک بنانا: اس میں خلیفہ بنانا نہیں ہوتا ہے، البتہ اصل مالک جس چیز کا مالک بنائے اس ملکیت کو مالک بنانا کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۱۰۳۸) اور اگر اپنے گھر کی وصیت تو کی لیکن کسی خاص قوم کے لئے نہیں، بلکہ عام قوم کے لئے تو وصیت جائز ہو جائے گی

ترجمہ: ۱؎ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ وصیت باطل ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ گرجا گھر بنانا گناہ ہے، چاہے اس کے اعتقاد میں ثواب کا کام ہے اور گناہ کی وصیت باطل ہوتی ہے اس لئے کہ اس کے نافذ کرنے میں گناہ کے کام کو اور مضبوط کرنا ہے

تشریح: یہ تیسری صورت ہے، اس میں میت نے اپنے گھر کو گرجا بنانے کی وصیت تو کی ہے لیکن اس میں قوم متعین نہیں کیا، اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ وصیت بھی صحیح ہے، اور تہائی مال سے وصیت نافذ کی جائے گی
اور صاحبین کے نزدیک یہ وصیت صحیح نہیں ہے

وجہ: (۱) اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ غیر متعین قوم کے لئے وصیت کی ہے اس لئے اس کو مالک بنانا نہیں ہوا، اس لئے وصیت باطل ہو جائے گی۔ (۲) دوسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اگر چہ یہودی کے اعتقاد میں گرجا گھر بنانا ثواب کا کام ہے، لیکن ہمارے عقیدے میں یہ گناہ کا کام ہے، اس لئے اس کو نافذ کرنے میں گناہ کے کام کو مضبوط کرنا ہے، اس لئے اس وصیت کو باطل قرار دی جائے۔ (۳) اور تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ اسلامی ملک میں نیا گرجا گھر بنانا ہے، یہ پرانا گرجا نہیں ہے، اور نیا گرجا گھر بنانے کی ممانعت قول صحابی میں ہے، اس لئے اس وصیت کو باطل قرار دیا جائے۔ قول صحابی یہ ہے۔ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُلُّ مِصْرٍ مَصَّرَهُ الْمُسْلِمُوْنَ لَا يُبْنَى فِيْهِ بِيعَةٌ وَلَا كَنِيْسَةٌ، وَلَا يُضْرَبُ فِيْهِ بِنَاقُوْسٍ (سنن بیہقی، باب یشترط علیہم ان لا یحدثوا فی امصار المسلمین کنیسۃ، نمبر ۱۸۷۱۴)

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلیسا بنانا ان کے عقیدے میں قربت ہے، اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کو انکے دین پر چھوڑ دیں، اس لئے ان کے اعتقاد کے اعتبار سے کلیسا بنانا جائز ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ اگر وہ حقیقت میں قربت کی وصیت کرے جو انکے عقیدے کے اعتبار سے گناہ ہے تو یہ وصیت جائز نہیں ہوگی ان کے اعتقاد کے اعتبار سے، تو ایسا اس کے الٹے میں ہوگا (یعنی حقیقت میں گناہ ہے، لیکن ان کے عقیدے کے اعتبار سے قربت ہے تو یہ وصیت جائز ہوگی)

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی کے عقیدے کے مطابق کلیسا بنانا قربت اور ثواب کا کام ہے، اور

أَوْصٰی بِمَا هُوَ قُرْبَةٌ حَقِيْقَةً مَعْصِيَةٌ فِیْ مُعْتَقَدِهِمْ لَا تَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ اِعْتِبَارًا لِاِعْتِقَادِهِمْ فَكَذَا عَكْسُهُ.

۳ ثُمَّ الْفَرْقُ لِأَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ بَيْنَ بَنَاءِ الْبِيْعَةِ وَالْكَنِيْسَةِ وَبَيْنَ الْوَصِيَّةِ بِهٖ أَنَّ الْبِنَاءَ نَفْسُهُ لَيْسَ بِسَبَبٍ لِزَوَالِ مِلْكِ الْبَانِیْ، وَإِنَّمَا يَزُوْلُ مِلْكُهُ بِأَنْ يَصِيْرَ مُحْرِزًا خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالٰی كَمَا فِیْ مَسَاجِدِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَالْكَنِيْسَةُ لَمْ تَصِرْ مُحْرِزَةً لِلّٰهِ تَعَالٰی حَقِيْقَةً فَتَبْقٰی مِلْكًا لِلْبَانِیْ فَتُوْرَثُ عَنْهُ، ۴ وَلِأَنَّهُمْ يَبْنُوْنَ فِيْهَا الْحُجُرَاتِ وَيَسْكُنُوْنَهَا فَلَمْ يَتَحَرَّزْ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْعِبَادِ، وَفِیْ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ يُوْرَثُ

ہم کوحکم ہے کہ وہ اپنے دین کا کوئی کام کریں تو ان کو کرنے دیں، اس لئے انہوں نے غیر متعین قوم کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت جائز ہوگی

وجہ: (۱) اس قول صحابی میں ہے کہ اہل کتاب کے گرجے کو ہم منہدم نہیں کریں گے۔ حَدَّثَنِی ابْنُ سُرَاقَةَ، أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ، كَتَبَ لِأَهْلِ دَيْرِ طَبَايَا إِنِّی أَمَّنْتُكُمْ عَلَی دِمَائِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَكَنَائِسِكُمْ أَنْ تُهْدَمَ (مصنف ابن ابی شیبة، باب ما قالوا فی ہدم البیع والکنائس، نمبر ۳۲۹۸۷) (۲) اس قول تابعی میں بھی ہے کہ اہل کتاب کے کلیسے کو ہم منہدم نہیں کریں گے، اس لئے ان کی وصیت صحیح ہوگی۔ جَائَنَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ: لَا تَهْدِمْ بِيعَةً وَلَا كَنِيسَةً وَلَا بَيْتَ نَارٍ صُولِحُوا عَلَيْهِ (مصنف ابن ابی شیبة، باب ما قالوا فی ھدم البیع والکنائس، نمبر ۳۲۹۸۳)

ترجمہ: ۳ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گرجا اور کلیسا کے بنانے اور اس کی وصیت کرنے کے درمیان فرق یہ ہے کہ، صرف بنانا بنانے والے کی ملکیت زائل ہونے کا سبب نہیں ہے، پھر جب اللہ کے لئے اس کو الگ کرکے دیگا تب بنانے والے کی ملکیت زائل ہوگی، جیسے مسلمان کی مسجد میں ہوتا ہے، لیکن کلیسا حقیقت میں اللہ کے لئے محفوظ نہیں ہوتا ہے اس لئے بنانے والے کی ملکیت پر باقی رہے گا، اس لئے وہ وراثت میں تقسیم ہو جائے گا،

اصول: کلیسا بنا کر اللہ کے لئے الگ کرے گا تب اس سے بنانے والے کی ملکیت زائل ہوگی،

تشریح: کلیسا بنانے اور اس کی وصیت کرنے میں فرق یہ ہے کہ۔ مسجد کا معاملہ یہ ہے کہ وہ قربت ہے اس لئے اس کو اللہ کے لئے اجازت دے دے تو بنانے والے کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے، لیکن کلیسا مسلمانوں کے یہاں قربت نہیں ہے، اس لئے صرف بنانے سے بنانے والے کی ملکیت زائل نہیں ہوگی، بلکہ اللہ کے لئے محفوظ کرے گا اور اس کی وصیت کرے گا تب اس کی ملکیت زائل ہوگی، اور اس کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوگا

لغت: محرزا: حرز سے مشتق ہے، محفوظ کرنا۔ تقسیم کرکے دے دینا۔

ترجمہ: ۴ اور اس لئے کہ وہ لوگ کلیسا میں کمرے بناتے ہیں، اور اس میں خود بھی رہتے ہیں، اس لئے بندے کے حق کے متعلق ہونے کی وجہ سے وہ صرف اللہ کے لئے محفوظ نہیں ہوا، اور ایسی صورت میں مسجد بھی وراثت میں تقسیم ہو جائے گی محفوظ نہ

الْمَسْجِدُ أَيْضًا لِعَدَمِ تَحَرُّزِهِ، بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهُ وُضِعَ لِإِزَالَةِ الْمِلْكِ ۵ إِلَّا أَنَّهُ اِمْتَنَعَ ثُبُوتُ مُقْتَضَاهُ فِيْ غَيْرِ مَا هُوَ قُرْبَةٌ عِنْدَهُمْ فَبَقِيَ فِيْ مَا هُوَ قُرْبَةٌ عَلٰى مُقْتَضَاهُ فَيَزُوْلُ مِلْكُهُ فَلَا يُوْرَثُ.

۶ ثُمَّ الْحَاصِلُ أَنَّ وَصَايَا الذِّمِّيِّ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَقْسَامٍ مِنْهَا أَنْ تَكُوْنَ قُرْبَةً فِيْ مُعْتَقَدِهِمْ، وَلَا تَكُوْنُ قُرْبَةً فِيْ حَقِّنَا وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ، وَمَا إِذَا أَوْصَى الذِّمِّيُّ بِأَنْ تُذْبَحَ خَنَازِيْرُهُ وَتُطْعَمَ الْمُشْرِكِيْنَ، وَهٰذِهِ

ہونے کی وجہ سے، بخلاف وصیت کے اس لئے کہ وصیت ملکیت کا زائل کرنے کے لئے ہے

تشریح: کلیسا صرف بنانے سے بانی سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوگی، اس کی دوسری وجہ بیان کررہے ہیں، کہ کلیسا میں خود کے رہنے کے لئے کمرے بناتے ہیں، اور مسافروں کے لئے بھی کمرے بناتے ہیں، اس لئے اس کے ساتھ بندوں کے حقوق متعلق ہوگئے، وہ خالص اللہ کے لئے محفوظ نہیں رہا، اس لئے جب تک وصیت کرکے اللہ کے لئے الگ نہیں کرے گا، بانی سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوگی، اور وہ وراثت میں تقسیم ہوگا۔ اس کی ایک مثال بیان کرتے ہیں کہ اگر ایسی مسجد بنائی جس کے اوپر، اور نیچے خود کے رہنے کے کمرے ہو تب بھی یہی مسئلہ ہے کہ بانی سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوگی، جب تک کہ اس کو اللہ کے لیے الگ نہیں کرے گا، اسی طرح کلیسا کو جب تک الگ نہیں کرے گا، بانی کی ملکیت زائل نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۵ مگر وصیت کے مقتضی کا ثبوت ممتنع ہے اس چیز میں جو ان کے نزدیک قربت نہ ہو، تو اس چیز کی وصیت جو قربت ہو اپنے مقتضی پر برقرار ہے، تو اس کی ملک زائل ہو جائے گی، پس وہ میراث میں تقسیم نہ ہوگی

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے۔ اہل کتاب کے یہاں جو چیز قربت اور ثواب کا کام نہیں ہے اس میں وصیت کا تقاضا نہیں پایا گیا، اس لئے اس میں وصیت نہیں ہوگی، اور اس سے بانی کی ملکیت زائل نہیں ہوگی، اور وہ وراثت میں تقسیم ہو جائے گی۔ اور جس چیز کو وہ قربت سمجھتے ہیں اس میں وصیت کا تقاضا پایا گیا، اس لئے اس میں وصیت ہوگی، اور اس سے بانی کی ملکیت زائل ہو جائے گی، اور وہ ان کے ورثہ میں تقسیم نہیں ہوگی

ترجمہ: ۶ پھر حاصل یہ ہے کہ ذمی کی وصیتیں چار قسم کی ہیں۔ ۱۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انکے اعتقاد میں قربت ہو، لیکن ہمارے حق میں قربت نہ ہو، یہ وہی ہے جس کا ابھی ذکر ہوا۔ اس کی ایک دوسری مثال یہ ہے کہ ذمی وصیت کرے کہ اس کے سور کو ذبح کیا جائے اور مشرکین کو کھلایا جائے، اگر متعین قوم کے لئے یہ وصیت نہ کی ہو تو یہ صورت اختلافی ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اور اس کی وجہ بھی بیان کی

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ اہل کتاب کے اعتقاد میں وہ چیز جائز ہے تو اس کی وصیت جائز ہے چاہے، مسلمانوں کے اعتقاد کے اعتبار سے وہ گناہ ہو

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ ذمی کے اعتقاد کے اعتبار سے قربت ہے، لیکن مسلمانوں کے اعتقاد کے اعتبار سے اگر وہ

عَلَى الْخِلَافِ إِذَا كَانَ لِقَوْمٍ غَيْرِ مُسَمِّيْنَ كَمَا ذَكَرْنَاهُ وَالْوَجْهُ مَا بَيَّنَاهُ. ے وَمِنْهَا إِذَا أَوْصَى بِمَا

چیز گناہ ہے تو اگر عام وصیت کی تو اس کی وصیت باطل ہے

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ ذمی کے اعتقاد کے اعتبار سے قربت ہے، لیکن مسلمانوں کے اعتقاد کے اعتبار سے اگر وہ چیز گناہ ہے تو اگر خاص قوم کو وصیت کی تو یہ ان لوگوں کو مالک بنانا ہے، اس لئے یہ وصیت جائز ہوگی، یہ وقف عام نہیں ہوگا

ذمی کی وصیت کی چاروں صورتیں ایک نظر میں

۱	مسلمانوں کے یہاں قربت نہیں	اہل کتاب کے یہاں قربت	جیسے کلیسا بنانا
۲	مسلمانوں کے یہاں قربت	اہل کتاب کے یہاں قربت نہیں	جیسے مسجد بنانا
۳	مسلمانوں کے یہاں قربت	اہل کتاب کے یہاں قربت	بیت المقدس میں چراغ جلانا
۴	مسلمانوں کے یہاں قربت نہیں	اہل کتاب کے یہاں قربت نہیں	مغنیہ کے لئے وصیت کرنا

تشریح: یہاں سے ذمی کی وصیت کی چار صورتیں بیان کر رہے ہیں۔ ا۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے حق میں وہ قربت نہیں ہے، لیکن ذمی کے حق میں وہ قربت ہے تو صاحبین کے نزدیک اگر کسی خاص قوم کے لئے وصیت کی تو یہ اس کو مالک بنانا ہوا، وقف عام نہیں ہوا اس لئے گویا کہ ان کو مالک بنا دیا اس لئے یہ وصیت جائز ہو جائے گی، باقی موصی نے جو کہا کہ کلیسا بنائیں تو یہ اس کی جانب سے مشورہ سمجھا جائے گا، ان لوگوں پر ایسا کرنا لازم نہیں ہوگا، وہ چاہیں تو ایسا کریں اور نہ چاہیں تو ایسا نہ کریں، کیونکہ وہ مالک ہیں

اور اگر کسی خاص قوم کے لئے وصیت نہیں کی، بلکہ عام لوگوں کے لئے وصیت کی تو اس میں چونکہ مالک بنانا نہیں ہے، اس لئے یہ وصیت باطل ہو جائے گی، اور یہ مال موصی کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا

اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں چونکہ ذمی کے عقیدے میں قربت ہے تو چاہے عام لوگوں کے لئے وصیت کی ہو یا خاص لوگوں کے لئے، دونوں صورتوں وصیت جائز ہو جائے گی، اور یہ مال موصی کے ورثہ میں تقسیم نہیں ہوگا۔

اس کی ایک مثال اوپر گزری، کلیسا بنانا، کہ یہ ذمی کے نزدیک قربت ہے، اور ہمارے نزدیک قربت نہیں ہے، دوسری مثال یہاں لا رہے ہیں، مشرکین میں سور ذبح کر کے کھلانے کی وصیت کی تو یہ بھی ذمی کے نزدیک قربت ہے، ہمارے نزدیک قربت نہیں ہے، اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وصیت درست ہوگی۔ اور صاحبین کے نزدیک خاص قوم کو وصیت کی تو اس کو مالک بنانا ہوا اس لئے وصیت درست ہو جائے گی، اور اگر عام لوگوں کو وصیت کی تو مالک بنانا نہیں ہوا اس لئے اب وصیت درست نہیں ہوگی

ترجمہ: ے اس وصیت کی دوسری صورت۔ جبکہ ایسی وصیت کی ہو جو ہمارے حق میں قربت ہے، اور ذمی کے اعتقاد میں قربت نہ ہو، جیسے اگر حج کی وصیت کی، یا مسلمانوں کے لئے مسجد بنانے کی وصیت کی ہو، یا مسلمانوں کی مسجد میں چراغ جلانے کی

يَكُونُ قُرْبَةً فِي حَقِّنَا وَلَا يَكُونَ قُرْبَةً فِي مُعْتَقَدِهِمْ كَمَا إِذَا أَوْصٰى بِالْحَجِّ أَوْ بِأَنْ يُبْنٰى مَسْجِدُ الْمُسْلِمِينَ أَوْ بِأَنْ يُسْرَجَ فِي مَسَاجِدِ الْمُسْلِمِينَ وَهٰذِهِ الْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ بِالْإِجْمَاعِ اعْتِبَارًا لِاعْتِقَادِهِمْ إِلَّا إِذَا كَانَ لِقَوْمٍ بِأَعْيَانِهِمْ لِوُقُوعِهِ تَمْلِيكًا، لِأَنَّهُمْ مَعْلُومُونَ وَالْجِهَةُ مَشُورَةٌ. ۸ وَمِنْهَا إِذَا أَوْصٰى بِمَا يَكُونُ قُرْبَةً فِي حَقِّنَا وَفِي حَقِّهِمْ كَمَا اِذَا أَوْصٰى بِأَنْ يُسْرَجَ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ أَوْ يُغْزٰى التُّرْكُ وَهُوَ مِنَ الرُّومِ، وَهٰذَا جَائِزٌ سَوَاءٌ كَانَ الْقَوْمُ بِأَعْيَانِهِمْ أَوْ بِغَيْرِ أَعْيَانِهِمْ، لِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِمَا هُوَ قُرْبَةٌ حَقِيقَةً وَفِي مُعْتَقَدِهِمْ أَيْضًا.

وصیت کی ہو، تو یہ وصیت ان کے اعتقاد کی وجہ سے بالا جماع باطل ہیں۔ ہاں کسی مخصوص قوم کے لئے وصیت کی ہو (تو وصیت جائز ہوگی) ملکیت واقع ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ موصی لہ معلوم ہے، اور جہت کی جو وصیت کی وہ مشورہ شمار کیا جائے گا

تشریح: یہ ذمی کی وصیت کی دوسری صورت ہے۔ ذمی نے ایسی چیز کی وصیت کی جو اس کے اعتقاد میں قربت نہیں ہے، لیکن ہمارے اعتقاد میں وہ قربت ہے، تو یہ وصیت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی باطل ہوگی، اور صاحبینؒ کے یہاں بھی باطل ہو گی، جیسے ذمی وصیت کرے کہ اس کے مال سے حج کرایا جائے، یا مسجد بنائی جائے، یا مسجد میں چراغ جلایا جائے، تو ان سب میں ذمی کے یہاں کار ثواب نہیں ہے، لیکن مسلمانوں کے یہاں کار ثواب ہے

وجه: امام ابو حنیفہؒ، اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ وصیت اس لئے باطل ہوگی کہ ذمی کے اعتقاد میں وہ قربت ہی نہیں ہے، اس لئے اس کی وصیت صحیح نہیں ہوئی

، ہاں کسی مخصوص قوم کے لئے وصیت کی ہو تو یوں سمجھا جائے گا کہ ان کو مالک بنا دیا، اب وہ جو چاہیں کریں، اور وصیت میں کیا کرنا ہے موصی نے یہ جو بتایا وہ اس کی جانب سے مشورہ سمجھا جائے گا

ترجمه: ۸ وصیت کی تیسری صورت یہ ہے۔ کہ جبکہ ایسی چیز کی وصیت کرے جو ہمارے حق میں بھی قربت ہو اور ذمی کے حق میں بھی قربت ہو، جیسے اگر وصیت کرے، کہ بیت المقدس میں چراغ جلایا جائے، ترکیوں سے جنگ کی جائے، اور خود ذمی روم کا رہنے والا ہو، تو یہ وصیت جائز ہے، چاہے متعین قوم کے لئے وصیت کرے، یا غیر متعین قوم کے لئے، اس لئے کہ یہ ذمی کے اعتقاد میں بھی قربت ہے (اور ہمارے اعتقاد میں بھی قربت ہے)

تشریح: وصیت کی یہ تیسری صورت ایسی ہے کہ ہمارے یہاں بھی یہ قربت کی چیز ہے اور ذمی کے یہاں بھی یہ قربت کی چیز ہے، اس لئے چاہے متعین قوم کے لئے وصیت کرے یا غیر متعین قوم کے لئے وصیت صاحبینؒ اور امام ابو حنیفہؒ دونوں کے یہاں وصیت جائز ہو جائے گی

۹ وَمِنْهَا إِذَا أَوْصٰى بِمَا لَا يَكُوْنُ قُرْبَةً لَا فِيْ حَقِّنَا وَلَا فِيْ حَقِّهِمْ كَمَا إِذَا أَوْصٰى لِلْمُغَنِّيَاتِ وَالنَّائِحَاتِ فَإِنْ هٰذَا غَيْرُ جَائِزٍ، لِأَنَّهُ مَعْصِيَةٌ فِيْ حَقِّنَا وَفِيْ حَقِّهِمْ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ لِقَوْمٍ بِأَعْيَانِهِمْ فَيَصِحُّ تَمْلِيْكًا وَاسْتِخْلَافًا. ۱۰ وَصَاحِبُ الْهَوٰى إِنْ كَانَ لَا يُكَفَّرُ فَهُوَ فِيْ حَقِّ الْوَصِيَّةِ بِمَنْزِلَةِ الْمُسْلِمِيْنَ، لِأَنَّا أُمِرْنَا بِبِنَاءِ الْأَحْكَامِ عَلَى الظَّاهِرِ، وَإِنْ كَانَ يُكَفَّرُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُرْتَدِّ فَيَكُوْنُ عَلَى الْخِلَافِ الْمَعْرُوْفِ فِيْ تَصَرُّفَاتِهِ بَيْنَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَصَاحِبَيْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَفِي الْمُرْتَدَةِ

ترجمہ: ۹ وصیت کی چوتھی صورت یہ ہے کہ، نہ ہمارے حق میں قربت ہو اور نہ ذمی کے حق میں قربت ہو، جیسے گانے والی عورتوں، اور رونے والی عورتوں کے حق میں وصیت کرے، تو یہ وصیت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ہمارے اعتقاد میں بھی گناہ ہے، اور ان کے اعتقاد میں بھی گناہ ہے، ہاں کسی مخصوص قوم کے لئے وصیت کرے تو وصیت صحیح ہو جائے گی، مالک بنانے، یا خلیفہ بنانے کی وجہ سے

تشریح: یہ ذمی کی وصیت کی چوتھی صورت ہے، کہ ایسی وصیت کی جو مسلمانوں کے یہاں بھی کار ثواب نہیں ہے، اور ذمی کے یہاں بھی کار ثواب نہیں ہے، تو چونکہ یہ کسی کے یہاں بھی کار ثواب نہیں ہے اس لئے یہ وصیت جائز نہیں ہوگی۔ ہاں اگر کسی مخصوص قوم کے لئے وصیت کی تو گویا کہ اس کو مالک بنانا ہوا، اس لئے اب وصیت درست ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱۰ بدعت کرنے والے لوگ، اگر وہ کفر نہیں کرتا ہو تو وصیت کے حق میں وہ مسلمانوں کی طرح ہے، اس لئے کہ ہمیں ظاہر پر احکام کی بنیاد رکھنے کے لئے کہا گیا ہے۔ اور اگر وہ کفر کرتا ہو تو وہ مرتد کے درجے میں ہے، اس کے تصرفات کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان مشہور اختلاف ہے، اس اختلاف پر یہ مسئلہ بھی ہوگا، اور عورت ہے تو وہ مرتدہ کے درجے میں ہوگی، اور مرتدہ کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ اس کی وصیت صحیح ہے، اس لئے کہ وہ مرتدہ ہونے کی حالت میں زندہ چھوڑی جائے گی، بخلاف مرتد مرد کے، اس لئے کہ وہ یا اسلام لائے، یا پھر قتل کر دیا جائے گا

تشریح: صاحب ہدایہ یہاں ذمی کے مسئلے کے بعد، بدعتیوں کی وصیت کا کیا حکم ہے اس کو بیان کرنے لگے ہیں۔ اس میں تین صورتیں ہیں۔ ا۔ اگر بدعتی کم درجے کے ہیں، اور وہ ظاہر طور پر کفر کی حد تک بدعت نہیں کرتا ہے، تو ہم اس کو مسلمان سمجھیں گے، اور اس کی وصیت کا حکم وہی ہوگا جو مسلمان کی وصیت کا حکم ہے۔ ۲۔ اور اگر وہ کفر کی حد تک بدعت کرتا ہے، یا کوتاہی کرتا ہے، تو اگر وہ مرد ہے تو اب مرتد کے حکم ہے، کیونکہ اس نے اسلام کے بعد کفر کیا ہے، اور مرتد کے بارے میں امام ابو حنیفہ کی رائے ہے کہ اس کے تمام عقد اور وصیت موقوف رہیں گے، پس اگر دوبارہ مسلمان ہو گیا تو یہ عقد اور وصیت نافذ کر دئے جائیں گے، اور اگر تین دن کے بعد بھی کفر پر اصرار کرتا رہا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اس کا عقد بھی جائز ہے، اور وصیت بھی جائز ہے، البتہ اگر تین دن کے بعد بھی کفر پر اصرار کرتا رہا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ ۳۔ اور اگر کفر کی

الْأَصَحُّ أَنَّهُ تَصِحُّ وَصَايَاهَا، لِأَنَّهَا تَبْقَى عَلَى الرِّدَّةِ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِ لِأَنَّهُ يُقْتَلُ أَوْ يُسْلِمُ.

(۱۰۳۹) قَالَ وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ فَأَوْصَى لِمُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍ بِمَالِهِ كُلِّهِ جَازَ، ۱؎ لِأَنَّ امْتِنَاعَ الْوَصِيَّةِ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ وَلِهٰذَا يَنْفُذُ بِإِجَازَتِهِمْ وَلَيْسَ لِوَرَثَتِهِ حَقٌّ مَرْعِيٌّ لِكَوْنِهِمْ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ إِذْ هُمْ أَمْوَاتٌ فِيْ حَقِّنَا، ۲؎ وَلِأَنَّ حُرْمَةَ مَالِهِ بِاعْتِبَارِ الْأَمَانِ، وَالْأَمَانُ كَانَ لِحَقِّهِ لَا

حدتک بدعت کرنے والی عورت ہے، تو وہ مرتدہ کے حکم میں ہے، اور مرتدہ عورت کا حکم یہ ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ دوبارہ اسلام لانے تک قید میں باقی رکھا جائے گا، اور ذمیہ عورت کی طرح اس کی وصیت کا حکم ہوگا۔ یہاں یہ تین مسائل تھے

وجہ: جو مسلمان ظاہری کفر کا کام نہیں کرتا ہے اس کو ہم مسلمان ہی سمجھیں گے اس کے لئے یہ حدیث ہے کہ جو لا الہ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا، اور وہ مسلمان ہے چاہے گناہ گار ہو۔ قَدْ رُوِيَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »مَنْ قَالَ :لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الجَنَّةَ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی من یموت وھو یشھد، ان لا الہ الا اللہ، نمبر ۲۶۳۸)

ترجمہ: (۱۰۳۹) حربی امن لیکر دار الاسلام میں داخل ہوا، پھر مسلمان کے لئے یا ذمی کے لئے اپنے پورے مال کی وصیت کی تو یہ جائز ہے

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنا ورثہ کی وجہ سے ممنوع ہے، یہی وجہ ہے کہ ورثہ کی اجازت سے یہ بھی جائز ہے، اور یہاں ورثہ کے حق کی رعایت نہیں ہے، اس لئے کہ وہ دار الحرب میں ہے، اور وہ ہمارے حق میں مردے کی طرح ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حربی کے ورثہ مردہ کی طرح ہے، تو گویا کہ اس کا کوئی وارث نہیں ہے اس لئے وہ پورے مال کی وصیت کرے تب بھی جائز ہے

تشریح: مسلمان کی وصیت کے لئے یہ ہے کہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں ہے، لیکن جو حربی دار الحرب سے امن لیکر دار الاسلام آیا ہے، تو گویا کہ اس کا کوئی وارث نہیں ہے، اور دار الحرب میں جو وارث ہے وہ گویا کہ مردہ ہے اس لئے اگر وہ اپنے پورے مال کی وصیت کسی مسلمان یا کسی ذمی کے لئے کرے تو یہ جائز ہے

وجہ: تہائی مال سے زیادہ کی وصیت اس کے ورثہ کی وجہ سے ممنوع ہے، اور حربی کا دار الاسلام میں کوئی وارث ہی نہیں ہے، اس لئے پورے مال کی وصیت کر سکتا ہے، اس کو نافذ کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس لئے کہ حربی کے مال کی حرمت امن کی وجہ سے ہے، اور امن صرف حربی کے حق کے لئے ہے اس کے ورثہ کے حق کے لئے نہیں ہے

تشریح: دار الاسلام میں امن والے حربی نے جو مال کمایا ہے اس کی عزت امن کی وجہ سے ہے، اور یہ امن صرف اس حربی

لِحَقِّ وَرَثَتِهِ، ٣ وَلَوْ كَانَ أَوْصٰى بِأَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ أُخِذَتِ الْوَصِيَّةُ وَيُرَدُّ الْبَاقِيْ عَلٰى وَرَثَتِهِ وَذٰلِكَ مِنْ حَقِّ الْمُسْتَأْمِنِ أَيْضًا، ٤ وَلَوْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ عِنْدَ الْمَوْتِ أَوْ دَبَّرَ عَبْدَهُ فِيْ دَارِ الْإِسْلَامِ فَذٰلِكَ صَحِيْحٌ مِنْهُ مِنْ غَيْرِ اِعْتِبَارِ الثُّلُثِ لِمَا بَيَّنَّا. ٥ وَكَذٰلِكَ لَوْ أَوْصٰى لَهُ مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ بِوَصِيَّةٍ جَازَ، لِأَنَّهُ مَا دَامَ فِيْ دَارِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ فِي الْمُعَامَلَاتِ بِمَنْزِلَةِ الذِّمِّيِّ وَلِهٰذَا تَصِحُّ عُقُوْدُ التَّمْلِيْكَاتِ مِنْهُ

کو ہے جس نے امن لیا ہے، اس کے ورثہ کو امن نہیں ہے، اس لئے ورثہ کا اس مال میں حق ہی نہیں ہے، اس لئے یہ حربی تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرسکتا ہے

ترجمہ: ٣ اور اگر امن لینے والے حربی نے تہائی سے کم مال کی وصیت کی تو وصیت کی مقدار لی جائے گی، اور باقی حربی کے ورثہ پر لوٹا دیا جائے گا، اور یہ بھی امن لینے والے کے حق کی وجہ سے ہے

تشریح: امن لیکر دار الاسلام میں داخل ہونے والے حربی نے اپنے مال کی تہائی سے کم کی وصیت کی تو اس مقدار میں مال لیا جائے گا اور باقی مال اس کے ورثہ کو دے دیا جائے گا، ورثہ کو یہ دینا ورثہ کے حق کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ امن لیکر آنے والے کی حق کی وجہ سے ہے

ترجمہ: ٤ اگر امن لینے والے حربی نے اپنی موت کے وقت دار الاسلام میں اپنے غلام کو آزاد کیا، یا اپنے غلام کو مدبر بنایا تو یہ صحیح ہے بغیر تہائی کا اعتبار کئے ہوئے، اس وجہ سے جو ہم نے بیان کیا (کہ تہائی سے کم ورثہ کی وجہ سے ہے اور حربی کے ورثہ مردہ کی طرح ہیں)

تشریح: چونکہ حربی کے ورثہ گویا کہ نہیں ہیں، اس لئے اپنے سارے غلام آزاد کردے، یا اس کو مدبر بنادے تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ گویا کہ اس کے پاس ورثہ ہی نہیں ہیں

ترجمہ: ٥ ایسے ہی اگر مسلمان نے یا ذمی نے حربی مستامن کے لئے وصیت کی تو جائز ہے، اس لئے کہ جب تک وہ دار الاسلام میں ہے تو معاملات میں ذمی کی طرح ہے، یہی وجہ ہے کہ اس حربی کی زندگی میں مالک بنانے کے سب عقد صحیح ہیں، اور اپنی زندگی میں تبرع کرنا بھی صحیح ہے، تو ایسے ہی مرنے کے بعد بھی تبرع کرنا صحیح ہوگا

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں۔ا۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اس حربی کے لئے کوئی مسلمان، یا ذمی وصیت کرے تو یہ بھی جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امن لینے کے بعد یہ حربی تمام معاملات میں ذمی کی طرح ہو گیا، اور مسلمان کا ذمی کے لئے وصیت کرنا صحیح ہے تو اس کے لئے بھی ہوگا۔٢۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حربی دار الاسلام میں رہ کر اپنی زندگی میں تبرع کرسکتا ہے تو مرنے کے بعد بھی تبرع کرسکتا، اور وصیت مرنے کے بعد تبرع کرنا ہے اس لئے یہ بھی جائز ہوگا۔

وجہ: (ا)۔عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ: " وَصِيَّةُ الرَّجُلِ جَائِزَةٌ لِذِمِّيٍّ كَانَ أَوْ لِغَيْرِهِ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی الوصیۃ

فِيْ حَالِ حَيَاتِهٖ وَيَصِحُّ تَبَرُّعُهُ فِيْ حَيَاتِهٖ فَكَذَا بَعْدَ مَمَاتِهٖ، ۶ وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّهُ لا يَجُوْزُ، لِأَنَّهُ مُسْتَأْمِنٌ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ، إِذْ هُوَ عَلٰى قَصْدِ الرُّجُوْعِ وَيُمَكَّنُ مِنْهُ وَلَا يُمَكَّنُ مِنْ زِيَادَةِ الْمَقَامِ عَلَى السَّنَةِ إِلَّا بِالْجِزْيَةِ. ۷ وَلَوْ أَوْصَى الذِّمِّيُّ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ أَوْ لِبَعْضِ وَرَثَتِهٖ لا يَجُوْزُ اِعْتِبَارًا بِالْمُسْلِمِيْنَ لِأَنَّهُمْ اِلْتَزَمُوْا أَحْكَامَ الْإِسْلَامِ فِيْمَا يَرْجِعُ إِلَى

الی المراۃ، نمبر ۳۰۷۶۴)(۲)۔عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كَانَ يَقُوْلُ: »الْوَصِيَّةُ لِلْيَهُوْدِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ وَالْمَجُوْسِيِّ وَلِلْمَمْلُوْكِ جَائِزَةٌ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی الوصیۃ الی المراۃ، نمبر ۳۰۷۶۵)اس قول تابعی میں ہے کہ مسلمان ذمی، یا اہل کتاب کے لئے وصیت کرے تو جائز ہے

ترجمہ: ۶ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ مستامن کے لئے مسلمان اور ذمی کی وصیت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ مستامن اہل حرب میں سے ہے، اس لئے کہ اس کا واپس دار الحرب جانے کا ارادہ ہے، اور اس کو جانے کی قدرت بھی دی جائے گی، اور ایک سال سے زیادہ اس کو یہاں ٹھہرنے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی، مگر جزیہ کے ساتھ (اس لئے اس کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے)

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ مستامن کے لئے مسلمان اور ذمی کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے

وجہ: اس کی دو وجہ ہیں۔۱۔پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ حربی ہے، حرب جانے کی نیت رکھتا ہے، اور جانے کی اجازت بھی دی جائے گی، اس لئے حربی پر تبرع کرنا اچھا نہیں ہے۔۲۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کو ایک سال سے زیادہ دار الاسلام میں نہیں رہنے دیا جائے گا، اور اگر رہے گا تو جزیہ دے کر رہے گا اور ذمی بن کر رہے گا، تو چونکہ وہ ابھی بھی حقیقت میں حربی ہے اس لئے اس پر وصیت کرنا جائز نہیں ہوگا

ترجمہ: ۷ اور اگر ذمی نے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر دی، یا اپنے ورثہ کے لئے وصیت کر دی تو مسلمانوں کے قانون پر قیاس کرتے ہوئے جائز نہیں ہے، اس لئے کہ جو چیزیں معاملات میں سے ہیں ان میں اس نے اسلام کے احکام کو لازم کیا ہے

تشریح: مسلمانوں کے یہاں ہے کہ تہائی مال سے زیادہ وصیت نہ کرے، اور یہ بھی ہے کہ اپنے ورثہ کے لئے وصیت نہ کرے، ذمی کی وصیت میں بھی اسی کی رعایت کی جائے گی، چنانچہ اگر ذمی نے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی، یا اپنے ورثہ کے لئے وصیت کی تو یہ نافذ نہیں کی جائے گی

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ وصیت معاملات میں سے ہے، اور ذمی دار الاسلام میں اسلام کے قانون کا پابند ہے اس لئے وہ

الْمُعَامَلَاتِ، ۸ وَلَوْ أَوْصٰى لِخِلَافِ مِلَّتِهِ جَازَ اِعْتِبَارًا بِالْإِرْثِ إِذِ الْكُفْرُ كُلُّهُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ، وَلَوْ أَوْصٰى لِحَرْبِيِّ فِيْ دَارِ الْإِسْلَامِ لَا يَجُوْزُ، لِأَنَّ الْإِرْثَ مُمْتَنِعٌ لِتَبَايُنِ الدَّارَيْنِ، وَالْوَصِيَّةُ أُخْتُهُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

بھی ایسی وصیت نہیں کر سکے گا۔

ترجمہ: ۸ اگر خلاف ملت (یعنی یہودی نے نصرانی کے لئے) وصیت کی تو جائز ہے، وراثت پر قیاس کرتے ہوئے، اس لئے کہ کفر کے سب مذہب ایک ہی ہے

تشریح: اپنے ملت کے خلاف کا مطلب یہ ہے کہ کفر کے ایک مذہب والے نے کفر کے دوسرے مذہب والے کو وصیت کی، مثلا یہودی نے عیسائی کو وصیت کی تو یہ جائز ہے

وجہ: (۱) سبھی کافر ہیں، اس لئے یوں سمجھو کہ سب ہی ایک مذہب والے ہیں، اس لئے ان میں وراثت بھی جاری ہوتی ہے، تو وصیت بھی کر سکتے ہیں۔ (۲)۔عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ: "وَصِيَّةُ الرَّجُلِ جَائِزَةٌ لِذِمِّيٍّ كَانَ أَوْ لِغَيْرِهِ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی الوصیۃ الی المراۃ، نمبر ۳۰۷۶۴) (۳)۔عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كَانَ يَقُولُ: »الْوَصِيَّةُ لِلْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ وَالْمَجُوسِيِّ وَلِلْمَمْلُوكِ جَائِزَةٌ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی الوصیۃ الی المراۃ، نمبر ۳۰۷۶۵)

ترجمہ: ۹ اور اگر کسی ذمی نے دار الاسلام میں رہتے ہوئے کسی حربی کے لئے وصیت کی تو جائز نہیں ہے، اس لئے کہ تبائن دار کی وجہ سے وراثت نہیں ہوسکتی ہے، تو وصیت تو وراثت کی بہن ہے اس لئے وصیت بھی نہیں ہوسکتی ہے۔

تشریح: ذمی دار الاسلام میں ہے، اور یہ کسی حربی کو جو دار الحرب میں ہے اس کو وصیت کرے تو جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الاسلام اور دار الحرب میں تبائن دار ہے، اس لئے دونوں میں وراثت نہیں ہوسکتی ہے، اور وصیت وراثت کی بہن ہے، اس لئے جب وراثت نہیں ہوسکتی ہے تو وصیت بھی نہیں ہوسکتی ہے (۲) اس قول تابعی میں ہے کہ حربی کے لئے وصیت جائز نہیں ہے۔ قَالَ سُفْيَانُ: »لَا يَجُوزُ وَصِيَّةٌ لِأَهْلِ الْحَرْبِ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۹۷ الوصیۃ لاھل الحرب، ج سادس، ص ۲۴۰، نمبر ۳۱۰۲۹) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ حربی کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْوَصِيِّ وَمَا يَمْلِكُهُ

(۱۰۴۰) قَالَ وَمَنْ أَوْصَى إِلَى رَجُلٍ فَقَبِلَ الْوَصِيُّ فِيْ وَجْهِ الْمُوْصِيْ وَرَدَّهَا فِيْ غَيْرِ وَجْهِهِ فَلَيْسَ بِرَدٍّ، ۱؎ لِأَنَّ الْمَيِّتَ مَضَى لِسَبِيْلِهِ مُعْتَمِدًا عَلَيْهِ فَلَوْ صَحَّ رَدُّهُ فِيْ غَيْرِ وَجْهِهِ فِيْ حَيَاتِهِ أَوْ بَعْدَ مَمَاتِهِ

باب الوصی وما یملکہ

نوٹ: پہلے یہ تھا کہ کس کے لئے کتنے مال کی وصیت کی، اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ کس کو وصی بنا سکتے ہیں، اور کس کو نہیں، اور اس کی ذمہ داری کیا ہے۔

وجہ: ان اقوال صحابہ میں وصی بنانے کا جواز ہے (۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، » كَانَ وَصِيًّا لِرَجُلٍ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی قبول الوصیۃ من کان یوصی الیہ۔ نمبر ۳۰۹۰۹) (۲) عَنْ صِلَةَ بْنِ زُفَرَ قَالَ: " كُنْتُ جَالِسًا إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ هَمْدَانَ عَلَى فَرَسٍ أَبْلَقَ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، اشْتَرِ هَذَا، قَالَ: وَمَا لَهُ؟ قَالَ: إِنَّ صَاحِبَهُ أَوْصَى إِلَيَّ، قَالَ: " لَا تَشْتَرِهِ، وَلَا تَسْتَقْرِضْ مِنْ مَالِهِ (بیہقی کبری، باب لایشتری من مالہ لنفسہ اذا کان وصیا، نمبر ۱۰۹۸۹) (۳) عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: »لَا تَكُونُ الْمَرْأَةُ وَصِيًّا، فَإِنْ فَعَلَ نَظَرَ إِلَى رَجُلٍ يُوْثَقُ بِهِ، فَجَعَلَ ذَلِكَ إِلَيْهِ« وَسَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ: قَالَ سُفْيَانُ: »تَكُونُ وَصِيًّا، وَرُبَّ امْرَأَةٍ خَيْرٌ مِنْ رَجُلٍ (مصنف ابن ابی شیبۃ باب فی الوصیۃ الی المراۃ، نمبر ۳۰۷۷۳) (۴) عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: الْوَصِيُّ بِمَنْزِلَةِ الْأَبِ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من قال امر الوصی جائز، وھو بمنزلتہ، نمبر ۳۰۹۶۷)

ترجمہ: (۱۰۴۰) اگر کسی نے کسی کو وصی بنایا، پھر وصی نے وصیت کرنے والے کے سامنے قبول کیا، لیکن اس کے غائبانہ میں رد کر دیا تو یہ رد نہیں ہوگا

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ وصی پر اعتماد کرتے ہوئے میت کا انتقال ہو چکا ہے، اس لئے اگر اس کی عدم موجودگی میں وصی کا رد صحیح ہو جائے، اس کی زندگی میں یا موصی کے مرنے کے بعد تو دھوکہ خوردہ ہو جائے گا، اس لئے وصی کی رد کو رد کر دیا جائے گا

تشریح: پہلے مسئلہ تھا کہ کس کے لئے کتنے مال کی وصیت کی، ابھی مسئلہ ہے کہ کس کو وصی اور ذمہ دار بنایا، کہ وہ مال کو اچھی طرح مستحقین پر خرچ کرے۔ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ وصی نے موصی کے سامنے یہ کہہ دیا کہ میں اس ذمہ داری کو قبول کرتا ہوں، تو اب اس ذمہ داری سے انکار کرنا ہو تو اس کے سامنے انکار کرنا ہوگا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ موصی دنیا سے جا چکا ہے اور یہ امید لیکر گیا ہے کہ یہ میرے مال کو صحیح طور پر تقسیم کرے گا، اب اس کے غائبانہ میں انکار کرے گا تو اس کو مایوسی ہوگی، اور میت کو ایک قسم کا دھوکہ ہوگا، اس لئے انکار کرنا ہو تو موصی کے سامنے انکار

صَارَ مَغْرُورًا مِنْ جِهَتِهِ فَرُدَّ رَدُّه ۲؎ بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِشِرَاءِ عَبْدٍ بِغَيْرِ عَيْنِهِ أَوْ بِبَيْعِ مَالِهِ حَيْثُ يَصِحُّ رَدُّهُ فِي غَيْرِ وَجْهِهِ لِأَنَّهُ لَا ضَرَرَ هُنَاكَ، لِأَنَّهُ حَيٌّ قَادِرٌ عَلَى التَّصَرُّفِ بِنَفْسِهِ.

(۱۰۴۱) فَإِنْ رَدَّهَا فِي وَجْهِهِ فَهُوَ رَدٌّ، ۱؎ لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلْمُوصِي وِلَايَةُ إِلْزَامِهِ التَّصَرُّفَ، وَلَا غُرُورَ فِيهِ، لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يُنِيبَ غَيْرَهُ،

کرے۔۔اور اگر موصی کے مرنے کے بعد ذمہ داری سے دست بردار ہونا چاہتا ہے تو قاضی کے سامنے دست بردار ہوتا کہ قاضی اس کی جگہ پر دوسرا وصی متعین کر سکے

لغت: فی وجہ الموصی: وصیت کرنے والے کے سامنے۔مضٰی لسبیلہ: اپنے راستے پر چلا گیا، یعنی مر گیا۔مغرور: غر سے مشتق ہے، دھوکہ کھانا۔

ترجمہ: ۲؎ بخلاف غیر متعین غلام کو خریدنے کا وکیل بنایا ہو، یا موکل کے مال کو بیچنے کا وکیل بنایا ہو تو موکل کے غائبانے میں بھی وکالت رد کرنے کا حق ہوگا، اس لئے کہ یہاں کوئی نقصان نہیں ہے، کیونکہ موکل زندہ ہے اور خود بھی تصرف کرنے پر قدرت رکھتا ہے

تشریح: یہاں تین باتوں میں فرق بیان کر رہے ہیں۔۱۔زید نے عمر کو کوئی غیر متعین غلام کو خریدنے کا وکیل بنایا، یا اپنا مال بیچنے کا وکیل بنایا تو، تو وکیل کو یہ حق ہے کہ موکل کے غائبانہ میں اپنی وکالت ختم کر دے، اس کی وجہ یہ ہے کہ موکل ابھی زندہ ہے اس لئے جب اس کو وکالت ختم ہونے کا پتہ چلے گا تو وہ خود بھی کوئی غلام خرید لائے گا، یا اپنا مال بیچ آئے گا، اس لئے اس کے غائبانے میں وکالت رد کرنے میں موکل کا نقصان نہیں ہے۔لیکن موصی کے مرنے کے بعد اپنی وصیت ختم کرے گا تو اس کو نقصان کرے گا، کیونکہ وہ اس پر اعتماد کر کے مرا تھا۔۲۔دوسری بات یہ ہے کہ اگر متعین غلام کے خریدنے کا وکیل بنایا تھا تو اب یہ وکیل موکل کے غائبانے میں اپنی وکالت ختم نہیں کر سکتا ہے،، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وکیل نے غائبانے میں وکالت ختم کر کے خود ہی اس غلام کو خرید لیا اور موکل کو نقصان دے دیا، اس لئے متعین غلام کے خریدنے میں موکل کے غائبانے میں اپنی وکالت ختم نہیں کر سکتا ہے۔

ترجمہ: (۱۰۴۱) پس اگر وصی نے موصی کے سامنے وصیت کو رد کر دیا تو رد ہو جائے گا

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ موصی کے تصرف کو لازم کرنے کا اختیار نہیں ہے، اور اس صورت میں موصی کو کوئی دھوکہ بھی نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ دوسرے کو نائب بنا دے

تشریح: وصی نے وصیت قبول کی تھی لیکن موصی کی سامنے اس کی زندگی ہی میں اس کا انکار کر دیا تو وصیت رد ہو جائے گی، کیونکہ موصی کو لازم کرنے کا اختیار نہیں ہے۔اور چونکہ وہ ابھی زندہ ہے اس لئے کسی دوسرے کو وصی بنا سکتا ہے، اس لئے اس میں کوئی دھوکہ بھی نہیں ہے

۲؎ وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْ وَلَمْ يَرُدَّ حَتّٰى مَاتَ الْمُوْصِيُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَبِلَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَقْبَلْ، لِأَنَّ الْمُوْصِيُ لَيْسَ لَهُ وِلَايَةُ الْإِلْزَامِ فَبَقِيَ مُخَيَّرًا ۳؎ فَلَوْ أَنَّهُ بَاعَ شَيْئًا مِنْ تَرِكَتِهٖ فَقَدْ لَزِمَتْهُ، لِأَنَّ ذٰلِكَ دَلَالَةُ الْاِلْتِزَامِ وَالْقَبُوْلِ وَهُوَ مُعْتَبَرٌ بَعْدَ الْمَوْتِ. وَيَنْفُذُ الْبَيْعُ لِصُدُوْرِهٖ مِنَ الْوَصِيِّ وَسَوَاءٌ عَلِمَ بِالْوَصَايَةِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ، ۴؎ بِخِلَافِ الْوَكِيْلِ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِالتَّوْكِيْلِ فَبَاعَ حَيْثُ لَا يَنْفُذُ، لِأَنَّ الْوَصَايَةَ

ترجمہ: ۲؎ اور اگر وصی نے ابھی قبول نہیں کیا تھا، اور نہ رد کیا تھا، یہاں تک کہ موصی کا انتقال ہو گیا تو وصی کو اختیار ہے چاہے تو موصی کی موت کے بعد قبول کرے، اور چاہے تو قبول نہ کرے، اس لئے کہ موصی کو لازم کرنے کا حق نہیں ہے، اس لئے اختیار پر باقی رہے گا

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ۳؎ لیکن وصی نے موصی کے ترکہ میں سے کچھ بیچ دیا، تو اب وصی کو وصیت لازم ہو گئی، اس لئے کہ یہ بیچنا وصیت کو اپنے اوپر لازم کر لینے اور قبول کر لینے کی دلیل ہے، اور یہ قبول کرنا موت کے بعد معتبر ہے، اور یہ بیع نافذ ہو جائے گی اس لئے کہ وصی کی جانب سے بیع صادر ہوئی ہے، چاہے وصی کو اپنے وصی بننے کا علم ہو یا نہ ہو

تشریح: وصی نے موصی کی زندگی میں نہ قبول کیا اور نہ رد کیا، بلکہ خاموش رہا۔ اب موصی کی موت کے بعد وصی نے موصی کے مال میں سے کچھ بیچ دیا، تو یہ بیچنا اس بات کی دلیل ہے کہ وصی نے وصایت کو قبول کر لیا ہے، ورنہ وہ میت کے مال کو نہ بیچتا۔ اور بیع نافذ ہو جائے گی، کیونکہ وصی بننے کے بعد بیچا ہے۔ دوسری بات بتاتے ہیں کہ وصی کو اپنے وصی بننے کا علم نہ بھی ہو تب بھی موصی کے مرنے کے بعد وہ وصی بن جاتا ہے، کیونکہ وصی خلافت ہے۔ جو خود بخود ہوتا ہے

ترجمہ: ۴؎ بخلاف وکیل کے کہ وہ وکیل بنانے کو نہیں جانتا ہو اور چیز بیچ دیا ہو تو بیع نافذ نہیں ہوگی، اس لئے کہ وصی بنانا خلافت ہے، اس لئے کہ میت کی ولایت کے منقطع ہونے کی حالت میں خاص ہے اس لئے وصی کی طرف ولایت منتقل ہو جائے گی، اور جب وصی ہونا خلیفہ ہونا ہے تو جاننے پر موقوف نہیں ہوگا، جیسے وراثت (میں خلیفہ ہونا ہوتا ہے تو وارث خلیفہ بن گیا اس کے جاننے پر موقوف نہیں ہے) بہر حال وکیل بنانا تو نائب بنانا ہے اس لئے کہ منیب کی ولایت کے قائم ہونے کی حالت میں ہوتا ہے اس لئے اس کے جانے بغیر وکالت صحیح نہیں ہوگی، جیسے بیچنے اور خریدنے کی ملکیت کو ثابت کرنا (بغیر علم کے نہیں ہوگا)

لغت: خلافۃ: پہلے نیابت اور خلافت میں فرق سمجھیں۔ میت کا انتقال ہو جائے تو ورثہ، اور وصی میت کا خلیفہ ہوتا ہے، خلیفہ میں یہ چار باتیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ میت کے مرنے کے بعد وارث اس کا خلیفہ بنے گا، میت کی زندگی میں نہیں ۔ ۲۔ دوسری بات۔ جن جن چیزوں کا مالک میت تھا ان چیزوں کا مالک ورثہ اور وصی بن جاتے ہیں ۔ ۳۔ تیسری بات۔ بغیر وارث کے قبول کے بھی وارث میت کے ترکہ کا مالک ہو جاتا ہے۔ ۴۔ چوتھی بات یہ ہے۔ کہ ورثہ کو اور وصی کو اس کا علم نہ بھی

خِلافَةٌ، لِأَنَّهٗ يَخْتَصُّ بِحَالِ انْقِطَاعِ وِلَايَةِ الْمَيِّتِ فَتَنْتَقِلُ الْوِلَايَةُ إِلَيْهِ وَإِذَا كَانَتْ خِلَافَةً لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى الْعِلْمِ كَالْوِرَاثَةِ، أَمَّا التَّوْكِيْلُ إِنَابَةٌ لِثُبُوْتِهٖ فِيْ حَالِ قِيَامِ وِلَايَةِ الْمُنِيْبِ فَلَا يَصِحُّ مِنْ غَيْرِ عِلْمِهٖ كَإِثْبَاتِ الْمِلْكِ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ، ۵؎ وَقَدْ بَيَّنَّا طَرِيْقَ الْعِلْمِ وَشَرْطَ الْإِخْبَارِ فِيْمَا تَقَدَّمَ مِنَ الْكُتُبِ.

(۱۰۴۲) وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْ حَتّٰى مَاتَ الْمُوْصِيْ فَقَالَ لَا أَقْبَلُ ثُمَّ قَالَ أَقْبَلُ فَلَهٗ ذٰلِكَ إِنْ لَمْ يَكُنِ الْقَاضِيْ أَخْرَجَهٗ مِنَ الْوَصِيَّةِ حِيْنَ قَالَ لَا أَقْبَلُ،

ہو کہ میں ترکہ کا مالک بن چکا ہوں تب بھی وہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔ نیابت: خریدنے کا وکیل موکل کا نائب ہوتا ہے۔ اس میں یہ چار باتیں ہوتی ہیں۔ ا۔ پہلی بات۔ موکل کی زندگی میں وکیل نائب بنتا ہے۔ ۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ وکیل کو وکیل بننے کا علم ہو تب جا کر وہ وکیل بنے گا، علم سے پہلے اس میں تصرف کرے گا تو تو وکالت کے طور پر تصرف نہیں سمجھا جائے گا۔ ۳۔ وکیل موکل کے غائبانہ میں بھی وکالت رد کرے گا تو رد ہو جائے گا، وصی میں ایسا نہیں ہوگا

تشریح: یہاں وصی میں اور وکیل میں فرق بیان کر رہے ہیں۔ وکیل کے طور پر بیچنے کے لئے وکیل کو اپنے وکالت کا علم ہونا ضروری ہے تب ہی اس کی بیع نافذ ہوگی۔ اور وصی کے طور پر چیز بیچنے کے لئے وصی کو اس کا علم ہونا ضروری نہیں ہے، اس کے علم کے بغیر بھی بیچ دے گا تو بیع نافذ ہو جائے گی۔

وجہ: وصی موصی کا خلیفہ ہوتا ہے، اس لئے خلیفہ بننے کے لئے علم ہونا ضروری نہیں، میت کے مرتے ہی خلیفہ بن جاتا ہے، جیسے وارث خلیفہ بنتا ہے۔ اور وکیل بننے کے لئے وکیل کو اس کا علم ہونا ضروری ہے۔ اس کی مثال دے رہے ہیں۔ ا۔ پہلی مثال یہ ہے کہ کسی کو کسی چیز کے بیچنے کا مالک بنایا جائے، یا خریدنے کا مالک بنایا جائے تو اس کو اس کا علم ہونا چاہئے کہ مجھے بیچنے کا یا خریدنے کا مالک بنایا ہے تب وہ بیچنے، یا خریدنے کا مالک ہوگا، اسی طرح وکالت میں بھی ضروری ہے کہ اس کو وکیل بننے کا علم ہو تب ہی وہ وکیل بنے گا ورنہ نہیں

ترجمہ: ۵؎ وکیل کو کن کن طریقوں سے وکیل بننے کا علم ہوگا، اور اس میں خبر کی شرط کیا ہے اس کو ہم نے پہلے بابوں میں بیان کیا ہے۔

تشریح: کوئی بھی وکیل کو خبر دے کہ آپ فلاں کے وکیل ہیں۔ چاہے خبر دینے والا آدمی آزاد ہو غلام ہو، عادل ہو، فاسق ہو، عورت ہو، مرد ہو، بالغ ہو بچہ ہو تو اس خبر سے وکالت ثابت ہو جائے گی

البتہ وکالت سے معزول کرنے کے لئے صاحبینؒ کے نزدیک اسی قسم کی خبر کافی ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں دو باتوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے، یا تو عادل ہو، اور اگر وہ مستور الحال ہو تو دو آدمی ہو تب وکیل اپنی وکالت سے معزول ہوگا

ترجمہ: (۱۰۴۲) اور اگر وصی نے وصایت کو قبول نہیں کیا یہاں تک کہ موصی کا انتقال ہو گیا، پھر کہا کہ قبول نہیں کروں گا، پھر کہا کہ میں قبول کرتا ہوں تو اس کو یہ حق ہے، اگر یہ کہتے وقت قاضی نے وصیت سے نکالا نہیں ہے تو

۱۔ لِأَنَّ بِمُجَرَّدِ قَوْلِهِ لَا أَقْبَلُ لَا يَبْطُلُ الْإِيصَاءُ، لِأَنَّ فِي إِبْطَالِهِ ضَرَرًا بِالْمَيِّتِ، وَضَرَرُ الْوَصِيِّ فِي الْإِبْقَاءِ مَجْبُورٌ بِالثَّوَابِ، وَدَفْعُ الْأَوَّلِ وَهُوَ أَعْلَى أَوْلَى ۲۔ إِلَّا أَنَّ الْقَاضِيَ إِذَا أَخْرَجَهُ عَنِ الْوَصَايَةِ يَصِحُّ ذٰلِكَ، لِأَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيهِ، إِذْ لِلْقَاضِي وِلَايَةُ دَفْعِ الضَّرَرِ، وَرُبَّمَا يَعْجِزُ عَنْ ذٰلِكَ فَيَتَضَرَّرُ بِبَقَاءِ الْوَصَايَةِ فَيَدْفَعُ الْقَاضِي الضَّرَرَ عَنْهُ وَيَنْصِبُ حَافِظًا لِمَالِ الْمَيِّتِ مُتَصَرِّفًا فِيهِ فَيَنْدَفِعُ الضَّرَرُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فَلِهٰذَا يَنْفُذُ إِخْرَاجُهُ

ترجمہ: ۱۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محض لا اقبل سے قبول کرنے کا حق باطل نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے باطل کرنے میں میت کا نقصان ہے، اور اس میں وصی کا بھی نقصان ہے، لیکن اس کا نقصان ثواب سے پورا کیا جائے گا، اور پہلے نقصان (میت کا نقصان) کا دفع کرنا اعلی اور اولی ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی وصی کو وصایت سے نکالے گا تب وہ نکلے گا، اس سے پہلے وہ وصی بن سکتا ہے

تشریح: موصی نے اپنی زندگی میں مثلا زید کو وصی بنایا، لیکن زید نے موصی کی زندگی میں کچھ نہیں کہا، اس کے مرنے کے بعد وصی بننے سے انکار کر دیا تو وہ ایسا کر سکتا ہے، کیونکہ کسی کو وصی بننے کے لئے مجبور نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن ابھی قاضی نے وصایت سے نکالا نہیں تھا کہ وصی نے دوبارہ وصایت قبول کر لیا تو وصی بن جائے گا

۔آگے فرماتے ہیں کہ وصی کے صرف قبول نہ کرنے سے وصایت سے نکال دیں تو اس میں میت کا نقصان ہے، کیونکہ وہ اس امید پر مرا ہے کہ میرا کام ایک صحیح آدمی کرے گا، اس لئے صرف انکار کرنے سے وصایت سے نہیں نکالا جائے گا، لیکن وصی کو وصی باقی رکھنے میں خود وصی کا بھی نقصان ہے کہ اس پر خواہ مخواہ ایک ذمہ داری ہے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ نقصان اس کو ثواب دیکر پورا کر دیا جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میت کا نقصان اعلی ہے، اور وصی کا نقصان ادنی ہے، اس لئے میت کے نقصان کو ملحوظ رکھتے ہوئے وصی برقرار رہے گا، اور وصی کے نقصان کو چھوڑ دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲۔ لیکن اگر قاضی نے وصی کو وصایت سے نکال دیا تو یہ صحیح ہے اس لئے کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اس لئے کہ قاضی کو نقصان کو دور کرنے کا حق ہے، کیونکہ کبھی وصی وصایت کو پورا کرنے سے عاجز ہوتا ہے تو وصایت کو باقی رکھنے میں میت کا نقصان ہے اس لئے قاضی اس سے ضرر دور کرے گا، اور میت کے مال کی حفاظت کرنے والا متعین کرے گا جو اس میں تصرف کرے اور دونوں جانب سے نقصان دور کرے، اس لئے قاضی کا نکالنا نافذ کیا جائے گا

تشریح: وصی کے انکار کے بعد قاضی وصایت سے اس کو نکال دے تو اب وصی وصایت سے نکل جائے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی بھی وصی کو باقی رکھے تو میت کا کام ٹھپ پڑ جائے گا اور اس کو نقصان ہوگا، اس لئے قاضی کو یہ حق ہے کہ اس کو وصایت سے نکال دے اور دوسرے کو اس کی جگہ پر متعین کر دے جو میت کے مال کی حفاظت بھی کرے اور صحیح تصرف بھی کرے، اور میت اور وصی دونوں کے نقصان کو دور کرے۔ اس لئے قاضی کے نکالنے کو نافذ کیا جائے گا، کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔

۳؎ فَلَوْ قَالَ بَعْدَ إِخْرَاجِ الْقَاضِيْ إِيَّاهُ أَقْبَلُ لَمْ يُلْتَفَتْ إِلَيْهِ، لِأَنَّهُ قَبِلَ بَعْدَ بُطْلَانِ الْوَصَايَةِ بِإِبْطَالِ الْقَاضِيْ.

(۱۰۴۳) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى إِلٰى عَبْدٍ أَوْ كَافِرٍ أَوْ فَاسِقٍ أَخْرَجَهُمُ الْقَاضِيْ عَنِ الْوَصَايَةِ وَنَصَبَ غَيْرَهُمْ، ۱؎ وَهٰذَا اللَّفْظُ يُشِيْرُ إِلٰى صِحَّةِ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّ الْإِخْرَاجَ يَكُوْنُ بَعْدَهَا

ترجمہ: ۳؎ اگر وصی نے قاضی کے نکالنے کے بعد کہا کہ میں اس وصایت کو قبول کرتا ہوں تو اس کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ قاضی کے باطل کرنے کے بعد وصایت باطل ہوگئی اس کے بعد وصی نے قبول کیا ہے

تشریح: قاضی نے وصی کو وصایت سے نکال دیا، جس کی وجہ سے وصی نکل گیا، اس کے بعد وصی کہتا ہے کہ میں وصیت کو قبول کرتا ہوں تو اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی، کیونکہ وصایت سے بالکل نکلنے کے بعد اس نے قبول کیا ہے۔

ترجمہ: (۱۰۴۳) کسی نے غلام کو یا کافر کو یا فاسق کو وصی بنایا تو قاضی ان کو وصایت سے نکال دے اور مقرر کردے ان کے علاوہ کو۔

تشریح: غلام یا کافر یا فاسق اس لائق نہیں ہیں کہ ان کو وصی بنائے اور وصیت کے مال پر نگران بنائے تو وہ لوگ وصی بن جائیں گے لیکن اب قاضی کا کام ہے کہ ان لوگوں کو وصایت سے نکال دے اور اس کی جگہ پر عاقل مسلمان اور عادل آدمی کو وصی مقرر کرے۔

وجہ: (۱) غلام، کافر اور فاسق، تینوں عاقل اور بالغ تو ہیں، اس لئے وہ وصی بن جائیں گے، لیکن ان تینوں میں کمی ہے اس لئے قاضی اس کو معزول کر کے دوسرے کو متعین کرے گا۔ (۲) اس قول تابعی میں ہے کہ اگر متہم آدمی کو وصی بنایا تو قاضی اس کو معزول کردے اور اس کی جگہ پر دوسرا عادل آدمی کو متعین کرے۔ عن عامر قال الوصی بمنزلة الوالد واذا اتهم الوصی عزل او جعل معه غیره (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۱ من قال وصیۃ العبد حیث جعلھا، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۷۴ / مصنف عبد الرزاق، الوصیۃ حیث یضعھا صاحبھا ووصیۃ المعتوہ ووصیۃ الرجل ثم یقتل والرجل یوصی بعبدہ۔ ج تاسع، ص ۹۵، نمبر ۱۶۴۸۶)

ترجمہ: ۱؎ یہ لفظ کہ، نصب غیرہم، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وصیت صحیح ہے، اس لئے کہ ان لوگوں کو وصایت سے نکالنا وصی بننے کے بعد ہی ہوگا

تشریح: یہ تینوں وصی بن جائیں گے یا نہیں، اس بارے میں دو رائیں ہیں۔ ۱۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ لوگ وصی ہی نہیں بنیں گے، اس لئے ان کو نکالنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کیونکہ تینوں میں صلاحیت کی کمی ہے۔ ۲۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ وصیت تو بن جائیں گے، البتہ کمی کی وجہ سے وصایت سے نکالا جائے گا، قدوری کی عبارت، نصب غیرہ، سے اشارہ ملتا ہے کہ وصی بن جائیں گے، بعد میں اس کی جگہ دوسرے کو متعین کیا جائے گا

۲ وَذَكَرَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فِي الْأَصْلِ أَنَّ الْوَصِيَّةَ بَاطِلَةٌ، قِيْلَ مَعْنَاهُ فِيْ جَمِيْعِ هٰذِهِ الصُّوَرِ أَنَّ الْوَصِيَّةَ سَتَبْطُلُ، وَقِيْلَ فِي الْعَبْدِ مَعْنَاهُ بَاطِلٌ حَقِيْقَةً لِعَدَمِ وِلَايَتِهِ وَاسْتِبْدَادِهِ، وَفِيْ غَيْرِهِ مَعْنَاهُ سَتَبْطُلُ، ۳ وَقِيْلَ فِي الْكَافِرِ بَاطِلٌ أَيْضًا لِعَدَمِ وِلَايَتِهِ عَلَى الْمُسْلِمِ. ۴ وَوَجْهُ الصِّحَّةِ ثُمَّ الْإِخْرَاجُ أَنَّ أَصْلَ النَّظَرِ ثَابِتٌ لِقُدْرَةِ الْعَبْدِ حَقِيْقَةً وَوِلَايَةُ الْفَاسِقِ عَلٰى أَصْلِنَا وَوِلَايَةُ الْكَافِرِ فِي الْجُمْلَةِ، إِلَّا

ترجمہ: ۲ حضرت امام محمدؒ نے مبسوط میں یہ لکھا ہے کہ ان کی وصایت باطل ہے، پھر بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان تمام صورتوں میں وصیت عن قریب باطل ہوگی، اور دوسرے بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ غلام میں حقیقت میں باطل ہوگی اس لئے کہ اس میں ولایت نہیں ہے، اور استقلال بھی نہیں ہے، اور غلام کے علاوہ میں اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ عن قریب باطل ہوگی

تشریح: امام محمدؒ نے اپنی کتاب مبسوط میں یہ ذکر کیا ہے کہ ان سب کی وصایت باطل ہوجائے گی۔ پھر اس عبارت کے دو مطلب بیان کیے ہیں۔ا۔ایک مطلب یہ ہے کہ وصایت باطل تو نہیں ہے، لیکن ان لوگوں میں اتنی کمی ہے کہ قاضی اس کو عن قریب باطل کردے گا۔اور دوسرے حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ غلام میں تو واقعی وصایت باطل ہوجائے گی، کیونکہ اس میں ولایت نہیں ہے، اور استقلال بھی نہیں ہے، یعنی ہر کام کرنے میں آقا کی اجازت کا محتاج ہے، اس لئے اس کی وصایت تو باطل ہوگی، باقی کافر کی اور فاسق کی وصایت باطل نہیں ہوگی، البتہ قاضی کو باطل کردینی چاہئے۔

مبسوط کی عبارت یہ ہے۔وإذا أوصى الرجل إلى عبد غيره فالوصية إليه باطل (کتاب الاصل، باب کتاب الوصی و الوصیۃ، ج ۵، ص ۴۹۴)

ترجمہ: ۳ بعض حضرات نے فرمایا کہ کافر کو وصی بنایا تو باطل ہے، کیونکہ مسلمان پر اس کی ولایت نہیں ہے۔

تشریح: مبسوط کی عبارت ذمی اور حربی کے بارے میں یہ ہے، جس میں ہے کہ ان کو وصی بنانا باطل ہے۔وإذا أوصى المسلم إلى ذمي فالوصية إليه باطل لا يجوز. وكذلك لو أوصى إلى رجل من أهل الحرب مستأمن أو غير مستأمن فهو باطل لا تجوز الوصية إليه . . (کتاب الاصل، باب کتاب الوصی والوصیۃ، ج ۵، ص ۴۹۵)

ترجمہ: ۴ ان تینوں کا وصی بننا صحیح ہے اس کے بعد نکالنے کی وجہ یہ ہے کہ شفقت ثابت ہے، غلام کے حقیقت میں قدرت ہونے کی وجہ سے (کیونکہ وہ عاقل بالغ ہے)، اور ہمارے قاعدے کے اعتبار سے فاسق کی ولایت ہے، اور کسی نہ کسی درجے میں کافر کی بھی مسلمان پر ولایت کی وجہ سے، لیکن ان میں شفقت پوری نہیں ہے، کیونکہ غلام کی ولایت آقا کی اجازت پر موقوف ہے، اور غلام کو اجازت دینے کے بعد بھی غلام کو ولایت سے روک سکتا ہے

تشریح: اس عبارت میں اس رائے کی تشریح ہے کہ یہ تینوں کیوں وصی بن جائیں گے، اور بعد میں کیوں ان کو ہٹایا جاسکتا ہے۔

أَنَّهُ لَمْ يَتِمَّ النَّظَرُ لِتَوَقُّفِ وِلَايَةِ الْعَبْدِ عَلٰى إِجَازَةِ الْمَوْلٰى وَتَمَكُّنِهِ مِنَ الْحَجْرِ بَعْدَهَا، ۵ وَالْمُعَادَاةِ الدِّيْنِيَّةِ الْبَاعِثَةِ لِلْكَافِرِ عَلٰى تَرْكِ النَّظَرِ فِيْ حَقِّ الْمُسْلِمِ وَاتِّهَامِ الْفَاسِقِ بِالْخِيَانَةِ فَيُخْرِجُهُ الْقَاضِيْ مِنَ الْوَصَايَا وَيُقِيْمُ غَيْرَهُ مَقَامَهُ إِتْمَامًا لِلنَّظَرِ،

۔ا۔فرماتے ہیں کہ غلام عاقل بالغ ہے اس لئے بنیادی طور پر وہ وصی بن سکتا ہے،لیکن آقا کی اجازت پر وصایت ہوگی۔اور یہ بھی خطرہ ہے کہ آقا وصی بننے کی اجازت دے اور بعد میں وصی بننے سے روک دے اس لئے اس کمی کی وجہ سے اس کو ہٹایا جا سکتا ہے۔

۔۲۔اور فاسق کا حال یہ ہے کہ وہ عاقل ہے، بالغ ہے، مسلمان ہے، اس لئے ہمارے قاعدے کے اعتبار سے وہ مسلمان کا وصی بن سکتا ہے،لیکن فاسق ہونے کی وجہ سے مال میں خیانت کا خطرہ ہے اس لئے قاضی اس کو ہٹا سکتا ہے

۔۳۔کافر نے مسلمان غلام کو خرید لیا تو یہ کافر مسلمان غلام کا ولی بنے گا ،تو اس صورت میں کافر مسلمان کا ولی بن سکتا ہے، اس لئے کسی نہ کسی صورت میں کافر مسلمان کا ولی ہے

وجه: (۱) اس قول تابعی میں ہے کہ غلام کسی کو وصی نہیں بنا سکتا ہے تو وہ دوسرے کا وصی کیسے بنے گا۔ سال طهمان ابن عباس ايوصى العبد ؟قال لا. (مصنف ابن ابی شیبة ۔۴۰ فی العبد یوصی اتجوز وصیته، ج سادس ،ص ۲۲۴،نمبر ۳۰۸۲۷/ مصنف عبد الرزاق، الرجل یوصی لامه وھی ام ولد لابیه والذی یوصی لعبده، ج تاسع ،ص ۹۰،نمبر ۱۶۴۶۵)

لغت: و تمكنه الحجر بعد ها :اجازت کے بعد بھی آقا کو روکنے کا حق ہے۔آقا نے غلام کو وصایت کے کام کاج کرنے کی اجازت دے دی ،لیکن اس کے بعد بھی وہ غلام کو وصایت کے کام کاج کرنے سے روک سکتا ہے، اس لئے غلام پورے طور پر وصایت کے کام کرنے سے قاصر ہے،اس لئے دوسرے کے غلام کو بھی وصی نہیں بنانا چاہئے

ترجمه: ۵ اور کافر کی دینی دشمنی کی شفقت کے چھوڑنے پر ابھارتی ہے مسلمان کے حق میں،اور فاسق خیانت میں متہم میں ہے اس لئے قاضی اس کو وصایت سے نکالنے کا مجاز ہوگا ،اور اس کی جگہ پر دوسروں کو متعین کرے گا ،شفقت کو پورا کرنے کے لئے

تشريح: کافر میں کسی نہ کسی درجے مسلمان پر ولایت تو ہے لیکن اس کے دل میں مسلمان کی دشمنی ہے اس لئے وہ پوری شفقت نہیں کر پائے گا اس لئے قاضی اس کی ولایت ختم کرنے کا مجاز ہوگا

وجه: (۱)اس آیت میں ہے کہ کافر کو ولی مت بناو۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا (سورت النساء ۴، آیت ۱۴۴)(۲)اس قول تابعی میں ہے کہ حربی کو وصی بنانا جائز نہیں ہے۔قَالَ سُفْيَانُ: »لَا يَجُوزُ وَصِيَّةٌ لِأَهْلِ الْحَرْبِ (مصنف ابن ابی شیبة ،۷۹ الوصیة لاھل الحرب، ج سادس ،ص ۲۴۰،نمبر ۳۱۰۲۹)

لغت: المعادات: عداوۃ سے مشتق ہے، دشمنی۔الباعث: بعث سے مشتق ہے، بھڑکانے والا۔النظر: غور کرنا، یہاں مراد ہے

٦ وَشُرِطَ فِي الْأَصْلِ أَنْ يَكُوْنَ الْفَاسِقُ مُخَوَّفًا عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَهٰذَا يَصْلُحُ عُذْرًا فِيْ إِخْرَاجِهِ وَتَبْدِيْلِهِ بِغَيْرِهِ.

(۱۰۴۴) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى إِلٰى عَبْدِ نَفْسِهِ وَفِي الْوَرَثَةِ كِبَارٌ لَمْ تَصِحَّ الْوَصِيَّةُ، ١ لِأَنَّ لِلْكَبِيْرِ أَنْ يَمْنَعَهُ أَوْ

شفقت کرنا، اور دل سے کام کرنا۔

ترجمہ: ٦ اور مبسوط میں یہ شرط ہے کہ ایسا فاسق ہو جس پر مال میں خیانت کا خوف ہو (تو اس کو وصایت سے نکالنے کا مجاز ہوگا) اور یہ نکالنے میں اور اس کی جگہ دوسرے کو لانے کا عذر ہوگا

تشریح: مبسوط میں یہ ہے کہ ایسے فاسق کو وصی بنا دیا جس پر خوف ہے کہ میت کے مال میں خیانت کرے گا، تو ایسے فاسق کو وصایت سے نکالنے کے لئے یہ عذر ہے

مبسوط کی عبارت یہ ہے۔ وإذا أوصى الرجل إلى الفاسق المتهم المخوف على ماله فالوصية إليه باطل، ويجعل القاضي مكانه وصياً. (کتاب الاصل، باب کتاب الوصی والوصیۃ، ج ۵، ص ۴۹۵)

وجہ: (۱) اس آیت میں ہے کہ عادل آدمی کو گواہ بناو، فاسق کو مت بناو۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنكُمْ (سورت المائدۃ ۵، آیت ۱۰۶) (۲) اس آیت میں ہے کہ فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، اس تاکید کی وجہ سے وصایت میں بھی زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِين (سورت الحجرات ۴۹، آیت ۶)

ترجمہ: (۱۰۴۴) کسی نے اپنے غلام کے لئے وصیت کی اور ورثہ میں بڑے ہیں تو وصیت صحیح نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ جو بالغ وارث ہے وہ غلام کو وصایت کے کام کاج کرنے سے روکے گا۔ یا بالغ وارث اپنے حصے کو بیچ دیگا، تو خریدنے والا وصایت کے کام کاج سے روکے گا، اس طرح غلام کام کاج پورا کرنے سے عاجز ہو جائے گا اس لئے غلام کو وصی بنانے سے فائدہ نہیں ہے

تشریح: پہلے مسئلے میں تھا کہ دوسرے کے غلام کو وصی بنائے۔ اب یہ ہے کہ امیت اپنے ہی غلام کو وصی بنائے۔ میت کے ورثہ میں بالغ آدمی موجود ہے پھر بھی اپنے غلام کو وصی بنایا تو اس کو وصی بنانا صحیح نہیں ہے۔ اس کے لئے یہاں دو وجہ بیان کر رہے ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ بالغ وارث اس غلام کو وصایت کے کام کرنے سے روک دیگا تو وصی بنانے سے فائدہ کیا ہوگا۔ ۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بالغ وارث کا جو حصہ غلام میں ہے، اپنا وہ حصہ بیچ دیگا، اور خریدنے والے نے غلام کو وصایت کے کام کرنے سے روک دے تو غلام کو وصی بنانے سے کیا فائدہ ہوگا، اس لئے وارث میں ایک بھی بالغ ہو تو اپنے غلام کو وصی بنانا جائز نہیں ہے

وجہ: (۱) اوپر گزرا کہ غلام وصی نہیں بن سکتا۔ وہ اپنے آقا کی وجہ سے مجبور ہے (۲) اور یہاں تو غلام کو وصی مان لیں تو بالغ

يَبِيعَ نَصِيبَهُ فَيَمْنَعُهُ الْمُشْتَرِي فَيَعْجِزُ عَنِ الْوَفَاءِ بِحَقِّ الْوَصَايَةِ فَلَا يُفِيدُ فَائِدَتَهُ، ٢ وَإِنْ كَانُوا صِغَارًا كُلُّهُمْ فَالْوَصِيَّةُ إِلَيْهِ جَائِزَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَلَا تَجُوزُ عِنْدَهُمَا وَهُوَ الْقِيَاسُ، وَقِيلَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ مُضْطَرِبٌ فِيهِ يُرْوٰى مَرَّةً مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَتَارَةً مَعَ أَبِي يُوسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّ الْوِلَايَةَ مُنْعَدِمَةٌ لِمَا أَنَّ الرِّقَّ يُنَافِيهَا، وَلِأَنَّ فِيهِ إِثْبَاتَ الْوِلَايَةِ لِلْمَمْلُوكِ عَلَى الْمَالِكِ وَهٰذَا قَلْبُ الْمَشْرُوعِ، ٣ وَلِأَنَّ الْوِلَايَةَ الصَّادِرَةَ مِنَ الْأَبِ لَا يَتَجَزّٰى وَفِي

آزاد پر اس کی نگرانی ہو جائے گی اور غلام بالغ آزاد پر نگرانی نہیں کر سکتا اس لئے غلام کو وصی بنانا صحیح نہیں ہے (۳) اس صورت میں آزاد بالغ کی حق تلفی بھی ہے کہ آزاد اور بالغ ہوتے ہوئے غلام کو وصی اور نگران بنایا۔ اس لئے غلام کو وصی بنانا صحیح نہیں ہے (۴)۔ قول صحابی میں ہے کہ وصیت میں نقصان دینا بھی کبیرہ گناہ ہے، اور آزاد کے رہتے ہوئے غلام کو وصی بنانا گویا کہ کبیرہ گناہ ہے اس لئے یہ جائز نہیں ہوگا۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: »الضِّرَارُ فِي الْوَصِيَّةِ مِنَ الْكَبَائِرِ «، ثُمَّ تَلَا: (غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللّٰهِ (سورت النساء ۴، آیت ۱۲) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۷ من کان یوصی ویستحبھا، ج سادس، ص ۲۲۹، نمبر ۳۰۹۲۴)

ترجمہ: ٢ اور اگر سب ورثہ چھوٹے ہوں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ وصیت جائز ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے، اور امام محمدؒ کا قول اس بارے میں مضطرب ہے، ایک روایت یہ ہے کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں، اور کبھی ان کی روایت ہے کہ وہ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں، قیاس کی وجہ یہ ہے کہ غلام میں ولایت نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں جو غلامیت ہے وہ ولایت کے منافی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں مملوک کا مالک پر ولایت ہو جائے گی، اور قلب مشروع ہے

تشریح: یہ دوسری صورت ہے، جس نے غلام کو وصی بنایا اس کے ورثہ میں سبھی لوگ نابالغ ہیں، تو اس صورت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ اس صورت میں غلام کی وصایت جائز ہے، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے، اور امام محمدؒ کی رائے مضطرب ہے، ایک روایت میں وہ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں، اور دوسری روایت میں وہ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چھوٹے ورثہ کے باوجود غلام کی وصایت صحیح نہیں ہے، ان کی یہ تین وجہ ہیں

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ رقیت، اور غلامیت کی وجہ سے غلام میں وصی بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ ۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر غلام کو بچوں کا وصی بنا دیں تو، اصل یہ ہے کہ بچے غلام کے ولی ہیں اور یہاں اس کا الٹا ہو جائے گا کہ غلام اپنے مالک کا ولی بن جائے گا، یہ خلاف مشروع ہے

ترجمہ: ٣ اور اس لئے (بھی غلام کی وصایت صحیح نہیں ہے) کہ باپ سے جو ولایت آئی ہے اس میں ٹکڑا نہیں تھا، اور غلام

اِعْتِبَارِ هٰذِهِ تَجْزِيَتُهَا لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ بَيْعَ رَقَبَتِهِ. وَهٰذَا نَقْضُ الْمَوْضُوعِ. ۴ وَلَهُ أَنَّهُ مُخَاطَبٌ مُسْتَبِدٌّ بِالتَّصَرُّفِ فَيَكُوْنُ أَهْلًا لِلْوِصَايَةِ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ عَلَيْهِ وِلَايَةٌ فَإِنَّ الصِّغَارَ وَإِنْ كَانُوْا مُلَّاكًا لَيْسَ لَهُمْ وِلَايَةُ الْمَنْعِ فَلَا مُنَافَاةَ، وَإِيْصَاءُ الْمَوْلٰى إِلَيْهِ يُؤْذِنُ بِكَوْنِهِ نَاظِرًا لَهُمْ، وَصَارَ كَالْمُكَاتَبِ،

کو وصی بنانے میں ٹکڑا ہوتا ہے، اس لئے غلام خود اپنی ذات کو نہیں بیچ سکتا ہے، اور یہ موضوع کو توڑنا ہے

تشریح: اپنے غلام کو چھوٹوں پر وصی نہ بنانے کی یہ تیسری دلیل ہے، اور ذرا منطقی ہے۔ موصی کو یہ دو اختیار تھے۔ ا۔ یہ بھی اختیار تھا کہ اس غلام کو بیچ دے۔ ۲۔ اور یہ بھی اختیار تھا کہ اپنی چیز کو بیچے، اور خلافت کی وجہ سے غلام کو یہ دونوں اختیار ہونے چاہیے، لیکن غلام کا حال یہ ہے کہ یہ موصی کے مال کو بیچ سکتا ہے، لیکن خود اپنی ذات کو نہیں بیچ سکتا ہے، تو وصیت میں یہ تجزی، اور ٹکڑا ہو گیا، یہ نقض موضوع ہے، اس لئے چھوٹوں پر بھی غلام کو وصی بنانا صحیح نہیں ہے

لغت: نقض موضوع: جو موضوع چل رہا اسی کو چلانا اصل ہے، اس کے خلاف کرنا یہ نقض موضوع ہے۔ غلام خود اپنے آپ کو نہیں بیچ سکتا یہ نقض موضوع ہوا

ترجمہ: ۴ (غلام کو چھوٹوں پر وصی بنانا صحیح ہے اس کے لئے امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے) کہ غلام مخاطب ہے، تصرف کے سلسلے میں مستقل ہے اس لئے وہ وصیت کا اہل ہوگا، دوسری بات یہ ہے کہ اس غلام پر کسی کی ولایت نہیں ہے، اس لئے کہ چھوٹے اگر چہ مالک ہیں لیکن ان کو روکنے کی ولایت نہیں ہے اس لئے کوئی منافات نہیں ہے، اور تیسری بات یہ ہے کہ آقا کا غلام کو وصی بنانا چھوٹوں پر شفیق ہونے کی علامت ہے، اس لئے یہ غلام مکاتب کی طرح ہو گیا۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ۔ غلام میں ولایت کی کمی ہے، لیکن مرنے والا اپنے چھوٹے بچوں کے لئے اسی کو مشفق اور مہرباں سمجھتا ہے اس لئے اس کو وصی بنایا جائے

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ، غلام میں ولایت کی کمی ہے اس لئے اس کو چھوٹے بچوں کا بھی وصی نہ بنایا جائے

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے یہاں چھوٹوں پر اپنے غلام کو وصی بنانا جائز ہے، اس کے لئے پانچ دلیلیں دے رہے ہیں۔ ا۔ پہلی دلیل۔ غلام عاقل اور بالغ ہونے کی وجہ سے شریعت کا مخاطب ہے۔ ۲۔ دوسری دلیل۔ دوسرے کا غلام ہوتا تو وصایت کے مال کو بیچنے خریدنے میں اور تصرف کرنے میں مستقل نہیں ہوتا، اپنے آقا کی اجازت کا محتاج ہوتا، یہاں میت کا غلام ہے جس نے وصی بنا کر اس کو تصرف کرنے کی اجازت دی ہے اس لئے موصی کے مال میں تصرف کرنے کا مستقل ہے، اور مستبد ہے۔ اس لئے اس میں وصی بننے کی اہلیت ہے۔ ۳۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ۔ بچے چھوٹے ہیں وہ غلام کے مالک تو ہیں، لیکن چھوٹے ہونے کی وجہ سے مال میں تصرف کرنے اور خرید و فروخت کرنے سے غلام کو منع نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لئے مملوک ہونے اور تصرف کی اہلیت ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے۔ ۴۔ چوتھی دلیل یہ ہے۔ کہ میت نے اس کو وصی اور نگراں متعین کیا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لئے اس غلام کو شفیق اور ناظر سمجھتے تھے، اس لئے اس کی بات کو مانتے ہوئے بھی اس

۵ وَالْوَصَايَةُ قَدْ تَتَجَزّٰى عَلٰى مَا هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، ۶ أَوْ نَقُوْلُ يُصَارُ إِلَيْهِ كَيْ لَا يُؤَدِّيْ إِلٰى إِبْطَالِ أَصْلِهِ وَتَغْيِيْرِ الْوَصْفِ لِتَصْحِيْحِ الْأَصْلِ أَوْلٰى.

(۱۰۴۵) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى إِلٰى مَنْ يَعْجِزُ عَنِ الْقِيَامِ بِالْوَصِيَّةِ ضَمَّ إِلَيْهِ الْقَاضِيْ غَيْرَهُ ۱ رِعَايَةً لِحَقِّ الْمُوْصِيْ وَالْوَرَثَةِ، وَهٰذَا لِأَنَّ تَكْمِيْلَ النَّظْرِ يَحْصُلُ بِضَمِّ الْاٰخَرِ إِلَيْهِ لِصِيَانَتِهِ وَبَعْضِ كِفَايَتِهِ فَيَتِمُّ

کا وصی بنانا صحیح ہے۔۵۔ پانچویں دلیل یہ ہے۔ کہ موصی اپنے مکاتب غلام کو اپنے چھوٹے بچوں کے لئے وصی بنا سکتا ہے تو یہ خالص غلام بھی مکاتب کی طرح ہو گیا اور اس کا وصی بنانا بھی صحیح ہوگا۔

ترجمہ: ۵ اور وصایت کا ٹکڑا ہوتا ہے، امام ابو حنیفہؒ سے یہ مروی ہے

تشریح: یہ صاحبینؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ غلام کو وصی بنانے میں وصایت کا ٹکڑا ہو ہوگا، کہ موصی اپنے مال بیچنے کا، اور غلام بیچنے کا مالک تھا، اور غلام خود اپنے کو بیچنے کا مالک نہیں ہوگا تو یہ وصایت کا ٹکڑا کرنا ہوگا جو خلیفہ بننے کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ۔ وصایت کا ٹکڑا ہونا جائز ہے، مثلا موصی اپنی چیز بیچنے کا مالک تھا ، اور قرض وصول کرنے کا بھی مالک تھا، لیکن اس نے مثلا زید کو اپنی چیز بیچنے کی وصیت کی، اور عمر کو قرض وصول کرنے کی وصیت کی ، تو یہاں دیکھئے زید بیچنے اور قرض وصول کرنے دونوں چیزوں کا مالک نہیں ہے، صرف ایک چیز کا مالک ہے تو وصایت میں تجزی تو ہو گئی، اس لئے غلام کے اختیار میں تجزی اور ٹکڑا ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے

ترجمہ: ۶ اور یہ بات بھی کہتے ہیں کہ تجزی کی طرف جایا جائے تاکہ موصی کی اصل وصیت باطل نہ ہو جائے، اور اصل کی تصحیح کرنے کے لئے وصف کو متغیر کرنا اولی ہے

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے دوسرا جواب ہے۔ موصی عاقل بالغ آدمی ہے، اس نے غلام کو وصی بنایا ہے، اب اس کے اختیارات میں تجزی کی وجہ سے وصی نہ بنائیں تو عاقل بالغ آدمی کی بات باطل ہوتی ہے اور اس کی امیدوں پر پانی پھرتا ہے ، اس لئے غلام کی ولایت میں کمی ہونے کے باوجود اصل وصیت کی تصحیح کرنا زیادہ بہتر ہے۔

لغت: تغیر الوصف: ، وصف بدل جائے، یہ منطقی جملہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غلام کی صفت یہ تھی کہ تجزی نہ ہو، لیکن یہاں تجزی ہو جاتی ہے، اور وصف متغیر ہو جاتا ہے

ترجمہ: (۱۰۴۵) کسی نے ایسے آدمی کو وصیت کی جو اس کو انجام دینے سے عاجز ہے تو قاضی اس کے ساتھ اس کے علاوہ کو شامل کر دے۔

ترجمہ: ۱ وصیت کرنے والا اور ورثہ دونوں کی حق کی رعایت کے لئے قاضی ایسا کرے گا، اور اس لئے کہ دوسرے کو وصی کے ساتھ ملا کر شفقت اور مصلحت کی تکمیل ہوگی ، وصی کی حفاظت اور صیانت کی وجہ سے اور بعض کاموں میں اس کی کفایت بھی

النَّظَرُ بِإِعَانَةِ غَيْرِهِ. ٢ وَلَوْ شَكَى إِلَيْهِ الْوَصِيُّ ذٰلِكَ لَا يُجِيبُهُ حَتّٰى يَعْرِفَ ذٰلِكَ حَقِيقَةً، لِأَنَّ الشَّاكِيَ قَدْ يَكُونُ كَاذِبًا تَخْفِيفًا عَلٰى نَفْسِهِ، وَإِذَا ظَهَرَ عِنْدَ الْقَاضِيْ عَجْزُهُ أَصْلًا اِسْتَبْدَلَ بِهِ رِعَايَةً لِلنَّظَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، ٣ وَلَوْ كَانَ قَادِرًا عَلَى التَّصَرُّفِ اَمِيْنًا فِيْهِ لَيْسَ لِلْقَاضِيْ أَنْ يُخْرِجَهُ، لِأَنَّهُ لَوْ

کرے گا، اس طرح دوسرے کی مدد سے مصلحت مکمل ہو جائے گی

تشریح: موصی نے ایسے آدمی کو وصی بنایا جو وصیت کو کما حقہ انجام نہیں دے سکتا تو قاضی کسی اچھے آدمی کو اس کے ساتھ شامل کر دے تاکہ وصیت اچھی طرح انجام پا سکے۔ اس میں وصی کو معزول بھی نہیں کیا، تاکہ اس کی بے عزتی نہ ہو بلکہ اس کی عزت کی حفاظت ہو گئی، اور جو دوسرا آدمی معین ہو گا وہ وصایت کا کچھ کام کر لیگا تو وصی کی مدد بھی ہو جائے گی، دوسرے وصی کو شامل کرنے میں تینوں کا فائدہ ہے۔ ا۔ موصی کی تمنا پوری رہے گی، کہ اس کے وصی کو معزول نہیں کیا بلکہ بحال رکھا۔ ۲۔ وصی کی تمنا پوری ہو گی کہ اس کو ایک معین اور مددگار مل گیا۔ ۳۔ اور ورثہ کے کام میں جو کمی آئی ہو وہ بھی یہ دوسرا وصی پورا کر دیگا، اس طرح تینوں کا کام چل جائے گا

وجہ: عَنْ جَابِرٍ، عَنْ عَامِرٍ قَالَ: »اَلْوَصِيُّ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ، وَإِذَا اتُّهِمَ الْوَصِيُّ عُزِلَ أَوْ جُعِلَ مَعَهُ غَيْرُهُ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۱ من قال وصیۃ العبد حیث جعلھا، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۷۴/مصنف عبد الرزاق، الوصیۃ حیث یضعھا صاحبھا ووصیۃ المعتوہ ووصیۃ الرجل ثم یقتل والرجل یوصی بعبدہ۔ ج تاسع، ص ۹۵، نمبر ۱۶۴۸۶) اس قول تابعی میں ہے کہ وصی متہم ہو یا کوئی خامی ہو تو اس کو معزول کر دے یا اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شامل کرے۔ اس لئے کہ یہاں وصیت انجام دینے سے عاجز ہے تو دوسرے کو اس کے ساتھ شامل کر دے۔ تاکہ موصی کی بات بھی رہ جائے اور وصیت بھی اچھی طرح انجام پا جائے۔

ترجمہ: ٢ اگر وصی نے قاضی سے شکایت کی کام کرنے سے عاجز ہوں تو قاضی اس کا جواب نہیں دے گا، یہاں تک کی اس کی حقیقت کا علم نہ ہو جائے، اس لئے کہ شکایت کرنے والا اپنے اوپر تخفیف کے لئے بھی جھوٹ بولتا ہے، اور اگر قاضی کے سامنے یقیناً اس کی عاجزی ظاہر ہو جائے تو دونوں جانب کی رعایت کرتے ہوئے اس کو بدل دیگا

تشریح: یہاں سے یہ مسئلہ ہے کہ وصی تصرف کرنے میں کمزور ہے تو قاضی کیا کرے۔ اس کے لئے یہاں تین صورتیں بیان کر رہے ہیں۔ ۱۔ پہلی صورت۔ خود وصی نے قاضی سے شکایت کی کہ میں وصایت کے کام کاج کرنے سے عاجز ہوں، تو قاضی ابھی اس کو معزول نہیں کریں گے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اپنے سے بوجھ کو کم کرنے کے لئے یہ جھوٹ بول رہا ہے، البتہ قاضی اس کی تحقیق کریں گے، اور واقعی وہ عاجز ہو تو اس کو معزول کر کے دوسرے کو اس کی جگہ پر مقرر کریں گے

ترجمہ: ٣ اور اگر وصی تصرف کرنے پر قادر ہو اور امین بھی ہو تو قاضی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس وصی کو نکالے، اس لئے کہ اگر دوسرے کو منتخب کرے گا تو وہ اصل وصی سے کم ہو گا اس لئے کہ اصل وصی میت کا منتخب شدہ ہے، اور اس کا پسندیدہ ہے

اِخْتَارَ غَيْرَهُ كَانَ دُونَهُ لِمَا أَنَّهُ كَانَ مُخْتَارَ الْمَيِّتِ وَمَرْضِيَّهُ فَإِبْقَاؤُهُ أَوْلٰى، وَلِهٰذَا قُدِّمَ عَلٰى أَبِ الْمَيِّتِ مَعَ وُفُوْرِ شَفَقَتِهِ فَأَوْلٰى أَنْ يُقَدَّمَ عَلٰى غَيْرِهِ. ۴ وَكَذَا إِذَا شَكَى الْوَرَثَةُ أَوْ بَعْضُهُمُ الْوَصِيَّ إِلَى الْقَاضِيْ فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِيْ لَهُ أَنْ يَعْزِلَهُ حَتّٰى تَبْدُوَ لَهُ مِنْهُ خِيَانَةٌ، لِأَنَّهُ اِسْتَفَادَ الْوِلَايَةَ مِنَ الْمَيِّتِ غَيْرَ أَنَّهُ إِذَا ظَهَرَتِ الْخِيَانَةُ فَالْمَيِّتُ إِنَّمَا نَصَبَهُ وَصِيًّا لِأَمَانَتِهِ وَقَدْ فَاتَتْ، وَلَوْ كَانَ فِي الْأَحْيَاءِ لَأَخْرَجَهُ مِنْهَا فَعِنْدَ عِجْزِهِ يَنُوْبُ الْقَاضِيْ مَنَابَهُ كَأَنَّهُ لَا وَصِيَّ لَهُ.

اس لئے اس کو باقی رکھنا اولی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر میت کا باپ موجود ہو تو اس میں شفقت کامل کے باوجود وصی کو مقدم کیا جائے گا اس لئے یہاں بھی زیادہ بہتر ہے کہ دوسرے وصی پر اس کو مقدم رکھے

تشریح: ۔۲۔ یہ دوسری صورت ہے۔ وصی نے عاجز ہونے کی شکایت کی لیکن قاضی نے دیکھا کہ وہ وصایت میں تصرف کر سکتے ہیں، اور امانت دار بھی ہیں تو اب قاضی اس کو الگ نہیں کریں گے اور اس کی جگہ پر دوسرے کو نہیں لائیں گے

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وصی میت کا منتخب شدہ ہے اور پسندیدہ ہے، اب اس کی جگہ جس کو لائیں گے وہ میت کا منتخب شدہ اور پسندیدہ نہیں ہوگا، بلکہ اس سے کم ہوگا، اور کوئی کمی بھی نہیں ہے، وصایت کا کام کاج بھی کر سکتا ہے، اور امین بھی ہے اس لئے اس کو معزول کرنا بہتر نہیں ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر میت کا باپ موجود ہو تب بھی اس کو چھوڑ کر وصی کو رکھا جاتا ہے، اس کی اتنی اہمیت ہے، تو پھر اس کی جگہ پر دوسرے وصی کو لانا کیسے جائز ہوگا

ترجمہ: ۴ اور ایسے ہی اگر ورثہ نے یا ورثہ میں سے بعض نے قاضی سے وصی کی شکایت کی، تو قاضی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کو معزول کر دے، جب تک کہ اس کی خیانت نہ ظاہر ہو جائے، اس لئے کہ اس وصی نے میت سے وصایت پائی ہے، یہ اور بات ہے کہ اگر وصی سے خیانت ظاہر ہو جائے (تو قاضی معزول کرے گا) اس لئے کہ میت نے امانت کے لئے وصی متعین کیا ہے، اور یہ امانت فوت ہو گئی ہے، اور اگر خود میت کی زندگی میں خیانت ظاہر ہوتی تو وہ اس کو وصایت سے نکال دیتے، اب میت نکالنے سے عاجز ہے تو قاضی میت کا نائب بنے گا، گویا کہ میت کا وصی ہے ہی نہیں

تشریح: سب وارث نے قاضی کے پاس وصی کی شکایت کی، یا بعض وارث نے شکایت کی کہ وصایت میں کوتاہی کر رہا ہے تب بھی قاضی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وصی کو معزول کرے، کیونکہ میت نے اس کو منتخب کیا ہے، لیکن اگر وصی سے خیانت کا پکا ثبوت مل جائے تو اب قاضی اس کو معزول کر کے اس کی جگہ پر دوسرا وصی متعین کریں گے

وجہ: اس کی وجہ یہ کہ میت نے امانت کی بنیاد پر اس کو وصی رکھا ہے، اور اب امانت نہیں رہی تو وصی باقی رہنے کی بنیاد ہی باقی نہیں رہی ہے۔ چنانچہ اگر خود میت کی زندگی میں اس کی خیانت کا پتہ چل جاتا تو خود میت اس کو معزول کر دیتا، لیکن اب وہ مر چکا ہے اس لئے قاضی اس کا نائب بنے گا، اور وصی کو معزول کرے گا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ میت نے وصی متعین کیا ہی نہیں تھا، اس لئے قاضی اس کی جگہ پر وصی متعین کرے گا تا کہ ورثہ کا اس میں فائدہ ہو۔

(۱۰۴۶) قَالَ وَمَنْ أَوْصَى إِلَى إِثْنَيْنِ لَمْ يَكُنْ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَصَرَّفَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ دُوْنَ صَاحِبِهِ، ١ إِلَّا فِيْ أَشْيَاءَ مَعْدُوْدَةٍ نُبَيِّنُهَا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، ٢ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَتَفَرَّدُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالتَّصَرُّفِ فِيْ جَمِيْعِ الْأَشْيَاءِ، لِأَنَّ الْوِصَايَةَ

ترجمہ: (۱۰۴۶) کسی نے وصیت کی دو آدمیوں کو تو ان میں سے ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ تصرف کرے دوسرے کو چھوڑ کر امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

ترجمہ: ١ مگر چند چیزوں میں (اکیلا تصرف کر سکتا ہے) جن کو ہم بعد میں بیان کریں گے

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ دو کو وصی بنایا تو دونوں مل کر ہی کام کریں، کچھ چیزوں کے علاوہ انفرادی طور پر کام انجام دینے کا حق نہیں ہے

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ ہر وصی کو پورا پورا اختیار دے دیا گیا ہے، اس لئے تمام کام بغیر دوسرے کے مشورہ کے بھی کر سکتا ہے

تشریح: موصی نے دو آدمیوں کو وصیت نافذ کرنے کا وصی بنایا۔ تو ایک آدمی وصیت نافذ کرنا چاہے تو طرفین کے نزدیک نہیں کر سکتا۔ بلکہ دونوں ملکر کام انجام دیں گے۔

وجہ: (۱) دونوں کو وصی بنایا تو گویا کہ موصی نے دونوں کی رائے پر اعتماد کیا۔ ایک کی رائے پر اعتماد نہیں کیا۔ اس لئے دونوں ملکر انجام دیں گے (۲) ایک قول صحابی سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ عن عمرؓ قال اذا كانت وصية وعتاقة تحاصوا (مصنف ابن ابی شیبة ،۴۲ فی الرجل یوصی بوصیة فیها عتاقة ، ج سادس، ص۲۲۴، نمبر ۳۰۸۶۶) اس قول صحابی میں ہے کہ میت نے ایک تہائی مال کی وصیت کی اور ایک غلام کو بھی آزاد کیا اور دونوں ملا کر ایک تہائی سے زیادہ وصیت ہو جاتی ہے تو دونوں کو حصے کر کے ایک تہائی کے اندر تقسیم کی جائے گی۔ پس جس طرح یہاں حصے کئے جائیں گے اسی طرح دو آدمیوں کو وصیت کی تو دونوں کو حصے کریں گے۔ لیکن انتظام کا حصہ کر نہیں سکتے تو دونوں مل کر انجام دیں گے۔

ترجمہ: ٢ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وصایت کی تمام چیزوں میں ہر وصی الگ الگ تصرف کر سکتا ہے، اس لئے کہ وصیت حقیقت میں ولایت ہے، اور ولایت شرعی وصف ہے جس میں ٹکڑا نہیں ہوتا ہے، اس لئے ہر وصی کو پورا پورا حق ملے گا، جیسے دو بھائیوں میں سے ہر ایک کو بہن کے نکاح کے لئے پورا پورا حق ملتا ہے، اور یہ بات بھی ہے کہ وصایت خلافت ہے، اور خلافت متحقق ہوتی ہے جب کہ وصی کی جانب ولایت اس طریقہ پر منتقل ہو جیسے موصی کے لئے ثابت تھی، اور موصی کے لئے وصف کمال کے ساتھ تھی (تو وصی کے لئے بھی وصف کمال کے ساتھ ہوگی)

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دونوں وصیوں کو اپنے اپنے طور پر وصایت کے تمام کرنے کا حق ہوگا، اس میں

سَبِيلُهَا الْوِلَايَةُ وَهِيَ وَصْفٌ شَرْعِيٌّ لَا تَتَجَزّٰى فَيَثْبُتُ لِكُلٍّ مِنْهُمَا كَمُلًا كَوِلَايَةِ الْإِنْكَاحِ لِلْأَخَوَيْنِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْوَصَايَةَ خِلَافَةٌ وَإِنَّمَا تَتَحَقَّقُ إِذَا انْتَقَلَتِ الْوِلَايَةُ إِلَيْهِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِيْ كَانَ ثَابِتًا لِلْمُوْصِيْ وَقَدْ كَانَ بِوَصْفِ الْكَمَالِ، ۳ و لِأَنَّ اخْتِيَارَ الْأَبِ إِيَّاهُمَا يُؤْذِنُ بِاخْتِصَاصِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالشَّفَقَةِ فَيَنْزِلُ ذٰلِكَ مَنْزِلَةَ قَرَابَةِ كُلِّ وَاحِدٍ. ۴ وَلَهُمَا أَنَّ الْوِلَايَةَ تَثْبُتُ بِالتَّفْوِيْضِ فَيُرَاعٰى وَصْفُ التَّفْوِيْضِ وَهُوَ وَصْفُ الْإِجْتِمَاعِ، إِذْ هُوَ شَرْطٌ مُفِيْدٌ وَمَا رَضِيَ الْمُوْصِيْ إِلَّا بِالْمُثَنّٰى وَلَيْسَ الْوَاحِدُ كَالْمُثَنّٰى

دوسرے وصی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔اس کے لیے چار دلیلیں دے رہے ہیں۔ا۔پہلی دلیل وصایت موصی کی جانب سے ولایت ہے،اور ولایت ایسی چیز ہے کہ اس میں ٹکڑا نہیں ہوتا،اور موصی کو خود مختار اختیار تھا اس لئے وصی کو بھی خود مختار اختیار ہوگا۔۲۔دوسری دلیل یہ ہے کہ وصایت میں موصی کا خلیفہ بنتا ہے،اور موصی کو پورا پورا اختیار تھا تو اس کی خلافت میں وصی کو بھی پورا پورا اختیار ہوگا۔۳۔اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ دو بھائی ہوں تو دونوں کو بہن کے نکاح کا پورا پورا اختیار ہوتا ہے،کوئی بھی بھائی بغیر دوسرے کی اجازت کے بہن کی شادی کرا سکتا ہے،اسی طرح دو وصی ہوں تو کوئی بھی وصایت کا کام کر سکتا ہے

ترجمہ: ۳ باپ نے دونوں کو منتخب کیا یہ دلیل ہے کہ دونوں میں خاص شفقت ہے اس لئے ہر وصی کو الگ الگ قرابت کے درجے میں اتار دیا جائے گا۔

تشریح: صاحبینؒ کی یہ چوتھی دلیل ہے۔باپ نے ان دونوں وصیوں کو منتخب کیا،اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی نظر میں ان دونوں میں کامل کامل شفقت ہے،اس لئے دونوں کو قرابت کے درجے میں اتار لیا جائے گا،اور قرابت سے جو ولایت ملتی ہے وہ ہر ایک کو کامل کامل ملتی ہے،جیسے ہر بھائی کو کامل طور پر بہن کے نکاح کرانے کا حق ملتا ہے،اسی طرح یہاں وصی کو کامل طور پر وصایت ملے گی،اور دوسرے کے مشورے،یا اس کی اجازت کے بغیر وصایت کا کام انجام دے گا

ترجمہ: ۴ امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں سپرد کرنے سے وصی کو ولایت ثابت ہوئی ہے،اس لئے تفویض کی صفت کی رعایت کی جائے گی،اور دونوں وصیوں کو جمع کر کے تفویض کی ہے،دوسری بات یہ ہے کہ مل کر کام کرنے کی شرط مفید ہے، اور وصیت کرنے والا دونوں کے بغیر راضی نہیں ہوا ہے،اور دونوں مل کر کام کرے یہ فائدے میں ایک کی طرح نہیں ہو سکتا ہے

تشریح: دونوں وصی مل کر کام کرے اس کے لئے امام ابو حنیفہؒ یہاں تین دلیلیں پیش کر رہے ہیں۔ا۔فرماتے ہیں کہ وصی کو ولایت اور خلافت نہیں ملی ہے بلکہ موصی نے تفویض کیا ہے اور سپرد کیا ہے،تو جس انداز میں سپرد کیا ہے اسی انداز میں کام کرنا ہوگا ،اور سپرد کیا کہ مل کر کام کرے اس لئے دونوں خود مختار نہیں ہوگا۔۲۔دوسری دلیل یہ ہے کہ موصی مل کر کام کرنے سے راضی ہوا ہے اس لئے تنہا کام کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔۳۔تیسری دلیل یہ ہے کہ دو کے مشورہ سے کام ہو اس کا فائدہ تنہا کرنے سے زیادہ ہے۔

۵ بِخِلَافِ الْأَخَوَيْنِ فِي الْإِنْكَاحِ، لِأَنَّ السَّبَبَ هُنَالِكَ الْقَرَابَةُ وَقَدْ قَامَتْ بِكُلٍّ مِنْهُمَا كَمُلًا، ٦ وَلِأَنَّ الْإِنْكَاحَ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ لَهَا عَلَى الْوَلِيِّ حَتَّى لَوْ طَالَبَتْهُ بِإِنْكَاحِهَا مِنْ كُفْوٍ يَخْطُبُهَا يَجِبُ عَلَيْهِ، وَهٰهُنَا حَقُّ التَّصَرُّفِ لِلْوَصِيِّ وَلِهٰذَا يَبْقٰى مُخَيَّرًا فِي التَّصَرُّفِ، فَفِي الْأَوَّلِ أَوْفٰى حَقًّا عَلٰى صَاحِبِهٖ فَصَحَّ، وَفِي الثَّانِي اِسْتَوْفٰى، لِأَنَّ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ لَهُمَا فَإِذَا تَصَرَّفَ وَحْدَهُ حَقًّا لِصَاحِبِهٖ فَلَا

ترجمہ: ۵ بخلاف بہن کے نکاح کے بارے میں دونوں بھائیوں کو جو حق ہے (کہ ہر بھائی خود مختار نکاح کراسکتا ہے) اس لئے کہ یہاں ولایت کا سبب قرابت ہے، اور قرابت دونوں کے ساتھ کامل ہے (اس لئے دونوں کو نکاح کرانے کا کامل حق ملے گا)

تشریح: یہ صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ دونوں بھائیوں کو خود مختار ولایت ملتی ہے اس لئے دونوں وصیوں کو خود مختار ولایت ملے گی۔ اس کا جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ بھائی کو نکاح کا حق قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے ملتا ہے، اور دونوں بھائیوں کے ساتھ بہن کی قرابت کامل ہے، اس لئے دونوں کو کامل کامل حق نکاح ملے گا۔ اس کے برخلاف وصی کو قرابت سے حق نہیں ملا ہے بلکہ موصی کے سپرد کرنے سے ملا ہے، اور دونوں کو ملا کر سپرد کیا ہے اس لئے ملا کر ہی وصیات کا کام کریں گے۔

ترجمہ: ٦ اور اس لئے کہ بہن کا نکاح کرانا ولی پر حق مستحق ہے، یہاں تک کہ اگر کفو نے اس کو پیغام نکاح دیا اور وہ مطالبہ کرے تو بھائی پر نکاح کرانا واجب ہے، اور یہاں وصی کے لئے حق تصرف ہے اسی لئے تصرف کا اختیار باقی رہتا ہے، اس لئے پہلے یعنی نکاح میں اپنے صاحب کے حق کو پورا کیا، اور دوسرے یعنی وصیت میں صاحب کے حق کو وصول کر لیا، اس لئے کہ دونوں کو تصرف کرنے کی ولایت تھی، پس جب صاحب کے حق کو تنہا تصرف کر لیا تو یہ صحیح نہیں ہے، اس کی اصل بنیاد قرض ہے جو دونوں پر قرض ہو یا دونوں کے لئے دوسرے پر قرض ہو۔

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے۔ پہلے حق مستحق اور حق التصرف میں فرق سمجھیں۔ حق مستحق کا مطلب ہے کہ ایسا کرنا اس پر واجب تھا، جیسے دونوں بھائیوں پر بہن کا نکاح کرانا واجب تھا، اس میں ایک نے دوسرے کے حق کو ادا کر دیا تو یہ جائز ہے، جیسے دونوں بھائیوں پر بہن کا نکاح کرنا واجب تھا حق مستحق تھا اب ایک بھائی نے دوسرے سے مشورہ کئے بغیر نکاح کرا دیا تو یہ جائز ہے، کیونکہ اس پر جو واجب حق تھا وہ اس نے ادا کر دیا۔ دوسرا ہے حق تصرف: دونوں کو کام کاج کرنے کا حق ہے۔ اب ایک نے تصرف کر لیا تو گویا کہ دوسرے کے حق کو خود نے وصول کر لیا، اس لئے یہ جائز نہیں ہوگا

اس کی ایک مثال ہے۔ الدین الذی علیہما و لہما۔ زید کا عمر اور بکر پر قرض تھا، اب بکر نے عمر کے قرض کو بھی اس کی اجازت کے بغیر ادا کر دیا تو یہ جائز ہے، کیونکہ عمر پر قرض واجب تھا اور بکر نے اس کو ادا کر دیا۔ دوسرا ہے کہ عمر اور بکر کا زید پر قرض تھا۔ اب بکر نے زید سے اپنا قرض بھی وصول کیا اور عمر کی اجازت کے بغیر عمر کا قرض بھی وصول کر لیا، تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اپنا

يَصِحُّ. أَصْلُهُ الدَّيْنُ الَّذِىْ عَلَيْهِمَا وَلَهُمَا، ے بِخِلَافِ الْأَشْيَاءِ الْمَعْدُوْدَةِ، لِأَنَّهَا مِنْ بَابِ الضَّرُوْرَةِ لَا مِنْ بَابِ الْوَلَايَةِ، وَمَوَاضِعُ الضَّرُوْرَةِ مُسْتَثْنَاةٌ أَبَدًا، وَهِيَ مَا اسْتَثْنَاهُ فِي الْكِتَابِ وَأَخَوَاتِهَا (١٠٤٧) فَقَالَ إِلَّا فِيْ شِرَاءِ كَفَنِ الْمَيِّتِ وَتَجْهِيْزِهٖ، لِأَنَّ فِي التَّاخِيْرِ فَسَادَ الْمَيِّتِ، وَلِهٰذَا يَمْلِكُهُ الْجِيْرَانُ عِنْدَ ذٰلِكَ، وَطَعَامِ الصِّغَارِ وَكِسْوَتِهِمْ لِ لِأَنَّهُ يُخَافُ مَوْتُهُمْ جُوْعًا وَعُرْيَانًا.

پیسہ دوسرے کے پاس جانا کوئی بھی پسند نہیں کرتا ہے۔اسی طرح وصایت میں حق مستحق نہیں ہے، بلکہ دونوں وصیوں کو حق تصرف ہے،اور موصی نے مل کر تصرف کرنے کا حق دیا ہے اس لئے دوسرے کے مشورے کے بغیر وصایت کا کام نہیں کر سکتا ہے

لغت: الدين الذى عليهما و لهما. الدين عليهما، کا ترجمہ ہے کہ ان دونوں پر دوسرے کا قرض ہے۔اور، الدين لهما، کا ترجمہ ہے کہ ان دونوں کا قرض کسی دوسرے پر ہے

ترجمہ: ے بخلاف کچھ گنی ہوئی چیز کے (اس کو دوسرے کے بغیر بھی تصرف کر سکتا ہے) اس لئے کہ یہ ضرورت کے باب سے ہیں ولایت کے باب سے نہیں ہیں، اور ضرورت کی چیزیں ہمیشہ مستثنی ہوتی ہیں اور یہ اور اس کی مثل قدوری کی متن میں موجود ہیں

تشریح: صاحب هدایہ پندرہ چیزیں آگے بیان کر رہے ہیں جن میں ایک وصی دوسرے کے مشورہ کے بغیر انجام دے سکتا ہے۔ یہ دس چیزیں وہ ہیں جن میں مشورہ تک تاخیر کی جائے تو کام خراب ہو سکتا ہے، اس لئے دو وصی ہونے کے باوجود فوری طور پر ایک ہی وصی ان کو انجام دے سکتا ہے۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ضرورت ہے

ترجمہ: (١٠٤٧) مگر میت کے کفن خریدنے میں اس کی تجہیز و تکفین میں (اس لئے کہ اس کی تاخیر میں میت پھول پھٹ جائے گی، یہی وجہ ہے کہ ایسے وقت میں پڑوسی کو بھی کفن دفن کرنے کی اجازت ہے) اور چھوٹے بچوں کے کھانے اور اس کے کپڑے میں۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ اس میں خوف ہے کہ بچے بھوک سے، یا ننگا رہ کر مر جائیں

اصول: دو آدمیوں کو وصی بنایا تو دونوں کو جمع ہونا چاہئے لیکن جہاں جلدی ہو یا مجبوری ہو تو ایک وصی بھی کام انجام دے سکتا ہے۔ یہ 15 چیزیں ہیں جن میں دو آدمیوں کو وصی بنایا ہو تو اکیلا بھی اس کو انجام دے سکتا ہے، کیونکہ تاخیر کرنے میں ضائع ہونے کا خطرہ ہے

١	میت کا کفن خریدنا
٢	میت کا کفن دفن کرنا
٣	چھوٹے بچے کا کھانا

(۱۰۴۸) وَرَدِّ الْوَدِیْعَۃِ بِعَیْنِھَا وَرَدِّ الْمَغْصُوْبِ وَالْمُشْتَرَی شِرَاءً فَاسِدًا وَحِفْظِ الْأَمْوَالِ وَقَضَاءِ

۴	چھوٹے بچے کا کپڑا
۵	متعین امانت کی چیز کو واپس کرنا
۶	غصب شدہ چیز کو واپس کرنا
۷	بیع فاسد کے ماتحت چیز خریدی، اس مبیع کو واپس کرنا
۸	مال کی حفاظت کرنا
۹	قرض کو ادا کرنا
۱۰	کوئی متعین وصیت ہو اس کو نافذ کرنا
۱۱	کوئی متعین غلام کو آزاد کرنے کی کا حکم ہو اس کو آزاد کرنا
۱۲	میت کے حق میں کوئی جھگڑا ہو اس کی وکالت کرنا
۱۳	ہدیہ قبول کرنا
۱۴	کسی چیز کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو اس کو بیچنا
۱۵	متفرق مال کو جمع کرنا

تشریح: میت کے کفن لانے اور اس کی تجہیز و تکفین کرنے کے لئے دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ایک آدمی بھی کفن خرید کر لا سکتا ہے اور تجہیز و تکفین کر سکتا ہے۔

وجہ: دوسرے وصی کے انتظار میں میت پھول پھٹ سکتی ہے، یا دوسرے وصی کے انتظار میں بچہ بھوکا مر سکتا ہے اس لئے دوسرے وصی کے بغیر بھی یہ کام انجام دے سکتا ہے

ترجمہ: (۱۰۴۸) اور خاص امانت کو واپس کرنے کی وصیت، اور غصب شدہ چیز کو واپس کرنے اور بیع فاسد کے تحت خریدی ہوئی چیز کو واپس کرنے اور مال کی حفاظت کرنے اور قرض ادا کرنے کی وصیت۔

تشریح: پہلا۔امانت کی کوئی متعین چیز تھی اس کو واپس کرنے کی، دو آدمیوں کو وصیت کی۔ دوسرا۔غصب شدہ چیز تھی اس کو واپس کرنے کی، دو آدمیوں کو وصیت کی۔تیسرا۔مشتری نے شراء فاسد کے ماتحت کوئی چیز خریدی تھی اب اس مبیع کو واپس کرنے کی، دو آدمیوں کو وصیت کی۔ چوتھا۔مال کی حفاظت کرنے کی، دو آدمیوں کو وصیت کی۔ پانچواں۔موصی پر قرض تھا اس قرض کو ادا کرنے کی، دو آدمیوں کو وصیت کی۔تو ان پانچوں صورتوں میں دوسرے وصی سے پوچھے بغیر کام انجام دے سکتا ہے

الدُّيُوْنِ، ۱ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ فَإِنَّهُ يَمْلِكُهُ الْمَالِكُ وَصَاحِبُ الدَّيْنِ إِذَا ظَفَرَ بِجِنْسِ حَقِّهِ، ۲ وَحِفْظُ الْمَالِ يَمْلِكُهُ مِنْ يَقَعُ فِيْ يَدِهِ فَكَانَ مِنْ بَابِ الإِعَانَةِ، وَلِأَنَّهُ لَا يَحْتَاجُ فِيْهِ إِلَى الرَّأْيِ،

(۱۰۴۹) وَتَنْفِيْذِ وَصِيَّةٍ بِعَيْنِهَا وَعِتْقِ عَبْدٍ بِعَيْنِهِ، ۱ لِأَنَّهُ لَا يَحْتَاجُ فِيْهِ إِلَى الرَّأْيِ،

(۱۰۵۰) وَالْخُصُوْمَةُ فِيْ حَقِّ الْمَيِّتِ، ۱ لِأَنَّ الْاِجْتِمَاعَ فِيْهَا مُتَعَذِّرٌ وَلِهٰذَا يَتَفَرَّدُ بِهَا أَحَدُ الْوَكِيْلَيْنِ،

وجہ: ان پانچوں چیزوں میں جلدی کرنی چاہئے، اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں چیز متعین ہے اس میں دوسرے وصی سے مشورہ کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے دوسرے کے بغیر بھی انجام دے دیا تب بھی جائز ہو جائے گا

لغت: کسوۃ: کپڑا، پوشاک، ودیعۃ: امانت، تنفیذ: نافذ کرنا،

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ یہ کام ولایت کے باب سے نہیں ہیں، اس لئے اس کا مالک بن جاتا ہے اور قرض والا بھی مالک بن جاتا ہے اگر بعینہ اپنے حق کی جنس مل جائے

تشریح: یہ دوسری دلیلیں پیش کر رہے ہیں۔ امانت کی چیز واپس لینا، مغصوب کی چیز واپس لینا، بیع فاسد میں مبیع واپس لینا ایسا ہے کہ اس میں دینے کی ضرورت نہیں ہے مالک کو اپنی چیز مل جائے تو وہ خود بھی اس پر قبضہ کر لیگا، اس لئے یہ ولایت کے باب میں نہیں ہیں اس لئے ان میں ایک وصی تنہا ان کو انجام دے سکتا ہے

ترجمہ: ۲ اور مال کی حفاظت کا معاملہ یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں مال پڑ جائے وہی حفاظت کرنے کا مالک ہے، اس لئے حفاظت مال مدد کی قبیل سے ہے، اور اس میں رائے کی ضرورت نہیں ہے

تشریح: مال کی حفاظت کے لئے دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ایک آدمی بھی اس کو انجام دے سکتا ہے کیونکہ جس کے پاس وہ مال ہے اسی پر اس کی حفاظت لازم ہے، اس لئے دوسرے کی رائے اور مشورے کی ضرورت نہیں ہے، پھر یہ مدد کی قبیل سے ہے اس لئے ایک وصی انجام دے سکتا ہے

ترجمہ: (۱۰۴۹) اور کوئی متعین وصیت ہو اس کو نافذ کرنا، اپنے متعین غلام کو آزاد کرنا

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ ان میں رائے کی ضرورت نہیں ہے

تشریح: کوئی متعین وصیت ہے جس کو نافذ کرنے کے لئے دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ایک بھی انجام دے سکتا ہے۔ یا کوئی متعین غلام ہے جس کو آزاد کرنے کے لئے دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ایک وصی بھی آزاد کر سکتا ہے، اس لئے کہ یہاں سب متعین ہے، اس لئے دوسرے وصی کی رائے کی ضرورت نہیں ہے

ترجمہ: (۱۰۵۰) میت کے حق میں جھگڑا کرنا ہے (تو ایک وصی کر سکتا ہے)

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ دونوں وصیوں کو جمع کرنا متعذر ہے، یہی وجہ ہے کہ دو وکیلوں میں سے ایک تنہا خصومت کر سکتا ہے

تشریح: میت کی جانب سے قاضی کے پاس جھگڑا کرنے کے لئے دو وصی متعین کئے تو ایک وصی بھی مقدمہ لڑ سکتا ہے،

(۱۰۵۱) وَقَبُوْلِ الْهِبَةِ، ١؎ لِأَنَّ فِى التَّـاخِيْرِ خِيْفَةَ الْفَوَاتِ، وَلِأَنَّهُ يَمْلِكُهُ الْأُمُّ وَالَّذِىْ فِىْ حِجْرِهٖ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ.

(۱۰۵۲) وَبَيْعِ مَا يَخْشٰى عَلَيْهِ التَّوٰى وَالتَّلَفَ، لِأَنَّ فِيْهِ ضَرُوْرَةً لَا تُخْفٰى

(۱۰۵۳) وَجَمْعِ الْأَمْوَالِ الضَّائِعَةِ، ١؎ لِأَنَّ فِى التَّأْخِيْرِ خَشْيَةَ الْفَوَاتِ، وَلِأَنَّهُ يَمْلِكُهُ كُلُّ مَنْ وَقَعَ فِىْ يَدِهٖ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ. ٢؎ وَفِى الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ وَلَيْسَ لِأَحَدِ الْوَصِيَّيْنِ أَنْ يَبِيْعَ أَوْ

کیونکہ ہروقت دونوں کا جمع ہونا متعذر رہے۔اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ اگر جھگڑا کرنے کے لئے دو وکیل متعین کئے ہوں تو قاعدہ یہ ہے کہ قاضی کے سامنے تو ایک ہی وکیل بات کرے گا ورنہ دار القضاء میں شور شغف ہو جائے گا، جب آخر کار ایک ہی وکیل قاضی سے بات کرے گا تو وصایت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

ترجمہ: (۱۰۵۱) اور ہدیہ کو قبول کرنا

ترجمہ: ١؎ اس لئے کہ تاخیر کرنے میں ہدیہ کے فوت ہونے کا خوف ہے، اور اس لئے کہ ماں بھی ہدیہ قبول کر سکتی ہے، اور جس کے گود میں بچہ ہے وہ بھی قبول کر سکتا ہے تو یہ ولایت کے باب میں سے نہیں ہے

تشریح: ہدیہ قبول کرنے میں تاخیر ہونے سے یہ خطرہ ہے کہ دوبارہ وہ ہدیہ نہ دے اس لئے ایک وصی جلدی ہدیہ قبول کر سکتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ماں بھی ہدیہ لے سکتی ہے، یا جس کے گود میں بچہ ہے وہ بھی ہدیہ لے سکتا ہے، اس لئے یہ ولایت کے باب میں سے نہیں ہے، بلکہ تعاون کے باب میں سے ہے۔

ترجمہ: (۱۰۵۲) اور جس چیز کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس کو بیچنا

ترجمہ: ١؎ اس لئے کہ ضرورت ہے جو پوشیدہ نہیں ہے

تشریح: ایسی چیز ہے جس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس کے لئے دو وصی بنائے تو ایک وصی بیچ سکتا ہے، ورنہ ضائع ہو جائے گا

ترجمہ: (۱۰۵۳) مال بکھرا ہوا ہو اس کو جمع کرنا

ترجمہ: ١؎ اس لئے کہ اس میں تاخیر کرنے میں فوت ہونے کا ڈر ہے، اور اس لئے کہ جس کے ہاتھ میں وہ مال ہے وہ جمع کرنے کا مالک ہے اس لئے یہ ولایت کے باب سے نہیں ہے

تشریح: کئی جگہ بکھرا ہوا مال ہے اس کو ایک جگہ جمع کرنے کے لئے دو وصی بنائے تو ایک بھی جمع کر سکتا ہے، ورنہ تو مال ضائع ہو جائے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں یہ مال ہو اس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان مالوں کو ایک جگہ جمع کر دے، اس لئے یہ ولایت کے باب میں سے نہیں ہے۔

ترجمہ: ٢؎ جامع صغیر میں ہے کہ، دو وصیوں میں سے ایک کو حق نہیں ہے کہ بیچے یا چیز پر قبضہ کرے، اور تقاضی سے مراد

يَتَقَاضٰى، وَالْمُرَادُ بِالتَّقَاضِيُ الْاِقْتِضَاءُ، كَذَا كَانَ الْمُرَادُ مِنْهُ فِيُ عُرُفِهِمُ، وَهٰذَا لِأَنَّهُ رَضِيَ بِأَمَانَتِهِمَا جَمِيُعًافِي الْقَبُضِ، وَلِأَنَّهُ فِيُ مَعْنَى الْمُبَادَلَةِ لَا سِيَّمَا عِنُدَ اخْتِلَافِ الْجِنُسِ عَلٰى مَا عُرِفَ فَكَانَ مِنُ بَابِ الْوِلَايَةِ. ۳؎ وَلَوُ أَوُصٰى إِلٰى كُلِّ وَاحِدٍ عَلَى الْاِنْفِرَادِ قِيُلَ يَتَفَرَّدُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالتَّصَرُّفِ بِمَنُزِلَةِ الْوَكِيُلَيْنِ إِذُ وَكَّلَ كُلُّ وَاحِدٍ عَلَى الْإِنْفِرَادِ، وَهٰذَا لِأَنَّهُ لَمَّا أَفُرَدَ فَقَدُ رَضِيَ بِرَأْيِ الْوَاحِدِ، ۴؎ وَقِيُلَ الْخِلَافُ فِي الْفَصُلَيْنِ وَاحِدٌ، لِأَنَّ وُجُوبَ الْوَصِيَّةِ عِنُدَ الْمَوُتِ بِخِلَافِ الْوَكِيُلَيْنِ، لِأَنَّ

قبضہ کرنا ہے ان کے عرف میں یہی مراد ہے۔اس لئے کہ موصی قبضہ کرنے میں دونوں کی امانت سے راضی ہے،اوراس لئے کہ یہ مبادلہ کے معنی میں ہے خاص طور پر جبکہ اختلاف جنس ہو جیسا کہ معلوم ہے،اس لئے یہ ولایت کے باب سے ہے

تشریح: وصیت کرنے والے نے دو آدمیوں کو بیچنے کا وصی بنایا، یا مبیع پر قبضہ کرنے کا وصی بنایا تو ایک وصی نہ بیچ سکتا ہے اور نہ مبیع پر قبضہ کر سکتا ہے

وجہ: اس کی دو وجہ ہیں۔ا۔ایک وجہ یہ ہے کہ میت نے دونوں آدمیوں کی مجموعی امانت پر اعتماد کیا ہے،اس لئے انفرادی طور پر نہ بیچ سکتا ہے اور نہ مبیع پر قبضہ کر سکتا ہے۔۲۔دوسری وجہ یہ ہے کہ چیز کو بیچنا چاہے ہم جنس سے بیچے، یا اختلاف جنس سے بیچے یہ مبادلہ کرنا ہے،اس لئے یہ وصایت ولایت کے باب سے ہے،تعاون کے باب سے نہیں ہے اس لئے ایک وصی تصرف نہیں کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اگر دو وصیوں کو الگ الگ وقت میں وصی بنایا تو بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر وصی تنہا تصرف کر سکتا ہے، دو وکیلوں کے درجے میں جب دونوں کو الگ الگ وقت میں وکیل بنایا ہو،اوراس کی وجہ یہ ہے کہ جب الگ الگ بنایا تو موصی ایک کی رائے پر راضی ہوا

تشریح: یہ دوسرا جزئیہ ہے، پہلے یہ تھا کہ دو وصیوں کو ایک ساتھ وکیل بنایا ہو تو یہ اختلاف تھا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وصایت کا کام اکیلا انجام نہیں دے سکتا ہے،اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اکیلا بھی انجام دے سکتا ہے۔اب مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے دو الگ الگ وقتوں میں دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ہر وصی تنہا وصایت کا کام انجام دے سکتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب الگ الگ وقتوں میں وکیل بنایا تو موصی اکیلے کی رائے پر اعتماد کر رہا ہے اس لئے تنہا انجام دے سکتا ہے۔اس کی مثال دے رہے ہیں کہ دو الگ الگ وقتوں میں وکیل بنایا ہو تو دونوں وکیل اکیلا اکیلا کام انجام دے سکتا ہے، ویسے ہی وصایت میں بھی ہوگا

ترجمہ: ۴؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں ایک ہی اختلاف ہے (یعنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اکیلا انجام نہیں دے سکتا ہے،اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اکیلا انجام دے سکتا ہے) اس لئے کہ وصیت کا واجب ہونا موت کے وقت ہوتا ہے،،بخلاف دو وکیلوں کے اس لئے کہ وکالت میں آگے پیچھے ہوتا ہے

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں بھی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے یہی ہے کہ ایک وصی اکیلا وصایت انجام

الْوِكَالَةَ تَتَعَاقَبُ. ۵؎ فَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا جَعَلَ الْقَاضِیُ مَكَانَهُ وَصِيًا اٰخَرَ، أَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّ الْبَاقِیُ عَاجِزٌ عَنِ التَّفَرُّدِ بِالتَّصَرُّفِ فَيَضُمُّ الْقَاضِیُ إِلَيْهِ وَصِيًا اٰخَرَ نَظَرًا لِلْمَيِّتِ عِنْدَ عِجْزِهٖ، وَعِنْدَ أَبِیُ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَلْحَیُّ مِنْهُمَا وَإِنْ كَانَ يَقْدِرُ عَلَى التَّصَرُّفِ فَالْمُوْصِیُ قَصَدَ أَنْ يَخْلُفَهُ مُتَصَرِّفَانِ فِیُ حُقُوْقِهٖ، وَذٰلِکَ مُمْكِنُ التَّحَقُّقِ بِنَصْبِ وَصِيٍّ اٰخَرَ مَكَانَ الْمَيِّتِ، ٦؎ وَلَوْ أَنَّ الْمَيِّتَ مِنْهُمَا أَوْصٰى إِلَى الْحَيِّ فَلِلْحَيِّ أَنْ يَتَصَرَّفَ وَحْدَهُ فِیُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ بِمَنْزِلَةِ مَا إِذَا أَوْصٰى إِلٰى

نہیں دے سکتا ہے۔اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ دووقتوں میں وصی بنایا،لیکن دونوں وصی بنے گے موصی کی موت کے وقت،اس سے پہلے نہیں،اس لئے الگ الگ وقت میں وصی بنائے یا ایک ساتھ وصی بنائے دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا کہ دووصیوں پر اعتماد کیا ہے تو دونوں مل کر کام کریں تنہا نہیں۔اور وکیل کا مسئلہ یہ ہے کہ جیسے ہی پہلے کو وکیل بنایا تو یہ اسی وقت وکیل بن گیا،اور دوسرا بہت بعد میں وکیل بنا،دونوں میں تعاقب ہوگیا،اس لئے وہ تنہا تنہا کام انجام دے سکتے ہیں۔

لغت: تعاقب: عقب سے مشتق ہے،آگے پیچھے، یکے بعد دیگرے

ترجمہ: ۵؎ اگر دووصی میں سے ایک کا انتقال ہوگیا تو قاضی اس کی جگہ دوسرے وصی کو متعین کرے گا،امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ جو وصی باقی رہ گیا ہے وہ تنہا تصرف کرنے سے عاجز ہے،اس لئے قاضی اس کے ساتھ دوسرے وصی کو ملائے گا ایک وصی کے عاجز ہوتے وقت میت پر شفقت کرتے ہوئے،اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جو ان میں سے زندہ ہے وہ اگر چہ تصرف کرنے پر قادر ہے لیکن موصی کا مقصد تھا کہ اس کے حقوق میں دو تصرف کرنے والے خلیفہ بنے،اور یہ ممکن ہے کہ مرے ہوئے کی جگہ پر دوسرے کو متعین کرکے

تشریح: یہ تیسرا جزئیہ ہے۔۔موصی نے دووصی متعین کئے تھے،لیکن ایک کا انتقال ہوگیا تو قاضی اس کی جگہ پر دوسرا وصی متعین کرے گا۔طرفین کے نزدیک تو اس لئے کہ ایک وصی تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا ہے اس لئے مرے ہوئے کی جگہ پر دوسرے کو متعین کرے۔اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جو وصی باقی ہے وہ تنہا تصرف کر تو سکتا ہے،لیکن موصی کا مقصد یہ تھا کہ میرے حقوق میں دو وصی تصرف کرے،اور یہاں ایک ہی باقی رہ گیا ہے،اس لئے موصی کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے دوسرے کو متعین کرنے کی گنجائش ہے

ترجمہ: ٦؎ دووصی میں سے ایک مر رہا تھا اس نے جو زندہ وصی ہے اس کو ہی وصی بنادیا،تو ظاہر روایت یہ ہے کہ زندہ وصی کو تنہا تصرف کرنے کا اختیار ہوگا،جیسا کہ دوسرے شخص کو وصی متعین کردیا (تو وہ تصرف کرتا) اور قاضی دوسرے وصی متعین کرنے کا محتاج نہیں ہوگا،اس لئے کہ مرنے والے کی رائے حکما باقی ہے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ کی رائے کی وجہ سے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرنے والے وصی نے زندہ وصی کو ہی وصی بنادیا تو گویا کہ اس وصی میں دووصی کی رائے

شَخْصٍ اٰخَرَ، وَلا يَحْتَاجُ الْقَاضِيُ إِلٰى نَصْبِ وَصِيٍّ اٰخَرَ، لِأَنَّ رَأْيَ الْمَيِّتِ بَاقِيُ حُكْمًا بِرَأْيِ مَنْ يَخْلُفُهُ، ۷ وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّهُ لا يَنفَرِدُ بِالتَّصَرُّفِ، لِأَنَّ الْمُوْصِيُ مَا رَضِيَ بِتَصَرُّفِهِ وَحْدَهُ، بِخَلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى إِلٰى غَيْرِهٖ لِأَنَّهُ يَنْفُذُ تَصَرُّفُهُ بِرَأْيِ الْمُثَنّٰى كَمَا رَضِيَهُ الْمُتَوَفّٰى. ۸ وَإِذَا مَاتَ الْوَصِيُّ وَأَوْصٰى إِلٰى اٰخَرَ فَهُوَ وَصِيُّهُ فِيْ تَرِكَتِهٖ وَتَرِكَةُ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ

جمع ہوگئی، اس لئے یہ تنہا تصرف کرسکتا ہے

تشریح: یہ چوتھا جزئیہ ہے۔ موصی نے دو وصی بنائے تھے، اب ایک وصی مرنے لگا تو اس نے بھی اسی وصی کو اپنا وصی بنادیا جو زندہ ہے، تو امام ابوحنیفہؒ کی ایک رائے یہ ہے کہ اس زندہ وصی میں مردہ وصی کی بھی رائے شامل ہے اس لئے اتنا ہی کافی ہے، اب قاضی کو دوسرا وصی متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ ایک وصی اکیلا تصرف کرنے کا مالک ہوگا، اور یہ دو وصی کے قائم مقام ہے۔

ترجمہ: ۷ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ زندہ وصی تنہا تصرف نہیں کرسکتا ہے، اس لئے کہ موصی اس اکیلے کے تصرف سے راضی نہیں ہے، بخلاف مرنے والا وصی دوسرے کو وصی متعین کر کے جاتا، (تو یہ جائز ہوتا) اس لئے کہ دو کی رائے سے اس کا تصرف نافذ ہوجاتا ہے، جیسے مرنے والے وصی کی رائے سے موصی راضی تھا

اصول: اس مسئلے کا اصول یہ ہے کہ وصی نے دو وصی متعین کیے ہیں تو ہر حال میں دو وصیوں کی رائے ہی ہونی چاہئے، ایک کی رائے کافی نہیں ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ زندہ وصی تنہا تصرف نہیں کرسکتا ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ موصی دو وصیوں کی رائے سے راضی تھا تاکہ دونوں کی رائے سے کام بہتر ہوتا، اور یہاں ایک کو متعین کرنے کی وجہ سے ایک ہی رائے ہے، اس لئے یہ اکیلا تصرف نہیں کرسکتا ہے، ہاں مرنے والا وصی زندہ کے علاوہ کسی اور کو متعین کر کے جاتا تو دونوں مل کر تصرف کر سکتے تھے، کیونکہ اب دو آدمیوں کی رائے ہوگئی، جو موصی کی مرضی تھی۔

ترجمہ: ۸ وصی کا انتقال ہو رہا تھا اور اس نے دوسرے کو بنادیا تو یہ دوسرا وصی اپنے موصی کے ترکے میں بھی وصی ہوگا، اور پہلا جو موصی ہے اس کے ترکے کا بھی وصی ہوگا ہمارے نزدیک، اور امام شافعیؒ نے فرمایا پہلے موصی کے ترکے کا وصی نہیں ہوگا (صرف یہ اپنے موصی کے ترکے کا وصی ہوگا)، زندگی کی حالت میں وکیل پر قیاس کرتے ہوئے، اور دونوں کے درمیان جامع علت یہ ہے کہ پہلا موصی اپنے وصی کی رائے سے راضی تھا دوسرے کے وصی کی رائے سے راضی نہیں تھا

اصول: اس مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ موصی اول نے جب وصی بنایا تو اس وصی کو یہ بھی اختیار دیا کہ تم جس کو وصی بنائے گا اس کے تصرف سے بھی میں راضی ہوں، اس لئے دوسرا وصی موصی اول کے مال میں تصرف کرے گا، اور اپنے

عِنْدَنَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَا يَكُوْنُ وَصِيًّا فِيْ تَرِكَةِ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ اِعْتِبَارًا بِالتَّوْكِيْلِ فِيْ حَالَةِ الْحَيَاةِ، وَالْجَامِعُ بَيْنَهُمَا أَنَّهُ رَضِيَ بِرَأْيِهِ لَا بِرَأْيِ غَيْرِهِ، ۹ وَلَنَا أَنَّ الْوَصِيَّ يَتَصَرَّفُ بِوِلَايَةٍ مُنْتَقِلَةٍ إِلَيْهِ فَيَمْلِكُ الْإِيْصَاءَ إِلٰى غَيْرِهِ كَالْجَدِّ، أَلَا يُرٰى أَنَّ الْوِلَايَةَ الَّتِيْ كَانَتْ ثَابِتَةً لِلْمُوْصِيْ

موصی کے مال میں بھی تصرف کرے گا

اصول: امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ موصی اول صرف اپنے وصی کی رائے سے راضی تھا، اس لئے اس وصی نے دوسرا وصی بنایا تو یہ دوسرا وصی موصی اول کے مال میں تصرف نہیں کرے گا، صرف اپنے موصی کے مال میں تصرف کرے گا

تشریح: یہ پانچواں جزئیہ ہے۔ یہاں دو موصی ہیں موصی اول اور موصی ثانی۔ اور وصی بھی دو ہیں وصی اول اور وصی ثانی، ان کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ زید نے عمر کو وصی بنایا، جب عمر مرنے لگا تو اس نے بکر کو وصی بنا دیا، تو اب سوال یہ ہے کہ بکر صرف عمر کے مال کا وصی ہے، یا عمر اور زید دونوں کے مال کا وصی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بکر عمر کے مال بھی وصی ہے اور زید کے مال کا بھی وصی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عمر کے پاس دو ولایت تھی، اپنے مال کی بھی اور زید کے مال کی بھی، اس لئے جب اس نے بکر کو وصی بنایا تو دونوں ولایت اس کے پاس آ گئی، زید کی ولایت بھی اور عمر کی ولایت بھی اس لئے یہ دونوں کا وصی ہوگا، اور دونوں کے مال میں تصرف کرے گا

امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ بکر صرف عمر کے مال کا وصی ہے، زید کے مال کا وصی نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زید صرف عمر کی رائے سے راضی تھا، بکر کی رائے سے راضی نہیں تھا، اور نہ اس نے بکر کو اپنا وصی بنایا تھا، اس لئے بکر زید کے مال میں تصرف نہیں کر سکتا ہے، قاضی کو چاہئے کہ زید کے لئے الگ سے وصی متعین کرے۔

۔اس کی ایک مثال دیتے ہیں۔ کسی نے وکیل بنایا، اب اس وکیل نے اپنا وکیل بنا لیا تو اس دوسرے وکیل کو یہ حق نہیں ہے پہلے موکل کے مال میں تصرف کرے، اسی طرح پہلے وصی نے دوسرے کو وصی بنایا تو دوسرے وصی کو پہلے موصی کے مال میں تصرف کا حق نہیں ہوگا

ترجمہ: ۹ ہماری دلیل یہ ہے کہ پہلا وصی اس ولایت سے تصرف کر رہا ہے جو ولایت اس کی طرف پہلے موصی سے منتقل ہوئی ہے، اس لئے دوسرے کو بھی پہلے موصی کا وصی بنا سکتا ہے، جیسے دادا دوسرے کو وصی بنا سکتا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ جو ولایت موصی اول کو تھا وہ مال کے بارے میں وصی اول کی طرف منتقل ہوگئی، ذات کے بارے میں دادا کی طرف منتقل ہوئی پھر باپ سے دادا کی طرف منتقل ہوئی ہے اس میں دادا باپ کے قائم مقام ہے، تو وصی بھی اسی طرح ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ موصی اول کو اپنے مال کے بارے میں ولایت ہے اور وصی بنانے کی بھی ولایت ہے، اس لئے جب اس نے وصی بنایا تو وصی کو بھی دونوں اختیار حاصل ہوگئے، مال میں تصرف کرنے کی بھی اور موصی اول کے لئے وصی

تَـنْتَقِلُ إِلَى الْوَصِيّ فِي الْمَالِ وَإِلَى الْجَدِّ فِي النَّفْسِ، ثُمَّ الْجَدُّ قَائِمٌ مَقَامَ الْأَبِ فِيْمَا انْتَقَلَ إِلَيْهِ فَكَذَا الْوَصِيُّ. ۱۰ وَهٰذَا لِأَنَّ الْإِيْصَاءَ إِقَامَةُ غَيْرِهِ مَقَامَهُ فِيْمَا لَهُ وِلَايَتُهُ وَعِنْدَ الْمَوْتِ كَانَتْ لَهُ وِلَايَةٌ فِي التَّرِكَتَيْنِ فَيَنْزِلُ الثَّانِيْ مَنْزِلَتَهُ فِيْهِمَا، ۱۱ وَلِأَنَّهُ لَمَّا اسْتَعَانَ فِيْ ذٰلِكَ مَعَ عِلْمِهِ أَنَّهُ قَدْ تَعْتَرِيْهِ الْمَنِيَّةُ قَبْلَ تَتْمِيْمِ مَقْصُوْدِهِ بِنَفْسِهِ وَهُوَ تَلَافِيْ مَا فَرَّطَ مِنْهُ صَارَ رَاضِيًا بِإِيْصَائِهِ إِلٰى غَيْرِهِ،

بنانے کی بھی، اس لئے وصی نے جب اپنی موت کے وقت اپنا وصی بنایا تو یہ موصی اول کا بھی وصی بن گیا، اس لئے موصی اول کے مال میں تصرف کرسکتا ہے۔

۔اس کی مثال دیتے ہیں باپ نہ ہوتے وقت دادا کو بچی کے نکاح کرانے کی ولایت ہوتی ہے، اور جس طرح باپ نکاح کرانے کا وصی بنا سکتا ہے، دادا بھی اپنی موت سے پہلے نکاح کرانے کا وصی بنا سکتا ہے۔اسی طرح وصی میں بھی ہوگا کہ موصی اول وصی بنا سکتا ہے تو وصی اول بھی موصی اول کے لئے وصی بنا سکتا ہے، کیونکہ اس کو موصی کی جانب سے ولایت حاصل ہے

لغت: الی الجد فی النفس: نفس میں ولایت، یعنی باپ کی جانب سے دادا میں نکاح کرانے کی ولایت منتقل ہوئی۔

ترجمہ: ۱۰ اور اس لئے کہ وصی بنانے کا مطلب ہے موصی کو جو ولایت تھی اس میں دوسرے کو اس کے قائم مقام کرنا ہے، اور وصی اول کو موت کے وقت دو ترکے میں ولایت تھی (موصی اول کے ترکے کی ولایت اور اپنے ترکے کی ولایت) اس لئے دوسرے وصی کو دونوں ترکوں میں پہلے کے درجے میں اتار دیا جائے گا

تشریح: وصی ثانی کو موصی اول کے مال میں تصرف کرنے کا حق ہے اس کے لئے یہ دوسری دلیل ہے ۔وصی اول کی موت کے وقت دو ترکوں میں ولایت تھی، اپنے مال کی بھی ولایت تھی اور اپنے موصی کے مال میں تصرف کرنے کی بھی ولایت تھی، اس لئے جب اس نے اپنا وصی بنایا تو اس کی دونوں ولایت اس وصی ثانی کی طرف منتقل ہوگئی، اس لئے وصی ثانی دونوں کے مال میں تصرف کرسکتا ہے

ترجمہ: ۱۱ اور اس لئے کہ موصی اول نے جب وصی سے مدد طلب کی، حال آنکہ اس کو معلوم تھا کہ خود اپنا مقصد پورا کرنے سے پہلے اس کی موت ہوجائے گی، اور وہ ہے جو زندگی میں کمی کوتاہی ہوئی اس کی تلافی کرنا تو وہ دوسرے کو وصی بنانے پر راضی تھا

تشریح: وصی ثانی کو موصی اول کے مال میں تصرف کرنے کا حق ہے اس کے لئے یہ تیسری دلیل ہے۔۔موصی نے جب وصی بنایا تو اس کو معلوم تھا کہ موت سے پہلے اپنی کمی کوتائی کی تلافی نہیں کر پاوں گا، اس تلافی کے لئے اس نے وصی بنایا تو گویا کہ وہ اس بات پر بھی راضی ہے کہ یہ اپنا وصی بنالے اور میری کمی کوتاہی کی تلافی اس سے کروالے۔اس لئے بھی وصی ثانی کو موصی اول کے مال میں تصرف کا اختیار ہوگا

لغت: تعتریہ: اعترا سے مشتق ہے، پیش آنا۔المنیۃ: موت۔ما فرط: جو کمی کوتاہی ہوئی۔

۱۲ بِخِلَافِ الْوَكِيْلِ، لِأَنَّ الْمُوَكِّلَ حَيٌّ يُمْكِنُهُ أَنْ يُحَصِّلَ مَقْصُوْدَهُ بِنَفْسِهِ فَلَا يَرْضٰى بِتَوْكِيْلِ غَيْرِهِ وَالْإِيْصَاءِ إِلَيْهِ.

(۱۰۵۳) قَالَ وَمُقَاسَمَةُ الْوَصِيِّ الْمُوْصٰى لَه، عَنِ الْوَرَثَةِ جَائِزَةٌ وَمُقَاسَمَةُ الْوَرَثَةِ عَنِ الْمُوْصٰى لَهُ

ترجمہ: ۱۲ بخلاف وکیل کے (وہ دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا ہے) اس لئے کہ موکل ابھی زندہ ہے تو اس کے لئے ممکن ہے کہ خود مقصد حاصل کر لے اس لئے وکیل اب دوسرے کو وکیل بنائے یا دوسرے کو وصی بنائے اس کے لئے وہ راضی نہیں ہوگا،

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے انہوں نے کہا تھا کہ وہ وکیل جس طرح اپنے موکل کے لئے وکیل نہیں بنا سکتا ہے، ایسے ہی وصی بھی اپنے موصی کے لئے وصی نہیں بنا سکتا ہے۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ وصی اور وکیل میں فرق ہے۔ وکیل کا موکل زندہ ہے اس لئے یہ ممکن ہے کہ موکل خود اپنا کام انجام دے دے، اس لئے وہ نہ وکیل بنا سکتا ہے، اور نہ وکیل وصی بنا سکتا ہے۔ اس کے برخلاف موصی کا انتقال ہو چکا ہے، اب وہ خود اپنا کام نہیں کر سکتا ہے، اس لئے وصی نے جو وصی بنایا اسی کے کام پر راضی ہوگا، اس لئے وصی ثانی کو موصی اول کے کام میں تصرف کرنے کا حق ہوگا۔

ترجمہ: (۱۰۵۳) وارث کی جانب سے وصی موصی لہ سے تقسیم کرے تو یہ جائز ہے۔ لیکن موصی لہ کی جانب سے وصی ورثہ سے تقسیم کرے تو یہ باطل ہے

اصول: یہاں اصول یہ ہے کہ وصی میت کا خلیفہ ہے اس لئے وہ وارث کے غائب ہونے پر اس کی جانب سے میت کا مال تقسیم کر سکتا ہے

اصول: دوسرا اصول یہ ہے کہ وصی موصی لہ کا خلیفہ نہیں ہے، اس لئے موصی لہ کے غائب ہونے پر موصی لہ کی جانب سے وصی میت کا مال تقسیم نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ یہ موصی لہ کا خلیفہ نہیں ہے

تشریح: یہ چھٹا جزئیہ ہے۔ پہلے یہ بیان ہوا کہ وصی میت کا ولی ہے کہ اس لئے میت کے لئے وصی مقرر کر سکتا ہے۔ اور اب یہ بیان کر رہے ہیں کہ وصی میت کا خلیفہ ہے اس لئے وارث کے غائبانے میں وارث کا قائم مقام ہو کر اس کے لئے مال تقسیم کر سکتا ہے۔ دونوں جزئیہ میں یہ فرق ہے۔

۔ وارث غائب تھا اب اس کی جانب سے وصی نے میت کے مال کو ورث اور موصی لہ (جس کے لئے میت نے وصیت کی تھی) کے درمیان مال تقسیم کیا تو یہ جائز ہے۔۔ دوسری صورت۔ موصی لہ غائب تھا اب وصی اس کی جانب سے میت کا مال ورثہ اور موصی لہ درمیان تقسیم کیا تو یہ جائز نہیں ہے

وجہ: دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ وصی میت کا خلیفہ ہے، جس طرح وارث میت کا خلیفہ ہوتا ہے، اس لئے وصی وارث کی جانب سے خلیفہ بن کر تقسیم کر سکتا ہے، اور وارث کے مال کو اس کے حاضر ہونے تک اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ لیکن وصی موصی لہ کا

بَاطِلَةٌ، ۱؎ لِأَنَّ الْوَارِثَ خَلِيفَةُ الْمَيِّتِ حَتّٰى يَرُدَّ بِالْعَيْبِ وَيُرَدُّ عَلَيْهِ بِهٖ وَيَصِيرُ مَغْرُوْرًا بِشِرَاءِ الْمُوْرِثِ، وَالْوَصِيُّ خَلِيْفَةُ الْمَيِّتِ أَيْضًا فَيَكُوْنُ خَصْمًا عَنِ الْوَارِثِ إِذَا كَانَ غَائِبًا فَصَحَّتْ قِسْمَتُهُ

خلیفہ نہیں ہے اس لئے موصی لہ کی جانب سے کھڑا ہو کر میت کا مال تقسیم نہیں کر سکتا ہے، اور نہ موصی لہ کا مال اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ فرق ہے، اس کو ملحوظ رکھنا چاہئے

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ وارث میت کا خلیفہ ہے۔ ۱۔ یہاں تک کہ عیب کی وجہ سے وارث بائع پر لوٹا سکتا ہے۔ ۲۔ اور عیب ہو تو وارث پر لوٹائی جا سکتی ہے، ۳۔ اور مورث کے خریدنے کی وجہ سے دھوکہ دیا ہوا ہو سکتا ہے، اور وصی بھی میت کا خلیفہ ہوتا ہے اس لئے وہ وارث کی جانب سے خصم بن سکتا ہے جبکہ وارث غائب ہو اس لئے وصی وارث کے لئے تقسیم کرے تو جائز ہوگا۔

تشریح: وارث میت کا خلیفہ ہے، اور وصی بھی میت کا خلیفہ ہے اس کے لئے تین دلیلیں دے رہے ہیں۔ ۱۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ میت نے کوئی چیز خریدی تھی، اب وہ مر گیا اور وہ چیز وارث کے پاس آگئی، وارث نے اس میں عیب دیکھی تو وارث کو یہ حق ہے کہ عیب کے ماتحت اصل بائع کو واپس کر دے، یہ کام میت اپنی زندگی میں بھی کر سکتا تھا، اور ابھی وارث اس کا خلیفہ ہے اس لئے وارث بھی کر سکتا ہے۔ اور وصی بھی میت خلیفہ ہے اس لئے وصی بھی کرے گا۔ کہ عیب کے ماتحت بائع پر واپس کرے گا۔ لیکن موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی تھی) وہ میت کا خلیفہ نہیں ہے، اس لئے اس کے پاس مبیع کی چیز موجود ہو تو وہ عیب کی وجہ سے بائع پر واپس کرنا چاہے تو نہیں کر سکے گا، کیونکہ وہ میت کا خلیفہ نہیں ہے۔ موصی لہ اور وارث میں یہ فرق ہے۔

۔۲۔ دوسری دلیل۔ یہ ہے کہ میت نے کوئی چیز بیچی تھی، اب وہ مر گیا اب مشتری نے اس میں عیب دیکھی تو مشتری کو یہ حق ہے کہ عیب کی وجہ سے وارث پر واپس کر دے، میت زندہ ہوتا تو اس پر واپس کرتا، لیکن وارث اب اس کا خلیفہ ہے اس لئے مشتری وارث پر واپس کرے گا۔ اور وصی بھی میت خلیفہ ہے اس لئے مشتری وصی پر بھی واپس کرے گا۔ لیکن مشتری میت کی چیز کو موصی لہ پر واپس کرنا چاہے تو نہیں کر سکے گا، کیونکہ موصی لہ میت کا خلیفہ نہیں ہے، موصی لہ اور وصی میں، یا وارث میں یہ فرق ہوتا ہے

۔۳۔ تیسری دلیل: مغرور بشراء المورث : مورث کے خریدنے سے وارث کو دھوکہ ہوا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مورث نے ایک باندی خریدی، پھر وہ مر گیا، اب یہ باندی وارث کے پاس وراثت میں آئی، وارث نے اس باندی سے وطی کی، پھر اس سے بچہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد ایک آدمی آیا کہ یہ باندی میری ہے، اور قاضی کے سامنے ثابت کر دیا کہ یہ باندی بھی میری ہے اور یہ بچہ بھی میرا غلام ہے، اب وارث کو تو پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ باندی بائع کی نہیں ہے، بلکہ کسی اور کی ہے،، اور بچہ بھی اس کا غلام ہے۔ یہ اس کو دھوکہ ہوا۔ اب وارث کے لئے یہ ہے کہ بچے کی قیمت مستحق کو ادا کرے، اور قیمت ادا کرنے کے بعد بچہ آزاد ہو جائے گا۔ اور یہی صورت خود مورث کے ساتھ پیش آتی تب بھی یہی تھا کہ بچے کی قیمت ادا کرے، اور بچہ آزاد کرا لے، اب وارث چونکہ مورث کا خلیفہ ہے تو وارث مورث کی طرح کر سکتا ہے

٢ حَتّٰى لَو حضَرَ وَقَدْ هَلَکَ مَا فِيْ يَدِ الْوَصِيْ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُّشَارِکَ الْمُوْصٰى لَهُ. ٣ أَمَّا الْمُوْصٰى لَـهُ فَلَيْسَ بِخَلِيْفَةٍ عَنِ الْمَيّتِ مِنْ كُلّ وَجْهٍ، لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِسَبَبٍ جَدِيْدٍ، وَلِهٰذَا لَا يَرُدُّ بِالْعَيْبِ وَلَا يُرَدُّ

دوسری صورت، موصی لہ کی۔مورث نے باندی خریدی، مورث نے موصی لہ کے لئے اس باندی کی وصیت کی، اس موصی لہ نے باندی سے وطی کی سو بچہ پیدا ہوا۔ بعد میں کسی نے دعوی کیا کہ یہ باندی میری ہے اور یہ بچہ میرا غلام ہے، اور اس کو ثابت بھی کر دیا، تو موصی لہ کو یہ حق نہیں ہوگا کہ اس بچے کی قیمت دے اور اس کو آزاد کرالے، بلکہ بچہ مستحق ہی کا غلام رہے گا، کیونکہ موصی لہ مورث کا خلیفہ نہیں ہے یہ صرف ویسے ہی موصی نے باندی دے دی تھی، اس لئے موصی لہ، مغرور بشراء المورث، نہیں ہوگا، اور بچے کی قیمت ادا کر کے آزاد نہیں کرائے گا۔ وراث اور موصی لہ میں یہ فرق ہے۔اس کو خوب سمجھیں۔

ترجمہ: ٢ یہاں تک کہ اگر وارث حاضر ہوا اور جو وصی کے پاس مال تھا وہ ہلاک ہو جائے تو یہ وارث ہی کا مال ہلاک ہوا، اس لئے اب موصی لہ کا شریک نہیں ہوگا (یعنی موصی لہ سے نہیں لے گا)

تشریح: وصی میت کا خلیفہ ہے، اس لئے اس نے وارث کی جانب سے جو تقسیم کیا وہ بھی صحیح ہے، اور تقسیم کرنے کے بعد مال اپنے پاس رکھ لیا یہ بھی صحیح ہے، اب اس وصی کے پاس سے یہ مال ہلاک ہو گیا تو یہ وارث کا ہلاک ہوا، کیونکہ وصی وارث کی جانب سے امین ہے۔ چونکہ وصی تقسیم کر کے وارث کا مال لے چکا ہے، اس لئے اب وارث موصی لہ سے کچھ نہیں لے سکے گا، اور نہ اس کے مال میں شریک ہوگا۔لیکن اگر وصی موصی لہ کی جانب سے تقسیم کرتا، اور یہ مال وصی کے پاس ہوتا، تو یہ تقسیم کرنا ہی صحیح نہیں ہے، کیونکہ وصی موصی لہ کا خلیفہ نہیں ہے، اس لئے جو مال ہلاک ہوا وہ خود وصی کا مال ہلاک ہوگا، اس لئے جب موصی لہ آئے گا تو وہ اپنا مال مورث کے مال سے لیگا۔ دونوں میں یہ فرق ہے۔

ترجمہ: ٣ بہر حال موصی لہ تو یہ میت کا خلیفہ کسی طرح بھی نہیں ہے، اس لئے کہ وہ ایک نئے سبب (وصیت کی وجہ سے) چیز کا مالک بنا ہے، یہی وجہ ہے کہ۔ا۔ وہ میت کے مال میں عیب کی وجہ سے اس کے بائع پر واپس نہیں کر سکتا ہے۔٢۔ یا میت کا مشتری عیب کی وجہ سے موصی لہ پر واپس نہیں کر سکتا ہے۔٣۔ موصی کے خریدنے کی وجہ سے موصی لہ کو مغرور قرار نہیں دیا جاتا ہے، اس لئے موصی لہ کے غائب ہوتے وقت وصی اس کا خلیفہ نہیں بنے گا

تشریح: موصی لہ میت کا خلیفہ نہیں ہے، اس لئے وصی بھی موصی لہ کا خلیفہ نہیں بنے گا، اور نہ اس کے غائبانے میں اس کے لئے میت کا مال تقسیم کر سکے گا اس کے لئے تین دلیلیں دے رہے ہیں، جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

۔ا۔ پہلی دلیل۔۔ میت نے مال خریدا تھا وہ مال موصی لہ کے پاس آیا، اس میں عیب ہے تو موصی لہ اس کو میت کے بائع پر واپس نہیں کرے گا، کیونکہ موصی لہ میت کا خلیفہ نہیں ہے، یہ مال تو وصیت کی بنا پر اس کے پاس آیا ہے وارث کی طرح خلافت کی وجہ سے نہیں آیا ہے

عَلَيْهِ وَلا يَصِيرُ مَغْرُورًا بِشِرَاءِ الْمُوْصِيْ فَلا يَكُوْنُ الْوَصِيُّ خَلِيْفَةً عَنْهُ عِنْدَ غَيْبَتِهِ ۴ حَتَّى لَوْ هَلَكَ مَا أَفْرَزَ لَهُ عِنْدَ الْوَصِيِّ كَانَ لَهُ ثُلُثُ مَا بَقِيَ، لِأَنَّ الْقِسْمَةَ لَمْ تَنفُذْ، ۵ غَيْرَ أَنَّ الْوَصِيَّ لا يَضْمَنُ، لِأَنَّهُ أَمِيْنٌ فِيْهِ وَلَهُ وِلايَةُ الْحِفْظِ فِي التَّرِكَةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا هَلَكَ بَعْضُ التَّرِكَةِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَيَكُوْنُ لَهُ ثُلُثُ الْبَاقِيْ، لِأَنَّ الْمُوْصٰى لَهُ شَرِيْكُ الْوَارِثِ فَيَتْوٰى مَا تَوٰى مِنَ الْمَالِ الْمُشْتَرَكِ

۔۲۔دوسری دلیل۔میت نے مال بیچا تھا اس میں کوئی عیب ہے تو اس عیب کی وجہ سے مشتری موصی لہ پر واپس نہیں کرے گا بلکہ وارث پر یا وصی پر واپس کرے گا کیونکہ موصی لہ میت کا خلیفہ نہیں ہے۔

۔۳۔تیسری دلیل۔میت نے باندی خریدی، وصیت کی وجہ سے وہ باندی موصی لہ کے پاس آئی، اس نے وطی کی اور بچہ پیدا کر لیا، بعد میں وہ باندی اور بچہ کسی کا نکل گیا تو موصی لہ بچے کی قیمت دیکر نہیں لے سکے گا اور بچے کو آزاد نہیں کرا سکے گا بلکہ بچہ غلام ہی رہے گا کیونکہ موصی لہ کا خلیفہ نہیں ہے اور یہ چیزیں خلافت کی بنیاد ہوتی ہیں۔

اور جب موصی لہ میت کا خلیفہ نہیں ہے تو وصی بھی موصی لہ کا خلیفہ نہیں بنے گا اور اس کے غائبانے میں اس کے لئے مال تقسیم نہیں کرا سکے گا، اور اس کا مال بھی اپنے پاس نہیں رکھے گا، کیونکہ وصی موصی لہ کا خلیفہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴ یہاں تک کہ اگر وصی نے موصی لہ کا مال الگ کر کے اپنے پاس رکھا تھا وہ ہلاک ہو گیا، تو میت کا جو مال باقی رہ گیا اس کی تہائی موصی لہ کو ملے گی، اس لئے کہ تقسیم ہی صحیح نہیں ہوئی تھی،

تشریح: وصی نے موصی لہ کا مال تقسیم کر کے اپنے پاس رکھا تھا، اب یہ مال ہلاک ہو گیا، تو یہ موصی لہ کا مال ہلاک نہیں ہوا، کیونکہ تقسیم ہی درست نہیں تھی، اور نہ یہ مال وصی کے پاس ہونا چاہئے تھا، اس لئے میت کا جو مال اب تک باقی ہے اس مال میں سے موصی لہ کو تہائی ملے گی

ترجمہ: ۵ یہ اور بات ہے وصی ہلاک شدہ مال کا ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ وصی امین ہے، اور اس کو میت کے ترکے کی حفاظت کی ولایت ہے، تو ایسا ہو گیا کہ تقسیم سے پہلے ترکے کا کچھ مال ہلاک ہو گیا ہو، تو اس صورت میں موصی لہ کو مابقیہ کی تہائی ملتی ہے، اس لئے کہ موصی لہ وارث کا شریک ہے، تو شرکت کے مال میں جتنا ہلاک ہوا وہ دونوں کا ہلاک ہوگا، اور جتنا باقی رہا وہ دونوں کا باقی رہا، یہ قاعدہ ہے۔

تشریح: البتہ وصی میت کے مال کا حفاظت کا ذمہ دار ہے، اور امین ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ امین کے ہاتھ سے کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو اس پر اس کا ضمان نہیں ہوتا ہے، اس لئے وصی پر ہلاک شدہ مال کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ تقسیم سے پہلے اگر کچھ مال ہلاک ہوتا تو اب جو مال باقی ہے اسی میں سے موصی لہ کو اس کی تہائی ملتی، اسی طرح یہاں بھی موصی لہ کو مابقیہ کی تہائی ملے گی۔

عَلَى الشِّرْكَةِ، وَيَبْقٰى مَا بَقِيَ عَلَى الشِّرْكَةِ.

(۱۰۵۴) قَالَ فَإِنْ قَاسَمَ الْوَرَثَةَ وَأَخَذَ نَصِيبَ الْمُوْصٰى لَهُ فَضَاعَ رَجَعَ الْمُوْصٰى لَهُ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ لِمَا بَيَّنَّا.

(۱۰۵۵) وَقَالَ وَإِنْ كَانَ الْمَيِّتُ أَوْصٰى بِحَجَّةٍ فَقَاسَمَ الْوَرَثَةَ فَهَلَكَ مَا فِيْ يَدِهِ حُجَّ عَنِ الْمَيِّتِ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ وَكَذٰلِكَ إِنْ دَفَعَهُ إِلٰى رَجُلٍ لِيَحُجَّ عَنْهُ فَضَاعَ فِيْ يَدِهِ،

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ تقسیم تو صحیح نہیں ہوئی اس لئے جو مال ابھی باقی ہے یہ مال موصی لہ اور میت کے درمیان مشترک ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ مشترکہ مال ہلاک ہو جائے تو سب شریک کا ہلاک ہوگا۔ اور جو باقی رہا وہ سب شریک کا باقی رہا اس لئے سب شریک اس باقی کو اپنے اپنے حق کے مطابق تقسیم کرلیں، اس لئے موصی لہ کو مابقیہ کی تہائی مل جائے گی کیونکہ وصیت کی بنا پر اس کو تہائی ملے گی۔

لغت: افرز: الگ کر کے رکھ لیا۔ یتوی ماتوی: توی کا معنی ہے ہلاک ہونا۔

ترجمہ: (۱۰۵۴) پس اگر وصی نے ورثہ سے بٹوارہ کیا، اور موصی لہ کا حصہ لیکر اپنے پاس رکھا، پھر وہ ضائع ہو گیا تو موصی لہ ما بقی کی تہائی لے گا

ترجمہ: ۱ اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا

تشریح: یہ مسئلہ اوپر گزر چکا ہے۔ وصی نے موصی لہ کے لئے تقسیم کیا، اور موصی لہ کا مال لیکر اپنے پاس رکھا، اس دوران موصی لہ کا حصہ ضائع ہو گیا تو چونکہ وصی موصی لہ کا خلیفہ نہیں ہے اس لئے اس کی جانب سے تقسیم کرنا صحیح نہیں تھا، اور نہ اس کا مال اپنے پاس رکھنا صحیح تھا، اس لئے گویا کہ موصی لہ کو اس کا حصہ نہیں ملا، اس لئے اب جو مال باقی ہے اس میں سے ایک تہائی موصی لہ لے گا

ترجمہ: (۱۰۵۵) اگر میت نے فرض حج کی وصیت کی تھی، اب وصی نے ورثہ سے مال تقسیم کی، پھر وہ وصی کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا، تو جو مال ابھی باقی ہے اس کی تہائی میں حج کرائے، ایسے ہی حج کرنے والے کو مال دے چکا تھا اور اس کے ہاتھ میں مال ہلاک ہو گیا (تو اب جو مال باقی ہے اس کی تہائی میں حج کرائے گا)

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ جس کام کی وصیت کی تھی جب تک وہ کام پورا نہ ہو وصیت پوری نہیں ہوئی، اس سے پہلے مال ہلاک ہوا تو دوبارہ مابقیہ مال کی تہائی سے وہ کام کروائے

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ پورے مال کی ایک تہائی تک وصیت پوری کرنی پڑے گی

اصول: امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ ایک مرتبہ وصیت پوری کرنے کی کوشش کی اتنا ہی کافی ہے، دوبارہ تہائی مال تک وصول نہیں کیا جائے گا

۱؎ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مُسْتَغْرِقًا لِلثُّلُثِ لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ وَإِلَّا يَرْجِعُ بِتَمَامِ الثُّلُثِ ۲؎ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَا يَرْجِعُ بِشَيْءٍ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ حَقُّ الْمُوْصِيْ، وَلَوْ أَفْرَزَ الْمُوْصِيْ بِنَفْسِهِ مَا لَا لِيَحُجَّ عَنْهُ فَهَلَكَ لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ وَبَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ فَكَذَا إِذَا أَفْرَزَهُ وَصِيُّهُ الَّذِيْ قَامَ مَقَامَهُ.

تشریح: میت نے فرض حج کرنے کی وصیت کی، وصی نے بٹوارہ کر کے تہائی مال الگ کیا، پھر وہ مال ہلاک ہو گیا تو ابھی جو مال باقی ہے اس کی تہائی سے حج کرائے، اگر ہو سکتا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مال الگ کر کے حج کرنے والے کو دے دیا تھا، اب حج کرنے والے کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا، تو ابھی بھی میت کا جو مال باقی ہے اس کی تہائی میں حج کرائے، اگر ہو سکتا ہو تو

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک حج پورا نہ ہو جائے وصیت باقی ہے، اور پہلے جو مال ضائع ہوا چونکہ اس سے حج نہیں ہوا ہے اور وصیت پوری نہیں ہوئی ہے اس لئے دوبارہ تہائی مال سے حج کرانے کی کوشش کرے

ترجمہ: ۱؎ حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ پوری تہائی ضائع ہوئی ہے تب تو اب میت کے مال سے کچھ نہیں لیا جائے گا، ورنہ تو تہائی مال تک لیا جائے گا

تشریح: مثلا میت کے ترکے میں نو ہزار روپیہ تھا، اس میں ایک تہائی تین ہزار الگ کر کے وصی نے حج کے لئے رکھا تھا، اور وہ ضائع ہو گیا تو اب وصی دوبارہ میت کے مال سے حج کے لئے نہیں لے گا، لیکن اگر دو ہی ہزار حج کے لئے لیا تھا تو ایک ہزار اور لے سکتا ہے تا کہ پورے مال کی ایک تہائی پوری ہو جائے

وجہ: ان کی دلیل یہ ہے کہ وصیت ایک تہائی میں نافذ ہوتی ہے، اس لئے ایک تہائی پوری ہونے تک میت کے مال سے لیا جائے گا، اور اگر اس سے بھی حج نہیں ہوا تو اب وصیت باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۲؎ امام محمدؒ نے فرمایا کہ کچھ واپس نہیں لیگا، اس لئے کہ تقسیم کرانا وصیت کرنے والے کا حق ہے (اور وہ تقسیم کر کے لے چکا ہے، تو اب دوبارہ کیوں لے) چنانچہ خود وصیت کرنے والا مال الگ کر لیتا تا کہ حج کر لے۔ پھر ہلاک ہو جائے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہو گا اور وصیت باطل ہو جائے گی تو ایسے ہی اس کے وصی نے الگ کر لیا جو موصی کے قائم مقام ہے (تو دوبارہ مال کیوں لے)

تشریح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مال تقسیم کر کے حج کے لئے لے چکا ہے، وصیت پوری ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے، اب وہ ہلاک ہو گیا تو دوبارہ لینے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وصیت پوری ہو چکی ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ تقسیم کرنا خود موصی کا حق ہے، چنانچہ وہ خود حج کے کے لئے الگ کر کے رکھتا اور وہ ہلاک ہو جاتا تو دوبارہ لینے کی ضرورت نہیں تھی، تو وصی اس کا قائم مقام ہے، اب اس نے تقسیم کر کے الگ کیا اور ہلاک ہو گیا تو یہاں بھی دوبارہ لینے کی ضرورت نہیں ہے

۳ وَلِأَبِي يُوسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ مَحَلَّ الْوَصِيَّةِ الثُّلُثُ فَيَجِبُ تَنْفِيذُهَا مَا بَقِيَ مَحَلُّهَا، وَإِذَا لَمْ يَبْقَ بَطَلَتْ لِفَوَاتِ مَحَلِّهَا، ۴ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ الْقِسْمَةَ لَا تُرَادُ لِذَاتِهَا، بَلْ لِمَقْصُودِهَا وَهِيَ تَأْدِيَةُ الْحَجِّ فَلَمْ تُعْتَبَرْ دُونَهُ، وَصَارَ كَمَا إِذَا هَلَكَ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَيَحُجُّ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ، ۵ وَلِأَنَّ تَمَامَهَا بِالتَّسْلِيمِ إِلَى الْجِهَةِ الْمُسَمَّاةِ، إِذْ لَا قَابِضَ لَهَا، فَإِذَا لَمْ يُصْرَفْ إِلَى ذٰلِكَ الْوَجْهِ لَمْ يَتِمَّ فَصَارَ كَهَلَاكِهِ قَبْلَهَا.

(۱۰۵۶) قَالَ وَمَنْ أَوْصَى بِثُلُثِ أَلْفِ دِرْهَمٍ فَدَفَعَهَا الْوَرَثَةُ إِلَى الْقَاضِيْ فَقَسَمَهَا وَالْمُوْصٰى لَهُ غَائِبٌ فَقِسْمَتُهُ جَائِزَةٌ،

ترجمه: ۳ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کا محل ایک تہائی ہے، اس لئے جب تک اس کا محل باقی ہے اس کو نافذ کرنا واجب ہے، اور اگر محل باقی نہ رہے تو وصیت باطل ہو جائے گی محل کے فوت ہونے کی وجہ سے

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے کہ وصیت میت کی ایک تہائی مال میں نافذ ہوتی ہے اس لئے جب تک ایک تہائی مال ہے میت کی وصیت وہاں تک پوری کی جائے گی، اور اس سے حج نہ ہو تو اب وصیت باطل ہو جائے گی، لیکن ایک تہائی سے زیادہ میں وصیت نہیں ہوتی ہے اس لئے ایک تہائی سے زیادہ نہیں لی جائے گی۔

ترجمه: ۴ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم مقصود نہیں ہے حج ادا کرنا مقصود ہے اس لئے حج ادا کئے بغیر اس کا اعتبار نہیں ہوگا، اور ایسا ہو گیا کہ تقسیم سے پہلے مال ہلاک ہو گیا ہو (تو دوبارہ تہائی لی جائے گی) اس لئے جو باقی رہا اس میں سے تہائی سے حج کرایا جائے گا

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حج کرانا اصل مقصود ہے، مال تقسیم کرنا اصل مقصود نہیں ہے اس لئے ہلاک شدہ مال سے ابھی حج ادا نہیں ہوا ہے تو جو مال باقی ہے اس کی تہائی سے حج کرایا جائے گا

ترجمه: ۵ اور اس لئے کہ وصیت کا پورا ہونا جو جہت متعین کی ہے اس میں سپرد کرنے سے ہے، اس لئے کہ اس کو قبضہ کرنے والا نہیں ہے، پس جب اس جہت میں صرف نہیں کیا تو وصیت پوری نہیں ہوئی، تو ایسا ہو گیا کہ تقسیم سے پہلے ہلاک ہو گیا ہو

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی یہ دوسری دلیل ہے کہ جس چیز کی وصیت کی ہے اس کو پورا کرے تب سمجھا جائے گا کہ اس جہت میں مال سپرد کیا، لیکن اس جہت میں مال سپرد نہیں کیا تو وصیت پوری نہیں ہوئی، اس لئے وصیت پوری کرنے کے لئے دوبارہ تہائی مال سے پوری کی جائے گی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مال کی تقسیم سے پہلے ایک تہائی مال ہلاک ہو جائے تو باقی مال کی تہائی سے حج کرایا جاتا ہے، اسی طرح یہاں بھی ہوگا

ترجمه: (۱۰۵۶) ایک آدمی نے ایک ہزار کی تہائی کی وصیت کی، پھر ورثہ نے قاضی کو ایک ہزار سپرد کر دیا، قاضی نے اس کو موصی لہ کی غائبانے میں تقسیم کر دیا تو قاضی کی تقسیم جائز ہے

۱ لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ صَحِيحَةٌ، ۲ وَلِهٰذَا لَوْ مَاتَ الْمُوْصٰى لَهُ قَبْلَ الْقَبُوْلِ تَصِيرُ الْوَصِيَّةُ مِيرَاثًا لِوَرَثَتِهِ، ۳ وَالْقَاضِيُ نُصِبَ نَاظِرًا لا سِيَّمَا فِيْ حَقِّ الْمَوْتٰى وَالْغُيَّبِ، وَمِنَ النَّظْرِ إِفْرَازُ نَصِيبِ الْغَائِبِ وَقَبْضِهِ

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ وصیت صحیح ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ موصی لہ کے غائبانے میں قاضی اس کا نائب ہے، اس لئے قاضی کا تقسیم کر کے لینا بھی جائز ہے، اور اس کا قبول کرنا بھی جائز ہے

تشریح: موصی نے ایک ہزار کی تہائی کی وصیت کی، موصی لہ غائب تھا، اس دوران ورثہ نے ایک ہزار درہم قاضی کو دیا کہ اس کو تقسیم بھی کر دیں اور موصی لہ کا حصہ آپ لے لیں، قاضی نے تقسیم کر کے موصی لہ کا حصہ اپنے پاس رکھ لیا، تو یہ تقسیم کرنا بھی جائز ہے اور اپنے پاس رکھنا بھی جائز ہے

قاضی موصی لہ کا نگراں ہیں، اس کے لئے یہاں تین مسئلے متفرع ہیں

۔۱۔ موصی کی موت کے بعد موصی لہ وصیت کو قبول کرے گا تب موصی لہ اس مال کا مالک ہوگا، یہاں موصی لہ غائب ہے اس لئے اس نے قبول نہیں کیا تو پھر بھی موصی لہ اس مال کا مالک کیسے بنا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی اس غائب کا نائب ہے، اس نے موصی لہ کی جانب سے قبول کر لیا، اس لئے موصی لہ اس مال کا مالک بن گیا

۔۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ موصی لہ حاضر نہیں ہے تو اس کی حاضری کے بغیر مال تقسیم کرنا کیسے جائز ہو گیا؟ تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ قاضی اس کا نائب ہے اس لئے میت کا مال تقسیم کرنا جائز ہو گیا

۔۳۔ موصی لہ نے مال پر قبضہ نہیں کیا ہے، پھر بھی یہ مال قاضی کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو موصی لہ کا مال کیسے ہلاک ہوا؟ اس کا بھی جواب یہی ہے کہ قاضی اس کا نائب ہے اس لئے قاضی نے جب یہ مال اپنے پاس رکھا، تو گویا کہ خود موصی لہ نے اپنے پاس رکھا، اس لئے قاضی کے پاس یہ مال ہلاک ہوا تو موصی لہ کا مال ہلاک ہوا، اب موصی لہ دوبارہ ورثہ سے نہیں لے سکتا ہے، کیونکہ قاضی نے ایک بار لے لیا ہے۔ قاضی موصی لہ کا نائب اور نگراں ہے اس کے لئے یہاں یہ تین مسئلے متفرع ہیں۔

ترجمہ: ۲ یہی وجہ ہے کہ وصیت کے قبول کرنے سے پہلے موصی لہ مر گیا تب بھی وصیت کا یہ مال موصی لہ کے ورثہ کے لئے میراث ہو جائے گا

تشریح: موصی کے مرنے کے بعد موصی لہ اس وصیت کو قبول کرے گا تب وصیت کا مال اس کی ملکیت میں داخل ہوگا، یہاں موصی لہ غائب ہے، اس لئے اس نے وصیت قبول نہیں کی ہے، لیکن قاضی نے اس کی جانب سے قبول کر لیا، اس لئے مال موصی لہ کی ملکیت میں داخل ہو گیا ہے، اب موصی لہ کا انتقال ہو جائے تب بھی یہ مال اس کے ورثہ کا ہوگا، اور اس کے ورثہ میں تقسیم ہو گا، کیونکہ قاضی نے موصی لہ کی جانب سے قبول کر لیا ہے، کیونکہ قاضی موصی لہ کا نگراں ہے۔

ترجمہ: ۳ اور قاضی نگراں متعین کیا گیا ہے، خاص طور پر مردوں کے لئے اور غائب لوگوں کے لئے، اور نگرانی کی بات

فَنفَذَ ذٰلِکَ وَصَحَّ حَتّٰى لَوْ حَضَرَ الْغَائِبُ وَقَدْ هَلَکَ الْمَقْبُوْضُ لَمْ يَکُنْ لَهٗ عَلَى الْوَرَثَةِ سَبِيْلٌ.

(۱۰۵۷) قَالَ وَإِذَا بَاعَ الْوَصِيُّ عَبْدًا مِنَ التَّرِکَةِ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِنَ الْغُرَمَاءِ فَهُوَ جَائِزٌ، ل لِأَنَّ الْوَصِيَّ قَائِمٌ مَقَامَ الْمُوْصِيْ، وَلَوْ تَوَلّٰى حَيًّا بِنَفْسِهٖ يَجُوْزُ بَيْعُهٗ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِنَ الْغُرَمَاءِ وَإِنْ کَانَ فِيْ مَرَضِ مَوْتِهٖ فَکَذَا إِذَا تَوَلَّاهُ مَنْ قَامَ مَقَامَهٗ، وَهٰذَا لِأَنَّ حَقَّ الْغُرَمَاءِ مُتَعَلِّقٌ بِالْمَالِيَةِ لَا بِالصُّوْرَةِ، وَالْبَيْعُ لَا

میں سے غائب کے حصے کو الگ کرنا ہے، اور اس پر قبضہ کرنا ہے اس لئے یہ تقسیم نافذ ہوگی، اور صحیح ہوگی، یہاں تک کہ اگر غائب آدمی حاضر ہوا اور قبضہ کیا ہوا حصہ ہلاک ہو گیا تو اب میت کے ورثہ سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔

تشریح: قاضی سب کا نگراں ہوتا ہے، خاص طور پر مردوں کا نگراں ہے، اور غائب آدمی کا نگراں ہے، اور نگرانی میں سے یہ بھی ہے کہ موصی لہ جو غائب ہے اس کے مال کا بٹوارہ کرے، اس کے مال پر قبضہ کرے، اس لئے بٹوارہ کرنا بھی صحیح ہے اور اس پر قاضی کا قبضہ کرنا بھی صحیح ہے، چنانچہ قاضی کے پاس سے یہ مال ہلاک ہو جائے تو یہ موصی لہ کا ہی ہلاک ہوا، اس لئے موصی لہ جب آجائے تو اب میت کے ورثہ سے مزید کچھ نہیں لے سکے گا، کیونکہ قاضی ایک مرتبہ لے چکا ہے

ترجمہ: (۱۰۵۷) ترکے کے غلام کو قرض خواہوں کے غیر حاضری میں وصی نے بیچ دیا تو جائز ہے

ترجمہ: ل اس لئے کہ وصی موصی کے قائم مقام ہے، اور اگر موصی اپنی زندگی میں قرض خواہوں کی غیر حاضری میں خود غلام کو بیچ دیتا تو جائز تھا، اگر چہ اپنی مرض موت میں بھی ہو، ایسے ہی جو اس کے قائم مقام ہو وہ بیچ دے تو جائز ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض خواہوں کا حق غلام کی مالیت سے متعلق ہے، اس کی ذات سے متعلق نہیں ہے، اور بیچنے سے مالیت ختم نہیں ہوگی، کیونکہ غلام کے بدلے میں اس کی قیمت آرہی ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غلام کی ذات سے قرض خواہوں کا حق متعلق نہ ہو تو جس طرح میت قرض خواہوں کی غیر حاضری میں غلام کو بیچ سکتا ہے اسی طرح اس کا خلیفہ وصی بھی قرض خواہوں کی غیر حاضری میں بیچ سکتا ہے۔

اصول: دوسرا اصول یہ ہے کہ اگر غلام کی ذات کے ساتھ قرض خواہوں کا حق متعلق ہو، مثلا اس کو بیچ کر پیسہ اصول کرنا ہو، یا اس سے کام کروا کر پیسہ وصول کرنا ہو تو جس طرح میت قرض خواہوں کی اجازت کے بغیر غلام کو نہیں بیچ سکتا ہے، اسی طرح اس کا خلیفہ وصی بھی نہیں بیچ سکتا ہے۔ یہ دو اصول یہاں ہے۔

تشریح: میت پر قرض تھا، اور میت کے ترکے میں غلام تھا، اب وصی نے قرض خواہوں کی اجازت کے بغیر غلام بیچ دیا تو بیع جائز ہوگی

وجہ: (۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ وصی موصی کا خلیفہ ہے، اس لئے جو کام موصی کر سکتا ہے وہی کام وصی بھی کر سکتا ہے، اور موصی غلام کو قرض والوں کی اجازت کے بغیر بیچ سکتا ہے، اسی طرح اس کا خلیفہ وصی بھی بیچ سکتا ہے۔ (۲) غلام کی ذات کے ساتھ قرض

يُبْطِلُ الْمَالِيَّةَ لِفَوَاتِهَا إِلَى خَلْفٍ وَهُوَ الثَّمَنُ، ۲ بِخِلَافِ الْعَبْدِ الْمَدْيُوْنِ، لِأَنَّ لِلْغُرَمَاءِ حَقَّ الْإِسْتِسْعَاءِ، أَمَّا هٰهُنَا فَبِخِلَافِهِ.

(۱۰۵۸) قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِأَنْ يُبَاعَ عَبْدُهُ وَيَتَصَدَّقُ بِثَمَنِهِ عَلَى الْمَسَاكِيْنِ فَبَاعَهُ الْوَصِيُّ وَقَبَضَ الثَّمَنَ فَضَاعَ فِيْ يَدِهٖ فَاسْتَحَقَّ الْعَبْدُ ضَمِنَ الْوَصِيُّ، ۱ لِأَنَّهُ هُوَ الْعَاقِدُ فَتَكُوْنُ الْعُهْدَةُ عَلَيْهِ وَهٰذِهِ عُهْدَةٌ، لِأَنَّ الْمُشْتَرِيْ مِنْهُ مَا رَضِيَ بِبَذْلِ الثَّمَنِ إِلَّا لِيُسَلِّمَ لَهُ الْمَبِيْعَ وَلَمْ يُسَلِّمْ فَقَدْ أَخَذَ الْوَصِيُّ

والوں کا حق متعلق نہیں ہے، بلکہ اس کی مالیت کے ساتھ متعلق ہے، اور اس کو بیچنے کے بعد اس کی قیمت آئے گی جس سے قرض والوں کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے، اس لئے اس کی غیر حاضری میں بھی بیچنا جائز ہے (۳) اس قول تابعی میں ہے کہ وصی بیچ سکتا ہے۔عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: »بَيْعُ الْوَصِيِّ جَائِزٌ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من قال امر الوصی جائز، وھو بمنزلتہ، نمبر ۳۰۹۲۶)

ترجمہ: ۲ بخلاف مقروض غلام کے، (اس کو قرض والوں کی اجازت کے بغیر نہیں بیچ سکتا ہے) اس لئے کہ قرض والوں کو حق ہے کہ غلام سے کام کروا کر قرض وصول کر لے، لیکن یہاں اس کے خلاف ہے (کہ غلام کی مالیت کے ساتھ حق متعلق ہے اس کی ذات کے ساتھ نہیں)

تشریح: ایسا غلام جس کو آقا نے تجارت کی اجازت دی ہو، جس کو، عبد ماذون، کہتے ہیں، اس پر قرض ہو تو اس کو میت بھی بغیر قرض والوں کی اجازت کے نہیں بیچ سکتا ہے اور نہ اس کا وصی بیچ سکتا ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ غلام نے خود یہ قرض لیا ہے، اس لئے قرض والا یا تو اس کو بیچوا کر قرض وصول کرے گا، یا اس سے اپنا قرض کما کر وصول کرے گا، تو چونکہ اس غلام کی ذات کے ساتھ قرض والے کا حق متعلق ہے اس لئے نہ موصی بغیر اجازت کے بیچ سکتا ہے، اور نہ وصی بیچ سکتا ہے۔

ترجمہ: (۱۰۵۸) کسی نے وصیت کی کہ اس کا غلام بیچ کر مسکین پر تقسیم کر دیا جائے، پھر وصی نے اس کو بیچا اور قیمت پر قبضہ کیا، پھر قیمت اس کے ہاتھ سے ضائع ہو گئی پھر غلام کسی کا مستحق ہو گیا تو وصی قیمت کا ضامن ہو گا

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ وصی ہی بیع کرنے والا ہے، اس لئے اس کی ذمہ داری اسی پر ہے، اور قیمت واپس کرنا ذمہ داری ہے، اس لئے کہ جب تک مشتری کو مبیع واپس نہ مل جائے وہ قیمت دینے کے لئے راضی نہیں ہے، اور وصی نے مبیع نہیں دی ہے، اور وصی جو بائع ہے اس کے غیر کے مال کو اس کی رضامندی کے بغیر لیا ہے اس لئے اس پر اس قیمت کا واپس کرنا واجب ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وصی نے غلام بیچا ہے تو عیب وغیرہ کا ذمہ دار وصی ہی ہے، اور اسی کو قیمت واپس کرنا ہو گا۔ البتہ یہ قیمت میت کے ترکے سے وصول کرے گا، کیونکہ اسی کے لئے وصی نے کام کیا ہے

تشریح: میت نے وصی کو یہ وصیت کی کہ اس غلام کو بیچ کر مساکین میں تقسیم کر دیں، اس نے غلام بیچ دیا، اس کی قیمت پر

الْبَائِعُ مَالَ الْغَيْرِ بِغَيْرِ رِضَاهُ فَيَجِبُ عَلَيْهِ رَدُّهُ،
(۱۰۵۹) وَيَرْجِعُ فِيمَا تَرَكَ الْمَيِّتُ ١ لِأَنَّهُ عَامِلٌ لَهُ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ كَالْوَكِيلِ، ٢ وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَقُولُ أَوَّلًا لَا يَرْجِعُ لِأَنَّهُ ضَمِنَ بِقَبْضِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَا ذَكَرْنَا، وَيَرْجِعُ فِي جَمِيعِ

قبضہ کیا، یہ قیمت وصی کے ہاتھ میں رہتے ہوئے ہلاک ہوگئی، بعد میں یہ غلام بھی کسی کا مستحق نکل گیا، تو وصی پر اس قیمت کا واپس کرنا لازم ہے

وجہ: (۱) وصی ہی نے مشتری سے قیمت لی ہے، اور اس بنیاد پر لی ہے کہ غلام دوں گا، اور وہ نہیں دے سکا، اس لئے وہی قیمت کا ذمہ دار ہے، کیونکہ وہی غلام کا بائع ہے۔ البتہ چونکہ وہ موصی کا امین ہے اس لئے یہ مال موصی ہی کا ہلاک ہوا ہے، اس لئے ابھی تو وصی اپنی جیب سے دیگا، بعد میں میت کے پورے ترکے سے وصول کرے گا۔ (۲) وصی موصی کا خلیفہ ہے، اور یہ بیچنا موصی کے لئے کیا ہے اس لئے بھی بعد میں موصی کے مال سے وصول کرے گا۔

ترجمہ: (۱۰۵۹) اور میت نے جو کچھ مال چھوڑا ہے اس سے وصی وصول کرے گا

ترجمہ: ١ اس لئے کہ وصی نے اسی کے لئے کام کیا تھا، اس لئے اس کے مال ہی سے وصول کرے گا، جیسے وکیل موکل سے وصول کرتا ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ٢ امام ابوحنیفہؒ پہلے کہتے تھے کہ وصی میت کے مال سے وصول نہیں کرے گا اس لئے کہ اس کے قبضے میں رہتے ہوئے یہ ضمان لازم ہوا ہے، پھر اس قول سے رجوع کر گئے اس بات کی طرف جو ہم نے ذکر کیا، اور میت کے پورے مال سے وصول کرے گا

تشریح: حضرت امام ابوحنیفہؒ پہلے کہتے تھے کہ وصی نے غلام کی جو قیمت مشتری کو دی ہے وہ میت کے مال سے وصول نہیں کرے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ قیمت جو ہلاک ہوئی وہ خود وصی کے قبضے میں رہتے ہوئے ہلاک ہوئی، اور اس کی کوتاہی سے ہلاک ہوئی ہے، اس لئے اسی کے مال سے ہلاک ہونا چاہئے، دوسری بات یہ ہے کہ غلام کا جب مستحق نکل گیا تو بیچنے کے لئے جو وصی بنایا تھا وہ وصایت ختم ہوگئی اس لئے بھی یہ مال میت کے ترکے سے وصول نہیں کرے گا۔ لیکن بعد میں امام ابوحنیفہؒ اس بات کی طرف رجوع کیا کہ میت کے مال سے وصول کرے گا، اور پورے ترکے سے وصول کرے گا

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ وصی نے موصی کے لئے بیچا ہے، اس لئے موصی کے مال سے وصول کرے گا۔ (۲) وصی میت کا امین ہے، اس لئے اس کے ہاتھ میں بغیر کسی تفریط کے قیمت ہلاک ہوئی تو امین پر ضمان نہیں ہے، یہ میت کے مال سے ہلاک ہوا ہے اس لئے میت کے مال سے وصول کرے گا۔ (۳) وصی امین ہے اس کے لئے قول تابعی یہ ہے۔ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: »الْوَصِيُّ أَمِينٌ فِيمَا أُوصِيَ إِلَيْهِ بِهِ (سنن الدارمی، باب مایجوز للوصی و مالا یجوز، نمبر ۳۲۴۶) (۴) اور امین پر بغیر کسی سستی کے ہلاک ہوا تو اس پر ضمان نہیں ہے اس کے لئے یہ قول تابعی ہے۔ عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: لَيْسَ

التَّرِكَةِ، ٣ وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّهُ يَرْجِعُ فِي الثُّلُثِ، لِأَنَّ الرُّجُوعَ بِحُكْمِ الْوَصِيَّةِ فَأَخَذَ حُكْمَهَا، وَمَحَلُّ الْوَصِيَّةِ الثُّلُثُ. ٤ وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّهُ يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِحُكْمِ الْغُرُوْرِ وَذٰلِكَ دَيْنٌ عَلَيْهِ، وَالدَّيْنُ يُقْضٰى مِنْ جَمِيعِ التَّرِكَةِ. ٥ بِخِلَافِ الْقَاضِيْ أَوْ أَمِينِهِ إِذَا تَوَلَّى الْبَيْعَ حَيْثُ لَا عُهْدَةَ عَلَيْهِ، لِأَنَّ فِيْ إِلْزَامِهَا الْقَاضِيْ تَعْطِيلَ الْقَضَاءِ، إِذْ يَتَحَامٰى عَنْ تَقَلُّدِ هٰذِهِ الْأَمَانَةِ حَذَرًا عَنْ لُزُوْمِ الْغَرَامَةِ

عَلَى الْمُسْتَعِيرِ، وَلَا عَلَى الْمُسْتَوْدِعِ غَيْرِ الْمُغِلِّ ضَمَانٌ (مصنف عبدالرزاق، باب العاریۃ، نمبر ١٤٧٨٢)

ترجمہ: ٣ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ وصی صرف میت کی تہائی مال تک وصول کرسکتا ہے، اس لئے کہ یہ وصول وصیت کی وجہ سے ہے، اس لئے وصیت کا حکم لے لیا، اور وصیت کا محل تہائی ہے

تشریح: وصی نے مستحق شدہ غلام کی قیمت ادا کی، اس بارے میں امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ غلام کی قیمت کتنی ہی ہو لیکن وصی میت کے مال سے صرف اس کی تہائی وصول کرسکتا ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ وصی نے وصیت کی وجہ سے غلام بیچا ہے اور وصیت میت کی تہائی مال میں جاری ہوتی ہے، اس لئے تہائی مال تک ہی وصول کرسکتا ہے، اور جو زیادہ ادا کیا وہ خود وصی کی جیب سے جائے گا۔

ترجمہ: ٤ امام ابو حنیفہؒ کے ظاہری قول کی وجہ یہ ہے کہ موصی کے دھوکے کی وجہ سے پورے ترکے سے وصول کرے گا، اور یہ موصی پر قرض ہے، اور قرض پورے ترکے سے وصول کیا جاتا ہے

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کا ظاہری قول یہ تھا کہ وصی نے غلام کے جتنے پیسے دئے ہیں وہ تمام وصول کرے گا چاہے میت کی پوری جائداد صرف ہو جائے، صرف تہائی مال سے لے ایسا نہیں ہے

وجہ: اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ موصی نے کہا تھا کہ یہ غلام مستحق کا نہیں ہے، صرف میرا ہے، اس یقین کی وجہ سے وصی نے غلام بیچا تھا، اور بعد میں یہ دوسرے کا نکل گیا تو وصی کو موصی کی جانب سے دھوکہ ہوا ہے، اور دھوکے میں جو خرچ ہوتا ہے وہ دھوکہ دینے والے پر قرض ہوتا ہے وہ وصیت نہیں ہوتی، اور قرض پورے مال سے وصول کیا جاتا ہے اس لئے یہ قرض میت کے پورے مال سے وصول کیا جائے گا۔ (٢)۔ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: »الْوَصِيُّ أَمِينٌ فِيمَا أُوصِيَ إِلَيْهِ بِهِ (سنن الدارمی، باب ما یجوز للوصی و ما لا یجوز، نمبر ٣٢٤٦)

ترجمہ: ٥ بخلاف قاضی یا اس کے امین کے جب کہ وہ بیچنے کا متولی ہوں، تو اس پر قیمت ادا کرنے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اس لئے کہ قاضی پر یہ لازم کرنے سے قضا کو معطل کرنا ہے، اس لئے کہ ضمان لازم کرنے کے خوف سے قاضی اس امانت کو اٹھانے سے پرہیز کرے گا، تو مصلحت عامہ معطل ہو جائے گی، اور قاضی کا امین اس کا سفیر ہے، ایلچی کے مثل اور وصی ایسا نہیں ہے اس لئے کہ وہ وکیل کے مثل ہے، اور یہ بات کتاب القضاء میں گزر چکی ہے۔

فَتَتَعَطَّلُ مَصْلَحَةُ الْعَامَةِ، وَأَمِيْنُهُ سَفِيْرٌ عَنْهُ كَالرَّسُوْلِ، وَلَا كَذٰلِكَ الْوَصِيُّ، لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْوَكِيْلِ، وَقَدْ مَرَّ فِيْ كِتَابِ الْقَضَاءِ، ۲؎ فَإِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ قَدْ هَلَكَتْ أَوْ لَمْ يَكُنْ بِهَا وَفَاءٌ لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ كَمَا إِذَا كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ دَيْنٌ اٰخَرُ.

(۱۰۶۰) قَالَ وَإِنْ قَسَمَ الْوَصِيُّ الْمِيْرَاثَ فَأَصَابَ صَغِيْرًا مِنَ الْوَرَثَةِ عَبْدٌ فَبَاعَهُ وَقَبَضَ الثَّمَنَ فَهَلَكَ وَاسْتَحَقَّ الْعَبْدُ رَجَعَ فِيْ مَالِ الصَّغِيْرِ، ۱؎ لِأَنَّهُ عَامِلٌ لَهُ وَيَرْجِعُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْوَرَثَةِ بِحِصَّتِهِ

تشریح: قاضی نے یا قاضی کے امین نے غلام بیچا، پھر اس کی قیمت ہلاک ہوگئی، اور بعد میں غلام کسی کا مستحق نکل گیا تو اس قیمت کی آدائیگی قاضی اور اس کے امین پر نہیں ہوگی،

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس پر ڈال دیں تو ضمان کے خوف سے کوئی بھی قاضی نہیں بنے گا اور مصلحت عامہ ختم ہو جائے گی، اس لئے قاضی پر قیمت لازم نہیں ہوگی۔۔قاضی نے جس کو امین متعین کیا ہے اس پر بھی غلام کی قیمت لازم نہیں ہوگی، کیونکہ یہ بھی قاضی کا سفیر ہے، اس لئے جو حکم قاضی کا ہوگا وہی حکم اس کے امین کا بھی ہوگا۔اور وصی پر اس لئے لازم ہوا کہ وہ وکیل کے درجے میں ہے، اور وکیل کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر اس نے بیچا ہے تو مبیع کی ذمہ داری اسی پر ہوگی، کیونکہ وہی بائع ہے، البتہ بعد میں یہ قیمت اپنے موصی اور موکل سے وصول کرلے گا۔یہ بات باب ادب القاضی میں گزر چکی ہے۔

لغت: تولی: ولی سے مشتق ہے، بیع کا ولی بنا، یعنی بیع کی۔عہدۃ: ذمہ داری۔یتحامی: حمی سے مشتق ہے، کسی کام سے ناک چڑھانا، بچے گا۔تقلد: قلادۃ سے مشتق ہے، گلے میں ہار ڈالنا، عہدہ قبول کرنا۔الغرامۃ: تاوان۔ضمان۔

ترجمہ: ۲؎ اور اگر ترکہ ہلاک ہو چکا ہے، یا اتنا ہے کہ اس سے دی ہوئی قیمت پوری نہیں ہوگی تو وصی کچھ وصول نہیں کرے گا، جیسے میت پر دوسرا قرض ہو تو کچھ وصول نہیں کر پاتا ہے

تشریح: وصی نے مشتری کی قیمت ادا کر دی تھی، لیکن اب مزید میت کے پاس کوئی مال نہیں ہے، یا ہے لیکن اتنا کم ہے کہ غلام کی قیمت پوری نہیں ہوگی تو اب میت کے مال سے کچھ نہیں لے سکے گا، کیونکہ مال ہے ہی نہیں، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ میت کے پاس مال ہے لیکن اس پر پہلے اتنا قرض ہے کہ پورا مال خرچ ہو جائے تو وصی کو کچھ نہیں ملے گا، ایسا ہی یہاں کچھ نہیں ملے گا، یا اتنا ملے گا جتنا اس کے پاس بچا ہوا مال ہے۔

ترجمہ: (۱۰۶۰) وصی نے میراث تقسیم کر دی، لیکن ورثہ میں ایک بچہ کو ایک غلام ملا، تو وصی نے اس غلام کو بیچا اور اس کی قیمت پر قبضہ کر لیا، پھر یہ ثمن ہلاک ہو گیا، اور غلام کسی کا مستحق نکل گیا تو وصی بچے کے مال سے یہ قیمت وصول کرے گا

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ وصی بچے کے لئے کام کرنے والا تھا، اور بچہ اپنے حصے کا ورثہ سے وصول کرے گا، اس لئے کہ استحقاق کی وجہ سے تقسیم ٹوٹ گئی ہے

لِانْتِقَاضِ الْقِسْمَةِ بِاسْتِحْقَاقِ مَا أَصَابَهُ.

(۱۰۶۱) قَالَ وَإِذَا احْتَالَ الْوَصِيُّ بِمَالِ الْيَتِيمِ فَإِنْ كَانَ خَيْرًا لِلْيَتِيمِ جَازَ لے وَهُوَ أَنْ يَكُوْنَ أَمْلَأَ، إِذِ الْوِلَايَةُ نَظَرِيَّةٌ، وَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ أَمْلَأَ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّ فِيهِ تَضْيِيعَ مَالِ الْيَتِيمِ عَلَى بَعْضِ الْوُجُوهِ.

(۱۰۶۲) قَالَ وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الْوَصِيِّ وَلَا شِرَاؤُهُ إِلَّا بِمَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِي مِثْلِهِ،

تشریح: وصی نے وراثت تقسیم کی، وراث میں ایک بچہ تھا، اوراس کے حصے میں غلام آیا تھا، چونکہ یہ وصی تھا اس لئے بچے کی نگرانی اسی کے ذمے تھی، اس نے غلام بیچ کر اس کی قیمت اپنے پاس رکھ لی، اس دوران یہ رقم ہلاک ہوگئی، اور غلام کسی کا مستحق نکل گیا، اس کی وجہ سے وصی کو اپنی جیب سے غلام کی قیمت مشتری کو دینی پڑی، اب چونکہ وصی بچے کے لئے کام کر رہا تھا، اس لئے پہلے قاعدے کے اعتبار سے یہ دی ہوئی قیمت بچے کے مال سے وصول کرے گا، لیکن چونکہ غلام کسی کا مستحق نکل گیا ہے، اس لئے اس کی وجہ سے پہلی کی ہوئی تقسیم ٹوٹ گئی، اوراب بچہ باقی ورثہ سے اپنا حصہ وصول کرے گا، کیونکہ باپ کی وجہ سے غلام مستحق نکلا ہے، اوراس کا نقصان بچے کو ہوا ہے اس لئے بچہ یہ رقم باقی ورثہ کے مال سے وصول کرے گا

ترجمہ: (۱۰۶۱) جب یتیم کے مال کے سلسلے میں وصی نے حوالہ قبول کرلیا، پس اگر حوالہ کا قبول کرنا یتیم کے لئے بہتر ہوتو جائز ہے

ترجمہ: لے اور وہ یہ ہے کہ جس پر حوالہ کیا ہے وہ مالدار ہو، اس لئے کہ یہ ولایت نظری ہے، اوراگر پہلا زیادہ مالدار ہوتو جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس میں بعض وجہ سے یتیم کے مال کو ضائع کرنا ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وصی یتیم کے لئے وہی کام کرسکتا ہے جو اس کے لئے فائدہ مند ہو، اور جو کام فائدہ مند نہ ہو وہ کام نہیں کرسکتا ہے

تشریح: یتیم کا قرض مثلا زید پر تھا، اب زید نے کہا کہ یہ قرض عمر ادا کرے گا، اور وصی نے اس کو قبول کرلیا کہ ٹھیک ہے یہ قرض اب عمر ادا کرے گا۔ تو اگر عمر زیادہ مالدار ہوتو یہ حوالہ جائز ہے، کیونکہ وہ جلدی قرض ادا کردے گا، اوراگر وہ زید سے کم مالدار ہوتو جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ قرض ادا کرنے میں دیر کرے گا، اور یتیم کو تاخیر سے رقم ملنے کا نقصان ہوگا،

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ وصی کی نگرانی نظری اور فائدے کے لئے ہے اس لئے جس میں فائدہ ہو وہی کام کرسکتا ہے، جس میں فائدہ نہ ہو وہ کام نہیں کرسکتا ہے۔

لغت: احتال: حول سے مشتق ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا، قرض کو دوسرے کے حوالہ کرنا۔ املاء: مل ء سے مشتق ہے، مالدار ہونا۔ نظریۃ: نظر سے مشتق ہے، شفقت کی چیز، فائدے مند۔

ترجمہ: (۱۰۶۲) جتنا لوگ خسارہ برداشت کرتے ہیں اتنے ہی میں وصی بیچ، یا خرید سکتا ہے

۱ لِأَنَّـهُ لا نَظَرَ فِي الْغَبْنِ الْفَاحِشِ، بِخِلَافِ الْيَسِيرِ، لِأَنَّهُ لا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ فَفِيْ اِعْتِبَارِهِ اِنْسِدَادُ بَابِهِ، ۲ وَالـصَّبِيُّ الْمَأْذُوْنُ وَالْعَبْدُ الْمَأْذُوْنُ وَالْمُكَاتَبُ يَجُوْزُ بَيْعُهُمْ وَشِرَاؤُهُم بِالْغَبْنِ الْفَاحِشِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْـفَةَ رَحْـمَةُ اللّٰـهِ عَـلَيْهِ، لِأَنَّهُمْ يَتَصَرَّفُوْنَ بِحُكْمِ الْمَالِكِيَّةِ، وَالْإِذْنُ فَكُّ الْحَجْرِ، بِخِلَافِ الْوَصِيّ، لِأَنَّـهُ يَتَـصَرَّفُ بِـحُكْـمِ الـنِّيَابَةِ الشَّرْعِيَّةِ نَظْرًا فَيَتَقَيَّدُ بِمَوْضِعِ النَّظْرِ، ۳ وَعِـنْدَهُمَا لَا يَمْلِكُوْنَهُ، لِأَنَّ التَّصَرُّف بِالْفَاحِشِ مِنْهُ تَبَرُّعٌ وَلَا ضَرُوْرَةَ فِيْهِ وَهُمْ لَيْسُوْا مِنْ أَهْلِهِ.

ترجمہ: ۱ اس لئے غبن فاحش میں کوئی شفقت نہیں ہے، بخلاف تھوڑا بہت خسارے کے (وہ جائز ہے) اس لئے کہ اس سے بچنا ناممکن ہے اس لئے اس کے اعتبار کرنے میں وصی بننے کا دروازہ بند ہو جائے گا

اصول: وصی کی کی نگرانی فائدے کے لئے ہے اس لئے تھوڑا بہت نقصان کرسکتا ہے زیادہ نہیں

تشریح: ایک ہے غبن فاحش، اور دوسرا غبن یسیر، عام طور پر لوگ خرید وفروخت میں جتنا نقصان برداشت کرتے ہیں اس کو غبن یسیر، کہتے ہیں، وصی کو اتنی اجازت ہے۔ اور عام طور پر جتنا خسارہ برداشت نہیں کرتے ہیں اس کو غبن فاحش، کہتے ہیں، اس قیمت میں وصی بیچے گا تو جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کی نیابت نظری، یعنی فائدے کے لئے ہے

ترجمہ: ۲ جس بچے کو تجارت کی اجازت دی ہو، یا جس غلام کو تجارت کی اجازت دی ہو، اور مکاتب کے لئے غبن فاحش میں بھی بیچنا اور خریدنا جائز ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اس لئے کہ یہ لوگ مالک ہونے کی حیثیت سے تصرف کر رہے ہیں (نائب ہونے کی حیثیت سے نہیں) اور اجازت دینا حجر کو اٹھا دینا ہے، بخلاف وصی کے کہ وہ شرعی نیابت کے حکم سے تصرف کرتا ہے اس لئے شفقت کی جگہ کے ساتھ مقید ہوگا

تشریح: یہاں وصی کے تصرف اور بچے، غلام، اور مکاتب کے تصرف میں فرق بیان کر رہے ہیں۔۔ جس بچے کو تجارت کی اجازت دی ہو، یا جس غلام کو آقا نے تجارت کی اجازت دی، یا مکاتب جس کو کتابت کی وجہ سے تجارت کی اجازت ملی ہو، یہ تینوں لوگ خود مالک ہونے کی وجہ سے تجارت کر رہے ہیں، کیونکہ اجازت سے پہلے تجارت کی اہلیت تو تھی لیکن حجر تھا، یعنی تجارت کی ممانعت تھی اور اجازت کے بعد حجر ختم ہو گیا، اور اہلیت اور ملکیت سامنے آگئی اس لئے غبن فاحش میں بھی بیچ سکتے ہیں، اور غبن یسیر میں بھی بیچ سکتے ہیں، جیسے اور مالک لوگ غبن فاحش اور غبن یسیر میں بیچ سکتے ہیں۔ اور وصی کا حال یہ ہے کہ یہ مالک نہیں ہے، بلکہ نائب ہے، اور شفقت کے ساتھ نائب ہے اس لئے یہ غبن فاحش میں نہیں بیچ سکتا ہے

ترجمہ: ۳ اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ تینوں بھی غبن فاحش میں نہیں بیچ سکتے ہیں، اس لئے کہ غبن فاحش میں تصرف کرنا تبرع ہے جس کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ لوگ تبرع اور احسان کرنے کے اہل نہیں ہیں (اس لئے غبن فاحش میں نہیں بیچ سکتے ہیں)

تشریح: واضح ہے

۴ وَإِذَا كُتِبَ كِتَابُ الشِّرَاءِ عَلٰى وَصِيٍّ كُتِبَ كِتَابُ الْوَصِيَّةِ عَلٰى حِدَةٍ وَكِتَابُ الشِّرَاءِ عَلٰى حِدَةٍ، لِأَنَّ ذٰلِكَ أَحْوَطُ، وَلَوْ كُتِبَ جُمْلَةً عَسٰى أَنْ يَكْتُبَ الشَّاهِدُ شَهَادَتَهُ فِيْ اٰخِرِهِ مِنْ غَيْرِ تَفْصِيْلٍ فَيَصِيْرُ ذٰلِكَ حَمْلًا لَهُ عَلَى الْكِذْبِ، ۵ ثُمَّ قِيْلَ يَكْتُبُ اِشْتَرٰى مِنْ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ وَلَا يَكْتُبُ مِنْ فُلَانٍ وَصِيِّ فُلَانٍ لِمَا بَيَّنَّا، وَقِيْلَ لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ، لِأَنَّ الْوَصَايَةَ تُعْلَمُ ظَاهِرًا.

ترجمہ: ۴ اور جب وصی پر بیع نامہ لکھے تو وصیت نامہ الگ لکھے اور اور بیع نامہ الگ لکھا جائے، اس لئے کہ اس میں احتیاط ہے، اور اگر اکٹھا لکھا جائے تو ہوسکتا ہے کہ گواہ اپنی گواہی اس کے آخیر میں بغیر تفصیل کے لکھے تو یہ جھوٹ پر ابھارنا ہوگا

تشریح: اس عبارت میں یہ بتا رہے ہیں کہ۔ وصیت نامہ الگ لکھا جائے، اور وصی سے خرید وفروخت کرے تو یہ بیع نامہ الگ لکھا جائے، اس میں احتیاط ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وصیت نامہ ہی پر بیع نامہ لکھا جائے تو ایسا ممکن ہے کہ دونوں کے لکھنے کے بعد گواہ اپنا دستخط کرے، اور اس میں یہ تفصیل نہ لکھے کہ یہ گواہ وصیت کے ہیں، یا خرید وفروخت کے، تو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ دونوں کے گواہ شاید ایک ہی ہیں، حال آنکہ وصیت نامے کے گواہ الگ ہیں، اور بیع نامے کے گواہ الگ ہیں، اس لئے اس میں جھوٹ کا شائبہ ہے، اس لئے دونوں الگ الگ کاغذ پر ہوں تو بہتر ہے

ترجمہ: ۵ پھر یہ کہا گیا ہے کہ، فلاں ابن فلاں سے یہ چیز خریدی اور یوں نہ لکھے کی فلاں جو فلاں کا وصی ہے اس سے خریدی، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کی (کہ یہ احوط ہے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ ظاہری طور پر لوگ جانتے ہیں کہ یہ اس کا وصی ہے

تشریح: بیع نامہ لکھنے کے لئے یہ دوسرا احتیاطی طریقہ بتا رہے ہیں۔ جب وصی سے کوئی چیز خریدے اور بیع نامہ لکھا جائے تو اس میں وصی کا نام اور اس کے باپ کا نام لکھے، مثلا زید کے بیٹے عمر سے یہ چیز خریدی ہے، یوں نہ لکھے کہ فلاں کے وصی، مثلا خالد کے وصی سے یہ چیز خریدی ہے،

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی بیع اور وصی نامہ جمع ہوجائیں گے، حال آنکہ یہ بیع نامہ ہے وصی نامہ نہیں ہے، (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ وصی کا نام اور اس کے باپ کے نام لکھنے سے پورا تعارف ہوگا، اور کوئی شبہ باقی نہیں رہے گا، اور یوں لکھے کے زید کے وصی سے خریدا تو اب زید کا وصی کون ہے، کسی کو کیا معلوم، اس میں جہالت ہے، اس لئے یہ نہ لکھے۔

بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ فلاں کے وصی سے خریدا تو اس کی گنجائش ہے

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ کہ شہرت کی بنا پر سبھی کو معلوم ہے کہ یہ خرید وفروخت کا بیع نامہ ہے وصیت نامہ نہیں ہے، اس لئے شبہ باقی نہیں رہے گا (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مشہور ہو چکا ہے کہ زید فلاں کا وصی ہے اس لئے اس شہرت کی بنا پر وصی لکھنے سے بھی تعارف ہوجائے گا۔ اس لئے اس کی گنجائش ہے

(۱۰۶۳) قَالَ وَبَيْعُ الْوَصِيّ عَلَى الْكَبِيرِ الْغَائِبِ جَائِزٌ فِي كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا فِي الْعَقَارِ، ۱ لِأَنَّ الْأَبَ يَلِيْ مَا سِوَاهُ وَلَا يَلِيهِ فَكَذَا وَصِيُّهُ فِيهِ، ۲ وَكَانَ الْقِيَاسُ أَنْ لَا يَمْلِكَ الْوَصِيُّ غَيْرَ الْعَقَارِ أَيْضًا، لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُهُ الْأَبُ عَلَى الْكَبِيرِ إِلَّا أَنَّا اسْتَحْسَنَاهُ لِمَا أَنَّهُ حُفِظَ لِتَسَارُعِ الْفَسَادِ إِلَيْهِ وَحِفْظُ الثَّمَنِ أَيْسَرُ وَهُوَ يَمْلِكُ الْحِفْظَ، أَمَّا الْعَقَارُ فَمُحْصَنٌ بِنَفْسِهِ.

(۱۰۶۴) قَالَ وَلَا يَتَّجِرُ فِي الْمَالِ، ۱ لِأَنَّ الْمُفَوَّضَ إِلَيْهِ الْحِفْظُ دُونَ التِّجَارَةِ.

ترجمہ: (۱۰۶۳) وصی بالغ غائب کی ہر چیز بیچے یہ جائز ہے سوائے زمین کے

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ باپ ان چیزوں کو بیچنے کی ولایت رکھتا ہے، اور زمین بیچنے کی ولایت نہیں رکھتا ہے، اسی طرح اس بارے میں وصی بھی ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غائب کے لئے حفاظت کا کام کر سکتا ہے، لیکن جن چیزوں کی حفاظت کی ضرورت نہیں ہے اس کو نہیں بیچ سکتا ہے

تشریح: مثلا زید نے عمر کو وصی بنایا، زید کا ایک بیٹا بالغ ہے، اور وہ غائب ہے، اب بالغ پر ولایت نہیں ہوتی ہے، لیکن بیٹا غائب ہے اس کی چیز ضائع ہو سکتی ہے، اس لئے باپ ان چیزوں کو بیچ سکتا ہے، اور اس کی قیمت حفاظت کے طور پر اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اور وصی باپ کی جگہ پر ہوتا ہے اس لئے وصی بھی بیچ سکتا ہے، اور اس کی قیمت اپنے پاس حفاظت سے رکھ سکتا ہے، لیکن زمین خود بخود محفوظ ہے اس کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہے اس لئے اس کو نہیں بیچ سکتا ہے

ترجمہ: ۲ اور قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ وصی زمین کے علاوہ کے بھی بیچنے کا مالک نہ ہو، اس لئے کہ باپ بڑے کی چیز بیچنے کا مالک نہیں ہوتا ہے، مگر ہم نے استحسان کیا، اس لئے کہ یہ حفاظت کرنا ہے جلدی فاسد ہونے کی وجہ سے، اور قیمت کی حفاظت کرنا آسان ہے، اور وصی حفاظت کرنے کا مالک ہے، بہر حال زمین تو وہ خود بخود محفوظ ہے (اس لئے اس کو بیچنے کی ضرورت نہیں ہے)

تشریح: قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وصی زمین کے علاوہ کی چیز بھی نہ بیچ سکے، کیونکہ باپ بھی بڑے بیٹے کی کوئی چیز بیچنے کا ولی نہیں ہوتا ہے، اس لئے وصی بھی بیچنے کا ولی نہیں ہوگا۔ لیکن استحسان کے طور پر ہم نے کہا کہ زمین کے علاوہ کی چیز بیچ سکتا ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑا بیٹا غائب ہے، اب اس کی چیز بیچ کر حفاظت نہیں کرے گا تو وہ خراب ہو جائے گی، اس لئے استحسان کے طور پر اس کو بیچ کر اس کی قیمت کی حفاظت کی گنجائش دی گئی ہے۔ البتہ زمین کے خراب ہونے کا خطرہ نہیں ہے اور نہ ضائع ہونے کا خطرہ ہے، زیادہ سے زیادہ بارش سے اس میں گڑھا ہوگا اس لئے زمین کو بیچنے کی گنجائش نہیں ہے۔

ترجمہ: (۱۰۶۴) وصی تجارت نہیں کر سکتا ہے

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ اس کو حفاظت کے لئے سونپا گیا ہے تجارت کے لئے نہیں

۲ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَصِيُّ الْأَخِ فِي الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ الْغَائِبِ بِمَنْزِلَةِ وَصِيِّ الْأَبِ فِي الْكَبِيْرِ الْغَائِبِ، وَكَذَا وَصِيُّ الْأُمِّ وَصِيُّ الْعَمِّ، ۳ وَهٰذَا الْجَوَابُ فِيْ تَرِكَةِ هٰؤُلَاءِ، لِأَنَّ وُصِيَّهُمْ قَائِمٌ مَقَامِهِمْ وَهُمْ يَمْلِكُوْنَ مَا يَكُوْنُ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ فَكَذَا وَصِيُّهُمْ.

(۱۰۶۵) قَالَ وَالْوَصِيُّ أَحَقُّ بِمَالِ الصَّغِيْرِ مِنَ الْجَدِّ، ۱ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الجَدُّ أَحَقُّ،

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وصی کو حفاظت کی ذمہ داری ہے، تجارت کی نہیں، اس لئے وہ تجارت نہیں کر سکتا

تشریح: وصی کے پاس جو مال ہے، چاہے بالغ کا ہو یا نابالغ کا اس کے مال میں تجارت نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ وصی کو حفاظت کی ولایت ہے تجارت کی نہیں۔

ترجمہ: ۲ حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ بھائی کا وصی چھوٹے بھائی، اور غائب بڑے بھائی باپ کے درجے میں ہے غائب بڑے بیٹے کے، اور ایسے ہی ماں کا وصی، اور چچا کا وصی کا حکم ہے

تشریح: پہلے باپ کے وصی کے بارے میں تھا، اب اور تین آدمی کے وصی کے سلسلے میں بیان فرما رہے ہیں کہ، جو حکم باپ کے وصی کا ہے وہی حکم بھائی کے وصی، ماں کے وصی اور چچا کے وصی کا ہے، یعنی باپ کا وصی بڑے بیٹے جو غائب ہو، یا چھوٹا بیٹا جو حاضر ہو اس کی چیز بیچ کر اس کی قیمت کی حفاظت کر سکتا ہے، البتہ زمین کو نہیں بیچ سکتا ہے، کیونکہ وہ محفوظ بنفسہ ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے بھائی کا وصی، ماں کا وصی، اور چچا کا وصی بھی یہ چیزیں بیچ سکتا ہے، البتہ زمین نہیں بیچ سکتا ہے

ترجمہ: ۳ یہ جواب یعنی تصرف کرنا انہیں لوگوں کے ترکے میں ہے اس لئے کہ وصی ان موصی کے قائم مقام ہے، اور وہ لوگ ان چیزوں کے مالک ہیں جو حفاظت کے باب میں سے ہے، ایسے ہی اس کے وصی کے لئے بھی ہے

تشریح: لیکن صرف وہ مال بیچ سکتا ہے جو بھائی، یا ماں، یا چچا کے ترکے سے ملا ہے، کیونکہ اسی کا وہ وصی ہے، باقی وہ مال جو اس کا اپنا ہے اس کو وصی نہیں بیچ سکتا ہے، کیونکہ اس میں یہ وصی نہیں ہے

وجہ: یہ بھائی، ماں اور چچا کے وصی ہیں، اور بھائی، ماں، اور چچا اس بات کے مالک ہیں کہ بھائی اپنے بھائی کے، ماں اپنے بیٹے کے، اور چچا اپنے بھتیجے کے مال کی حفاظت کرے، اسی طرح ان کے وصی کو حق ہے کہ موصی لہ کے مال کی حفاظت کرے، لیکن صرف اسی مال میں تصرف کر سکتا ہے جو ان لوگوں کے ترکے سے ملا ہو باقی میں نہیں۔

ترجمہ: (۱۰۶۵) وصی بچے کے مال کا دادا سے بھی زیادہ حقدار ہے

تشریح: چھوٹے بچے کا دادا زندہ ہے، لیکن باپ نے وصی متعین کیا تھا تو بچے پر نگرانی کرنے کا حقدار وصی ہے، دادا نہیں، اگر چہ اس کی شادی کرنے کا حقدار دادا ہے، اور پوتے کی وراثت بھی دادا کو ملے گی

ترجمہ: ۱ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دادا زیادہ حقدار ہے، اس لئے کہ شریعت نے دادا کو باپ کے نہ ہونے کی صورت میں

لِأَنَّ الشَّرْعَ أَقَامَهُ مَقَامَ الْأَبِ حَالَ عَدَمِهِ حَتّٰى أَحْرَزَ الْمِيْرَاثَ فَيُقَدَّمُ عَلٰى وَصِيِّهِ، ٢ وَلَنَا أَنَّ بِالْإِيْصَاءِ تَنْتَقِلُ وِلَايَةُ الْأَبِ إِلَيْهِ فَكَانَتْ وِلَايَتُهُ قَائِمَةً مَعْنًى فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ كَالْأَبِ نَفْسِهِ، وَهٰذَا لِأَنَّ اِخْتِيَارَهُ الْوَصِيَّ مَعَ عِلْمِهِ بِقِيَامِ الْجَدِّ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ تَصَرُّفَهُ أَنْظَرُ لِبَنِيْهِ مِنْ تَصَرُّفِ أَبِيْهِ،

(١٠٦٦) فَإِنْ لَمْ يُوْصِ الْأَبُ فَالْجَدُّ بِمَنْزِلَةِ الْأَبِ، ١ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ عَلَيْهِ وَأَشْفَقُهُمْ عَلَيْهِمْ حَتّٰى

باپ کے قائم قرار دیا ہے، یہاں تک کہ دادا پوتے کی میراث میں حقدار ہوتا ہے، اس لئے دادا وصی پر مقدم ہوگا

تشریح: امام شافعیؒ کے نزدیک وصی سے زیادہ حق دادا کو ہے۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے باپ نہ ہوتے وقت دادا کو باپ کے قائم مقام کیا ہے۔ (۲) دادا پوتے کے ترکے میں وراثت کا حقدار ہوتا ہے، اس لئے دادا کا حق وصی سے زیادہ ہے

ترجمہ: ٢ ہماری دلیل یہ ہے کہ باپ کے وصی بنانے کی وجہ سے باپ کی ولایت وصی کی طرف منتقل ہوگئی، تو گویا کہ باپ کی ولایت معنوی طور پر قائم ہے، جیسے باپ خود موجود ہوتا تو اس کی ولایت ہوتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دادا کے موجود ہونے کو جانتے ہوئے وصی کو اختیار کرنا دلالت کرتی ہے کہ وصی کا تصرف اپنے بیٹے کے لئے زیادہ فائدہ مند ہے اپنے باپ کے تصرف سے (اس لئے وصی دادا پر مقدم ہوگا)

تشریح: دادا کے ہوتے ہوئے وصی کو ولایت ہوگی حنفیہ کی جانب سے اس کی دو دلیلیں ہیں۔ ۱۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ باپ نے جب وصی بنایا تو وصی بنانے کی وجہ سے باپ کی ولایت وصی کی طرف منتقل ہوگئی، تو گویا کہ خود باپ موجود ہے، اور باپ موجود ہو تو دادا کو ولایت نہیں ملتی ہے، اسی طرح یہاں دادا کو ولایت نہیں ملے گی۔ ۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دادا کے ہوتے ہوئے باپ نے وصی متعین کیا تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ باپ کی نظر میں دادا سے زیادہ وصی اس کے بیٹے کے لئے مفید ہے، اس لئے اس نے مرنے سے پہلے وصی بنایا ہے، اس لئے وصی کو زیادہ حق دیا جائے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ قول تابعی ہے کہ وصی باپ کے درجے میں ہے۔ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: الْوَصِيُّ بِمَنْزِلَةِ الْأَبِ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من قال امر الوصی جائز، وھو بمنزلتہ، نمبر ۳۰۹۶۷)

ترجمہ: (۱۰۶۶) اور اگر باپ نے وصی نہیں بنایا تو دادا باپ کے درجے میں ہے (یعنی دادا بچے کا نگراں ہوگا)

ترجمہ: ١ اس لئے کہ دادا لوگوں میں سے زیادہ قریب ہے، اور زیادہ مہربان ہے۔ یہاں تک کہ وہ نکاح کرانے کا مالک ہے، نہ کہ وصی علاوہ اس کے کہ تصرف میں باپ کے وصی کو دادے پر مقدم کیا جائے گا اس دلیل کی بناء پر جو ہم نے بیان کی۔

تشریح: اگر باپ نے مرتے وقت اپنے چھوٹے بچے کے لئے کسی کو وصی متعین نہیں کیا ہے، اور دادا موجود ہے تو وہی نگراں ہوں گے

مَلَکَ الْإِنْکَاحَ دُوْنَ الْوَصِيِّ غَيْرَ أَنَّهُ يُقَدَّمُ عَلَيْهِ وَصِيُّ الْأَبِ فِي التَّصَرُّفِ لِمَا بَيَّنَّاهُ.

فَصْلٌ فِی الشَّهَادَةِ

(۱۰۶۷) قَالَ وَإِذَا شَهِدَ الْوَصِيَّانِ أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْصٰى إِلٰى فُلَانٍ مَعَهُمَا فَالشَّهَادَةُ بَاطِلَةٌ ۱؎ لِأَنَّهُمَا مُتَّهَمَانِ لِإِثْبَاتِهِمَا مُعِينًا لِأَنْفُسِهِمَا،

وجــــه: اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ قریب ہے، دوسرا یہ ہے وہ نکاح کرانے کا حقدار ہے، تیسرا یہ ہے کہ وہ میراث میں حقدار ہے، اور چوتھا یہ کہ وہ زیادہ مہربان ہے اس لئے بچے کا نگراں دادا ہی ہوگا۔

فصل فی الشہادة

اصـــول: اس فصل کے تمام مسائل اس اصول پر ہیں کہ گواہ کو مال میں شرکت کی تہمت ہو، یا حفاظت کرنے کے حق کی تہمت ہو تو گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اور یہ تہمت نہ ہو تو گواہی قبول کی جائے گی

وجه: اس کے لئے متدل یہ حدیث ہے۔(۲)۔عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا فِي السُّوقِ أَنَّهُ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَصْمٍ، وَلَا ظَنِينٍ « قِيلَ: وَمَا الظَّنِينُ؟ قَالَ: الْمُتَّهَمُ فِي دِينِهِ (مصنف عبدالرزاق، باب لا یقبل متہم ولا جار الی نفسہ ولا ظنین، نمبر ۱۵۳۶۵)

ترجمه: (۱۰۶۷) دو وصی نے گواہی دی کہ میت نے ہم دونوں کے ساتھ فلاں کو بھی وصی متعین کیا ہے تو یہ گواہی باطل ہے

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ دونوں اس بارے میں متہم ہیں اس لئے کہ یہ دونوں اپنے لئے مددگار ثابت کر رہے ہیں

تشریح: یہاں دو صورتیں ہیں۔۱۔ایک صورت یہ ہے کہ جس کے لئے گواہی دے رہے ہیں وہ پہلے دعوی کرے کہ میں بھی وصی ہوں، پھر یہ دونوں وصی گواہی دے کہ فلاں بھی میرے ساتھ وصی ہیں تو اس بارے میں آگے آرہا ہے کہ یہ گواہی قبول کی جائے گی،۔۲۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ جس کو وصی بنایا جارہا ہے اس نے دعوی نہیں کیا ہے کہ میں بھی وصی ہوں، پھر بھی یہ دونوں وصی گواہی دے کہ میرے ساتھ فلاں بھی وصی ہے تو یہ گواہی باطل ہے

اصول: تہمت ہو تو گواہی قبول نہیں کی جائے گی

وجــــه: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں متہم ہیں، کہ اپنے لئے ایک اور مددگار بنانا چاہ رہے ہیں، تا کہ دوسری آدمی میرے ذمے کے مال کی حفاظت کرے، اس لئے اس تہمت کی وجہ سے دونوں کی گواہی باطل ہے، یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی (۲)۔عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا فِي السُّوقِ أَنَّهُ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَصْمٍ، وَلَا ظَنِينٍ « قِيلَ: وَمَا الظَّنِينُ؟ قَالَ: الْمُتَّهَمُ فِي دِينِهِ (مصنف عبدالرزاق، باب لا یقبل متہم ولا جار الی نفسہ ولا ظنین، نمبر ۱۵۳۶۵)

(١٠٦٨) قَالَ إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَهَا الْمَشْهُوْدُ لَهُ، ۱؎ وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ وَهُوَ فِي الْقِيَاسِ كَالْأَوَّلِ لِمَا بَيَّنَا مِنَ التُّهْمَةِ، ۲؎ وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ لِلْقَاضِيْ وِلَايَةَ نَصْبِ الْوَصِيِّ اِبْتِدَاءً وَضَمُّ اٰخَرَ إِلَيْهِمَا بِرِضَائِهِ بِدُوْنِ شَهَادَتِهِمَا فَتَسْقُطُ بِشَهَادَتِهِمَا مُؤَنَّةُ التَّعْيِيْنِ عَنْهُ، أَمَّا الْوَصَايَةُ تَثْبُتُ بِنَصْبِ الْقَاضِيْ.

(١٠٦٩) قَالَ وَكَذٰلِكَ الْإِبْنَانِ ۱؎ مَعْنَاهُ إِذَا شَهِدَا أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْصٰى إِلٰى رَجُلٍ وَهُوَ يُنْكِرُ، لِأَنَّهُمَا يَجُرَّانِ إِلٰى أَنْفُسِهِمَا نَفْعًا بِنَصْبِ حَافِظٍ لِلتَّرِكَةِ،

ترجمہ: (١٠٦٨) مگر یہ کہ جس کے لئے گواہی دی جارہی ہے وہ دعوی کرے (کہ مجھے بھی موصی بنایا تھا تو اب دونوں کی گواہی قبول کر لی جائے گی)

ترجمہ: ۱؎ یہ استحسان کا تقاضہ ہے، ورنہ قیاس میں یہ پہلی کی طرح ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی تہمت کی وجہ سے،

تشریح: ان دونوں وصیوں نے جس کے لئے گواہی دی وہ خود بھی دعوی کرے کہ مرنے والے نے مجھے بھی وصی بنایا ہے تو اس کو بھی قاضی وصی بنادے گا۔ اس میں قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ ان کی گواہی قبول نہ کی جائے، کیونکہ دونوں گواہ متہم ہیں کہ اپنے لئے ایک مدد گار بنانے کی گواہی دے رہے ہیں۔ لیکن استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی گواہی مان لی جائے۔ آگے استحسان کی وجہ آرہی ہے

ترجمہ: ۲؎ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کو شروع ہی سے وصی متعین کرنے کا حق ہے، یا دونوں کے ساتھ ایک اور کو ملا دینے کا حق ہے ان کی رضامندی سے بغیر پہلے دونوں وصیوں کی گواہی کے اس لئے ان دونوں کی گواہی قاضی سے متعین کرنے کی مشقت ساقط ہو جائے گی، اور بہر حال وصیات قاضی کے متعین کرنے سے ثابت ہو جائے گی

تشریح: استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کو دونوں حق ہیں، کسی کو بھی وصی متعین کر دے، اور یہ بھی حق ہے کہ پہلے سے وصی ہوں تو اس کے ساتھ ایک اور کو ملا دے۔ قاضی نے اسی اختیار سے وصی کو ملایا ہے، گواہوں کی وجہ سے نہیں ملایا ہے، اتنی بات ضرور ہے کہ قاضی کو وصی ڈھونڈھنا پڑتا، گواہ نے وصی تلاش کر کے دے دیا تو قاضی کو تلاش کی مشقت نہیں کرنی پڑی، تاہم گواہ کی گواہی سے وصی متعین نہیں ہوا ہے، صرف انتخاب ہوا ہے س لئے اس گواہی کو قبول کر لی جائے گی

ترجمہ: (١٠٦٩) ایسے ہی مرنے والے کے دو بیٹوں نے

ترجمہ: ۱؎ اس کا معنی یہ ہے کہ دو بیٹوں نے گواہی دی کہ میت نے فلاں آدمی کو وصی بنایا ہے، اور وہ انکار کرتا ہے (تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی) اس لئے کہ یہ دونوں اپنی طرف نفع کھینچ رہے ہیں ترکہ کے لئے ایک محافظ متعین کر کے

تشریح: مرنے والے کے دو بیٹوں نے گواہی دی کہ فلاں آدمی کو وصی متعین کیا ہے، اور وہ انکار کرتا ہے تو ان بیٹوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اپنی گواہی میں متہم ہیں، کیونکہ یہ دونوں گواہی دیکر اپنے لئے ایک محافظ تیار کر رہے ہیں اور ترکے کے مال کی جو حفاظت ان کے ذمے ہے وہ دوسروے کے ذمے ڈال رہے ہیں، اس لئے ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی

(۱۰۷۰) وَلَوْ شَهِدَا يَعْنِي الْوَصِيَّيْنِ لِوَارِثٍ صَغِيرٍ بِشَيْءٍ مِنْ مَالِ الْمَيِّتِ أَوْ غَيْرِهِ فَشَهَادَتُهُمَا بَاطِلَةٌ، ‌‌‌‌۱؎ لِأَنَّهُمَا يُظْهِرَانِ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ لِأَنْفُسِهِمَا فِي الْمَشْهُودِ بِهِ.

(۱۰۷۱) قَالَ وَإِنْ شَهِدَا لِوَارِثٍ كَبِيرٍ فِي مَالِ الْمَيِّتِ لَمْ يَجُزْ، وَإِنْ كَانَ فِي غَيْرِ مَالِ الْمَيِّتِ جَازَ، ۱؎ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، ۲؎ وَقَالَا إِنْ شَهِدَا لِوَارِثٍ كَبِيرٍ تَجُوزُ فِي الْوَجْهَيْنِ، لِأَنَّهُ

ترجمہ: (۱۰۷۰) اور اگر دو وصیوں نے چھوٹے بچے کے لئے میت کے کسی مال کے لئے گواہی دی، یا میت کے علاوہ کے مال کے لئے گواہی دی تو دونوں کی گواہی باطل ہے

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ دونوں ظاہر کرر ہے ہیں کہ دونوں کو تصرف کی ولایت ہے، اس میں جس کے بارے میں گواہی دے رہے ہیں

تشریح: مثلا زید کا ایک چھوٹا بچہ ہے، زید نے اس بچے کے لئے دو وصی متعین کئے ہیں۔ اب یہ دونوں وصی گواہی دے رہے ہیں کہ میت کا فلاں مال اس بچے کا ہے، یا میت کے علاوہ کسی اور کا فلاں مال اس بچے کا ہے، تو ان کی گواہی نہیں مانی جائے گی

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں گواہی دے کر یہ دعوی کرر ہے کہ اس مال پر تصرف کا حق ہمارا ہے، تو چونکہ تصرف کے حق کے لئے گواہی ہے اس لئے اس اتہام کی وجہ سے ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ: (۱۰۷۱) اگر دو وصیوں نے بڑے وارث کے لئے میت کے مال کے بارے میں گواہی دی تو جائز نہیں ہے، اور میت کے مال کے علاوہ میں گواہی دی تو جائز ہے

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے

تشریح: دو وصی گواہی دیتے ہیں کہ یہ مال میت کا ہے، تو بڑے وارث ہوں تب بھی ان کو فائدے ملیں گے، ایک تو یہ کہ یہ وارث غائب ہوں تو وصی کو اس کی حفاظت کی ولایت ہوگی، اور وہ منقولی جائداد ہو تو اس کو بیچنے کا بھی حق ہوگا، چونکہ یہ دو فائدے ملیں گے، اس لئے یہ تہمت ہے کہ یہ اپنی ولایت کے فائدے کے لئے یہ گواہی دے رہے ہیں، اس لئے اس بارے میں ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر یہ مال میت کا نہیں کسی دوسرے کا ہے جس کے بارے میں دونوں وصی گواہی دے رہے ہیں کہ یہ مال بڑے وارث کا ہے تو ان کی گواہی قبول کر لی جائے گی

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ وصی کو صرف اسی مال کی حفاظت کا حق ملتا ہے جو میت کی وراثت میں ملا ہو، یا اسی مال کو وارث کے غائبانے بیچنے کا حق ملتا ہے جو میت کی وراثت میں ملا ہو، لیکن جو مال میت کے مال سے وارث کو نہ ملا ہو اس کی حفاظت کا حق نہیں ملتا ہے، اور نہ اس کو بیچنے کا حق ملتا ہے، اس لئے اس کی گواہی میں حق ولایت کی تہمت نہیں ہے اس لئے ان کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ یہ دونوں میں فرق ہے۔

ترجمہ: ۲؎ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر بڑے وارث کے لئے دو وصیوں نے گواہی دی تو دونوں صورتوں میں جائز ہے،

لَا يَثْبُتُ لَهُمَا وَلَايَةُ التَّصَرُّفِ فِي التَّرِكَةِ إِذْ كَانَتِ الْوَرَثَةُ كِبَارًا فَعَرِيَتْ عَنِ التُّهْمَةِ، ۳؎ وَلَهُ أَنَّهُ يَثْبُتُ لَهُمَا وَلَايَةُ الْحِفْظِ وَوِلَايَةُ بَيْعِ الْمَنْقُوْلِ عِنْدَ غَيْبَةِ الْوَارِثِ فَتَحَقَّقَتِ التُّهْمَةُ، ۴؎ بِخِلَافِ شَهَادَتِهِمَا فِيْ غَيْرِ التَّرِكَةِ لِانْقِطَاعِ وِلَايَةِ وَصِيِّ الْأَبِ عَنْهُ، لِأَنَّ الْمَيِّتَ أَقَامَهُ مَقَامَ نَفْسِهٖ فِيْ تَرِكَتِهٖ، لَا فِيْ غَيْرِهَا.

(۱۰۷۲) قَالَ وَإِذَا شَهِدَ رَجُلَانِ لِرَجُلَيْنِ عَلٰى مَيِّتٍ بِدَيْنٍ أَلْفِ دِرْهَمٍ وَشَهِدَ الْاٰخَرَانِ لِلْأَوَّلَيْنِ بِمِثْلِ

اس لئے کہ بڑے ورثہ کے ترکہ میں دونوں کو تصرف کا حق نہیں ہے، اس لئے یہ گواہی تہمت سے خالی ہے

تشریح: صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ بڑے ورثہ کے لئے دونوں وصیوں نے گواہی دی کہ یہ مال اس وارث کا ہے تو یہ گواہی قبول کی جائے گی، چاہے میت کے مال کے بارے میں گواہی دے، یا میت کے علاوہ کے مال کے بارے میں گواہی دے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بالغ ہونے کی وجہ سے بڑے وارث کے مال میں وصی تصرف نہیں کر سکتے ہیں اس لئے اپنی ولایت بحال رکھنے کی تہمت نہیں ہے، اس لئے ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وارث غائب ہو تو دو وصیوں کو حفاظت کی ولایت ہوگی، اور منقولی جائداد کو بیچنے کی ولایت ہوگی اس لئے تہمت متحقق ہوگئی اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی

تشریح: یہ پہلی صورت ہے۔۔ اگر میت سے ملا ہوا مال ہے اور اس کے بارے میں وصی گواہی دے تو قبول نہیں کی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ بالغ وارث غائب ہو، حفاظت کی ولایت، اور بیچنے کی ولایت ملتی ہے، اس ولایت کو برقرار رکھنے کی تہمت ہے اس لئے گواہی قبول نہیں کی جائے گی

ترجمہ: ۴؎ یہ دوسری صورت کی دلیل ہے۔۔ بخلاف دونوں وصیوں کی گواہی میت کے ترکے کے علاوہ میں (تو گواہی قبول کی جائے گی) باپ کی وصایت کی ولایت اس مال سے منقطع ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ میت نے ان دونوں کو اپنے ترکے میں اپنے قائم مقام کیا ہے، دوسرے کے مال میں نہیں

تشریح: میت کے مال کے علاوہ میں وصی نے گواہی دی کہ یہ مال میت کے بڑے وارث کا ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں وصی میت کے مال کا نگراں ہے، میت نے اپنے ترکے کا نگراں بنایا ہے، دوسرے کے مال کا نگراں نہیں ہے، اس لئے دوسرے کے مال میں ولایت برقرار رکھنے کی تہمت نہیں ہے اس لئے ان دونوں کی گواہی قبول کی جائے گی

ترجمہ: (۱۰۷۲) دو آدمیوں نے دوسرے دو آدمیوں کے لئے میت پر ایک ہزار درہم کے قرض ہونے کی گواہی دی، پھر ان دو آدمیوں نے گواہی دینے والوں کے لئے گواہی دی کہ ان کا ایک ہزار درہم میت پر قرض ہے، تو دونوں کی گواہی جائز

ذٰلِکَ جَازَتْ شَهَادَتُهُمَا، وَإِنْ كَانَتْ شَهَادَةُ كُلِّ فَرِيْقٍ لِلْآخَرِيْنَ بِوَصِيَّةِ أَلْفِ دِرْهَمٍ لَمْ تَجُزْ، ۱؎ وَهٰذَا قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَوَمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، ۲؎ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَا تُقْبَلُ فِي الدَّيْنِ أَيْضًا، وَأَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فِيْمَا ذَكَرَ الْخَصَّافُ مَعَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَعَنْ

ہے۔اوراگر دونوں فریقوں کی گواہی دوسرے فریق کے لئے یہ ہو کہ ان کے لئے میت نے ایک ہزار کی وصیت کی ہے تو کسی کی گواہی قبول نہیں ہوگی

ترجمه: ۱؎ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہے

اصول: گواہ کو حفاظت کا حق ملنے کی تہمت ہو، یا مال میں شریک ہونے کی تہمت ہو تو گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اور یہ تہمت نہ ہو تو گواہی قبول کی جائے گی

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔۔ یہاں چار آدمی وصی ہیں، اور دو فریق ہیں، ہر فریق میں دو دو آدمی ہیں۔اور ایک فریق دوسرے فریق کے لئے گواہی دے رہا ہے

یہاں تین قسم کے مسئلے ہیں۔ا۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ایک فریق دوسرے کے لئے گواہی دے رہا ہے کہ فلاں کے لئے میت نے ایک ہزار درہم کی وصیت کی ہے، تو یہ گواہی باطل ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ گواہی مان لی جائے تو وصیت کا جو مال ہے اس کی حفاظت کا حق خود گواہی دینے والے کو مل جائے گا، کیونکہ وصی ہے، تو گویا کہ اپنے حق کے لئے گواہی ہے، اس لئے یہ گواہی متہم ہے اس لئے یہ گواہی کسی امام کے یہاں بھی قبول نہیں کی جائے گی

۔۲۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کے لئے میت کی زندگی میں گواہی دے رہا ہے کہ فلاں کا میت پر قرض ہے، تو یہ گواہی سب ائمہ کے یہاں قبول کی جائے گی، کیونکہ میت زندہ ہے، اس کے ذمہ یہ قرض ہوگا، تو وہ خود ہی دے دیگا، اور گواہی دینے والے کی حفاظت کی ضرورت ہی نہیں ہے، اس لئے گواہ پر کوئی تہمت نہیں ہے، اس لئے یہ گواہی مقبول ہے

۔۳۔ تیسری صورت ہے کہ مرنے کے بعد ایک فریق گواہی دے کہ میت پر فلاں فریق کا قرض ہے، تو اس بارے میں اختلاف ہے، ایک رائے یہ ہے کہ یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ اگر قرض ثابت ہو جاتا ہے تو ابھی جو ترکہ موجود ہے اس میں سے دیا جائے گا، اور اس کی حفاظت کا حق خود گواہ کو ملے گا، اس لئے گواہ متہم ہو گیا کہ وہ حفاظت کا حق چاہتا ہے۔

اور دوسری رائے یہ ہے کہ گواہی قبول کر لی جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی میت کے ذمے ہی قرض ثابت ہوگا، اس لئے حفاظت کے حق کی تہمت نہیں ہے، اس لئے گواہی قبول کر لی جائے گی۔

ترجمه: ۲؎ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قرض میں یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی، امام خصاف سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہے، اور امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت امام محمد کی طرح ہے (کہ قبول کی جائے گی)

تشریح: یہاں محمدؒ کی ایک ہی روایت ہے، کہ میت پر قرض کی گواہی دے تو قبول کی جائے گی۔

أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ مِثْلُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ. ۳؎ وَجْهُ الْقَبُوْلِ أَنَّ الدَّيْنَ يَجِبُ فِي الذِّمَّةِ وَهِيَ قَابِلَةٌ لِحُقُوْقٍ شَتّٰى فَلَا شِرْكَةَ وَلِهٰذَا لَوْ تَبَرَّعَ أَجْنَبِيٌّ لِقَضَاءِ دَيْنِ أَحَدِهِمَا لَيْسَ لِلْاٰخَرِ حَقُّ الْمُشَارَكَةِ، ۴؎ وَجْهُ الرَّدِّ أَنَّ الدَّيْنَ بِالْمَوْتِ يَتَعَلَّقُ بِالتَّرِكَةِ إِذِ الذِّمَّةُ خَرِبَتْ بِالْمَوْتِ وَلِهٰذَا لَوْ اِسْتَوْفٰى أَحَدُهُمَا حَقَّهُ مِنَ التَّرِكَةِ يُشَارِكُهُ الْاٰخَرُ فِيْهِ فَكَانَتِ الشَّهَادَةُ مُثْبِتَةً حَقَّ الشِّرْكَةِ فَتَحَقَّقَتِ التُّهْمَةُ، ۵؎ بِخِلَافِ حَالِ حَيَاةِ الْمَدْيُوْنِ، لِأَنَّهُ فِي الذِّمَّةِ لِبَقَائِهَا لَا فِي الْمَالِ فَلَا يَتَحَقَّقُ الشِّرْكَةُ.

امام ابوحنیفہؒ کی دو روایتیں ہیں، ایک روایت ہے کہ قبول کی جائے گی۔ اور دوسری روایت ہے کہ قبول نہیں کی جائے گی
امام ابو یوسفؒ کی بھی دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت ہے کہ قبول کی جائے گی۔ اور دوسری روایت ہے کہ قبول نہیں کی جائے گی

ترجمہ: ۳؎ گواہی قبول کر لینے کی وجہ یہ ہے کہ قرض میت کے ذمے میں واجب ہوتا ہے اور وہ مختلف حقوق کے قابل ہوتا ہے، اس لئے شرکت میں وصی کو نہیں ملے گا، یہی وجہ ہے کہ کوئی اجنبی تبرع کر کے ان میں سے ایک قرض ادا کر دے تو دوسرے کو اس میں شرکت کا حق نہیں ہے۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے، عبارت کا حاصل یہ ہے کہ میت پر بھی گواہی کے ذریعہ سے قرض کا ثبوت ہو جائے، تب بھی گواہی دینے والے کو اس میں سے کچھ نہیں ملے گا، یہ قرض تو اور بہت سے کام کے لئے ہے، اس لئے گواہ کو اس میں سے کوئی فائدہ ملے اس کی تہمت نہیں ہے اس لئے گواہی قبول کی جائے گی۔

یہ قرض کئی کام کے لئے ہے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ میت پر دونوں فریق کا قرض ثابت ہو جائے، اس میں سے ایک کا قرض کوئی اجنبی آدمی ادا کر دے تو دوسرے فریق کی اس میں شرکت نہیں ہوگی، جس سے معلوم ہوا کہ گواہ کو اس قرض میں سے کچھ نہیں ملے گا، اس لئے قرض میں شرکت کی تہمت نہیں ہے اس لئے اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمہ: ۴؎ گواہی رد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ موت کی وجہ سے قرض چھوڑے ہوئے ترکہ سے دیا جائے گا، اس لئے کہ موت کی وجہ سے میت کے ذمے میں واجب نہیں ہوگا (بلکہ اس کے ترکے ہی میں واجب ہوگا) یہی وجہ ہے کہ ایک فریق نے اپنا قرض ترکہ سے وصول کیا تو دوسرا فریق اس میں شریک ہو جائے گا، اس لئے گواہی دیکر اپنی شرکت کا حق ثابت کر رہا ہے، اس لئے تہمت متحقق ہوگئی

تشریح: گواہی رد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ میت اب مر چکا ہے اس لئے قرض اس کے ذمے ثابت نہیں ہوگا، بلکہ اس کے چھوڑے ہوئے ترکے میں سے دیا جائے گا اور جیسے ہی ایک فریق قرض وصول کرے گا تو اس میں سے آدھا گواہی دینے والے کو بھی مل جائے گا، تو یہاں اپنے پیسے کے لئے گواہی دے رہا ہے، یہ تہمت ہے اس لئے یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی

ترجمہ: ۵؎ بخلاف مقروض زندہ ہو (تو گواہی قبول کی جائے گی) اس لئے کہ قرض ذمے میں واجب ہوتا ہے ذمے میں باقی رہنے کی وجہ سے، نہ کہ مال میں تو شرکت متحقق نہیں ہوگی

تشریح: یہ پہلی صورت ہے۔ میت ابھی زندہ ہے اور گواہ نے اس پر قرض ہونے کی گواہی دی تو یہ قرض مرنے والے کے ذمے میں ہوگا، اس کے مال میں نہیں ہوگا، اور وہ خود ہی قرض والے کو دے دیگا، اس لئے گواہی دینے والے کو کچھ نہیں ملے گا،

(۱۰۷۳) قَالَ وَلَوْ شَهِدَا أَنَّهُ أَوْصٰی لِهٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ بِجَارِیَتِهٖ وَشَهِدَ الْمَشْهُوْدُ لَهٗ لَهُمَا أَنَّ الْمَیِّتَ أَوْصٰی لِلشَّاهِدَیْنِ بِعَبْدِهٖ جَازَتِ الشَّهَادَةُ بِالْاِتِّفَاقِ، ۱ لِأَنَّهٗ لَا شِرْکَةَ فَلَا تُهْمَةَ.

(۱۰۷۴) وَلَوْ شَهِدَا أَنَّهُ أَوْصٰی لِهٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَشَهِدَ الْمَشْهُوْدُ لَهُمَا أَنَّهٗ أَوْصٰی لِلشَّاهِدَیْنِ بِثُلُثِ مَالِهٖ فَالشَّهَادَةُ بَاطِلَةٌ، وَکَذَا إِذَا شَهِدَ الْأَوَّلَانِ أَنَّ الْمَیِّتَ أَوْصٰی لِهٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ بِالْعَبْدِ، وَشَهِدَ الْمَشْهُوْدُ لَهُمَا أَنَّهٗ أَوْصٰی لِلْأَوَّلَیْنِ بِثُلُثِ مَالِهٖ فَهِیَ بَاطِلَةٌ ، ۱ لِأَنَّ الشَّهَادَةَ فِیْ هٰذِهٖ الصُّوْرَةِ مُثْبِتَةٌ لِلشَّرِکَةِ.

اس لئے مال لینے کی تہمت نہیں ہے اس لئے اس کی گواہی قبول کی جائے گی

ترجمہ: (۱۰۷۳) اگر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ میت نے ان دو آدمیوں کے لئے اپنی باندی کی وصیت کی ہے، اور جن کے لئے گواہی دی تھی انہوں نے گواہی دی کہ میت نے ان دو گواہوں کے لئے اپنے غلام کی وصیت کی ہے تو بالاتفاق دونوں گواہی جائز ہیں۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ اس میں شرکت نہیں ہے اس لئے، اس لئے تہمت نہیں ہے

اصول: مال میں گواہوں کی شرکت کی تہمت نہ ہو تو گواہ مقبول ہے، اور شرکت کی تہمت ہو تو گواہ مقبول نہیں ہے

تشریح: یہاں وصیت میں ایک فریق کے لئے باندی ہے، اس میں دوسرے فریق کا حصہ نہیں ہے، اور دوسرے فریق کے لئے غلام کی وصیت ہے، اس میں پہلے فریق کو کچھ نہیں ملے گا، اس لئے شرکت کی تہمت نہیں ہے اس لئے دونوں کی گواہی مقبول ہے

ترجمہ: (۱۰۷۴) اور اگر گواہی دی کہ ان دو آدمیوں کے لئے اپنی تہائی مال کی وصیت کی ہے، اور جن کے لئے گواہی دی انہوں نے گواہی دینے والوں کے لئے گواہی دی کہ میت نے اپنی تہائی مال کی وصیت کی ہے تو دونوں کی گواہی باطل ہے، اور ایسے ہی پہلے فریق نے گواہی دی کہ میت نے ان دونوں آدمیوں کے لئے غلام کی وصیت کی ہے، اور جن کے لئے گواہی دی تھی انہوں نے گواہی دی کہ پہلے والوں کے لئے اپنی تہائی مال کی وصیت کی ہے تو بھی گواہی باطل ہے

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ یہ صورت بھی شرکت ثابت کرنے والی ہے

تشریح: یہاں دو صورتیں ہیں۔ ۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ دونوں فریق دوسرے کے لئے میت کی تہائی مال کی وصیت کی گواہی دے رہے ہیں، اور میت کی تہائی مال ایک ہے اس لئے دونوں ایک ہی مال میں شریک ہو گئے، اور پہلے اصول گزر چکا ہے کہ گواہی میں شرکت کی تہمت ہو تو گواہی باطل ہو جائے گی، اس لئے یہ گواہی باطل ہوگی

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک فریق کے لئے غلام کی گواہی ہے اور دوسرے فریق کے لئے اسی میت کی تہائی مال کی گواہی ہے، اور یہ طے ہے کہ غلام بھی اسی تہائی مال میں شامل ہے، اس اعتبار سے غلام میں دونوں فریق شریک ہو گئے، اور شرکت کی تہمت ہو تو گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے اس لئے یہ گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ واللہ اعلم

كِتَابُ اللخُنثٰى

فَصْلٌ فِيْ بَيَانِهٖ

(۱۰۷۵) قَالَ وَإِذَا كَانَ لِلْمَوْلُوْدِ فَرْجٌ وَذَكَرٌ فَهُوَ خُنْثٰى، فَإِنْ كَانَ يَبُوْلُ مِنَ الذَّكَرِ فَهُوَ غُلَامٌ وَإِنْ كَانَ يَبُوْلُ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ أُنْثٰى، ۱؎ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْكِ سُئِلَ عَنْهُ كَيْفَ يُوْرَثُ فَقَالَ مِنْ حَيْثُ يَبُوْلُ،

﴿ كتاب الخنثى ﴾

ضروری نوٹ: جس آدمی کے مرد ہونے یا عورت ہونے کا پتہ نہ چلے اس کو خنثی کہتے ہیں۔اس کو مرد قرار دیں یا عورت،اس کے مسائل اس باب میں ہیں۔اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کی علامت قوی ہو وہی شمار کیا جائے گا۔مرد ہونے کی علامت قوی ہو تو مرد ہونے کو ترجیح دیں گے۔اور عورت ہونے کی علامت قوی ہو تو عورت قرار دیں گے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ کوئی مزاحم نہ ہو اور کوئی اور صورت نہ ہو تو علامت دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔وَزَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ، وَحَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، »فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ يُخْبِرُكَ بِعَدَدِهَا وَوِعَائِهَا وَوِكَائِهَا، فَأَعْطِهَا إِيَّاهُ (مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۳) اس حدیث میں علامت بتانے پر لقطہ کا مال دے دیا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کوئی صورت نہ ہو تو علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔(۲) قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ عَنِ الَّذِي يُخْلَقُ خَلْقَ الْمَرْأَةِ وَخَلْقَ الرَّجُلِ كَيْفَ يُوَرَّثُ؟ فَقَالَ: »مِنْ أَيِّهِمَا بَالَ وُرِّثَ«، قَالَ: فَقَالَ ابْنُ الْمُسَيِّبِ: »أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ يَبُولُ مِنْهُمَا جَمِيعًا؟« فَقُلْتُ: »لَا أَدْرِي«، فَقَالَ: »انْظُرْ مِنْ أَيِّهِمَا يَخْرُجُ الْبَوْلُ أَسْرَعَ فَعَلَى ذَلِكَ يُوَرَّثُ (مصنف عبد الرزاق، باب خنثی ذکر، ج عاشر ص ۳۰۹ نمبر ۱۹۲۰۵ رسنن للبیہقی، باب میراث الخنثی، ج سادس، ص ۴۲۷، نمبر ۱۲۵۱۶) اس قول صحابی میں ہے کہ جس سوراخ سے پیشاب پہلے نکلے وہی شمار کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۱۰۷۵) جب بچہ کے فرج اور ذکر دونوں ہوں تو وہ خنثی ہے۔پس اگر ذکر سے پیشاب کرے تو وہ لڑکا ہے،اور شرمگاہ سے پیشاب کرے تو وہ لڑکی ہے

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیسے وارث ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ جس عضو سے پیشاب کرے (اس عضو کا اعتبار کرتے ہوئے وارث ہوگا)۔اور حضرت علیؓ سے اسی طرح کی روایت ہے،اور اس لئے کہ جس عضو سے پیشاب کرے تو یہ علامت ہے کہ وہ عضو اصلی ہے،صحیح ہے،اور دوسرا عیب کی طرح ہے

تشریح: بچہ کو عورت جیسی شرمگاہ بھی ہے اور مرد جیسا ذکر بھی ہے تو وہ خنثی کہلائے گا۔لیکن دونوں قسم کے عضو ہیں تو جن عضو

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِثْلُهُ، وَلِأَنَّ الْبَوْلَ مِنْ أَيِّ عُضْوٍ كَانَ فَهُوَ دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّهُ هُوَ الْعُضْوُ الْأَصْلِيُّ الصَّحِيْحُ، وَالْاٰخَرُ بِمَنْزِلَةِ الْعَيْبِ.

(۱۰۷۶) وَإِنْ بَالَ مِنْهُمَا فَالْحُكْمُ لِلْأَسْبَقِ، لِ لِأَنَّ ذٰلِكَ دَلَالَةٌ أُخْرٰى عَلٰى أَنَّهُ هُوَ الْعُضْوُ الْأَصْلِي.

(۱۰۷۷) وَإِنْ كَانَا فِي السَّبْقِ عَلَى السَّوَاءِ فَلَا مُعْتَبَرَ بِالْكَثْرَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ،

سے پیشاب کرے وہی اصل شمار کیا جائے گا اور اسی جنس کا شمار کرکے اس کو وراثت دی جائے گی، مثلا ذکر سے پیشاب کرتا ہے تو مذکر کی وراثت ہوگی، اور اگر شرم گاہ سے پیشاب کرے تو عورت کی وراثت دی جائے گی

وجه: (۱) صاحب هدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ مَوْلُودٍ وُلِدَ لَهُ قُبُلٌ وَذَكَرٌ: مِنْ أَيْنَ يُوَرَّثُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يُوَرَّثُ مِنْ حَيْثُ يَبُولُ (سنن للبیهقی، باب میراث الخنثی، ج سادس، ص ۴۲۸، نمبر ۱۲۵۱۸) (۲) حضرت علیؓ کا قول یہ ہے۔ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَلِي: »أَنَّهُ وَرَّثَ خُنْثَى ذَكَرًا مِنْ حَيْثُ يَبُولُ (مصنف عبد الرزاق، باب خنثی ذکر ج عاشر ص ۳۰۸ نمبر ۱۹۲۰۴) اس حدیث اور قول صحابی میں ہے کہ جس سے پیشاب کرے وہی شمار کیا جائے گا (۳) دلیل عقلی یہ ہے کہ جس عضو سے پیشاب کرتا ہے وہ اصل ہے اور جس عضو سے پیشاب نہیں کرتا ہے وہ اصل نہیں ہے، اس لئے پیشاب والے عضو کی رعایت کرتے ہوئے وراثت دی جائے گی

ترجمه: (۱۰۷۶) پس اگر پیشاب دونوں سے کرے۔ تو جس عضو سے پہلے پیشاب آتا ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا

ترجمه: لے یہ بھی دوسری علامت ہے کہ یہی اصلی عضو ہے

تشریح: دونوں سوراخوں سے پیشاب آتا ہو تو جس سوراخ سے پہلے پیشاب آئے گا وہی شمار ہوگا۔ مثلا ذکر سے پہلے پیشاب آتا ہو تو لڑکا شمار کیا جائے گا اور فرج سے پہلے پیشاب آتا ہو تو لڑکی شمار کی جائے گی۔ اور اس اعتبار سے وراثت دی جائے گی

وجه: قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ عَنِ الَّذِي يُخْلَقُ خَلْقَ الْمَرْأَةِ وَخَلْقَ الرَّجُلِ كَيْفَ يُوَرَّثُ؟ فَقَالَ: »مِنْ أَيِّهِمَا بَالَ وُرِّثَ، «قَالَ: فَقَالَ ابْنُ الْمُسَيِّبِ: »أَرَأَيْت إِنْ كَانَ يَبُولُ مِنْهُمَا جَمِيعًا؟ « فَقُلْتُ: لَا أَدْرِي، فَقَالَ: انْظُرْ مِنْ أَيِّهِمَا يَخْرُجُ الْبَوْلُ أَسْرَعَ فَعَلَى ذَلِكَ يُوَرَّثُ (مصنف عبد الرزاق، باب خنثی ذکر، ج عاشر ص ۳۰۹، نمبر ۱۹۲۰۵/ سنن للبیهقی، باب میراث الخنثی، ج سادس، ص ۴۲۷، نمبر ۱۲۵۱۶) اس قول صحابی میں ہے کہ جس سراخ سے پیشاب پہلے نکلے وہی شمار کیا جائے گا۔

ترجمه: (۱۰۷۷) اور اگر پیشاب نکلنے میں دونوں برابر ہوں تو کثرت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا امام ابو حنیفہ کے

وَقَالَا يُنسَبُ إِلٰى أَكْثَرِهِمَا بَوْلًا، ۱؎ لِأَنَّهُ عَلَامَةُ قُوَّةِ ذٰلِكَ الْعُضْوِ وَكَوْنِهِ عُضْوًا أَصْلِيًّا، وَلِأَنَّهُ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ فِيْ أُصُوْلِ الشَّرْعِ فَيَتَرَجَّحُ بِالْكَثْرَةِ. ۲؎ وَلَهُ أَنَّ كَثْرَةَ الْخُرُوْجِ لَيْسَ تَدُلُّ عَلَى الْقُوَّةِ، لِأَنَّهُ قَدْ يَكُوْنُ لِلِاتِّسَاعِ فِيْ أَحَدِهِمَا وَضِيْقٍ فِي الْآخَرِ، ۳؎ وَإِنْ كَانَ يَخْرُجُ مِنْهُمَا عَلَى السَّوَاءِ فَهُوَ مُشْكِلٌ بِالْإِتِّفَاقِ، لِأَنَّهُ لَا مُرَجِّحَ.

(۱۰۷۸) قَالَ وَإِذَا بَلَغَ الْخُنثٰى وَخَرَجَتْ لِحْيَتُهُ أَوْ وَصَلَ إِلَى النِّسَاءِ فَهُوَ رَجُلٌ، ۱؎ وَكَذَا إِذَا احْتَلَمَ كَمَا يَحْتَلِمُ الرَّجُلُ أَوْ كَانَ لَهُ ثَدْيٌ مُسْتَوٍ، لِأَنَّ هٰذِهِ مِنْ عَلَامَاتِ الذُّكْرَانِ،

نزدیک۔اور صاحبین نے فرمایا منسوب کیا جائے گا اس کی طرف جس سے زیادہ پیشاب آتا ہو۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ یہ زیادہ نکلنا اس عضو کے مضبوط اور قوی ہونے کی دلیل ہے، اور اس کا اصلی ہونا ہے، اور اس لئے کہ شریعت میں اکثر کا حکم کل کا حکم ہے اس لئے اسی عضو کو ترجیح دی جائے گی

تشریح: ذکر اور فرج دونوں سوراخوں سے بیک وقت پیشاب نکلتا ہے لیکن ایک سوراخ سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے اور دوسرے سے کم نکلتا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک زیادہ اور کم نکلنے سے مذکر یا مؤنث کی ترجیح نہیں دی جائے گی۔

اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ترجیح کا کوئی راستہ نہیں ہے اس لئے پیشاب کے کم اور زیادہ نکلنے کو مذکر اور مؤنث بنانے کی علت قرار دی جائے گی۔یعنی اگر ذکر سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے تو مذکر ہے۔اور فرج سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے تو مؤنث ہے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ ہے کہ زیادہ پیشاب نکلنا اس عضو کے قوی ہونے کی دلیل ہے، اور اصلی ہونے کی دلیل ہے۔(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت میں للاکثر حکم الکل، کہ جس میں اکثر ہو وہ کل کے حکم میں ہے، اس لئے اس سے زیادہ نکل رہا ہے تو گویا کہ سب پیشاب اسی سے نکل رہا ہے اور اسی پر حکم لگا کر وراثت تقسیم کر دی جائے گی

ترجمہ: ۲؎ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ زیادہ پیشاب نکلنا قوی ہونے کی دلیل نہیں ہے اس لئے کبھی سوراخ کے وسیع ہونے کی وجہ سے نکلتا ہے اور دوسرے کے تنگ ہونے کی وجہ سے کم نکلتا ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ۳؎ اور اگر دونوں سے برابر طور پر پیشاب نکلتا ہے تو تو یہ بالاتفاق مشکل ہے اس لئے کہ ترجیح کی کوئی شکل نہیں ہے

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: (۱۰۷۸) اگر خنثی بالغ ہو جائے اور اس کی ڈاڑھی نکل جائے یا وہ عورت سے صحبت کر لے تو وہ مرد ہے۔

ترجمہ: ۱؎ ایسے ہی احتلام ہو جائے جیسے مرد کو احتلام ہوتا ہے، یا اس کو برابر شدہ پستان ہو تو یہ مذکر ہونے کی علامت ہے

اصول: علامتوں پر فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ: داڑھی نکلنا، عورت سے صحبت کر لینا، احتلام ہونا، پستان نہ ہونا یہ سب علامتیں مرد ہونے کی ہیں۔اس لئے وہ مرد شمار ہوگا۔

(١٠٧٩) وَلَوْ ظَهَرَ لَهُ ثَدْيٌ كَثَدْيِ الْمَرْأَةِ أَوْ نَزَلَ لَهُ لَبَنٌ فِيْ ثَدْيِهِ أَوْ حَاضَ أَوْ حَبِلَ أَوْ أَمْكَنَ الْوُصُوْلُ إِلَيْهِ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ امْرَأَةٌ، ١ لِأَنَّ هٰذِهِ مِنْ عَلَامَاتِ النِّسَاءِ، ٢ وَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ إِحْدٰى هٰذِهِ الْعَلَامَاتِ فَهُوَ خُنْثٰى مُشْكِلٌ، وَكَذَا إِذَا تَعَارَضَتْ هٰذِهِ الْمَعَالِمُ.

فَصْلٌ فِيْ أَحْكَامِهِ

١ اَلْأَصْلُ فِي الْخُنْثٰى الْمُشْكِلِ أَنْ يُؤْخَذَ فِيْهِ بِالْأَحْوَطِ وَالْأَوْثَقِ فِيْ أُمُوْرِ الدِّيْنِ وَأَنْ لَا يَحْكُمَ بِثُبُوْتِ حُكْمٍ وَقَعَ الشَّكُّ فِيْ ثُبُوْتِهِ.

(١٠٨٠) قَالَ وَإِذَا وَقَفَ خَلْفَ الْإِمَامِ قَامَ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

ترجمه: (١٠٧٩) پس اگر عورت کی طرح اس کو پستان ظاہر ہوں، یا اس کے پستان سے دودھ اتر آئے، یا حیض آجائے، یا حمل ٹھر جائے، یا فرج کی جانب سے اس سے صحبت ممکن ہو تو وہ عورت ہے۔

ترجمه: ١ اس لئے کہ یہ سب عورت ہونے کی علامت ہے

تشریح: خنثی کو عورت کی طرح پستان ظاہر ہو جائے، یا اس کے پستان سے دودھ آنے لگے، یا حیض آجائے، یا حمل ٹھہر جائے، یا اس کی شرمگاہ کی جانب سے صحبت کرنا ممکن ہو جائے تو اس خنثی کو عورت شمار کریں گے۔

وجه: اس لئے کہ یہ علامتیں عورت کی ہیں۔ اس لئے عورت کے حکم میں ہوگی۔

ترجمه: ٢ پس اگر ان علامتوں میں سے کچھ ظاہر نہ ہوں تو وہ خنثی مشکل ہے۔ اور ایسے ہی اگر یہ سب علامتیں متعارض ہو جائیں (تو بھی یہ خنثی مشکل ہے)

تشریح: مرد یا عورت کی علامتوں میں سے کچھ پتہ نہ چلے تو اب کسی جانب اس کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے اب وہ خنثی مشکل ہے۔

وجه: مرد یا عورت میں سے کسی کی علامت نہ ہو تو اب کیا کرے۔ اس لئے وہ خنثی مشکل ہی قرار دیا جائے گا

فصل فی احکامه

ترجمه: ١ خنثی مشکل کا اصل حکم یہ ہے کہ اس میں احتیاط برتی جائے اور دین کے معاملے میں اوثق پر عمل کیا جائے، اور جن باتوں کے ثبوت میں شک ہو اس میں جلدی حکم نہ لگایا جائے

تشریح: واضح ہے

ترجمه: (١٠٨٠) اور اگر امام کے پیچھے کھڑا ہو تو مرد اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو۔

لے لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ اِمْرَأَةٌ فَلا يَتَخَلَّلُ الرِّجَالَ كَيْ لَا تَفْسُدَ صَلَاتُهُمْ، وَلَا النِّسَاءَ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ رَجُلٌ فَيَفْسُدُ صَلَاتُهُ

(۱۰۸۱) فَإِنْ قَامَ فِي صَفِّ النِّسَاءِ فَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُعِيدَ صَلَاتَهُ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ رَجُلٌ، وَإِنْ قَامَ فِي صَفِّ الرِّجَالِ فَصَلَاتُهُ تَامَّةٌ وَيُعِيدُ الَّذِي عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ وَالَّذِي خَلْفَهُ بِحِذَائِهِ صَلَاتَهُمْ اِحْتِيَاطًا لے لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ اِمْرَأَةٌ.

ترجمه: لے اس احتمال کی وجہ سے کہ وہ عورت ہو تو مرد کے بیچ میں کھڑا نہ ہوتا کہ مرد کی نماز فاسد نہ ہو جائے، اور نہ عورتوں کے بیچ میں کھڑا ہو اس احتمال سے کہ وہ مرد ہے تاکہ اس مرد کی نماز فاسد نہ ہو

تشریح: اگر علامت کی وجہ سے کسی ایک جانب ترجیح دے دی جاتی تب تو اسی کے احکام جاری ہوتے۔ لیکن علامت نہ ہونے کی وجہ سے کسی ایک جانب ترجیح نہ دی جاسکی اس لئے اب عورت اور مرد کے درمیان ہوگا اور اس پر درمیانی احکام جاری ہوں گے۔ اس کی وجہ سے یہ امام کے پیچھے کھڑا ہو تو مردوں کی صف اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہوگا۔

وجہ: کیونکہ یہ نہ مرد ہے اور نہ عورت۔ اگر مرد کے ساتھ کھڑا ہو تو عورت ہونے کی وجہ سے ان کی نماز مکروہ ہوگی۔ اور اگر عورت کے ساتھ کھڑا ہو تو مرد ہونے کی وجہ سے ان کی نماز خراب ہوگی۔ اس لئے دونوں کے درمیان کھڑا ہو۔

ترجمه: (۱۰۸۱) پس اگر خنثی عورت کی صف میں کھڑا ہو جائے تو میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ خنثی اپنی نماز دہرا لے (اس احتمال سے کہ وہ مرد ہے) اور اگر مرد کی صف میں کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز پوری ہوگئی ہے، لیکن جو مرد اس کے دائیں جانب اور بائیں جانب ہیں اور جو اس کے ٹھیک پیچھے ہے احتیاطا وہ اپنی نماز لوٹائیں

ترجمه: لے اس احتمال سے کہ خنثی عورت ہے

اصول: اصل مسئلہ یہ ہے کہ عورت مرد کے صف میں کھڑی ہو جائے تو عورت کی نماز مکروہ ہوتی ہے، لیکن فاسد نہیں ہوتی، لیکن اس کے دائیں، بائیں، اور جو اس کے ٹھیک پیچھے مرد ہیں ان تینوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، ان کو نماز دہرانی چاہئے

تشریح: اوپر کے اصول کی وجہ سے اگر خنثی عورت کے صف میں کھڑا ہو گیا، اور مان لیا جائے کہ یہ مرد ہے تو اس خنثی کی نماز فاسد ہوگئی اس لئے اس کو نماز دہرانی چاہئے، اور عورتوں کی نماز درست ہوگی ہے

اور اگر یہ خنثی مرد کی صف میں کھڑا ہو گیا، اور مان لیا جائے کہ یہ خنثی عورت ہے تو اوپر کے اصول سے خنثی کے دائیں جانب، اور اس کے بائیں جانب، اور اس کے ٹھیک پیچھے جو مرد کھڑے ہیں ان سب کی نماز فاسد ہوگی ہے اس لئے ان کو نماز دہرانی چاہئے

وجہ: (۱) اس قول صحابی میں ہے کہ عورت کو پیچھے کھڑا کرو، اسی سے ثابت کیا گیا ہے کہ عورت مرد کے ساتھ کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہوگی۔ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ، كَانَ إِذَا رَأَى النِّسَاءَ قَالَ: أَخِّرُوهُنَّ حَيْثُ جَعَلَهُنَّ اللَّهُ، وَقَالَ: إِنَّهُنَّ مَعَ بَنِي إِسْرَائِيلَ يَصُفُفْنَ مَعَ الرِّجَالِ، كَانَتِ الْمَرْأَةُ تَلْبَسُ الْقَالِبَ فَتَطَالُ لِخَلِيلِهَا، فَسُلِّطَتْ عَلَيْهِنَّ

(۱۰۸۲) قَالَ وَأَحَبُّ إِلَيْنَا أَنْ يُصَلِّيَ بِقِنَاعٍ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ اِمْرَأَةٌ

(۱۰۸۳) وَيَجْلِسُ فِيْ صَلَاتِهِ جُلُوْسَ الْمَرْأَةِ، لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ رَجُلًا فَقَدْ تَرَكَ سُنَّةً وَهُوَ جَائِزٌ فِي الْجُمْلَةِ، وَإِنْ كَانَ اِمْرَأَةً فَقَدْ اِرْتَكَبَ، مَكْرُوْهًا، لِأَنَّ السَّتْرَ عَلَى النِّسَاءِ وَاجِبٌ مَا أَمْكَنَ،

الْحَيْضَةُ، وَحُرِّمَتْ عَلَيْهِنَّ الْمَسَاجِدُ. وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ إِذَا رَآهُنَّ قَالَ: أَخِّرُوْهُنَّ حَيْثُ جَعَلَهُنَّ اللّٰهُ (صحیح ابن خزیمة، باب ذکر بعض احدث نساء بنی اسرائیل الذی من اجلہ منعھن المساجد، نمبر ۱۷۰۰؍مصنف عبد الرزاق، باب شهود النساء الجماعة، نمبر ۵۱۱۵)(۲) اس حدیث میں عورت کو پیچھے کھڑا کیا ہے ۔عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: »صَلَّيْتُ أَنَا وَيَتِيمٌ، فِي بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأُمِّي أُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا. (بخاری شریف، باب المرأة وحدها تکون صفا، ص ۱۱۸، نمبر ۷۲۷؍ابو داؤد شریف، باب اذا کانوا ثلاثة کیف یقومون، ص ۹۹، نمبر ۶۱۲) اس حدیث میں مرد پہلے ہیں پھر جو بچے ہیں اور اخیر میں عورتیں ہیں ۔(۳) اس حدیث میں ہے کہ عورت اول صف میں کھڑی ہو جائے تو یہ شر ہے، اس کے اشارے سے مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ مرد کی نماز فاسد ہوگی ۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا، وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا، وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا (مسلم شریف، باب تسویة الصفوف واقامتها وفضل الاول الخ، ص ۱۸۶، نمبر ۹۸۵/۴۴۰؍ابو داؤد شریف، باب صف النساء والتأخر عن الصّف الاول، ص ۱۰۶، نمبر ۶۷۸) اس حدیث میں ہے کہ عورت کی صف اخیر میں ہونی چاہئے ۔

ترجمه: (۱۰۸۲) ہمیں زیادہ پسند یہ ہے کہ خنثی اوڑھنی کے ساتھ نماز پڑھے

ترجمه: ١ اس لئے کہ احتمال یہ ہے کہ وہ عورت ہو

وجه: اس قول صحابی میں ہے کہ عورت اوڑھنی کے ساتھ نماز پڑھے ۔عَنْ أُمِّهِ، أَنَّهَا سَأَلَتْ أُمَّ سَلَمَةَ مَاذَا تُصَلِّي فِيهِ الْمَرْأَةُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَتْ: »تُصَلِّي فِي الْخِمَارِ وَالدِّرْعِ السَّابِغِ الَّذِي يُغَيِّبُ ظُهُورَ قَدَمَيْهَا (ابو داود شریف، باب فی کم تصلی المراة، نمبر ۶۳۹)

ترجمه: (۱۰۸۳) اور نماز میں عورت کی طرح بیٹھے

ترجمه: ١ اس لئے کہ اگر مرد مانیں تو سنت چھوڑی، اور وہ کسی نہ کسی طرح جائز ہے، اور اگر عورت مانیں تو مکروہ کا ارتکاب کیا، اس لئے کہ جتنا ہو سکے عورت پر ستر واجب ہے

تشريح: نماز میں عورت کی طرح نہیں بیٹھا تو اگر خنثی کو عورت مان لیں تو اس نے ستر عورت جو واجب ہے وہ چھوڑی جو مکروہ ہے، اس لئے عورت کی طرح ہی بیٹھنا چاہئے ۔ اور اگر مرد مان لیں تو گویا کہ مرد کی طرح بیٹھنا سنت ہے وہ چھوڑا، اور سنت چھوڑنے کی گنجائش کسی نہ کسی درجے میں ہے اس لئے یہ چل جائے گا

(۱۰۸۴) وَإِنۡ صَلّٰى بِغَيۡرِ قِنَاعٍ أَمَرۡتُهُ أَنۡ يُعِيۡدَ ۔ لِاحۡتِمَالِ أَنَّهُ امۡرَأَةٌ، وَهُوَ عَلَى الۡاِسۡتِحۡبَابِ وَإِنۡ لَمۡ يُعِدۡ أَجۡزَأَهُ.

(۱۰۸۵) وَتُبۡتَاعُ لَهُ أَمَةٌ تَخۡتِنُهُ إِنۡ كَانَ لَهُ مَالٌ، لِ لِأَنَّهُ يُبَاحُ لِمَمۡلُوۡكَتِهِ النَّظۡرُ إِلَيۡهِ رَجُلًا كَانَ أَوۡ امۡرَأَةً، وَيُكۡرَهُ أَنۡ يَخۡتِنَهُ رَجُلٌ، لِأَنَّهُ عَسَاهُ أُنۡثىٰ، أَوۡ تَخۡتِنُهُ امۡرَأَةٌ لِأَنَّهُ لَعَلَّهُ رَجُلٌ فَكَانَ الۡاِحۡتِيَاطُ فِيۡمَا قُلۡنَا،

(۱۰۸۶) وَإِنۡ لَمۡ يَكُنۡ لَهُ مَالٌ اِبۡتَاعَ لَهُ الۡإِمَامُ أَمَةً مِنۡ بَيۡتِ الۡمَالِ،(لِأَنَّهُ أُعِدَّ لِنَوَائِبِ الۡمُسۡلِمِيۡنَ) فَإِذَا خَتَنَتۡهُ بَاعَهَا وَرَدَّ ثَمَنَهَا فِيۡ بَيۡتِ الۡمَالِ لِ لِوُقُوۡعِ الۡاِسۡتِغۡنَاءِ عَنۡهَا.

ترجمہ: (۱۰۸۴) اوراگر بغیر اوڑھنی کی نماز پڑھ لی تو میں اس کو حکم دوں گا کہ نماز لوٹا لے

ترجمہ: لِ اس احتمال سے کہ وہ عورت ہو اور یہ استحباب کے طور پر ہے اور اگر نہیں لوٹایا تو نماز کافی ہو جائے گی

تشریح: خنثی کو اوڑھنی اوڑھ کر نماز پڑھنی چاہئے، لیکن اوڑھنی نہیں اوڑھی تو استحبابا نماز لوٹانی چاہئے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عورت ہو، لیکن نہیں لوٹائی تو بھی نماز ہو جائے گی

ترجمہ: (۱۰۸۵) خنثی کے لئے باندی خریدی جائے گی اس کے مال سے جو اس کا ختنہ کرے اگر اس کے پاس مال ہو

ترجمہ: لِ اس لئے کہ باندی کے لئے جائز ہے کہ اس کے ستر کو دیکھے، چاہے مرد ہو یا عورت، اور مکروہ ہے کہ مرد اس کا ختنہ کرے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ عورت ہو (تو اس اجنبی مرد کے لئے اس کا ستر دیکھنا حرام ہے)، یا عورت اس کا ختنہ کرے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ مرد ہو تو احتیاط اس میں ہے جو ہم نے کہا (کہ باندی خریدے جو اس کا ختنہ کرے)

تشریح: خنثی بڑا ہو چکا ہو اور اس کے ختنہ کرنے کی ضرورت ہو تو اس کے ستر کو مرد کے لئے دیکھنا ناجائز ہے کیونکہ وہ عورت ہے۔ اور عورت کے لئے دیکھنا ناجائز ہے کیونکہ وہ مرد ہے۔ اس لئے آخری شکل یہ ہے کہ اگر اس کے پاس مال ہو تو اس سے اس کے لئے باندی خریدے۔ کیونکہ اگر اس کی اپنی باندی ہوگی تو مرد ہو تب بھی اس باندی کے لئے آقا کا ستر دیکھنا جائز ہے، اور اگر عورت ہے تب بھی اس کے ستر دیکھنے میں اتنی کراہیت نہیں ہے

اصول: کوشش کی جائے کہ اس کا ستر کوئی نہ دیکھے۔

ترجمہ: (۱۰۸۶) پس اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کے لئے امام خریدے گا باندی بیت المال سے (اس لئے کہ بیت المال مسلمانوں کی ضرورت کے لئے ہے) پس جب اس کا ختنہ کر چکے تو باندی کو بیچ دے اور اس کی قیمت بیت المال کی طرف واپس کرے۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ اس کی ضرورت نہیں رہی ہے

تشریح: اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو امام بیت المال سے اس کے لئے باندی خریدے اور وہ باندی ختنہ کر دے۔ اور ختنہ کرنے کے بعد باندی بیچ دے اور اس کی قیمت بیت المال میں دوبارہ جمع کروا دے۔ کیونکہ یہ بیت المال کا پیسہ تھا، اور اب

٢ وَيُكْرَهُ لَهُ فِيْ حَيَاتِهِ لُبْسُ الْحُلِيِّ وَالْحَرِيْرِ وَأَنْ يَنْكَشِفَ قُدَّامَ الرِّجَالِ أَوْ قُدَّامَ النِّسَاءِ وَأَنْ يَخْلُوَ بِهِ غَيْرُ مَحْرَمٍ مِنْ رَجُلٍ أَوْ اَمْرَأَةٍ أَوْ يُسَافِرَ مِنْ غَيْرِ مَحْرَمٍ مِنَ الرِّجَالِ تَوَقِّيًا عَنْ اِحْتِمَالِ الْمَحْرَمِ، ٣ وَإِنْ أَحْرَمَ وَقَدْ رَاهَقَ قَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لا عِلْمَ لِيْ فِيْ لِبَاسِهِ، لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ ذَكَرًا يُكْرَهُ لَهُ لُبْسُ الْمَخِيْطِ، وَإِنْ كَانَ أُنْثٰى يُكْرَهُ لَهُ تَرْكُهُ، ٤ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَلْبَسُ لِبَاسَ الْمَرْأَةِ، لِأَنَّ تَرْكَ لُبْسِ الْمَخِيْطِ وَهِيَ اِمْرَأَةٌ أَفْحَشُ مِنْ لُبْسِهِ وَهُوَ رَجُلٌ وَلا شَيْءَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْلُغْ. ٥ وَمَنْ حَلَفَ بِطَلَاقٍ أَوْ اِعْتَاقٍ إِنْ كَانَ أَوَّلُ وَلَدٍ تَلِدِيْنَهُ غُلَامًا فَوَلَدَتْ خُنْثٰى لَمْ يَقَعْ حَتّٰى

اس کی ضرورت نہیں رہی

ترجمہ: ٢ خنثی کے لئے اپنی زندگی میں زیور اور ریشم کا پہننا مکروہ ہے، اور مردوں یا عورتوں کے سامنے ننگا ہونا، اور یہ کہ اس کے ساتھ مرد یا عورت جو غیر محرم ہو خلوت کرے، یا غیر محرم مردوں کے ساتھ سفر کرے حرام کے احتمال سے بچتے ہوئے

تشریح: خنثی مرد بھی ہو سکتا ہے اور عورت بھی اس لئے جہاں تک ہو سکے حرام چیزوں سے پرہیز کرے، مثلا مرد کے لئے زیور اور ریشم پہننا حرام ہے اس لئے یہ نہ پہنے یہ مکروہ ہے، یہ عورتوں کے سامنے بھی ننگا نہ جائے، اور مرد کے سامنے بھی ننگا نہ جائے، اجنبی مرد کے ساتھ خلوت نہ کرے، کیونکہ یہ عورت بھی ہو سکتی ہے، یہ غیر محرم مرد کے ساتھ سفر نہ کرے، تاکہ حرام سے بچنا ہو جائے

ترجمہ: ٣ اور اگر اس نے احرام باندھا حال آنکہ وہ مراہق ہے تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مجھے اس کے لباس کا علم نہیں ہے، اس لئے کہ اگر وہ لڑکا ہے تو اس کے لئے سلا ہوا کپڑا پہننا مکروہ ہے اور اگر وہ عورت ہے تو اس کے لئے اس کا ترک مکروہ ہے

تشریح: احرام کی حالت میں مرد کے لئے سلا ہوا کپڑا پہننا مکروہ ہے، اور عورت کے لئے سلا ہوا کپڑا پہننا ضروری ہے، تو اگر مراہق خنثی نے احرام باندھا تو کیا پہنے، تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے، یعنی کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

ترجمہ: ٤ امام محمدؒ نے فرمایا کہ وہ عورت کا لباس پہنے اس لئے کہ سلے ہوئے کپڑے پہننے کا ترک حال آنکہ عورت ہو اس کے غیر سلے ہوئے کپڑے پہننے سے افحش ہے حال آنکہ وہ مرد ہو اور اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے اس لئے کہ وہ بالغ نہیں ہے۔

تشریح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ خنثی احرام میں عورت کا لباس پہنے، کیونکہ عورت کے لئے سلا ہوا کپڑا چھوڑنا بہت برا، اس کی بنسبت مرد کے لئے سلا ہوا کپڑا پہننا اتنا برا نہیں ہے، اس لئے یہ خنثی سلا ہوا کپڑا پہن لے، اور چونکہ یہ بالغ نہیں ہے اس لئے اگر مرد نکل آیا تو اس پر سلے ہوئے کپڑے کا دم نہیں ہے

ترجمہ: ٥ کسی نے طلاق یا غلام آزاد ہونے کی قسم کھائی اگر اس کی بیوی پہلے لڑکا جنے، اب اس نے خنثی جنا تو جب تک خنثی ہونے کا حتمی پتہ نہ چلے نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ آزادگی، اس لئے کہ شک کی بنا پر حانث نہیں ہوتا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ، یقین ہونے کے بعد حکم لگایا جائے گا، اس سے پہلے نہیں

يَسْتَبِيْنَ أَمْرُ الْخُنْثٰى، لِأَنَّ الْحِنْثَ لا يَثْبُتُ بِالشَّكِّ. ٦ وَلَوْ قَالَ كُلُّ عَبْدٍ لِيْ حُرٌّ أَوْ قَالَ كُلُّ أَمَةٍ لِيْ حُرَّةٌ وَلَهُ مَمْلُوْكٌ خُنْثٰى لَمْ يَعْتِقْ حَتَّى يَسْتَبِيْنَ أَمْرُهُ لِمَا قُلْنَا، ٧ وَإِنْ قَالَ الْقَوْلَيْنِ جَمِيْعًا عَتَقَ لِلتَّيَقُّنِ بِأَحَدِ الْوَصْفَيْنِ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُهْمَلٍ. ٨ وَإِنْ قَالَ الْخُنْثٰى أَنَا رَجُلٌ أَوْ أَنَا امْرَأَةٌ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ إِذَا كَانَ مُشْكِلًا، لِأَنَّهُ دَعْوٰى يُخَالِفُ قَضِيَّةَ الدَّلِيْلِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُشْكِلًا يَنْبَغِيْ أَنْ يُقْبَلَ قَوْلُهُ لِأَنَّهُ

تشریح: کسی نے بیوی سے کہا کہ اگر تو پہلے لڑکا جنے تو تجھ کو طلاق، یا میرا غلام آزاد ہو، اب اس نے خنثی جن دیا تو ابھی نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ غلام آزاد ہوگا، جب تک کہ پکا پتہ نہ چل جائے کہ عورت نے خنثی جنا ہے، کیونکہ ابھی شک ہے کہ کیا ہے، اور شک سے آدمی حانث نہیں ہوتا ہے، پکا پتہ چلنے کے بعد فیصلہ کیا جائے گا

ترجمه: ٦ اگر آقا نے کہا کہ میر ہر غلام آزاد ہے، یا کہا کہ میری ہر باندی آزاد ہے، اور اس کے پاس خنثی ہے تو جب تک معاملہ واضح نہ ہو جائے تب تک یہ خنثی آزاد نہیں ہوگا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا

تشریح: آقا نے کہا میرے تمام غلام آزاد ہیں، یا کہا کہ میری تمام باندیاں آزاد ہیں، اور اس کے پاس خنثی ہے، تو چونکہ ابھی واضح نہیں ہے کہ یہ غلام ہے یا باندی، اس لئے ابھی یہ خنثی آزاد نہیں ہوگا، جب تک کہ پکا پتہ نہ چل جائے کہ یہ غلام میں داخل ہے، یا باندی میں، کیونکہ شک کی بنیاد پر آزادگی نہیں ہوتی ہے

ترجمه: ٧ اور اگر دونوں باتیں ایک ساتھ کہیں (یعنی میرا تمام غلام بھی آزاد ہے اور تمام باندی بھی آزاد ہے) تو خنثی آزاد ہو جائے گا یقین ہونے کی وجہ سے کہ خنثی دونوں (مذکر، یا مونث) میں سے خالی نہیں ہے

تشریح: خنثی مونث ہے یا مذکر، دونوں میں سے ایک تو ضرورت ہے، اور آقا نے دونوں کو آزاد کیا ہے، اس لئے خنثی آزاد ہو جائے گا

ترجمه: ٨ خنثی متعین ہو چکا ہے اس کے بعد اس نے کہا کہ میں مرد ہوں یا عورت ہوں تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی اس لئے کہ یہ دعوی دلیل کے تقاضے کے خلاف ہے، اور اگر ابھی مشکل نہ ہوا تو مناسب ہے کہ اس کی بات قبول کر لی جائے اس لئے کہ وہ اپنے حال کو غیروں سے زیادہ جانتا ہے

تشریح: لوگوں نے دیکھ بھال کر یہ متعین کر دیا کہ یہ خنثی مشکل ہے، مرد یا عورت متعین نہیں کیا جا سکتا ہے، اب خنثی دعوی کرتا ہے کہ میں مرد ہوں یا عورت ہوں تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی، کیونکہ اس کی بات محض دعوی ہے، اور لوگوں نے پہلے سے متعین کر دیا ہے کہ یہ خنثی مشکل ہے۔ لیکن اگر ابھی تک طے نہ کیا ہو کہ یہ خنثی مشکل ہے، اور خنثی کہتا ہے کہ میں عورت ہوں یا مرد ہوں تو اس کی بات مانی جائے گی

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک طے تو نہیں ہے کہ وہ کیا ہے، اور وہ اپنے حال کو زیادہ جانتا ہے کہ وہ کیا ہے اس لئے اس کی

أَعْلَمُ بِحَالِهٖ مِنْ غَيْرِهٖ. ۹ وَإِنْ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَبِيْنَ أَمْرُهُ لَمْ يُغَسِّلْهُ رَجُلٌ وَلَا إِمْرَأَةٌ، لِأَنَّ حَلَّ الْغُسْلِ غَيْرُ ثَابِتٍ بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَيُتَوَقّٰى لِاحْتِمَالِ الْحُرْمَةِ وَيُتَيَمَّمُ بِالصَّعِيْدِ لِتَعَذُّرِ الْغُسْلِ، ۱۰ وَلَا يَحْضُرُ إِنْ كَانَ مُرَاهِقًا غُسْلَ رَجُلٍ وَلَا امْرَأَةٍ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ ذَكَرٌ أَوْ أُنْثٰى، ۱۱ وَإِنْ سُجِّيَ قَبْرُهُ فَهُوَ أَحَبُّ، لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ أُنْثٰى نُقِمْ وَاجِبًا، وَإِنْ كَانَ ذَكَرًا فَالتَّسْجِيَةُ لَا يَضُرُّهُ.

بات مان لی جائے گی، کیونکہ کسی فیصلے کے مخالف نہیں ہے

ترجمہ: ۹ خنثی کے معاملے کے ظاہر ہونے سے پہلے وہ مر گیا، تو اس کو نہ مرد غسل دے اور نہ عورت غسل دے، اس لئے کہ غسل کا حلال ہونا ثابت نہیں ہے مرد اور عورتوں کے درمیان، اس لئے حرمت کے احتمال ہونے کی وجہ سے اس سے بچا جائے گا، اور غسل متعذر رہونے کی وجہ سے مٹی سے تیمّم کرا دیا جائے گا

تشریح: ابھی تک طے نہیں ہوا تھا کہ یہ خنثی مرد ہے یا عورت، اس درمیان اس کا انتقال ہو گیا، تو اس کو نہ مرد غسل دے گا اور نہ عورت غسل دے گی

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کا بھی ستر دیکھنا حرام ہے، البتہ مرد کا مرد اور عورت کا عورت کے لئے ستر دیکھنا اخف ہے، لیکن یہاں تو مشکل ہے، اس لئے دونوں کے لئے ستر دیکھنا حرام ہوگا، اور غسل دینا واجب ہے اس لئے غسل کی جگہ اس کو پاک مٹی سے تیمّم کرا دیا جائے گا اس لئے حرمت سے بچتے ہوئے تیمّم سے غسل کا کام چلایا جائے

ترجمہ: ۱۰ خنثی اگر مراہق ہے تو مرد کے غسل میں بھی حاضر نہ ہو اور عورت کے غسل میں بھی حاضر نہ ہو، اس لئے کہ احتمال ہے کہ وہ مذکر ہو یا مونث ہو

تشریح: زندوں کی طرح میت کا ستر دیکھنا بھی حرام ہے، اس لئے خنثی میت کے غسل کے وقت اس کے ستر کو نہ دیکھے

وجہ: اگر میت مرد ہے اور خنثی عورت ہے تو اس کے ستر کو دیکھنا حرام ہے، اور اگر میت عورت ہے اور خنثی مرد ہے تو اس کے ستر کو دیکھنا حرام ہے، اور چونکہ طے نہیں ہے کہ یہ کیا ہے اس لئے احتیاطا یہ غسل کے وقت حاضر نہ ہو

ترجمہ: ۱۱ اگر خنثی مر چکا ہے اور اس کی قبر کو کپڑے سے ڈھانکے تو زیادہ پسندیدہ ہے، اس لئے کہ اگر یہ خنثی مونث ہے تو ہم نے ایک واجب کو قائم کیا، اور اگر مذکر ہے تو ڈھانپنے سے کوئی نقصان نہیں ہے

تشریح: عورت کی لاش کو قبر میں ڈالتے وقت قبر پر کپڑا ڈال دیتے ہیں تا کہ مردوں کی نظر لاش پر نہ پڑے، اس لئے خنثی کی قبر پر بھی کپڑا ڈال دے، کیونکہ اگر یہ عورت ہے تو ہم نے ایک اچھا کام کیا، اور اگر یہ مرد ہے تو کپڑا ڈالنے سے کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کپڑا ڈال دے تو بہتر ہے۔

لغت: سجی: پوشیدہ کرنا، چھپانا

۱۲ؒ وَإِذَا مَاتَ فَصُلِّيَ عَلَيْهِ وَعَلٰى رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ وُضِعَ الرَّجُلُ مِمَّا يَلِي الْإِمَامَ وَالْخُنْثٰى خَلْفَهُ، وَالْمَرْأَةُ خَلْفَ الْخُنْثٰى فَيُؤَخَّرُ عَنِ الرَّجُلِ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ امْرَأَةٌ وَيُقَدَّمُ عَلَى الْمَرْأَةِ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ رَجُلٌ. ۱۳ؒ وَلَوْ دُفِنَ مَعَ رَجُلٍ فِيْ قَبْرٍ وَاحِدٍ مِنْ عُذْرٍ جُعِلَ الْخُنْثٰى خَلْفَ الرَّجُلِ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ امْرَأَةٌ وَيُجْعَلُ بَيْنَهُمَا حَاجِزٌ مِنْ صَعِيْدٍ، ۱۴ؒ وَإِنْ كَانَ مَعَ امْرَأَةٍ قُدِّمَ الْخُنْثٰى لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ رَجُلٌ ۱۵ؒ وَإِنْ كَانَ يُجْعَلُ عَلَى السَّرِيْرِ نَعْشُ الْمَرْأَةِ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ عَوْرَةٌ، ۱۶ؒ وَيُكَفَّنُ كَمَا تُكَفَّنُ الْجَارِيَةُ وَهُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ يَعْنِيْ يُكَفَّنُ فِيْ خَمْسَةِ أَثْوَابٍ، لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ أُنْثٰى فَقَدْ أُقِيْمَتْ سُنَّةٌ، وَإِنْ كَانَ ذَكَرًا فَقَدْ زَادُوْا

ترجمہ: ۱۲ؒ اگر خنثی مرجائے اور اس پر، اور مرد اور عورت پر نماز پڑھنی ہو، تو مرد کو امام کے متصل رکھا جائے، اور خنثی کو اس کے پیچھے، اور عورت کو خنثی کے پیچھے، پس خنثی کو مرد سے موخر رکھا جائے، اس بات کے احتمال سے کہ یہ عورت ہو، اور عورت پر مقدم کیا جائے اس بات کے احتمال سے کہ یہ مرد ہو

تشریح: خنثی میں مرد اور عورت دونوں ہونے کا احتمال ہے، اس لئے اگر مرد، عورت اور خنثی تینوں کی نماز ایک ساتھ پڑھنی ہے، تو مرد کو امام کے متصل، بالکل اس کے سامنے، اس کے پیچھے خنثی، اور اس خنثی کے بھی پیچھے عورت کو رکھا جائے، کیونکہ خنثی عورت اور مرد کے درمیان کی چیز ہے، اور دونوں احتمال ہے اس لئے مرد اور عورت کے درمیان رکھا جائے گا

ترجمہ: ۱۳ؒ اور اگر عذر کی وجہ سے ایک ہی قبر میں مرد کے ساتھ خنثی کو دفن کرنا پڑے، تو خنثی کو مرد کے پیچھے دفن کرے، اس احتمال سے کہ وہ عورت ہو اور دونوں کے درمیان مٹی کا ڈھیر بنا دے

تشریح: عذر کی بنا پر مرد کو اور خنثی کو ایک ہی قبر میں دفن کرنا پڑے تو پہلے مرد کو رکھے اور اس کے پیچھے خنثی کو رکھے، اور درمیان میں مٹی کا ڈھیر رکھ دے، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ عورت ہو تو اس کو مرد کے پیچھے ہی رکھنا بہتر ہے۔

ترجمہ: ۱۴ؒ اور اگر عورت کے ساتھ خنثی کو دفن کرنا پڑے تو خنثی کو مقدم کرے اس احتمال سے کہ وہ مرد ہو

تشریح: واضح ہے

ترجمہ: ۱۵ؒ اور اگر خنثی کے جنازے پر عورت کی چادر ڈال دی جائے تو مجھے زیادہ پسند ہے، اس احتمال کی وجہ سے کہ وہ عورت ہو

تشریح: یہ احتمال ہے کہ خنثی عورت ہو اس لئے اس کی جو چار پائی ہے اس پر عورت کی چادر ڈال دینا زیادہ بہتر ہے

لغت: سریر: چار پائی۔ نعش: جنازے کی چار پائی، تابوت

ترجمہ: ۱۶ؒ خنثی کو عورت کی طرح کفن دیا جائے یہ مجھے زیادہ پسند ہے، یعنی پانچ کپڑوں میں اس لئے کہ اگر خنثی عورت ہے تو سنت کو قائم کیا اور اگر مرد ہے تو تین کپڑوں پر زیادہ کیا اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے

تشریح: خنثی کو پانچ کپڑوں میں کفن دے، کیونکہ اگر یہ عورت ہے تو سنت کی ادائیگی ہوگئی، اور اگر وہ مرد ہے تو دو کپڑے

عَلَى الثَّلٰثِ، وَلَا بَأْسَ بِذٰلِکَ. ١٧ وَلَوْ مَاتَ أَبُوْهُ وَخَلَّفَ ابْنًا فَالْمَالُ بَيْنَهُمَا عِنْدَ أَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَثْلَاثًا، لِلْابْنِ سَهْمَانِ وَلِلْخُنْثٰى سَهْمٌ وَهُوَ أُنْثٰى عِنْدَهُ فِی الْمِيْرَاثِ إِلَّا أَنْ يَتَبَيَّنَ غَيْرُ ذٰلِکَ، ١٨ وَقَالَا لِلْخُنْثٰى نِصْفُ مِيْرَاثِ ذَكَرٍ وَنِصْفُ مِيْرَاثِ أُنْثٰى وَهُوَ قَوْلُ الشَّعْبِیْ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، ١٩ وَاخْتَلَفُوْا فِیْ قِيَاسِ قَوْلِهٖ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الْمَالُ بَيْنَهُمَا عَلٰى اِثْنٰى عَشَرَ سَهْمًا

زیادہ ہو گئے، اور زیادہ کپڑا دینے میں حرج نہیں ہے

ترجمہ: ١٧ اگر خنثی کے والد کا انتقال ہو جائے اور ایک لڑکا اور ایک خنثی چھوڑے تو مال دونوں کے درمیان امام ابوحنیفہ کے نزدیک تین سہام پر ہوگا۔ لڑکے کے لئے دو سہام اور خنثی کے لئے ایک سہام۔ اور وہ خنثی مؤنث ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک میراث میں مگر یہ کہ اس کے سوا کچھ اور ثابت ہو جائے۔

تشریح: حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک میراث کے سلسلے میں خنثی مؤنث کے حکم میں ہے۔ اس لئے باپ مرا اور ایک لڑکا اور خنثی چھوڑا تو لڑکے کو پورے مال کے دو حصے ملیں گے اور خنثی کو ایک حصہ ملے گا۔ اور مال تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

کلکیو لیٹر کے حساب سے، لڑکے کے لئے دو تہائی یعنی سو میں سے (66.66) اور خنثی کے لئے ایک تہائی یعنی سو میں سے (33.33) ملے گا

وجہ: خنثی عورت ہو یہ کم درجہ ہے اور یقینی ہے اس لئے اسی پر فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ: ١٨ اور صاحبین نے فرمایا خنثی کے لئے مذکر کی میراث کا آدھا اور مؤنث کی میراث کا آدھا ہوگا۔ اور یہی قول ہے شعبی کا۔

تشریح: صاحبین کے نزدیک خنثی کو میراث میں بھی مذکر اور مؤنث کے درمیان رکھیں گے۔ اس لئے مؤنث سے آگے اور مذکر کے حصے سے کم ملے گا۔ اور اس کا حساب اس طرح کیا جائے گا کہ مذکر کو جتنا حصہ ملے گا اس کا آدھا کیا جائے اور مؤنث کو جتنا حصہ ملے گا اس کا آدھا کیا جائے اور دونوں حصوں کو ملا کر خنثی کو دیا جائے۔ جس سے مؤنث سے آگے اور مذکر سے کم ہو جائے گا۔ اور دونوں کے درمیان میں جو حصہ ہوگا وہ مل جائے گا۔

کلکیو لیٹر کے حساب سے اگر خنثی کو لڑکا شمار کریں تو دو لڑکے ہیں اس لئے آدھا یعنی 50 ملے گا، اور لڑکی شمار کریں تو ایک تہائی یعنی سو میں سے 33.33 ملے گا، اور دونوں کا مجموعہ 83.33 ہوا، اب اس کا آدھا کریں تو 41.66 خنثی کو ملے گا، اور باقی 58.34 لڑکے کو ملے گا

ترجمہ: ١٩ اور اختلاف کیا ان کے قول کے قیاس میں پس امام محمدؒ نے فرمایا کہ مال دونوں کے درمیان بارہ حصوں پر تقسیم ہوگا، بیٹے کے لئے سات حصے، اور خنثی کے لئے پانچ حصے ہوں گے، اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مال ان کے درمیان سات

لِلِابْنِ سَبْعَةٌ وَلِلْخُنْثٰى خَمْسَةٌ، وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ الْمَالُ بَيْنَهُمَا عَلٰى سَبْعَةٍ لِلِابْنِ أَرْبَعَةٌ وَ لِلْخُنْثٰى ثَلٰثَةٌ

۲۰ لِأَنَّ الِابْنَ يَسْتَحِقُّ كُلَّ الْمِيْرَاثِ عِنْدَ الِانْفِرَادِ، وَالْخُنْثٰى ثَلَاثَةُ الْأَرْبَاعِ فَعِنْدَ الِاجْتِمَاعِ يُقْسَمُ بَيْنَهُمَا عَلٰى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا هٰذَا يَضْرِبُ بِثَلَاثَةٍ وَذٰلِكَ يَضْرِبُ بِأَرْبَعَةٍ فَيَكُوْنُ سَبْعَةً.

حصوں پر تقسیم ہوگا، بیٹے کے لئے چار اور خنثی کے لئے تین ہوں گے

تشریح: صاحبینؒ کا یہ قول تھا کہ خنثی چونکہ بیٹا اور بیٹی دونوں ہوسکتا ہے اس لئے بیٹے کا بھی آدھا اور بیٹی کا بھی آدھا دیا جائے گا۔

آگے امام محمدؒ کی رائے یہ ہوئی کہ پورے مال کو بارہ حصوں پر تقسیم کریں جن میں سے بیٹے کو سات حصے دے دیں، اور خنثی کو پانچ حصے دے دیں۔

اور امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ پورے مال کو سات حصوں میں تقسیم کریں، اور ان میں سے بیٹے کو چار حصہ دے دیں، اور خنثی کو تین حصے دے دیں۔ آگے دونوں حضرات کی دلیل ہے۔

نوٹ: دونوں طریقوں میں پیسے ملنے میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے

ترجمہ: ۲۰ اس لئے کہ بیٹا تنہا ہو تو اس کو پورا مال دیا جاتا ہے، اور خنثی کو پورے مال کی تین چوتھائی ملے گی، تو دونوں کے جمع کے وقت دونوں کے حق کی مقدار تقسیم کی جائے گی، یہ خنثی تین چوتھائی کے حساب سے لے گا، اور بیٹا چار کے حساب سے، تو کل سات ہو جائیں گے

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے۔ اکیلا بیٹا ہو تو اس کو پورا مال ملتا ہے، اور اکیلا خنثی ہو تو آدھا حصہ لڑکے کا اور آدھا حصہ لڑکی کا مجموعہ تین چوتھائی ہوئی۔ اس اعتبار سے گویا کہ چار حصے لڑکے کو اور تین حصے خنثی کو ملا اور مجموعہ سات حصے ہوئے، یعنی پورے مال کو سات سے تقسیم کیا جائے گا جن میں سے چار حصے لڑکے کو اور تین حصے خنثی کو ملے گا

مسئلہ 7

میت-----------------

لڑکا	خنثی
4	3

اور کلکیولیٹر سے حساب اس طرح ہوگا -- 100 کو 7 سے تقسیم دیں 14.28 ہوا۔ اب 14.28 کو 4 سے ضرب دیں تو 57.14 نکل جائے گا جو بیٹے کا حصہ ہوگا

اور اسی 14.28 سے 3 سے ضرب دیں تو 42.86 نکل جائے گا یہ خنثی کا حصہ ہوگا

۱۲ وَلِمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ الْخُنْثٰى لَوْ كَانَ ذَكَرًا يَكُوْنُ الْمَالُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ وَإِنْ كَانَ أُنْثٰى يَكُوْنُ الْمَالُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا اِحْتَجْنَا إِلٰى حِسَابٍ لَهُ نِصْفٌ وَثُلُثٌ وَأَقَلُّ ذٰلِكَ سِتَّةٌ فَفِيْ حَالِ الْمَالِ يَكُوْنُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ثَلَاثَةٌ، وَفِيْ حَالِ أَثْلَاثًا لِلْخُنْثٰى سَهْمَانِ وَلِلْاِبْنِ أَرْبَعَةٌ سَهْمَانِ لِلْخُنْثٰى ثَابِتَانِ بِيَقِيْنٍ وَوَقَعَ الشَّكُّ فِي السَّهْمِ الزَّائِدِ فَيُنَصَّفُ فَيَكُوْنُ لَهُ سَهْمَانِ وَنِصْفٌ

ترجمہ: ۱۲ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ خنثی اگر مرد ہوتو اس کے اور بیٹے کے درمیان مال آدھا آدھا ہوگا، اور اگر عورت فرض کیا جائے تو مال ان دونوں کے درمیان ایک تہائی اور دو تہائی ہوگا، تو ہم ایسے حساب کی جانب محتاج ہوئے، جس کا نصف اور ثلث ہو، اور اس میں سب سے چھوٹا عدد ۶ ہے، پس ایک حال میں مال ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا، اور ان میں سے ہر ایک کو تین تین ملیں گے، اور دوسرے حال میں تین حصے کر کے خنثی کے لئے دو حصے، اور بیٹے کے لئے چار، تو خنثی کے لئے دو سہم بالیقین ثابت ہیں، اور سہم زائد میں شک واقع ہو گیا تو اس کو آدھا آدھا کر دیا جائے گا، تو خنثی کے لئے دو حصے اور نصف ہوا تو اس میں کسر واقع ہو گئی اس لئے مخرج کو دوگنا کر دیا جائے گا تا کہ کسر ختم ہو جائے، تو حساب بارہ سے ہوگا خنثی کے لئے پانچ اور بیٹے کے لئے سات

تشریح: یہ حساب تھوڑا پیچیدہ ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں بیٹا بھی ہے اور خنثی بھی ہے۔ اس لئے اس کو مرد اور عورت دونوں ماننا پڑے گا۔ اب مرد مانتے ہیں تو اس کو آدھا ملے گا، اور عورت مانتے ہیں تو اس کو ایک تہائی ملے گا۔ اس کے لئے 6 کا عدد لیا۔ اور مرد مان کر دونوں کو آدھا آدھا یعنی 3 تین تین دے دئے۔ اور عورت مان کر بیٹے کو دو تہائی یعنی چار 4 دئے، اور خنثی کو ایک تہائی 2 دئے۔ اب خنثی کو پہلے میں 3 اور دوسری صورت میں 2 ملے، اس کا مجموعہ 5 ہوا۔ لیکن اس کا آدھا کریں گے تو ڈھائی بنے گا۔ اب یہ ڈھائی کسر ہے، اور کسر کا حساب کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے چھ کو دوگنا کر دیں تو بارہ ہوئیں گے، اور اس میں سے خنثی کو پانچ 5 ملیں گے، اور بیٹے کو پہلے ایک مرتبہ 3 اور ایک مرتبہ 4 ملا تھا، اس کا مجموعہ 7 ہوا تھا، اس لئے بیٹے کو بارہ میں سے سات 7 ملے گا

مسئلہ 12

میت-----------------

لڑکا	خنثی
7	5

اور کلکیو لیٹر سے حساب اس طرح ہوگا-- 100 کو 12 سے تقسیم دیں 8.33 ہوا۔ اب 8.33 کو 7 سے ضرب دیں تو 58.34 نکل جائے گا جو بیٹے کا حصہ ہوگا

فَانۡكَسَرَ فَأَضۡعَفَ لِيَزُوۡلَ الۡكَسۡرُ فَصَارَ الۡحِسَابُ مِنۡ اِثۡنَى عَشَرَ لِلۡخُنۡثٰى خَمۡسَةٌ وَلِلۡاِبۡنِ سَبۡعَةٌ.

۲۲ وَلِأَبِیۡ حَنِيۡفَةَ رَحۡمَةُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ أَنَّ الۡحَاجَةَ هٰهُنَا إِلٰى إِثۡبَاتِ الۡمَالِ اِبۡتِدَاءً، وَالۡأَقَلُّ وَهُوَ مِيۡرَاثُ الۡأُنۡثٰى مُتَيَقَّنٌ بِهٖ وَفِيۡمَا زَادَ عَلَيۡهِ شَكٌّ فَأَثۡبَتۡنَا الۡمُتَيَقَّنَ بِهٖ قَصۡرًا عَلَيۡهِ، لِأَنَّ الۡمَالَ لَا يَجِبُ بِالشَّكِّ وَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ الشَّكُّ فِیۡ وُجُوۡبِ الۡمَالِ بِسَبَبٍ اٰخَرَ فَإِنَّهٗ يُؤۡخَذُ فِيۡهِ بِالۡمُتَيَقَّنِ بِهٖ كَذَا هٰذَا.

۲۳ إِلَّا أَنۡ يَكُوۡنَ نَصِيۡبُهُ الۡأَقَلَّ لَوۡ قَدَّرۡنَاهُ ذَكَرًا فَحِيۡنَئِذٍ يُعۡطٰى نَصِيۡبَ الۡاِبۡنِ فِیۡ تِلۡكَ الصُّوۡرَةِ لِكَوۡنِهٖ

اوراسی 8.33 کو 5 سے ضرب دیں تو 41.66 نکل جائے گا یہ خنثی کا حصہ ہوگا

تینوں اماموں کا حساب ایک نظر میں

1	امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک	لڑکے کو 66.66	خنثی کو 33.33
2	صاحبینؒ کے نزدیک	لڑکے کو 58.34	خنثی کو 41.66
3	امام ابو یوسفؒ کے نزدیک	لڑکے کو 57.14	خنثی کو 42.86
4	امام محمدؒ کے نزدیک	لڑکے کو 58.34	خنثی کو 41.66

ترجمہ: ۲۲ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں ابتداء مال ثابت کرنے کی ضرورت ہے اور اقل مقدار جو لڑکی کی میراث ہے وہ متیقن ہے اور اس مقدار سے جو زیادہ ہے اس میں شک ہے، اس لئے ہم نے متیقن کو ثابت کر دیا ہے اقل پر قصر کرتے ہوئے، اس لئے کہ مال شک کی وجہ سے ثابت نہیں ہوتا ہے، اور ایسا ہو گیا جیسے جب کہ کسی دوسرے سبب کی وجہ سے مال میں شک ہو، اس لئے اس میں متیقن پہ کو لیا جاتا ہے ایسے ہی یہاں ہوگا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ خنثی کے لئے زیادہ مال ثابت کریں تو اس میں شک ہے، اور کم ثابت کرنے میں یقین ہے، اس لئے ہم نے خنثی کو لڑکی مان کر کم دے دیا جو یقینی ہے

اس کی ایک مثال دیتے ہیں، کہ کسی اور ذریعہ سے مال ثابت ہو وہاں متیقن ہی کو لیا جاتا ہے، جیسے کوئی کہے کہ میرے اوپر زید کے دراہم ہیں، اب دراہم جمع کا صیغہ ہے، جس سے زیادہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے، لیکن جمع کا کم سے کم درجہ تین ہے، اس لئے تین ہی لازم ہوگا، اسی طرح خنثی میں زیادہ میں شک ہے اس لئے کم سے کم درجہ ہی لازم کر دیا ہے

ترجمہ: ۲۳ لیکن اگر خنثی کو مرد فرض کریں تو اس کا حصہ کم ہو تو اس صورت میں اس کو بیٹے کا حصہ دیں گے کیونکہ وہ متیقن ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ورثہ شوہر ہو، اور ماں ہو اور حقیقی بہن ہو جو خنثی ہو۔ یا بیوی ہو اور دو ماں شریک بھائی ہو، اور ایک حقیقی بہن ہو جو خنثی ہو، تو ہمارے نزدیک پہلی صورت میں شوہر کے لئے آدھا، اور ماں کے لئے ایک تہائی، اور باقی خنثی کے لئے ہوگا

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ خنثی کو کم سے کم والا حصہ دیا جائے گا، کیونکہ یہ متیقن ہے

مُتَیَقَّنًا بِهِ وَهُوَ أَنْ یَکُوْنَ الْوَرَثَةُ زَوْجًا وَأُمًّا وَأُخْتًا لِأَبٍ وَأُمٍّ هِیَ خُنْثٰی، أَوْ اِمْرَأَةً وَأَخَوَیْنِ لِأُمٍّ وَأُخْتًا لِأَبٍ وَأُمٍّ وَهِیَ خُنْثٰی فَعِنْدَنَا فِی الْأَوَّلِ لِلزَّوْجِ النِّصْفُ وَلِلْأُمِّ الثُّلُثُ وَالْبَاقِیْ لِلْخُنْثٰی، ۲۴ وَفِی الثَّانِیَةِ

تشریح: یہاں خنثی کو یقینی والا حصہ دیا جائے گا، اس کے لئے دو مثالیں دے رہے ہیں

۔ا۔پہلی مثال، ورثہ میں ایک شوہر ہے ایک ماں ہے اور ایک حقیقی بہن ہے جو خنثی ہے

چونکہ مرنے والی عورت کی کوئی اولاد نہیں ہے، اس لئے شوہر کو آدھا ملے گا، اور ماں کو ایک تہائی ملے گی اور جو باقی ایک بچے گا وہ عصبہ کے طور پر خنثی کو مل جائے گا، کیونکہ حقیقی بھائی عصبہ ہوتا ہے، لیکن اگر خنثی کو بہن شمار کر لیں تو چونکہ مرنے والے کو اولاد نہیں ہے اس لئے ایک حقیقی بہن کو آدھا مل جائے گا، یعنی 6 میں سے 3 مل جائے گا، اور مسئلہ 6 سے بڑھ کر 8 سے چلے گا جو عول ہوگا۔
تو چونکہ خنثی کو عورت ماننے سے آدھا ملتا ہے، اور مرد ماننے سے کم ملتا ہے اس لئے یہاں خنثی کو مرد مان کر کم دیا جائے گا جو یقینی ہے

پہلا مسئلہ 6

میت-----------------------------------

	شوہر	ماں	حقیقی بہن خنثی بھائی مانا
،	3	2	1
(100 میں سے)	(50)	(33.33)	(16.67)

دوسرا مسئلہ 6 سے عول ہوجائے گا 8 سے

میت-----------------------------------

	شوہر	ماں	حقیقی بہن خنثی بھائی مانا	
،	3	2	3	
(100 میں سے)	(50)	(33.33)	(50)	(مجموعہ 133.33)

ترجمہ: ۲۴ اور دوسری صورت میں بیوی کے لئے چوتھائی ہے، اور دو ماں شریک بھائی کے لئے ایک تہائی، اور باقی خنثی کے لئے ہے اس لیے کہ دونوں صورتوں میں یہ کم حصہ ہے۔

تشریح: اس دوسری صورت میں مرنے والے مرد کو اولاد نہیں ہے، اس لئے بیوی کو چوتھائی ملے گی، یعنی 12 میں سے 3، دو ماں شریک بھائی کو ایک تہائی ملے گی یعنی 12 میں سے 4، اور باقی رہا 5 جو عصبہ کے طور پر حقیقی خنثی بھائی کو مل جائے گا
لیکن اگر خنثی کو بہن مان لیں تو اس کو آدھا ملے گا یعنی 12 میں سے 6 ملے گا، اور مسئلہ 13 سے چلے گا جو عول ہوگا۔ تو چونکہ خنثی کو عورت ماننے سے زیادہ ملتا ہے، اور مرد ماننے سے کم ملتا ہے جو یقینی ہے اس لئے مرد مان کر یقینی والا دیا جائے گا

لِلْمَرْأَةِ الرُّبُعُ وَلِلْأَخَوَيْنِ لِأُمٍّ الثُّلُثُ وَالْبَاقِي لِلْخُنْثٰى، لِأَنَّهُ أَقَلُّ النَّصِيبَيْنِ فِيهِمَا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

مسائل شتّی

(۱۰۸۷) قَالَ وَإِذَا قُرِئَ عَلَى الْأَخْرَسِ كِتَابُ وَصِيَّتِهِ فَقِيلَ لَهُ أَنَشْهَدُ عَلَيْكَ بِمَا فِي هٰذَا الْكِتَابِ

پہلا مسئلہ 12 سے

میت-----------------------------

بیوی	دو ماں شریک بھائی	حقیقی بہن خنثی	بھائی مانا
3	4	5	
(100 میں سے)(25)	(33.33)	(41.67)	

دوسرا مسئلہ 12 سے عول ہوگا 13 چلے گا

میت-----------------------------

بیوی	دو ماں شریک بھائی	حقیقی بہن خنثی	بہن مانا
3	4	6	
(100 میں سے)(25)	(33.33)	(50)	(مجموعہ 108.33)

مسائل شتی

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گونگا ہو تو اس کا معروف اشارہ سے مسئلہ ثابت ہوگا

وجه: اس قول تابعی میں ہے کہ گونگا اشارے سے کہے تو اس سے مسئلہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ وَقَالَ الشَّعْبِيُّ، وَقَتَادَةُ: »إِذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ، فَأَشَارَ بِأَصَابِعِهِ، تَبِينُ مِنْهُ بِإِشَارَتِهِ« وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: »الْأَخْرَسُ إِذَا كَتَبَ الطَّلَاقَ بِيَدِهِ لَزِمَهُ« وَقَالَ حَمَّادٌ: »الْأَخْرَسُ وَالْأَصَمُّ إِنْ قَالَ بِرَأْسِهِ، جَازَ (بخاری شریف، باب اللعان، نمبر ۵۳۰۰)

ترجمہ: (۱۰۸۷) جب کہ گونگے پر اس کا وصیت نامہ پڑھا گیا، پھر اس سے کہا گیا کہ ہم تیرے اوپر اس چیز کا گواہ ہو جائیں جو اس کتاب میں ہے، پس اس نے اپنے سر سے اشارہ کیا یعنی ہاں کہا، یا اس نے تحریر لکھ دی، پس جب اس سے ایسی بات صادر ہو جائے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اقرار ہے تو یہ جائز ہے، اور یہ اس شخص میں جائز نہیں ہے جس کی زبان بند ہوگئی ہو

تشریح: یہاں دو قسم کے لوگ ہیں، ایک ہے گونگا، عام طور پر آدمی بہرہ ہو جو سن نہیں سکتا ہو تو وہ گونگا ہوتا ہے، کیونکہ وہ سن نہیں سکتا ہے، اس لئے وہ زبان سے کوئی لفظ نہیں نکال سکتا ہے، اور اشارے سے اپنی بات سمجھا تا ہے، چونکہ زندگی بھر کے لئے اس کی مجبوری ہے اس لئے اس کے اشارے سے پتہ چل جائے کہ وہ اس پر ہاں کہہ رہا ہے یا نا کہہ رہا ہے تو اس سے مسئلہ ثابت

فَـأَوْمٰـى بِـرَأْسِهٖ أَىْ نَعَمْ أَوْ كَتَبَ فَإِذَا جَاءَ مِنْ ذٰلِكَ مَا يُعْرَفُ أَنَّهٗ إِقْرَارٌ فَهُوَ جَائِزٌ وَلَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ فِي الَّذِىْ يُعْتَقَلُ لِسَانُهٗ، ۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَجُوْزُ فِي الْوَجْهَيْنِ، لِأَنَّ الْمُجَوِّزَ إِنَّمَا هُوَ الْعِجْزُ وَقَدْ شَمِلَ الْفَصْلَيْنِ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْأَصْلِيِّ وَالْعَارِضِىِّ كَالْوَحْشِىِّ وَالْمُتَوَحِّشِ مِنَ الْأَهْلِيِّ فِىْ حَقِّ الزَّكَاةِ. ۲؎ وَالْفَرْقُ لِأَصْحَابِنَا رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ الْإِشَارَةَ إِنَّمَا تُعْتَبَرُ إِذَا صَارَتْ مَعْهُوْدَةً

کر دیا جائے گا، اسی میں ہے کہ موت کے قریب وصیت نامہ لکھا جائے اور اس کو اس کے سامنے پڑھ کر سنایا جائے، اس پر وہ اشارے سے ہاں کہہ دے تو اس کی وصیت سمجھی جائے گی، اور اس کا اقرار سمجھا جائے گا

دوسرا ہے معتقل اللسان، جو پہلے بولتا تھا، لیکن اب بیماری کی وجہ سے اس کی زبان بند ہوگئی ہے۔ تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ زبان بند والے کے اشارے سے وصیت ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ اب موت تک اس کی زبان بند ہوگئی ہو تو چونکہ پوری مجبوری ہوگئی ہے تو اس کے اشارے کو بھی گونگے کی طرح مان لی جائے گی، اور اس کے وصیت کا اعتبار کیا جائے گا

وجہ: وَقَالَ الشَّعْبِيُّ، وَقَتَادَةُ: »إِذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ، فَأَشَارَ بِأَصَابِعِهِ، تَبِينُ مِنْهُ بِإِشَارَتِهِ« وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: »الأَخْرَسُ إِذَا كَتَبَ الطَّلاَقَ بِيَدِهِ لَزِمَهُ« وَقَالَ حَمَّادٌ: »الأَخْرَسُ وَالأَصَمُّ إِنْ قَالَ بِرَأْسِهِ، جَازَ (بخاری شریف، باب اللعان، نمبر ۵۳۰۰) اس قول تابعی میں ہے کہ اخرس کے اشارے سے مسئلہ ثابت ہوگا

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں وصیت جائز ہے، اس لئے کہ جائز کرنے والی چیز وہ عاجزی ہے، اور عاجزی دونوں صورتوں کو شامل ہے، اور اصلی اور عارضی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے جیسے پالتو جانور اور متوحش جانور ہے زکوۃ کے حق میں

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ جس کی زبان بند ہوئی ہے وہ بھی اشارے سے وصیت پر ہاں کہے تب بھی اس کی وصیت جائز ہو جائے گی، جیسے گونگے کی ہوتی ہے۔ اس کی مثال دیتے ہیں کہ وحشی جانور ہو تو اس پر بسم اللہ پڑھ کر تیر ماریں اور وہ مر جائے تو وہ حلال ہو جاتا ہے، حال آنکہ گلے کی چاروں رگیں کاٹ کر ذبح نہیں کیا ہے، اسی طرح کوئی پالتو جانور مثلا گائے متوحش ہو جائے، وہ ہاتھ میں ہی نہیں آتی ہو تو اس کو بھی بسم اللہ پڑھ کر تیر ماریں اور وہ مر جائے تو وہ بھی حلال ہو جاتی ہے، تو یہاں عارضی متوحش کو بھی اصلی کے درجے میں قرار دیا ہے، اسی طرح عارضی گونگے یعنی زبان بند والے کو اصلی گونگے کے درجے میں رکھا جائے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں جگہ بولنے سے عاجزی ہے، اس لئے دونوں وصیت قبول کی جائے گی۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہمارے اصحاب کے لئے فرق کی وجہ یہ ہے کہ اشارہ اس وقت معتبر ہوتا ہے جبکہ وہ معہود اور معلوم ہو، اور یہ گونگے میں ہے نہ کہ اس شخص میں جس کی زبان بند ہوئی ہو، یہاں تک کہ یہ زبان بندی ممتد اور لمبا ہو جائے، اور اس کے لئے

مَعْلُومَةً وَذٰلِکَ فِی الْأَخْرَسِ دُوْنَ الْمُعْتَقَلِ لِسَانُهُ حَتّٰی لَوْ اِمْتَدَّ ذٰلِکَ وَصَارَتْ لَهُ إِشَارَاتٌ مَعْلُوْمَةٌ قَالُوْا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْأَخْرَسِ، ۳ وَلِأَنَّ التَّفْرِيْطَ جَاءَ مِنْ قِبَلِهٖ حَيْثُ أَخَّرَ الْوَصِيَّةَ إِلٰی هٰذَا الْوَقْتِ، أَمَّا الْأَخْرَسُ فَلَا تَفْرِيْطَ مِنْهُ، وَلِأَنَّ الْعَارِضَ عَلٰی شَرَفِ الزَّوَالِ دُوْنَ الْأَصْلِیِّ فَلَا يُتَقَاسَانِ، وَفِی الْاٰبِدَةِ عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ.

اشارات معلوم ہو جائیں تو مشائخ نے فرمایا کہ وہ گونگا کے درجے میں ہے

تشریح: ہمارے مشائخ گونگے کے اشارے کو اس لئے قبول کرتے ہیں کہ بچپنے سے اشارہ کرتے کرتے، اس کے اشارے سے معلوم ہو گیا کہ وہ کس اشارے سے کیا کہنا چاہتا ہے، اس لئے اس کا شارہ کلام کے درجے میں رکھ دیا گیا ہے، اور جس کی زبان ابھی بند ہوئی ہے اس کے اشارے سے یہ پتہ نہیں چلے گا کہ کس اشارے سے کیا کہنا چاہتا ہے، اس لئے اس کے اشارے کو کلام کے درجے میں نہیں رکھ سکتے ہیں

لیکن اگر ایک زمانہ دراز سے کسی کی زبان بند ہوئی ہو اور اس کے اشارے سے لوگ سمجھنے لگے ہوں کہ وہ کس اشارے سے کیا کہنا چاہتا ہے تو اب اس کے اشارے سے بھی وصیت قبول کر لی جائے گی، کیونکہ اس کا اشارہ بھی گونگے کی طرح ہو گیا ہے، کچھ مشائخ نے یہ سہولت دی ہے

لغت: معہودۃ: عہد سے مشتق ہے، متعین ہو۔ معتقل اللسان: عقل سے مشتق ہے بند ہونا۔ امتد: مد سے مشتق ہے، زمانہ دراز ہونا۔

ترجمہ: ۳ دوسری وجہ یہ ہے کہ کوتاہی اس کی جانب سے آئی ہے اس حیثیت سے کہ اس نے اس وقت تک وصیت کو موخر کیا ہے، اور رہا گونگا تو اس کی جانب سے کوئی کوتاہی نہیں ہے، اور اس لئے کہ عارضی تو زوال کے کنارے پر ہے نہ کہ اصلی اس لئے یہ دونوں ایک دوسرے پر قیاس نہیں ہوں گے، اور وحشی کے اندر ہم نے اس کی ذبح کو حدیث سے ثابت کیا ہے

تشریح: یہاں امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے گونگے کے اشارے کو ثابت کرنے اور زبان بند والے کے اشارے کو قبول نہ کرنے کے تین دلائل دئے ہیں۔ ا۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ گونگے کی جانب سے کوئی کوتاہی نہیں وہ تو بچپنے سے معذور ہے، اور زبان بند والے کی کوتاہی ہے کہ اس نے اب تک وصیت نہیں کی، اب زبان بند ہونے کے بعد وصیت کر رہا ہے، اس لئے گونگے کا اشارہ مقبول ہے اور زبان بند والے کا اشارہ مقبول نہیں ہے۔ ۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ زبان بند عارضی ہے ممکن ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائے اور بندش زائل ہو جائے، اس لئے اس کا اشارہ مقبول نہیں ہے، جبکہ گونگا کبھی ٹھیک نہیں ہے اس لئے اس مجبوری کی وجہ سے اس کا اشارہ مقبول ہونا چاہئے۔ ۳۔ تیسری دلیل ہے کہ، یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ وحشی جانور کو تیر مار کر ذبح کرنے سے ذبح ہو جاتا ہے یہ حدیث سے ثابت ہے، اس لئے اس پر عمل کیا جائے گا، اور زبان بند والے کا اشارہ قبول ہو اس کے لئے کوئی حدیث نہیں ہے، اس لئے اس کے اشارے کو قبول نہیں کیا جائے گا، یہ فرق ہو گا

لغت: الآبدہ: وحشی ہونا۔

(۱۰۸۸) قَالَ وَإِذَا كَانَ الْأَخْرَسُ يَكْتُبُ كِتَابًا أَوْ يُوْمِئُ إِيْمَاءً يُعْرَفُ بِهِ فَإِنَّهُ يَجُوْزُ نِكَاحُهُ وَطَلَاقُهُ وَعِتَاقُهُ وَبَيْعُهُ وَشِرَاؤُهُ وَيُقْتَصُّ لَهُ وَمِنْه، وَلَا يُحَدُّ وَلَا يُحَدُّ لَه لِ أَمَّا الْكِتَابَةُ فَلِأَنَّهَا مِمَّنْ نَأَىٰ بِمَنْزِلَةِ الْخِطَابِ مِمَّنْ دَنَا، أَلَا تَرٰى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَدّٰى وَاجِبَ التَّبْلِيْغِ مَرَّةً بِالْعِبَارَةِ وَتَارَةً بِالْكِتَابَةِ إِلَى الْغُيَّبِ، وَالْمُجَوِّزُ فِيْ حَقِّ الْغَائِبِ الْعَجْزُ وَهُوَ فِي الْأَخْرَسِ أَظْهَرُ وَأَلْزَمُ.

ترجمہ: (۱۰۸۸) جبکہ گونگا تحریر لکھتا ہو، یا اشارہ کرتا ہو جس کو پہچان لیا جائے تو اس کا نکاح اس کی طلاق اور اس کا آزاد کرنا اور اس کا خریدنا جائز ہے اور اس کے لئے قصاص لیا جائے اور اس سے قصاص لیا جائے، اور گونگے کو حد نہیں ماری جائے گی، اور نہ گونگے کے لئے حد ماری جائے گی

ترجمہ: لے بہر حال لکھنا پس اس لئے کہ لکھنا اس شخص سے جو کہ دور ہو اس شخص کے خطاب کے درجے میں ہے کہ جو قریب ہو، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فریضہ تبلیغ کو کبھی عبارت سے ادا کیا، اور غائب لوگوں کی جانب تحریر سے، اور غائب کے حق میں جو جائز کرنے والی چیز ہے وہ عاجزی ہے، اور گونگے کے اندر عاجز ہونا زیادہ ظاہر ہے اور زیادہ لازم کرنے والی چیز ہے

تشریح: تین قسم کی چیزیں ہیں۔ ۱۔ ایک ہے معاملات، یہ گونگے کے اشارے سے، اور اس کے لکھنے سے طے ہو جائے گا، کیونکہ عاجزی کے وقت لکھنا اور اشارہ کرنا بولنے کی طرح ہے۔ ۲۔ دوسرا ہے قصاص لینا، یا قصاص دینا، اس میں حقوق العباد کا پہلو غالب ہے، اور یہ بھی معاملات کے درجے میں ہے اس لئے لکھنے سے یا اشارے سے اس کو بھی ثابت کیا جائے گا۔ ۳۔ تیسرا ہے لکھنے سے یا اشارے سے ثابت ہونے پر اس پر حد جاری کرنا، یا اس کے لئے کسی پر حد لگانا۔ یہ نہیں ہوگا، کیونکہ یہ خالص حقوق اللہ ہے، اور یہ شبہ سے بھی ساقط ہو جاتا ہے، اور اشارے میں یا تحریر میں تو شبہ بہت ہے، اس لئے نہ اس پر حد لگائی جائے گی، اور نہ اس کے لئے کسی اور پر حد لگائی جائے گی۔ اس عبارت میں یہ تینوں قسم کی باتیں مذکور ہیں۔

وجہ: (۱) گونگا لکھے، یا اشارہ کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی اس کے لئے یہ قول تابعی ہے۔ وَقَالَ الشَّعْبِيُّ، وَقَتَادَةُ: »إِذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ، فَأَشَارَ بِأَصَابِعِهِ، تَبِينُ مِنْهُ بِإِشَارَتِهِ« وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: »الْأَخْرَسُ إِذَا كَتَبَ الطَّلَاقَ بِيَدِهِ لَزِمَهُ« وَقَالَ حَمَّادٌ: »الْأَخْرَسُ وَالْأَصَمُّ إِنْ قَالَ بِرَأْسِهِ، جَازَ (بخاری شریف، باب اللعان، نمبر ۵۳۰۰) (۲) گونگا لکھے تو طلاق واقع ہو جائے گی اس کے لئے یہ قول تابعی ہے۔ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: »إِذَا كَتَبَ الطَّلَاقَ بِيَدِهِ، وَجَبَ عَلَيْهِ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی الرجل یکتب طلاق امراتہ بیدہ، نمبر ۱۷۹۹۸) (۳) صاحب ھدایہ کی حدیث کہ حضور ﷺ نے دور کے لوگوں کو خطوط لکھے جوبات کرنے کی طرح ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ عَنْ أَنَسٍ: »أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى كِسْرَى، وَإِلَى قَيْصَرَ، وَإِلَى النَّجَاشِيِّ، وَإِلَى كُلِّ جَبَّارٍ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللهِ تَعَالَى«، وَلَيْسَ بِالنَّجَاشِيِّ الَّذِي صَلَّى عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسلم شریف، باب کتب النبی ﷺ الی ملوک کفار، نمبر ۱۷۷۴)

۲؎ ثُمَّ الْكِتَابَةُ عَلٰى ثَلَاثِ مَرَاتِبَ: مُسْتَبِيْنٌ مَرْسُوْمٌ وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ النُّطْقِ فِي الْغَائِبِ وَالْحَاضِرِ عَلٰى مَا قَالُوْا، وَمُسْتَبِيْنٌ غَيْرُ مَرْسُوْمٍ كَالْكِتَابَةِ عَلَى الْجِدَارِ وَأَوْرَاقِ الْأَشْجَارِ وَيُنْوٰى فِيْهِ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ صَرِيْحِ الْكِنَايَةِ فَلَا بُدَّ مِنَ النِّيَةِ، وَغَيْرُ مُسْتَبِيْنٍ كَالْكِتَابَةِ عَلَى الْهَوَاءِ وَالْمَاءِ وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ كَلَامٍ غَيْرِ مَسْمُوْعٍ فَلَا يَثْبُتُ بِهِ الْحُكْمُ. ۳؎ وَأَمَّا الْإِشَارَةُ فَجُعِلَتْ حُجَّةً فِيْ حَقِّ الْأَخْرَسِ فِيْ حَقِّ هٰذِهِ

ترجمہ: ۲؎ پھر کتابت کے تین درجے ہیں۔ا۔مستبین مرسوم۔۔اور یہ بولنے کے درجے میں ہے غائب اور حاضر کے حق میں، اس کی تفصیل کے مطابق جو فقہاء نے بیان فرمائی۔۲۔مستبین غیر مرسوم۔جیسے دیوار پر لکھنا، اور درختوں کے پتے پر لکھنا، اور اس میں نیت دریافت کی جائے گی، اس لئے کہ یہ قسم صریح کنایہ کے درجے میں ہے اس لئے نیت ضروری ہے۔۳۔غیر مستبین۔جیسے ہوا پر لکھنا، اور پانی پر لکھنا، اور غیر مسموع کلام کے درجے میں ہے، اس لئے اس کی وجہ سے حکم ثابت نہیں ہوگا

تشریح: یہاں تحریر کی تین قسمیں بیان کر رہے ہیں

۔ا۔پہلی۔مستبین مرسوم۔لکھی ہوئی تحریر بالکل واضح ہو پڑھی جاتی ہو۔اور کس کی جانب سے یہ تحریر ہے یہ بھی لکھا ہوا ہو، اور کس کے لئے لکھا ہے یہ بھی موجود ہو۔اس کا حکم یہ ہے کہ غائب اور حاضر کے لئے جو کچھ لکھا ہے اس کو نافذ کیا جائے گا، کیونکہ یہ بولنے کی طرح ہے

۔۲۔دوسری۔مستبین غیر مرسوم۔خط تو پڑھا جاتا ہے، لیکن کس کی جانب سے یہ خط ہے، یہ لکھا ہوا نہیں ہے، اور یہ بھی لکھا ہوا نہیں ہے کہ کس کے لئے لکھا ہے، جیسے دیوار پر لکھ دیا ہو۔اس کا حکم یہ ہے کہ لکھنے والے کی نیت پوچھی جائے گی، اگر وہ کہے کہ میں نے طلاق کی نیت سے لکھی ہے تو طلاق واقع ہوگی، اور اگر اس کی نیت نہیں ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۔۳۔تیسری۔غیر مستبین۔تحریر پڑھی نہیں جارہی ہے کہ کیا لکھا ہے، جیسے ہوا پر لکھ دے، پانی پر لکھ دے۔۔اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ پتہ ہی نہیں چل رہا ہے کہ کیا لکھا ہے، اور ایسا سمجھیں کہ بولا ہے لیکن منہ سے آواز نہیں نکلی، منہ کے اندر ہی آواز رہ گئی تو اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جاتا ہے، ویسے اس میں ہوگا۔

لغت: مستبین: بان سے مشتق ہے، واضح ہو، پڑھا جاتا ہو۔مرسوم: رسم سے مشتق ہے، لکھنا، یہاں رسم سے مراد پتہ لکھا ہوا ہونا ہے۔غیر مستبین: جو تحریر واضح نہ ہو۔

ترجمہ: ۳؎ بہر حال اشارہ، پس اس کو گونگے کے حق میں ان احکام کے اندر حجت قرار دیا گیا ہے اس کی ضرورت کی وجہ سے، اس لئے کہ یہ احکام حقوق العباد میں سے ہیں، اور یہ احکام کسی ایک لفظ کے ساتھ خاص نہیں ہیں، اور کبھی یہ احکام بغیر لفظ کے بھی ثابت ہو جاتے ہیں (جیسے بیع تعاطی میں ہوتا ہے) اور قصاص بھی حق العبد ہے (اس لئے قصاص اشارہ سے ثابت ہوگا)

تشریح: دو معاملے، یعنی نکاح وغیرہ میں اور قصاص میں گونگے کے اشارے کو حجت قرار دیا گیا ہے کہ اس کے اشارے

الْأَحْكَامِ لِلْحَاجَةِ إِلٰى ذٰلِکَ، لِأَنَّهَا مِنْ حُقُوقِ الْعِبَادِ وَلَا تَخْتَصُّ بِلَفْظٍ دُوْنَ لَفْظٍ وَقَدْ تَثْبُتُ بِدُوْنِ اللَّفْظِ، وَالْقِصَاصُ حَقُّ الْعَبْدِ أَيْضًا، ۴ وَلَا حَاجَةَ إِلَى الْحُدُوْدِ لِأَنَّهَا حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلِأَنَّهَا تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ، ۵ وَلَعَلَّهُ كَانَ مُصَدِّقًا لِلْقَاذِفِ فَلَا يُحَدُّ لِلشُّبْهَةِ وَلَا يُحَدُّ أَيْضًا بِالْإِشَارَةِ فِي الْقَذْفِ

سے نکاح ہوگا، طلاق واقع ہوگی اور اس سے قصاص بھی ثابت کیا جائے گا، اس کی تین وجہ بیان کرر ہے ہیں

وجــــه: (۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ حقوق العباد ہے، اس کو روزانہ کرنے کی ضرورت ہے اس لئے اشارے سے بھی ثابت کیا جا سکتا ہے، قصاص بھی حقوق العباد ہے، مجرم نے ایک جرم کیا ہے اور قصاص میں اس کا بدلہ ادا کرنا ہے، اس لئے گونگے کے اشارے سے یہ بھی ثابت کیا جائے گا۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ حقوق العباد ثابت کرنے کے لئے بعض مرتبہ الفاظ کی ضرورت نہیں پڑتی ہے بلکہ اشاروں میں معاملہ ہو جاتا ہے، جیسے بیع تعاطی میں ایک آدمی سامان لیتا ہے اور بغیر کچھ بولے اس کی قیمت ادا کر دے اور بائع اس کو رکھ لے تو بیع ہو جاتی ہے، حال آنکہ کوئی بات نہیں ہوئی پھر بھی بیع ہوگئی۔ اسی طرح فضولی نے نکاح کرا دیا اور دلہا کچھ نہیں بولا لیکن دلہن کے ساتھ صحبت کر لی تو نکاح ہو جائے گا حال آنکہ یہاں کوئی لفظ نہیں بولا ہے، اسی طرح گونگے میں نہ بولنے کے باوجود صرف اشارے سے معاملات، اور قصاص ثابت کر دئے جائیں گے

ترجمه: ۴ اور حدود کی جانب کوئی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ حدود اللہ کا حق ہے، اور اس لئے کہ حدود شبہات سے ختم ہو جاتی ہے،

تشريح: گونگے کے اشارے سے حد نہیں لگائی جائے گی، اس کی وجہ بیان کرر ہے ہیں۔ ا۔ پہلی یہ ہے کہ یہ حقوق اللہ ہے اور حقوق اللہ شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں، اب اشارے سے گونگا کیا کہہ رہا ہے پتہ نہیں چل رہا ہے اس لئے شبہ پیدا ہو گیا اس لئے حد نہیں لگائی جائے گی

تــرجــمه: ۵ اور شاید گونگا تہمت لگانے والے کی تصدیق کرنے والا ہو اس لئے شبہ کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی اور اشارے سے زنا کی تہمت لگائی تو حد قذف نہیں لگائی جائے گی اس لئے کہ صراحت کے ساتھ تہمت نہیں لگائی حال آنکہ حد قذف کے لئے صراحت کے ساتھ تہمت لگانا شرط ہے

تشــــريــح: اس عبارت میں یہ بھی بتا رہے ہیں کہ اس کے اشارے سے کسی دوسرے پر حد نہیں لگائی جائے گی، اور دوسری صورت یہ کہ اس نے اشارے سے زنا کی تہمت لگائی تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی

۔ا۔ اس کے زنا کے الزام سے کسی پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ مثلا گونگی عورت اشارے سے کہہ رہی ہے کہ زید نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے، تو اس اشارے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں تصدیق کرتی ہوں کہ جو اس نے مجھ پر زنا کرانے کی تہمت لگائی وہ صحیح ہے میں اس کی تصدیق کرتی ہوں، چونکہ تصدیق والا مطلب نکل سکتا ہے اس لئے اس کی وجہ سے کسی پر زنا کی حد نہیں لگائی جائے گی۔

لِانْعِدَامِ الْقَذْفِ صَرِيْحًا وَهُوَ الشَّرْطُ. ٦ ثُمَّ الْفَرْقُ بَيْنَ الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ أَنَّ الْحَدَّ لا يَثْبُتُ بِبَيَانٍ فِيْهِ شُبْهَةٌ أَلَا تَرٰى لَوْ شَهِدُوْا بِالْوَطِيِ الْحَرَامِ أَوْ أَقَرَّ بِالْوَطِيِ الْحَرَامِ لا يَجِبُ الْحَدُّ، وَلَوْ شَهِدُوْا بِالْقَتْلِ الْمُطْلَقِ أَوْ أَقَرَّ بِمُطْلَقِ الْقَتْلِ يَجِبُ الْقِصَاصُ وَإِنْ لَمْ يُوْجَدْ لَفْظُ التَّعَمُّدِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْقِصَاصَ فِيْهِ مَعْنَى الْعِوَضِيَّةِ، لِأَنَّهُ شُرِعَ جَابِرًا فَجَازَ أَنْ يَثْبُتَ مَعَ الشُّبْهَةِ كَسَائِرِ الْمُعَاوَضَاتِ الَّتِيْ هِيَ حَقُّ الْعَبْدِ، أَمَّا الْحُدُوْدُ الْخَالِصَةُ لِلّٰهِ تَعَالٰى شُرِعَتْ زَوَاجِرَ وَلَيْسَ فِيْهَا مَعْنَى الْعِوَضِيَّةِ فَلا تَثْبُتُ

۔۲۔ گونگے نے کسی پر زنا کی تہمت لگائی تو اس گونگے پر حد نہیں لگائی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ حد قذف جاری کرنے کے لئے شرط ہے کہ صراحت کے ساتھ تہمت لگائی ہو، یہاں صراحت کے ساتھ تہمت نہیں ہے صرف اشارے سے تہمت ہے اس لئے اس گونگے پر حد نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ٦ پھر حدود اور قصاص میں فرق یہ ہے کہ، حدود ایسے بیان سے ثابت نہیں ہوتی جس میں شبہ ہو، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ گواہوں نے حرام وطی کی گواہی دی (اور زنا کا لفظ نہیں بولا) یا حرام وطی کا اقرار کیا تو حد زنا واجب نہیں ہوگی۔ اور اگر مطلق قتل کی گواہی دی (قتل عمد نہیں بولا) یا مطلق قتل کا اقرار کیا تو قصاص واجب ہو جائے گا، اگر چہ لفظ عمد نہیں پایا گیا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قصاص میں بدلہ وصول کرنے کا معنی ہے اس لئے کہ وہ کمی کو پوری کرنے کے لئے مشروع ہوا ہے اس لئے شبہ کے ساتھ بھی ثابت کر دیا جائے گا، جس طرح اور بدلے کے معاملے میں ہوتا ہے، جو حقوق العباد ہیں، اور حد خالص اللہ کا حق ہے اور ڈانٹنے کے لئے مشروع کیا گیا ہے اس میں بدلہ وصول کرنے کا معنی نہیں ہے اس لئے شبہ کے ساتھ ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح: یہاں سے حد اور قصاص میں فرق بیان کر رہے ہیں۔ ۱۔ پہلا فرق یہ ہے کہ قصاص حقوق العباد ہے، اور حقوق العباد شبہ کے ساتھ بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اور حدود حقوق اللہ ہے، اس لئے شبہ کے ساتھ ثابت نہیں ہوگا، اور گونگے کے اشارے میں شبہ ہے، اس لئے گونگے کے اشارے سے حدود ثابت نہیں ہوں گی۔ ۲۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ قصاص میں بدلہ وصول کرنے کا معنی ہے، مجرم نے گویا کہ مقتول کی جان لی ہے تو اس کے بدلے میں قصاص کے طور پر جان دے رہا ہے، یا ہاتھ لیا ہے تو اس کے بدلے میں قصاص کے طور پر ہاتھ دے رہا ہے تو یہ ایک اعتبار سے معاملات کی طرح ہو گیا، اس کو جابر کہتے ہیں، یعنی کمی کو پورا کرنا۔ اور حدود میں بدلہ وصول کرنا نہیں ہے، بلکہ حد قائم کر کے مجرم کو ڈانٹنا ہے تنبیہ کرنا ہے، اس کو زاجر، کہتے ہیں اس لئے یہ شبہ سے ثابت نہیں ہوگا

۔۳۔ اس کی مثال دے رہے ہیں، کہ گواہی دی کہ حرام وطی کی ہے، زنا کا لفظ نہیں بولا، یا مجرم نے اقرار کیا کہ میں نے حرام وطی کی ہے، اور زنا کا لفظ نہیں بولا تو حد لازم نہیں ہوگی، کیونکہ دو جگہ وطی ہوتی ہے لیکن حرام ہوتی ہے، ایک اپنی بیوی حائضہ ہو تو اس

لِعَدَمِ الْحَاجَةِ. ےِ وَذَكَرَ فِيْ كِتَابِ الْإِقْرَارِ أَنَّ الْكِتَابَ مِنَ الْغَائِبِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ فِيْ قِصَاصٍ يَجِبُ عَلَيْهِ، وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ الْجَوَابُ هُنَا كَذٰلِكَ فَيَكُوْنُ فِيْهِمَا رِوَايَتَانِ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ مُفَارِقًا لِذٰلِكَ، لِأَنَّهُ يُمْكِنُ الْوُصُوْلُ إِلٰى نُطْقِ الْغَائِبِ فِي الْجُمْلَةِ لِقِيَامِ أَهْلِيَةِ النُّطْقِ، وَلَا كَذٰلِكَ الْأَخْرَسُ لِتَعَذُّرِ الْوُصُوْلِ إِلَى النُّطْقِ لِلْآفَةِ الْمَانِعَةِ.

وقت اس سے وطی کرنا حرام ہے، دوسرا اپنی مجوسیہ باندی ہو تو اپنی باندی ہونے کے باوجود اس سے وطی کرنا حرام ہے، اس لئے ممکن ہے کہ اس حرام کا اقرار کیا ہو اس لئے اس شبہ کی وجہ سے حد زنا لازم نہیں ہوگی ۔۔اور قصاص کا حال یہ ہے کہ۔ اگر قاتل نے اقرار کیا کہ میں نے قتل کیا ہے، اور عمد کا لفظ نہیں بولا حال آنکہ قتل عمد میں قصاص ہے قتل خطاء میں قصاص نہیں ہے، دیت ہے، اس شبہ کے باوجود قصاص لازم ہو جائے گا۔ حد اور قصاص میں یہ تیسرا فرق ہے

ترجمه: ےِ مبسوط کے کتاب الاقرار میں یہ ہے کہ غائب کی تحریر اس کے قصاص کے بارے میں حجت نہیں ہے، جو غائب کے اوپر واجب ہو، اور احتمال ہے کہ یہاں گونگے کے اندر بھی جواب ایسے ہی ہو (یعنی گونگے کی تحریر سے بھی قصاص ثابت نہیں ہوگا)، اس عبارت کے اعتبار سے گونگے کے مسئلے میں دو روایتیں ہو جائیں گی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ گونگے کا حکم غائب کے حکم سے الگ ہو، اس لئے کہ غائب میں بولنے کی اہلیت ہے اس لئے کسی نہ کسی طرح بولنے تک کی رسائی ہو سکتی ہے (حاضر ہو کر بول دے) اور گونگے میں ایسا نہیں ہے کیونکہ آفت کی وجہ سے بولنے تک کی رسائی نہیں ہو سکتی ہے

تشریح: یہاں سے مبسوط کی عبارت اور جامع صغیر کی عبارت میں فرق بیان کر رہے ہیں ۔۔

جامع صغیر کی عبارت میں یہ تھا کہ غائب تحریر لکھ دے کہ مجھ پر قصاص ہے تو اس سے قصاص واجب ہو جائے گا، اسی طرح گونگا لکھ دے کہ مجھ پر قصاص ہے تو اس کے لکھنے سے بھی قصاص واجب ہو جائے گا۔ لیکن مبسوط کے کتاب الاقرار میں ہے کہ، غائب یہ لکھ دے کہ مجھ پر قصاص ہے تو اس کے لکھنے سے اس پر قصاص واجب نہیں ہوگا ۔۔اب ان دونوں عبارتوں کے دو مطلب ہیں

۔۱۔ ایک مطلب یہ ہے کہ پھر گونگا بھی تحریر لکھ دے کہ مجھ پر قصاص ہے تو اس سے قصاص واجب نہیں ہوگا، جس طرح غائب پر قصاص واجب نہیں ہوا

۔۲۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ مبسوط میں جو ذکر ہے وہ صرف غائب کے بارے میں ہے کہ وہ تحریر لکھ دے تو اس سے قصاص واجب نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حاضر ہو کر بول سکتا ہے، اس کو بولنے کی اہلیت ہے، تو چونکہ وہ کسی نہ کسی طرح بول سکتا ہے اس لئے اس کی تحریر سے قصاص واجب نہیں ہوگا۔ اور گونگے میں کبھی بھی بولنے کی اہلیت نہیں ہوگا، اس لئے وہ لکھ دے کہ مجھ پر قصاص ہے تو اس پر قصاص واجب ہو جائے گا، دونوں میں یہ فرق ہے

لغت: ضرورۃ: مجبوری کے درجے میں، ضروری کے درجے میں ہو

۸ وَدَلَّتِ الْمَسْأَلَةُ عَلٰى أَنَّ الْإِشَارَةَ مُعْتَبَرَةٌ وَإِنْ كَانَ قَادِرًا عَلَى الْكِتَابَةِ، بِخِلَافِ مَا تَوَهَّمَهُ بَعْضُ أَصْحَابِنَا أَنَّهُ لَا تُعْتَبَرُ الْإِشَارَةُ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْكِتَابَةِ لِأَنَّهُ حُجَّةٌ ضَرُورِيَّةٌ وَلَا ضَرُورَةَ، لِأَنَّهُ جَمَعَ هٰهُنَا بَيْنَهُمَا فَقَالَ أَشَارَ أَوْ كَتَبَ وَإِنَّمَا اِسْتَوَيَا، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حُجَّةٌ ضَرُورِيَّةٌ، وَفِي الْكِتَابَةِ زِيَادَةُ بَيَانٍ لَمْ يُوجَدْ فِي الْإِشَارَةِ، وَفِي الْإِشَارَةِ زِيَادَةُ أَمْرٍ لَمْ يُوجَدْ فِي الْكِتَابَةِ لِمَا أَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى النُّطْقِ مِنْ آثَارِ الْأَقْلَامِ فَاسْتَوَيَا.

ترجمه: ۸ اور یہ مسئلہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اشارہ کا اعتبار ہے اگر چہ گونگا تحریر پر قادر ہو، بخلاف بعض حضرات نے یہ وہم کیا ہے کہ لکھنے پر قدرت ہو تو گونگے کے اشارے کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ اشارہ مجبوری کے درجے میں ہے، اور لکھنے پر قدرت ہو تو اشارے کی مجبوری نہیں ہے۔

(اشارہ معتبر کیوں ہے) اس لئے کہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں ان دونوں کو ایک درجے میں رکھا ہے چنانچہ متن میں یوں فرمایا، اشار اور کتب،، اور یہ دونوں برابر ہیں اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک حجت ضروریہ ہے، اور کتابت میں بیان کی کچھ ایسی زیادتی ہے جو اشارے میں نہیں ہے، (اس لئے کہ تحریر قلم کا اثر ہے) اور اشارہ عضو کا اثر ہے اس لئے وہ بولنے کے زیادہ قریب ہے، اس اعتبار سے یہ دونوں برابر ہو گئے

تشریح: متن میں یہ عبارت ہے، اذا کان الاخرس یکتب کتابا او یومی ایماء ، کہ گونگا تحریر لکھ دے یا اشارہ کر دے دونوں سے نکاح، طلاق وغیرہ واقع ہو جائے گا، اور لکھنے اور اشارہ کرنے دونوں کا درجہ ایک ہے، ایسا نہیں ہے کہ گونگا لکھنے پر قادر ہو تو پھر اشارہ کرنے سے کام نہیں چلے گا، لکھنا ہی پڑے گا۔

لیکن بعض حضرات نے یہ وہم کیا ہے کہ گونگا لکھنے پر قدرت رکھتا ہو تو اشارے کا اعتبار نہیں ہے، انہوں نے اشارے کو لکھنے سے کم درجہ رکھا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ لکھنے سے بات زیادہ واضح ہوتی ہے، اور زیادہ سمجھ میں آتی ہے، جو اشارے سے نہیں ہوتا ہے اس لئے اشارے کا درجہ لکھنے سے کم ہے

صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ جامع صغیر میں جو عبارت ہے اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ لکھنے اور اشارہ کرنے کا درجہ ایک ہی ہے، اور دونوں ہی مجبوری کے وقت میں گونگے کے کام کی چیز ہے، بولنے کے بعد دونوں کا درجہ ہے، آگے صاحب ھدایہ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک اعتبار سے تحریر زیادہ بہتر ہے کہ اس سے بات بہت اچھی طرح سے سمجھ میں آتی ہے، لیکن دوسری وجہ سے اشارہ زیادہ بہتر ہے۔ کہ تحریر قلم کے واسطے سے وجود میں آتی ہے، براہ راست گونگے کے عضو کا اثر نہیں ہے، اور اشارہ ہاتھ کا، یا سر کا کام ہے جو براہ راست گونگے کے عضو کا کام ہے، جیسے بات زبان کا کام ہے، تو عضو کے اعتبار سے اشارہ اور بات برابر ہو گئے ، اور اس کا درجہ تحریر سے زیادہ ہو گیا، اس لئے متن میں تحریر اور اشارے دونوں کی حیثیت ایک ہے وہ صحیح ہے،

(۱۰۸۹) وَكَذٰلِكَ الَّذِيْ صَمَتَ يَوْمًا أَوْ يَوْمَيْنِ بِعَارِضٍ ١ لِمَا بَيَّنَّا فِي الْمُعْتَقَلِ لِسَانُهُ أَنَّ الَةَ النُّطْقِ قَائِمَةٌ، وَقِيْلَ هٰذَا تَفْسِيْرٌ لِمُعْتَقَلِ اللِّسَانِ.

(۱۰۹۰) قَالَ وَإِذَا كَانَ الْغَنَمُ مَذْبُوْحَةً وَفِيْهَا مَيْتَةٌ، فَإِنْ كَانَتِ الْمَذْبُوْحَةُ أَكْثَرَ تَحَرّٰى فِيْهَا وَأَكَلَ، وَإِنْ كَانَتِ الْمَيْتَةُ أَكْثَرَ أَوْ كَانَ نِصْفَيْنِ لَمْ يُؤْكَلْ ١ وَهٰذَا إِذَا كَانَتِ الْحَالَةُ حَالَةَ الْإِخْتِيَارِ، أَمَّا فِيْ حَالَةِ الضَّرُوْرَةِ يَحِلُّ لَهُ التَّنَاوُلُ فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ، لِأَنَّ الْمَيْتَةَ الْمُتَيَقَّنَةَ تَحِلُّ لَهُ فِيْ حَالَةِ الضَّرُوْرَةِ

ترجمہ: (۱۰۸۹) اور ایسے ہی وہ شخص جو ایک دن یا دو دن کسی عارض کی وجہ سے خاموش رہا (تو اس کے اشارے سے جائز نہیں ہے)

ترجمہ: ١ اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے زبان بند کے بارے میں بیان کیا ہے، کیونکہ اس کے بولنے کا الہ قائم ہے، اور کہا گیا کہ یہ معتقل اللسان کی تفسیر ہے

تشریح: پہلے یہ بیان کیا تھا کہ جس کی زبان پہلے ٹھیک تھی اور ابھی بند ہوگئی ہو اس کے اشارے کا اعتبار نہیں ہے، ابھی اسی کی تفسیر کر رہے ہیں کہ ایک دو دن جو آدمی خاموش رہا ہو اس کے اشارے کا بھی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس کا جو بولنے کا آلہ زبان ہے وہ موجود ہے

ترجمہ: (۱۰۹۰) اگر ذبح کی ہوئی بکری ہو اور اس میں مردار بکری بھی ہو، تو اگر ذبح کی ہوئی بکری زیادہ ہو تو اس میں تحری کرے اور کھالے، اور اگر مردار بکری زیادہ ہو، یا دونوں آدھے آدھے ہوں تو نہ کھائے

اصول: یہاں اصول یہ ہے کہ ذبح شدہ اور مردار دونوں جانور ہوں تو اور حلال زیادہ ہو تو تحری کر کے کھا سکتا ہے

تشریح: کچھ بکریاں ہیں جن میں مذبوحہ بھی ہیں اور مردار بھی ہیں، لیکن مذبوحہ زیادہ ہیں تو تحری کر کے علامت وغیرہ سے یہ اندازہ ہو جائے کہ یہ مذبوحہ ہے تو اس کو کھالے، لیکن اگر مذبوحہ آدھا آدھا ہو، یا کم ہو تو تحری کر کے بھی نہ کھائے، کیونکہ یہاں للاکثر حکم الکل، کا قاعدہ بھی نہیں چلے گا

ترجمہ: ١ یہ کم اور زیادہ کی تفصیل جب ہے کہ اختیار کی حالت ہو، اور اگر اضطرار کی حالت ہو تو مردار اور حلال دونوں کو کھانا جائز ہے، اس لئے کہ ضرورت کی حالت میں یقینی والا مردار کا کھانا بھی جائز ہے، تو جس میں ذبح کا احتمال ہو وہ بدرجہ اولی جائز ہوگا، یہ اور بات ہے تحری کرے گا، اس لئے کہ تحری ایسا طریقہ ہے جو من جملہ ذبح شدہ تک پہنچا دیتا ہے، اس لئے بغیر ضرورت کے تحری کو نہیں چھوڑے گا

تشریح: یہاں دو باتیں بیان کر رہے ہیں۔ ا۔ پہلی بات یہ ہے کہ اختیار کی حالت میں تحری کر کے دیکھے اور اندازہ ہو جائے کہ یہ مذبوحہ ہو سکتی ہے تو اس کو کھالے، لیکن اضطرار کی حالت ہو کہ آدمی بھوک سے مر رہا ہو اور کھانے کی کوئی چیز نہ ہو تو مذبوحہ

فَالَّتِی تَحْتَمِلُ أَنْ تَکُونَ ذَکِیَّةً أَوْلٰی غَیْرَ أَنَّهُ یَتَحَرّٰی لِأَنَّهُ طَرِیقٌ یُوصِلُهُ إِلَی الذَّکِیَّةِ فِی الْجُمْلَةِ فَلا یَتْرُکُهُ مِنْ غَیْرِ ضَرُورَةٍ. ۲ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ لا یَجُوزُ الْأَکْلُ فِی حَالَةِ الْاِخْتِیَارِ وَإِنْ کَانَتِ الْمَذْبُوحَةُ أَکْثَرَ، لِأَنَّ التَّحَرّیَ دَلِیلٌ ضَرُورِیٌّ فَلا یُصَارُ إِلَیْهِ مِنْ غَیْرِ ضَرُورَةٍ، وَلا ضَرُورَةَ، لِأَنَّ الْحَالَةَ حَالَةُ الْاِخْتِیَارِ، ۳ وَلَنَا أَنَّ الْغَلَبَةَ تَنْزِلُ مَنْزِلَةَ الضَّرُورَةِ فِی إِفَادَةِ الْإِبَاحَةِ، أَلا تَرٰی أَنَّ أَسْوَاقَ الْمُسْلِمِینَ لا تَخْلُو عَنِ الْمُحَرَّمِ وَالْمَسْرُوقِ وَالْمَغْصُوبِ، وَمَعَ ذٰلِکَ یُبَاحُ التَّنَاوُلُ

بکری کم ہو یا زیادہ دونوں صورتوں میں اس کے لئے کھانا جائز ہے،اس صورت میں کم زیادہ کی تفصیل ملحوظ نہیں ہوگی، کیونکہ اس کے لئے مردار کھانا جائز ہو گیا ہے۔۲۔ دوسری بات یہ فرما رہے ہیں کہ اس صورت میں بھی تحری کر کے مذبوحہ کو ہی کھانے کی کوشش کرے، کیونکہ تحری مذبوحہ تک پہنچانے کا ایک راستہ ہے۔لیکن اگر تحری کرنے کا بھی موقع نہ ہو اور شدید اضطرار ہو تو بغیر تحری کے بھی کھا کھا سکتا ہے

ترجمہ: ۲ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اختیار کی حالت میں کھانا جائز نہیں ہے اگر چہ مذبوحہ زیادہ ہوں،اس لئے کہ تحری مجبوری کی دلیل ہے،اس لئے بغیر مجبوری کے اس کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا،اور یہاں کوئی مجبوری نہیں ہے،اس لئے کہ اختیار کی حالت ہے

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اختیار کی حالت ہو تو مذبوحہ زیادہ ہوں تب بھی تحری کر کے کھانا جائز نہیں ہے،صرف اضطرار کی حالت میں تحری کر کے مذبوحہ کو چن کر کھانا جائز ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ تحری کر کے کھانا یہ مجبوری کے وقت ہے،اور اختیار کی حالت میں کوئی مجبوری نہیں ہے،اس لئے تحری کر کے بھی کھانا جائز نہیں ہے

ترجمہ: ۳ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ غلبۃ کو اباحت کے فائدہ دینے میں ضرورت کے درجے میں اتار لیا جاتا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مسلمانوں کے بازار حرام چیز، چوری کی ہوئی چیز اور غصب کی ہوئی چیزوں سے خالی نہیں ہوتے ،اس کے باوجود اس کو لینا جائز ہے غالب پر اعتماد کرتے ہوئے ،اور یہ اس لئے کہ تھوڑی بہت حرمت سے بچنا ممکن نہیں ہے اور اس سے بچنے کی استطاعت نہیں ہے، اس لئے حرج کو دور کرنے کے لئے اس کا اعتبار ساقط ہو گیا، جیسے کم نجاست ہو یا تھوڑا سا ستر کھلا ہوا ہو (تو نماز جائز ہو جاتی ہے)، بخلاف اس صورت کہ جبکہ دونوں آدھی آدھی ہوں، یا مردار غالب ہو (تو جائز نہیں ہے) اس لئے کہ اس میں کوئی ضرورت نہیں ہے، واللہ اعلم والیہ المرجع والماب

اصول: تھوڑی سی حرمت سے بچنا ناممکن ہے اس لئے اس میں تحری کر کے استعمال کرنے کی گنجائش ہوگی

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ غالب اور اکثر چیز ٹھیک ہے تو ضرورت کی وجہ سے اس کو مباح قرار دیا جائے گا،

اِعْتِمَادًا عَلَى الْغَالِبِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْقَلِيْلَ لَا يُمْكِنُ الْاِحْتِرَازُ عَنْهُ وَلَا يُسْتَطَاعُ الْاِمْتِنَاعُ عَنْهُ فَسَقَطَ اِعْتِبَارُهُ دَفْعًا لِلْحَرَجِ كَقَلِيْلِ النَّجَاسَةِ وَقَلِيْلُ الْاِنْكِشَافِ بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَا نِصْفَيْنِ أَوْ كَانَتْ الْمَيْتَةُ أَغْلَبَ لِأَنَّهُ لَا ضَرُوْرَةَ فِيْهِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ، وَإِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ.

کیونکہ اس سے بھی بچنے میں حرج ہے، چنانچہ بازار میں حرام چیزیں ہوتی ہیں، چوری کی چیزیں بھی ہوتی ہیں، اور غصب کی چیزیں بھی ہوتی ہیں اور حلال چیزیں بھی ہوتی ہیں، لیکن غالب چیز حلال ہوتی ہے اس لئے لوگ اس کو لیتے بھی ہیں اور اس کو کھاتے بھی ہیں اس لئے غالب ذبیحہ ہو تو اختیار کی حالت میں بھی اس میں تحری کرے کھانا جائز ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جسم پر تھوڑی سی نجاست لگ جائے، یا کپڑے پر تھوڑی سی نجاست لگ جائے، یا نماز کی حالت میں تھوڑا سا ستر کھل جائے، اور زیادہ ڈھنکا ہوا ہو تو نماز جائز ہو جاتی ہے، اتنی سی معاف ہے، کیونکہ اس سے بھی بچنے میں حرج ہے۔ ہاں زیادہ مردار ہے، یا آدھا مردار ہے تو اس سے بچنا آسان ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے اختیار کی حالت میں اس میں تحری کر کے کھانا جائز نہیں ہے۔، واللہ اعلم والیہ المرجع والماب

تمت بالخير

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين، و الصلوة و السلام على رسوله الكريم و على اله و اصحابه اجمعين الى يوم الدين ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ صَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

آج سے انیس ۱۹ سال پہلے ۲۰۰۳ء میں ھدایہ کی شرح اثمار الھدایہ لکھنی شروع کی، اور اس بات کا التزام کیا کہ ہر ہر مسئلے کے لئے تین تین احادیث آجائیں، اور وہ بھی نہ ملے تو ہر مسئلے کے لئے اس کا اصول لکھ دیا جائے، اور بہت آسان لکھی جائے، تو اس وقت یہ امید نہیں تھی کہ یہ شرح پوری ہوگی، درمیان میں کئی مرتبہ بیمار ہو گیا، خاص طور پر نیند نہ آنے کی بیماری نے پریشان کیا جس کی وجہ سے کئی سال تک لکھنا موقوف کر دیا، میں اس وقت بہت مایوس ہو گیا تھا بعد میں اللہ کی توفیق ہوئی تو آج یہ عظیم شرح پوری ہوئی فللہ الحمد

اس بیماری کے درمیان میرے شاگرد رشید حضرت مولانا مرغوب صاحب لاجپوری دامت برکاتہم میرے گھر پر تشریف لاتے رہے اور کتاب پوری کرنے کی خاص ترغیب دیتے رہے، جس کی وجہ سے بہت ہمت ہوئی، میں ان کا خاص شکریہ ادا کرتا ہوں۔ حضرت اہلیہ محترمہ بھی خاص متوجہ رہیں اور کتاب پوری ہونے کے لئے دعائیں کرتی رہیں، میں آج ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، اللہ تعالی ان دونوں حضرات کو اپنی شایان دونوں جہانوں میں بدلہ عطا فرمائے، اور اس کتاب قبولیت سے نوازے، اور آخرت کے لئے ذریعہ نجات بنائے، آمین یارب العالمین

رَبَّـنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ، وَتُبْ عَلَیْنَا إِنَّکَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ، وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ صَحْبِہٖ أَجْمَعِیْن.

احقر ثمیر الدین قاسمی غفرلہ، مانچیسٹر، انگلینڈ

۲۹ / ۸ / ۲۰۲۲ء مطابق یکم صفر ۱۴۴۴ھ

مؤلف کا پتہ

Maulana Samiruddin Qasmi

70 Stamford Street , Old trafford

Manchester,England -M16 9LL

E samiruddinqasmi@gmail.com

M (00 44) 07459131157

website samiruddinbooks.co.uk